فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۲۶

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۲۶

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی-الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۲۶)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	نومبر ۲۰۲۰ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	**منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند**

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی

طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ
وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾

(سورة النساء:20)

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾

(سورة النساء:4)

عَنْ مَيْمُونِ الْكُرْدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول:
أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِمَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا، خَدَعَهَا، فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا، لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ.

(المعجم الأوسط للطبرانی،من اسمه أحمد،رقم الحديث:١٨٥١)

عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عَمِّهِ،رفعه، قَالَ:
يَا أَيُّهَا النَّاسُ، هَلْ تَدْرُونَ فِي أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وفِي أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِي أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟
قَالُوا: فِي يَوْمٍ حَرَامٍ، وَشَهْرٍ حَرَامٍ، وَبَلَدٍ حَرَامٍ، قَالَ:فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ، ثُمَّ قَالَ: اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ،الخ.

(مسند الإمام أحمد بن حنبل،رقم الحديث:20695)

فہرست عناوین

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۴۴	دس درہم میں نکاح	(۱۱)
۴۵	انچاس دراہم مہر مقرر کرنے کا حکم	(۱۲)
۴۶	بطورِ مہر ۱۰ر تولہ سونے کا مطالبہ کرنا	(۱۳)
۴۶	۱۰۰ر روپیہ مہر پر بھول سے نکاح پڑھایا	(۱۴)
۴۷	مہر میں اضافہ وکمی	(۱۵)
۴۷	بیوی کا اپنے مہر کو کم کر دینا	(۱۶)
۴۸	کیا عاقلہ بالغہ کا مہر امام اپنی مرضی سے تبدیل کر سکتا ہے	(۱۷)
۴۹	اولاد ہونے سے مہر میں کمی تو نہیں ہوتی	(۱۸)
۵۰	وکیل، یا ولی کا مہر میں کمی کرنا	(۱۹)
۵۱	نکاح کے بعد مہر میں کمی	(۲۰)
۵۲	عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا	(۲۱)
۵۲	نابالغہ لڑکی کا ولی مہر کم کر سکتا ہے، یا نہیں	(۲۲)
۵۳	شوہر مفلس ہو تو کیا عدالت مہر کم کر سکتی ہے	(۲۳)
۵۳	انعقاد نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا	(۲۴)
۵۴	ایجاب وقبول کے بعد مہر میں اضافہ	(۲۵)
۵۵	نکاح صحیح میں مہر مسمیٰ سے کم دینا عورت کی رضا پر موقوف ہے	(۲۶)
۵۵	بعد نکاح شوہر نے مہر میں اضافہ کر دیا تو کتنا مہر لازم ہوگا	(۲۷)
۵۶	مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم	(۲۸)
۵۶	نکاح بعد مہر بڑھ سکتا ہے، یا نہیں اور کیا اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے	(۲۹)
۵۷	شوہر بعد نکاح مہر بڑھا دے تو بیوی اس کی بھی مستحق ہوگی	(۳۰)
۵۷	مقرر کردہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے	(۳۱)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نا قابل ہمبستری، خنثی اور مجنون کا مہر

متفرقات مہر کے مسائل

نمبر شمار	عناوین	صفحات

تلک وجہیز وغیرہ کے مسائل

غیر مختون کا نکاح

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡدُ

جہیز ایک غیر مذہبی رسم ہے جو ہمارے ملک کے رگ وریشہ میں سماگئی ہے۔اس کا مذہب سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی قدیم روایات میں سے جو برائیاں ہندوستانی مسلمانوں میں داخل ہوئی ہیں انمیں جہیز بھی ہے۔اس رسم کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دل سے لالچ کو نکالیں اور بیٹی کو جہیز نہیں، وراثت میں حصہ دیں، ایسا کر کے ہی ہم معاشرے سے جہیز کی لعنت کو ختم کر سکتے ہیں اور تبھی یہ لعنت ہمارے سماج سے دور ہوگی۔

درحقیقت جہیز خالص ہندوستانی رسم ہے اور ہندو معاشرے میں تلک کے نام سے مشہور ہے جسے آج ہمارے مسلم معاشرے نے اپنالیا ہے۔اس لعنت نے موجودہ دور میں ایسے پھن پھیلا لئے ہیں کہ غریب گھروں میں پیدا ہونیوالی لڑکیاں شادی سے محروم اپنی چہار دیواری میں بیٹھی رہنے پر مجبور ہیں۔جہیز ایک غلط اور خلاف فطرت رسم ہے۔آج اس رسم نے جو قبیح صورت اختیار کرلی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

عزیزی مفتی محمد اسامہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا کہ فتاویٰ علماء ہند کی چھبیسویں جلد تیار ہوگئی ہے۔اس جلد میں مہر میں کمی وزیادتی کا بیان، مہر کے معافی کے مسائل، اور مجنوں کا مہر۔تلک جہیز وغیرہ کے احکام ومسائل مفصل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔یہ عاجز بندہ اس عظیم مجموعہ کی طباعت ونشر واشاعت کی توفیق پر اپنے کریم مولا کا شکر گزار ہے۔

یہ سنت الٰہی ہیکہ اگلے کام کی توفیق پچھلے کام کی قبولیت سے ملتی ہے۔الحمدللہ سابقہ جلدیں ملک و بیرون ملک کے علمی حلقوں میں خوب مقبول ہورہی ہیں، اور ہر طرف سے اسکی افادیت کے پیش نظر ہمت افزائی کے دعائیہ کلمات اور مفید مشورے موصول ہورہے ہیں۔مجھے بیحد مسرت ہورہی ہے کہ موسوعہ فتاویٰ علماء ہند کی یہ عظیم علمی وفقہی خدمت عزیزم مفتی محمد اسامہ ندوی سلمہ کی نگرانی اور محب ومحترم مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب کی سرپرستی میں علماء کرام ومفتیان عظام کی ایک عظیم جماعت سرانجام دے رہی ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ منظمۃ السلام العالمیہ مالی تعاون فراہم کررہا ہے جس کے نتیجے میں یہ عظیم الشان علمی وفقہی سرمایہ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

درحقیقت اس علمی کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں بندہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اپنے کسی بندے پر اپنے ارادے کا اظہار کر دیتا ہے اس لیے کہ مخلوق سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے وہ خالق کائنات کے ارادے کا ظہور ہے۔دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے اسے شرف قبولیت بخشے اور خصوصا علماء کرام ومفتیان عظام کے لئے اسے نافع بنائے اور بندہ ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

بندہ شمیم احمد (انجینئر) نقشبندی مجددی
ناشر فتاویٰ علماء ہند، خادم منظمۃ السلام العالمیہ
ممبئی الھند
۸/ربیع الآخر ۱۴۴۲ھ

تاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلشن علم فقہ کے پاسبان اور فتاویٰ علماء ہند کے نگراں حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی، دامت برکاتہم رئیس المجالس العالمی للفقہ الاسلامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبّ العلماء پیکر اخلاص واخلاق جناب الحاج محمد اقبال غوری مقیم دبئ کے واسطے سے معلوم ہوا کہ آپ کی ثمرآور نگرانی میں گلشن فقہ فتاویٰ کی چمن بندی وحسن کاری کے حوالہ سے ایک تاریخ ساز علم افروز کتاب، فتاویٰ علماء ہند سبر حسن ومزین ہو کر علمی حلقوں میں قدردانوں کی آنکھوں کا نور اور ضیائے قلب کو تیز سے تیز کر رہی ہے، اور فقہ فتاویٰ کے کام کرنے والوں کے لئے ممتاز علمی سوغات ہے اس مژدہ جانفزا سے ہمیں بھی مسرتوں کا قابل قدر تحفہ ملا، اللہ رب العزت آپ کو اور آپ کے تمام مخلصین شرکاء کار کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے اور ان کی تمام جلدوں کو بعجلت ممکنہ خوب سے خوب تر ظاہری ومعنوی شکل میں پیش کرنے کی سعادت وہمت عطا کرے۔ آمین ثم آمین

دارالافتاء جمعیت القریش بورڈ فتحپور علمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے مخلصانہ استدعا کرتا ہے کہ فتاویٰ علماء ہند کی موجود اور کرنے والی تمام جلدوں کو ''ھدیہ برائے دارالافتاء'' مختص فرما کر ہمیں لذدیاد مسرت اور اکتساب فیض کا روح پرور موقع عطا کریں۔

والاجر عنداللہ

والسلام

کتب خورشید احمد قاسمی خادم شعبہ دارالافتاء جمعیت القریش بورڈ

فتح پور شیخاواٹی، ضلع سیکر راجستھان

۶ رشوال المکرّم ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام ناظم منظمۃ السلام العالمیۃ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے ارباب فقہ وافتاء اور یہاں کے علماء کرام فقہی آراء پورے عالم اسلام میں ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہی ہیں بالخصوص کسی جدید اور اہم مسئلے پر فیصلہ سے پہلے علمائے ہند کے فتاویٰ کی طرف مراجعت لازمی سمجھی جاتی ہے لیکن ان کے فتاویٰ مختلف کتابوں میں منتشر رہنے کی وجہ سے تمام فتاویٰ پر نظر ڈالنا اور ان سے استفادہ ان کے لئے بہت مشکل کام تھا۔ خود ہندوستان میں اپنے اکابر کے فتاویٰ بیک نظر دیکھنے اور ان کی فقہی آراء سے واقف ہونے کے لئے سیکڑوں کتابوں کو جمع کرنے اور ان کو کھنگالنے کی ضرورت پیش آتی تھی جو ہر جگہ اور ہر فرد کے لئے ناممکن ہے جس کے نتیجے میں موجود کتب فتاویٰ پر اکتفا کرنا پڑتا اور اس طرح اکثر اکابر اور علمائے کرام کی رائے سے محرومی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اس پس منظر میں فتاویٰ علمائے ہند کی ترتیب کا کام وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل اور مہتم بالشان کام ہے۔ خاص طور پر علمی حلقوں کے لئے عظیم تحفہ اور قابل قدر ہے خدا کرے یہ جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے اور اس سے استفادہ لوگوں کے لئے آسان ہو جائے۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس کا ایک سیٹ درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں۔

Isra Foundation

7 Cannon Road, Old Bridge

New Jersy 08857

USA

والسلام

مفتی محمد وسیم خان

۳؍ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

مطابق

۲؍جنوری ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام ناظم منظمۃ السلام العالمیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی قدر بعافیت ہوں!

ادارہ منظمۃ السلام العالمیۃ کے تحت ''فتاویٰ علماء ہند'' کی تدوین کا جو کام آپ نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ بآسانی پایۂ تکمیل کو پہونچائے اور آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔ اصحاب فقہ وفتاویٰ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے اہم فتاویٰ کو مدلل طور پر یکجا فرما دیا اور مزید براں اللہ دینی اداروں، دارالافتاء ودار القضاء کو ہدیۃً عنایت فرما رہے ہیں یہ احسان پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے معاونین کو دارین میں اجر عطا فرمائے اور ہم کو قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے ادارے کے حسن انتخاب پر ہم دوبارہ آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جتنی جلدیں تیار ہوسکی ہیں ارسال فرمادیں گے اور بقیہ جیسے جیسے تیار ہوتی رہینگی عنایت فرماتے رہیں گے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء

والسلام

اسعد حسین

مدرس دارالعلوم امدایہ، رائے چوٹی

۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ م ۱۵؍نومبر ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡدُ

مہر بیوی کا شرعی حق ہے، اسے اعتدال کے ساتھ اور حیثیت کے مطابق مقرر کرنا چاہئے، غلو اور اظہار تفاخر کسی طرح درست نہیں ہے، پھر اسے نکاح کے موقع پر ہی یا جتنا جلد ممکن ہو سکے خوش دلی کے ساتھ ادا کر دینا چاہئے، ٹال مٹول اور عدم ادائیگی، بیوی پر ایک طرح سے ظلم وزیادتی ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی طرح عورتوں کا مقام ومرتبہ بلند کرنے اور ان کی شرافت وعزت نیز انسانی عصمت کا احترام ظاہر کرنے ہی کے لئے اسلام نے مردوں پر ضروری قرار دیا کہ وہ عورتوں سے مہر کے عوض نکاح کریں اور اس مہر کو خوش دلی سے ادا کریں۔ نکاح میں مہر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ احادیث میں اس شخص کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو نکاح کے موقع پر رسمی طور پر مہر مقرر تو کرے لیکن دل میں ادائیگی کا ارادہ نہ ہو، رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے جس شخص نے بھی کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں ادائیگی کا ارادہ نہیں تو وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس زانی کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

مالک الملک کے لاکھوں انعامات واحسانات ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں محض اپنے لطف وکرم سے اس نا اہل سراپا جہل ونابلد کو فتاویٰ علمائے ہند کی چھبیسویں جلد کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ فتاویٰ علماء ہند کی اس جلد میں مندرجہ ذیل مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مہر میں کمی وزیادتی کا بیان، مہر کے معافی کے مسائل ناقابل ہمبستری، خنثی، اور مجنوں کا مہر۔ تلک جہیز وغیرہ کے احکام ومسائل نابالغ ونابالغہ کا نکاح غیر مختون کا نکاح۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بیان کردہ تمام احکامات ومسائل دلائل وشواہد کی روشنی میں ناظرین کی خدمت میں پیش ہو سکے۔ چنانچہ فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے، ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس علمی وفقہی مجموعے کو مزید توثیق وتائید کے لئے ملک وبیرون ملک کے مشاہیر مفتیان عظام کی نگاہوں سے گزارنے کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ یہ مجموعہ موثق ہو کر مؤید من اللہ ہو جائے۔

الحمد اللہ، اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم کے یہاں خوب مقبول ہو رہا ہے لیکن بہرصورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہو سکے۔ میں شکرگزار ہوں اپنے علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے بڑے ہی عرق ریزی کے ساتھ اس جلد کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا اسی طرح میں شکرگزار ہوں اپنے دوستوں اور بزرگوں کا جنھوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات و دعائیہ کلمات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دیں، دعا گو ہوں میرے مولیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے نجات کا ذریعہ بنادے۔ آمین

بندہ مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

مشرف فتاویٰ علمائے ہند، رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی

۲۸ ربیع الآخر ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد، وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وسلم تسليمًا كثيرًا أما بعد:

اس وقت جب کہ میں ''فتاویٰ علماء ہند'' کی اس ۲۶/ویں جلد تکمیل سے فارغ ہوا ہوں، میری زبان وقلم بارگاہ رب العالمین سے سربجود ہے کہ اس نے اس کوتاہ علم سے یہ عظیم کام لے لیا، سچ ہے کہ جو بھی کام ہوتا ہے، وہ اللہ کی توفیق ہی سے ہوتا ہے، اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان کوئی بہتر کام نہیں کرسکتا تو اللہ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا شکر ہے۔

''فتاویٰ علماء ہند'' کی یہ ۲۶/ویں جلد آپ کے سامنے ہے، اس جلد میں نکاح مہر سے متعلق مسائل کا احاطہ کوشش کی گئی ہے، اس جلد میں مہر میں کمی زیادتی، مہر کو معاف کردینا، یا کرالینا، وہ لڑکیاں جن سے ہمبستری کرنا ممکن نہ ہو، اسی طرح وہ لڑکے جو جماع پر قادر نہ ہوں؛ یعنی خنثی اور مجنون کے مہر سے متعلق مسائل، تلک وجہیز سے متعلق اسلام کے اصول وضوابط، نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح سے متعلق مسائل، نیز ان لڑکوں کے نکاح سے متعلق مسائل جن کا ختنہ نہیں ہوا ہے، یا نہیں کیا جاسکا ہے کو بیان کیا گیا ہے۔

مہر نکاح کے وقت زوجین کے درمیان طے پانے والے مالی معاوضہ کا نام ہے، جو شوہر اور بیوی کی رضامندی سے، یا اولیا کی رضامندی سے عام طور پر طے کیا جاتا ہے، جس کا ادا کرنا شوہر کے ذمہ واجب ہے، یہ عورت کا حق ہے اور حق سے متعلق اسلام کا یہ اصول ہے کہ صاحب حق اپنا حق کم کرسکتا ہے، چاہے تو معاف بھی کرسکتا ہے، اسی لیے مہر میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ بعد کو زن وشو آپسی رضامندی سے اس رقم میں کمی وبیشی بھی کرسکتے ہیں اور اگر بیوی چاہے تو اپنے اس مطالبہ سے دست بردار بھی ہوسکتی ہیں، اس جلد میں انہیں مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس جلد میں ان مسائل کا ذکر بھی آگیا ہے جو تلک وجہیز جیسی ناپاک رسم سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نکاح کے سلسلہ میں تمام تر ذمہ داریاں شوہر پر عائد کی ہے، اسی کے ذمہ مہر کی ادائیگی ہے، اسی پر ولیمہ کی سنت ہے، تقریب نکاح کے چھوہارا کی تقسیم بھی ایک سنت ہے، جو شوہر سے متعلق ہے، غرض بیوی یا ان کے اولیا پر کوئی مالی ذمہ داری شریعت نے نہیں عائد کی ہے؛ اس لیے لڑکی والوں سے تلک کے نام پر چھوٹی یا بڑی رقم کا مطالبہ، یا جہیز کے نام پر سامانوں کا مطالبہ شوہر کے لیے قطعی حرام ہے، چنانچہ اس جلد میں اس سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس جلد میں ان مسائل کا حاطہ بھی کیا گیا ہے، جو نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح سے متعلق ہے، اسی طرح ان لڑکوں کے نکاح سے متعلق مسائل بھی آگئے ہیں، جن کا ختنہ نہیں کیا جاسکا۔

سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۲۶/ویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کردیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، احقر نے حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکرگزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ

۲۱/ربیع الاولی ۱۴۴۲ھ

مہر میں کمی وزیاتی کا بیان

مہر کتنا ہونا چاہیے:

سوال: مہر حیثیت پر ہونا چاہیے، یا شرعی؟

الجواب

ہر طرح درست ہے؛ یعنی جس قدر چاہے، مہر مقرر کردے، وہ لازم ہوجاتا ہے؛ مگر بہتر یہ ہے کہ بہت زیادہ نہ کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۸)

مہر شرعی کی مقدار کیا ہے:

سوال: مہر شرعی کی مقدار کیا ہے؟

الجواب

دس درہم ہے اور ایک درہم تقریباً ۴/۰ کا ہوتا ہے، پس دس درہم قریب پونے تین روپیہ کے ہوئے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۵/۸)

---

(۱) أقله عشرة دراهم،الخ،ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر. (الدرالمختار)أى بالغا مابلغ. (ردالمحتار،باب المهر: ۲۵۲/۲،ظفير)

(۲) وأقل المهر عشرة دراهم،الخ،ولنا قوله عليه السلام:ولامهر أقل من عشرة. (الهداية،باب المهر: ۳۰۳/۲-۳۰۴)

تخریج زیلعی میں الفاظ یہ لکھتے ہیں:"ولامهر دون عشرة دراهم". (حاشية الهداية أيضا،ظفير)(قَالَ عليه السلام:لَا مَهْـرَ أَقَـلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ،قُلْت: تَقَدَّمَ فِي الْكَفَائَةِ حَدِيثُ مُبَشِّرِ بْنِ عُبَيْدٍ حَدَّثَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عن عطاء، وعمرو بن دِينَـارٍ عَـنْ جَابِـرِ بْـنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُنْكِحُوا النِّسَاءَ إلَّا الْأَكْفَاءَ، وَلَا يُزَوِّجُهُنَّ إلَّا الْأَوْلِيَاءُ، وَلَا مَهْـرَ دُونَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ،انْتَهَى،وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، تَقَدَّمَ الْكَلَامُ عَلَيْهِ،الْآثَارُ: أَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ دَاوُد الْأَوْدِيِّ عَـنْ الشَّـعْبِيِّ عَـنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَا تُقْطَعُ الْيَدُ فِي أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ، وَلَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ، انْتَهَـى، قَـالَ ابْـنُ الْجَوْزِيِّ فِي التَّحْقِيقِ: قَالَ ابْنُ حِبَّانَ: دَاوُد الْأَوْدِيُّ ضَعِيفٌ، كَانَ يَقُولُ بِالرَّجْعَةِ، ثُمَّ إنَّ الشَّعْبِيَّ لَمْ يَسْمَعْ مِـنْ عَلِـيٍّ، انْتَهَـى، وَأَخْـرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ أَيْضًا فِي الْحُدُودِ عَنْ جُوَيْبِرٍ عَنْ الضَّحَّاكِ عَنْ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ، فَذَكَرَهُ، وَجُـوَيْبِرٌ أَيْضًا ضَعِيفٌ، وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ عَنْ الضَّحَّاكِ بِسَنَدِهِ، وَفِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ أَبُو جَعْفَرٍ، قَالَ الذَّهَبِيُّ: لَا يَكَادُ يُعْرَفُ،انتهى كلامه. (نصب الراية،باب المهر: ۱۹۹/۳،مؤسسة الريان بيروت،انيس)

ایک درہم ۱۳۳۶ھ میں ۴/۰ کا ہوتا تھا، اب ہمارے اس زمانہ ۱۳۸۷ھ میں چاندی کافی گراں ہے، پونے چھ روپے تولہ سے کم نہیں ملتی اور دس درہم چاندی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ ہوتی ہے، اس حساب سے اس کی قیمت ساڑھے چودہ روپے کے قریب ہوتی ہے، چاندی کی قیمت کے حساب سے دس درہم کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہے گی۔ واللہ اعلم

مہر کی ادنی مقدار:

سوال: کم از کم مہر کی مقدار کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مہر کی مقدار کم از کم دس درہم چاندی ہے، جو موجودہ زمانہ ساڑھے تین تولہ چاندی، یا اس کی قیمت کے برابر ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۲/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۲) ☆

مہر کم اور زیادہ مقدار کیا ہے:

سوال: مہر شرع محمدی کی مقدار کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

شریعت محمدیہ علی صاحب الصلوٰۃ والتحیۃ میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہیں، جو قریب تین پونے تین روپے کے ہوتے ہیں اور زیادہ کی کچھ حد نہیں ہے۔ (ھکذا فی کتب الفقه)(۲)

(یہ واضح رہے کہ دس درہم کا صحیح وزن ساڑھے اکتیس ماشے چاندی ہے، لہذا چاندی کے بھاؤ کے حساب سے دس درہم کی قیمت متعین کی جائے گی۔ مفتی علامؒ نے تین پونے روپے دس درہم کی قیمت ۱۳۳۴ھ میں لکھا ہے، اس وقت چاندی سستی تھی،

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، باب: المهر اقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن كراتشی)

☆ **مہر کی کم از کم مقدار:**

سوال: شریعت مقدسہ میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، جس کی وزنی مقدار تقریبا ۵۳/گرام چاندی ہے، یا اس کی قیمت رائج الوقت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الهندية: أقل المهر عشرة دراهم مضروبة أوغير مضروبة حتٰی يجوز وإن عشرة تبرًا وإن كانت قيمته أقل. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۰۲، الفصل الاول فی بيان أدنی مقدار المهر)

قال العلامة ابوبكر الكاسانی: وأما بيان أدنی المقدار الذی يصلح مهرًا فادناه عشرة دراهم أوما قيمته عشرة دراهم. (بدائع الصنائع: ۳/۲۷۵، فصل وأما بيان أدنی المقدار) (فتاوی حقانیہ: ۴/۳۵۶)

(۲) أقله (أی المهر) عشرة دراهم، الخ، وتجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر عنها إن سمی الأكثر. (الدرالمختار) يجب الأكثر أی بالغا مابلغ. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۵۲، ظفير)

اس وقت ۱۳۹۱ھ میں چاندی کا بھاؤ تقریباً سات روپے تولہ ہے، اس حساب سے دس درہم کی قیمت ہمارے زمانہ میں اٹھارہ سوا اٹھارہ روپے ہوگی؛ اس لیے سوا اٹھارہ روپے سے کم مہر نہیں ہوسکتا ہے اور جس طرح قیمت بڑھے گی، روپے کی مقدار بھی زیادہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۸/۸)

مہر کی کم اور زیادہ مقدار:

سوال: ہمارے یہاں یہ بات شریعت کے عین مطابق سمجھی جارہی ہے کہ لڑکی کا مہر ۱۱، ۲۵، ۱۲۵/روپیہ باندھا جائے، زیادہ باندھنے والے کو شریعت کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات درست ہے، نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، (۱) جو کہ تین تولہ کے قریب چاندی ہے، جو چیز بھی اس قیمت کی ہو، غلہ، کپڑا وغیرہ اس کو مہر میں مقرر کرنا درست ہے۔ (۲) مہر کی مقدار زیادہ زیادہ بھی درست ہے، اس کے لیے کوئی حد متعین نہیں کی گئی ہے؛ لیکن فخر کے طور پر بہت زیادہ مہر مقرر کرنا ناپسندیدہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے، (۳) جو لوگ زیادہ مہر مقرر کرلیتے ہیں اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ مہر دینا نہیں ہے تو حدیث پاک میں ان کے متعلق بہت سخت الفاظ آئے ہیں، (۴) لہٰذا مہر نہ تو اتنا زیادہ ہو، جس کے ادا کرنے کی وسعت ہی نہ ہو، کوشش کرتا کرتا آدمی

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ”ولا مهر أقل من عشرة“. (إعلاء السنن، باب لامهر أقل من عشرة: ۱۰۱/۱۱، سعید)

(۲) المهر إنما يصح بكل ما هو مال متقوم“. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع فی المهر، الفصل الأول: ۳۰۲/۱، رشيدية)

(۳) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال: ألا! لاتغالوا فی صدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتی عشرة أوقية“، هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء فی مهور النساء: ۲۱۱/۱، سعيد)

(۴) أيما رجل تزوج امرأة، فتوى أن لايعطيها من صداقها، مات يوم يموت وهو زان“. (فيض القدير: ۴۳۷۳/۵، رقم الحديث: ۲۹۵۲، مكتبه نزار مصطفى البازمكة المكرمة)

عَنْ مَيْمُونِ الْكُرْدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّةً وَلَا مَرَّتَيْنِ وَلَا ثَلَاثَةً حَتَّى بَلَغَ عَشْرَ مِرَارٍ: أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِمَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا، خَدَعَهَا، فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ. (المعجم الأوسط للطبرانی، من اسمه أحمد، رقم الحديث: ۱۸۵۱، انيس)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْفَسَوِيُّ، ثنا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ صَيْفِيِّ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ، وَعَمِّهِ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ صَيْفِيِّ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًا، وَهُوَ مُجْمِعٌ أَنْ لَا يُوفِيَهَا إِيَّاهُ، لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ زَانٍ وَمَنِ ادَّانَ دَيْنًا، وَهُوَ مُجْمِعٌ أَنْ لَا يُوَفِّيَهُ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ سَارِقٌ. (المعجم الكبير للطبرانی، صيفی بن صهيب عن صهيب، رقم الحديث: ۷۳۰۱، انيس)

تھک جائے اور مہر نہ تو اتنا زیادہ کم ہو کہ جب بھی کوئی بات خلاف طبع ہوئی طلاق دے کر مہر ہاتھ پر رکھ دیا؛ بلکہ اتنا ہونا چاہیے کہ اس کی ادائیگی کا شوہر پر دباؤ بھی پڑے، خاندانوں اور برادری کے اعتبار سے سب کا حال یکساں نہیں، مختلف برادریوں میں مہر مثل الگ الگ ہے، ہر ایک کے لیے اور ہر ہر خاندان کے لیے ایک ہی مقدار کو مہر مثل تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲/۱۲-۳۳) ☆

مہر اور جنازے سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ:

سوال: مفتی صاحب! آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنی ہیں۔

(۱) مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہے، اسے فقہاء قیاس کرتے ہیں سرقہ میں ہاتھ کاٹے جانے کی مقدار دس دراہم پر اور جب سرقہ کا باب آتا ہے تو وہاں سرقہ کے دس دراہم پر ہاتھ کاٹے جانے کو مہر کی اقل مقدار دس دراہم پر قیاس کرلیا جاتا ہے۔ یہ تو مقیس پر قیاس ہے، جو کہ بعید از اصول وعقل ہے۔ کیا مسئلہ اسی طرح ہے، یا کوئی متفقہ نص اور اجماع ہے؟ کیوں کہ ایک مقیس کو مقیس علیہ بنا دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح قنوت میں ہاتھ باندھنا (کیوں کہ ذکر مسنون طویل ہے، لہٰذا ہاتھ باندھے جائیں گے) اسے نماز جنازہ میں ذکر مسنون طویل میں ہاتھ باندھنے پر قیاس کیا جاتا ہے اور جنائز کے باب میں جنازے کی نماز کو قنوت پر قیاس کرلیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ ان دونوں مسئلوں کی وضاحت فرمادیں۔

☆ اقل مہر اور اکثر مہر کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مہر کی کم سے کم مقدار وزیادہ سے زیادہ مقدار کتنی ہے؟ شرعاً مفصل طور پر روشناس فرمائیں؟

(المستفتی: محمد افضال، اڑپورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

اسلامی شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور شریعت میں مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی تعیین نہیں، ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق جو تعیین کرلے گا، وہی اس کے اوپر لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۲۹)

عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاصداق دون عشرة دراهم. (سنن الدارقطني، النكاح: ۱۳۷/۳، رقم: ۳۵۶۰)

أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم... ويجب الأكثر أي بالغاً ما بلغ منها إن سمىٰ الأكثر. (الدر المختار مع الشامي، باب المهر، كراتشي: ۱۰۱/۳-۱۰۲، زكريا: ۲۳۰/۴-۲۳۳، الهداية، اشرفي ديوبند: ۳۲۴/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۸۷۰/۳۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۴۹/۱۳، ۶۵۰)

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

واضح رہے کہ احناف کثر اللہ سوادھم کا تمام مسائل میں سب سے پہلا مرجع قرآن کریم، پھر سنت، پھر اجماع امت ہے، جب کوئی مسئلہ قرآن، سنت اور اجماع میں مذکور نہیں ہوتا تو پھر غیر منصوصہ مسئلہ کو منصوصہ مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے، نیز جو مسائل قرآن، یا سنت یا اجماع امت میں مذکور ہوں ہیں، ان میں قیاس کو صرف بطور تائید وتقویت کے پیش کیا جاتا ہے، مذکورہ مسئلہ کا مبنی اسقیاس پر نہیں ہوتا۔ سوال نمبر ایک کے پہلے مسئلہ (مسئلہ مہر) کا تعلق بھی دوسری قسم سے ہے (یعنی مسئلہ میں نص موجود ہے لیکن قیاس کو بطورِ تقویت کے ذکر کر دیا جاتا ہے)۔

پہلے مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہیں۔ یہ مذہب بعینہ ایک حدیث سے نہیں؛ بلکہ کئی احادیث سے ثابت ہے، چناں چہ سنن کبریٰ (۱۱/۱۰) میں مذکور ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولا مهر دون عشرة دراهم. (دس دراہم سے کم مہر نہیں)

اس کے بعد اسی مضمون کی مزید پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ سنن دارقطنی (۱۷۳/۴) میں بھی اس مضمون سے متعلق چھ احادیث منقول ہیں۔ مصنف عبدالرزّاق (۱۷۹/۶) میں بھی یہ مضمون مختلف روایات سے ثابت کیا گیا ہے، چناں چہ مذکورہ مسئلہ کو سرقہ پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے، سو وہ بھی ایک نہیں کئی احادیث سے ثابت ہے، چناں چہ کتاب ''المصنف لابن ابی شیبہ'' (۴۷۳/۵) میں ہے:''لا تقطع فی أقل من عشر ة دراهم'' کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اس عنوان کے تحت سات احادیث مذکور ہیں، جس سے مذہب حنفیہ کو مزید تقویت ملتی ہے۔

سنن نسائی (۹۵۲/۲) میں بھی امام نسائی نے تین احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ ان دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ دونوں مسئلوں کی بنیاد احادیث پر ہے؛ بلکہ دوسرا مسئلہ (دس دراہم پر ہاتھ کاٹا جانا) تو اجماع سے بھی مؤید ہے؛ کیوں کہ دیگر تمام ائمہ کا قول تقریبا دس دراہم سے کم کا ہے، لہٰذا دس درہم پر تو سب متفق ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دونوں مسئلے نص سے ثابت ہیں۔ اس بارے میں متعدد طرق سے احادیث مروی ہیں، لہٰذا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ مذکورہ احادیث ضعیف ہیں؛ کیوں کہ ضعیف احادیث جب متعدد طرق سے مروی ہوں تو امام نووی کے بقول وہ احادیث حسن بن جاتی ہیں۔ (کما قال النوویؒ فی شرح المہذب) فقہاء کرام جو مہر کی اقل مقدار دس دراہم کو سرقہ پر قیاس کرتے ہیں تو قیاس سرقہ کے باب میں موجود نص پر قیاس ہے۔ جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے (سرقہ کو مہر پر قیاس کرنا) تو یہ قیاس تتبع وجستجو کے باوجود ہمیں نہیں ملا، البتہ اگر ایسا کوئی قیاس کہیں مذکور بھی ہو تو اس کا جواب بھی یہی ہوگا (کہ سرقہ کو مہر پر نہیں؛ بلکہ مہر کے باب میں جو نص وارد ہے، اس پر قیاس کیا گیا ہے)۔

بہر حال دونوں مسئلے چوں کہ نص سے ثابت ہیں اور فقہاء کرام کی اصطلاح میں مسائل منصوصہ کو مسائل منصوصہ پر

بطور تائید وتقویت کے قیاس کرنا صحیح اور درست ہے؛ بلکہ یہ تو فقہاء احناف کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال ہے، لہٰذا انہیں مقیس پر قیاس کہنا درست نہیں؛ بلکہ نصوص سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

(۲) سوال نمبر:۲ کے مذکورہ دونوں مسئلوں کی وضاحت سے قبل ایک اصل بیان کرنا ضروری ہے، جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ''ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل ہو، اس میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے'' مثلاً عام نمازوں میں قرأت میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ ذکر مسنون طویل موجود ہے۔ اس اصول کی دلیل مشہور حدیث ہے:

''إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة''. (أخرجه أبو داؤد)(۱)

(نماز میں دائیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔)

ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل نہ ہو، اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے۔ نماز جنازہ میں تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کی دلیل سنن دارقطنی (۶۱/۲) باب وضع اليمنى على اليسرىٰ ورفع الأيدى عند التكبير کے تحت چوں کہ مذکور ہے (لہٰذا نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی)۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة فوضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ''. (۲)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اور اپنا دائیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا۔)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کے دوسری حدیث ہے:

''كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم إذا صلىٰ على الجنازة رفع يديه في أول تكبيرة، ثم وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ''. (۳)

البتہ نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا کہیں مذکور نہیں اور پھر نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا محل نظر بھی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ تتبع کے باوجود قنوت میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملا تو پھر منصوصہ مسئلہ کو غیر منصوصہ مسئلہ پر قیاس کرنا کہاں اور کیسے درست ہوسکتا ہے، البتہ قنوت کو نماز جنازہ پر قیاس کرنا اگرچہ صحیح اور درست ہے؛ لیکن یہ بھی کہیں مذکور نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں؛ بلکہ اصل مذکور کے تحت اس کو ثابت کیا گیا

---

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: إِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. (سنن أبي داؤد، باب وضع اليمنى على السيرى في الصلاة، رقم الحديث: ۷۵۶، انيس)

(۲) سنن الدارقطني، رقم الحديث: ۱۸۳۰، انيس

(۳) سنن الدارقطني، رقم الحديث: ۱۸۳۱، انيس

ہے۔شیخین اورامام محمد کے درمیان مذکورہ مسئلہ میں اختلاف ہے۔شیخین کے نزدیک اعتماد (ہاتھ باندھنا) ہراس قیام جس میں ذکر مسنون ہو، کی سنت ہے اورامام محمد کے ہاں اعتماد قرأت کی سنت ہے تو امام محمد کے نزدیک قنوت اورنمازِ جنازہ میں ہاتھ چھوڑے جائیں گےاورشیخین کےنزدیک ہاتھ باندھے جائیں گےاورتعامل بھی اسی قول پر ہے۔

رہا یہ سوال کہ قومہ میں بھی ذکر مسنون ہےاورقومہ بھی محل تسبیح وتحمید ہےتو اس میں ہاتھ کیوں چھوڑے جاتے ہیں،اس کا جواب صاحب ''اعلاءالسنن'' نے یہ دیاہے کہ اصل میں مذکورہ قیام سے وہ قیام مراد ہے،جس میں قرار وثبات ہواور قومہ کا جو قیام ہے،اس میں قرار نہیں،لہٰذا قومہ میں ارسال ہوگا (ہاتھ چھوڑے جائیں گے)۔نیز صاحب اعلاءالسنن نے اسی پر فریقین کا اجماع نقل کیا ہے؛ کیوں کہ اس حالت میں نہ تو قرائت مسنون ہے اور نہ ہی ذکر طویل ہے۔ بہرحال قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں اوراس کا اعتراف صاحب اعلاءالسنن نے بھی فرمایا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

''إن الوضع والإرسال بعد الرفع مسكوت عنهما في الأحاديث''

(تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کا رکھنا یا چھوڑنا اس بارے میں حدیث میں کچھ نہیں آیا۔)

اگرکوئی اعتراض کرے کہ پھرامام ابوحنیفہ وامام ابویوسف نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ قنوت میں ہاتھ باندھے جائیں گےتو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ احادیث اس بارے میں خاموش ہیں،لہٰذا امام محمد اپنی اصل پر چلے ہیں۔ان کے ہاں اصول یہ ہے کہ اعتماد قرأت کی سنت ہےاورقنوت میں قرأت نہیں ہوتی اور قنوت میں ہاتھ باندھنا امر حادث ہے، جو دلیل کا محتاج ہے، لہٰذا قنوت میں ارسال کیا جائے گا۔شیخین نے قیاس پر عمل کیا ہے،ایک طویل مدت تک ہاتھ چھوڑنا خشوع کے خلاف ہےاورروافض کا مذہب بھی چوں کہ ابتداءِ نماز میں ارسال کا ہے،لہٰذا ان کی مخالفت بھی مقصود تھی،لہذا ان کےنزدیک ہاتھ باندھے جائیں گے۔

قنوت کواحقر کی ناقص رائے کے مطابق نماز میں اصل قیام پر قیاس کیا گیا ہے۔حدیث میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کو مطلقا سنت کہا گیا ہےاور قنوت کا قیام بھی عام نماز کیقیام کے مشابہ ہے۔اس سے مذکورہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگااور مذکورہ اصول کے تحت قومہ میں ہاتھ باندھنا لازم آرہا تھا،لہٰذا ہم نے اس میں طویل ہونے کی قیدلگائی جس کا ذکر ہوگیا۔قومہ میں قیام یسیر ہونے کی بناپر ہاتھ باندھنے اور پھر چھوڑنے میں حرج لازم آرہاتھا،لہٰذا قومہ مذکورہ اصول کے تحت داخل نہیں ہوگا۔نیز صحابہ کرام نے جن احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بتایا ہے،ان میں قومہ سے متعلق یہ مذکور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھے ہوں،اگرچہ قومہ میں ارسال کا ذکر بھی نہیں؛لیکن قیام یسیر (تھوڑی دیر کے قیام) کی وجہ سے ہاتھ نہ باندھنا مشروع ومعمول بہا ہے۔

لما في قوله تعالٰى (المائدة:۳۸)﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

وفی قوله تعالیٰ (سورة النساء: ٢٤)﴿وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَن تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُم مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾

وفی قوله تعالی(البقرة: ٢٣٨)﴿وَقُومُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾

وفی السنن الكبرى للامام البيهقي (١١/٠ ٢، كتاب الصداق،دارالفكر)**:عن جابر رضی اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:لا صداق دون عشرة دراهم.**

وفی الكتاب المصنف لابن أبي شيبة (٤٧٣/٥) **من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراهم** (دار الكتب العلميه)**:حدثنا شريك، عن عطية بن عبد الرحمن، عن القاسم، قال: أتى عمر بسارق فأمر بقطعه، فقال عثمان: إن سرقته لا تساوی عشرة دراهم، قال: فأمر بها عمر فقومت ثمانية دراهم، فلم يقطعه.**

وفی سنن البيهقي (٢٩/٢)**:عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إنا معاشر الانبياء أمرنا بثلاث: بتعجيل الفطر، وتأخير السحور، ووضع اليد اليمنى على اليسرى فی الصلاة.**(كذا فی مجمع الزوائد عن الطبرانی، ونقل الحافظ العينی عن الطبرانی)

وفی سنن النسائي (٢٥٩/٢)**:باب القدر الذی اذا سرقه السارق قطعت يده** (قديمی كتب خانه) **عن أيمن قال: يقطع السارق فی ثمن المجن وكان ثمن المجن على عهد رسول الله صلى الله عليه و سلم دينارا أو عشرةَ دراهم.**

وفيه أيضاً(٢٥٩/٢)**:عن ابن عباس مثله كان ثمن المجن على عهد رسول الله صلى الله عليه و سلم يقوم عشرة دراهم.**

وفی المصنف لعبد الرزاق (٢٣٣/١٠،باب فی كم تقطع يد السارق، إدارة القران والعلوم الاسلامية)**:عن ابن مسعود قال:كان لا تقطع اليد إلا فی دينار أو عشرة دراهم.** (نجم الفتاویٰ:۲۳۱/۵-۲۳۴)

تقلیل مہر مندوب ہے:

سوال: مہر میں کیا معیار ہونا چاہیے،بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنا بڑائی اور عظمت وشرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے، جب کہ کئی علاقوں میں تقلیل مہر ثواب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب

لڑکے کی مالی حالت کو مدنظر رکھ کر مہر مقرر کرنا چاہیے،اگر لڑکے کی غربت معلوم ہونے کے باوجود زیادہ مہر مقرر کر دیا جائے تو یہ لڑکے پر بیجا بوجھ لادنے کے مترادف ہے؛ تاہم زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں، پھر بھی مہر ایسا ہونا چاہیے،جس کی ادائیگی لڑکے کے دائرہ اختیار میں ہو۔

عـن عـائشة رضـی اللّٰہ تعالٰی عنها أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان اعظم النکاح برکة أیسره مؤنة. (رواه أحمد)(إعلاء السنن: ۱۱/۸۹، کتاب النکاح)(۱)(فتاوی حقانیہ:۴/۳۷۲)

کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا:

سوال: عورت کا حق مہر جتنا کم ہو، وہ اتنی ہی بابرکت ہوتی ہے اور جس نکاح پر جتنی کم لاگت آئے، وہ اتنا ہی بابرکت ہوتا ہے، کیا یہ صحیح ہے اور اس بارے میں درست بات کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صحیح حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت زیادہ بابرکت ہوتی ہے، جس کا مہر کم ہو اور ایک روایت میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ نکاح زیادہ بابرکت ہوتا ہے، جس پر کم خرچہ آئے۔

لما فی إعلاء السنن (۱۱/۱۰۴): عـن عـائشةرضی اللّٰہ تعالٰی عنها:أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:إن أعظم النکاح برکة أیسره مونة.

فی المستدرک علی الصحیحین (۲/۱۹٤):عن عائشة رضی اللّٰہ عنها أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: أعظم النساء برکة أیسرهن صداقا.هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه.

وفـی مشکاة المصابیح (ص:۲٦۸): وعـن عـائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم:"إن أعظم النکاح برکة أیسره مونة".(رواهما البیهقی فی شعب الإیمان)

وفی کنز العمال (۱٦/۲۹۲ـ۲۹۳): خیرهن أیسرهن صداقا. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۱۱-۲۱۲) ☆

(۱) وعـن عـائشة عـن الـنبی صـلی اللّٰہ علیه وسلم قال:إن من یمن المرأة تیسر خطبتها وتیسر صداقها وتیسر رحمها.أخرجه الحاکم وغیره بسند حسن قاله الالبانی.(سلسلة الأحادیث الضعیفة:۳/٤٤۳)

ومثلهٗ رواه أحمد وأصحاب السنن الأربعة والدارمی عن عمر رضی اللّٰہ عنه. (مشکاة المصابیح:۲/۲۷۷)

☆ دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مہر کی اقل مقدار سے کم مہر باندھا جائے تو کیا حکم ہے؟

(المستفتی: محمد اطہر، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر تین تولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی سے کم مہر باندھا جائے تو شرعاً تین تولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی واجب ہوگی۔

ولو سمیٰ أقل من عشرة فلها العشرة. (الهدایة، کتاب النکاح، باب المهر، اشرفی دیوبند:۲/۳۲٤)

وتجب العشرة إن سماها أو دونها. (الدرالمختار، کراتشی:۳/۱۰۲،زکریا:٤/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۸۷۲) (فتاویٰ قاسمیہ:۱۳/۶۵۴)

پونے تین روپے مہر ہوسکتا ہے، یا نہیں:

سوال:　مہر کا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مہر شرعی کم از کم دس درہم کا ہے،(۱) جس کے تقریباً پونے تین روپے ہوتے ہیں، دس درہم ساڑھے اکتیس ماشہ چاندی کے برابر ہے، چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے؛ اس لیے ہر زمانہ میں سکہ رائج الوقت سے مہر شرعی کی مقدار مختلف ہوگی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۳/۸)

مہر میں پانچ روپئے مقرر کئے تو نکاح ہوگیا:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں پانچ روپیہ مہر بندھوایا ہے　تو کیا نکاح ہوگیا، یا نہیں ہوا؟ اگر نکاح ہوگیا تو اس کو مہر میں کتنے روپئے ادا کرنے پڑیں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(المستفتی: امیر حسین، رامپور (یوپی))

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح ہوگیا اور شوہر پر دس درہم جو دوتولے سات ماشے چار رتی چاندی کے برابر ہے، یا اس کی قیمت شوہر پر لازم ہوئی۔ درمختار میں ہے:

وتجب العشرة إن سماها أودونها. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ الفقیر محمد ایوب نعیمی، دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد، ۲۱/اگست ۱۹۹۱ء۔

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۲۰/صفرالمظفر ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۵۵۳/۲۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۵۳/۱۳)

دس درہم میں نکاح:

سوال:　دس درہم شرعی میں نکاح ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ دس درہم شرعی سکہ رائج الوقت کے مطابق کتنا ہوگا؟

---

(۱)　(وأقله عشرة دراهم) ... (فضة وزن سبعة) مثاقيل ... (وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها). (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٥٤/٢، ظفير)

(۲)　آج کل ساڑھے چھ روپے تولہ چاندی بکتی ہے تو اس حساب سے اس کی قیمت سترہ روپے سے زیادہ ہوگی، لہذا اس سے کم موجودہ دور میں مہر جائز نہ ہوگا۔ ظفیر

موجودہ وقت میں کرنسی کی قیمت کے اعتبار سے دس درہم کی قیمت متعین کی جائے گی۔ انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دس درہم شرعی میں نکاح جائز ہے،(۱) دس درہم دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۹/۶/۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۸)

انچاس دراہم مہر مقرر کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقے میں ایک خاندان ہے، جن میں پرانے زمانے سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جب ان کے خاندان میں کسی کی شادی ہونے لگتی ہے تو نکاح کے وقت مہر میں ایک کم پچاس چاندی والے دراہم مقرر کرتے ہیں، یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ دراہم تو نہیں ہیں تو یہ لوگ جب مہر ادا کریں گے تو کتنا ادا کرنا پڑے گا اور آج کے دن ان کو کتنی رقم مہر میں دینا لازم ہوگی جبکہ یہ لوگ اس رسم کو بھی نہیں چھوڑ رہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر سے تین قسم کے حقوق متعلق ہوتے ہیں: اولاً اس میں شریعت کا حق ہے کہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ دوسرا اس میں اولیا کا حق ہے کہ مہر مثل سے کم نہ ہو، مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے، جو کسی بھی خاندان میں عام طور پر عورتوں کا مقرر کیا جاتا ہے، اس میں اعتبار عورت کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا کیا جائے گا، جن میں عورت کی بہنیں اس کی پھوپھیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں شامل ہیں، لہٰذا ان عورتوں کے مہر کا خیال کرتے ہوئے جو بھی مہر مقرر کیا جائے، شرعاً درست ہے، بشرطیکہ وہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ تیسرا حق مہر میں عورت کا ہے کہ اسے مہر کا مالک بنایا جائے، البتہ اگر نکاح کے بعد عورت اپنی خوشی سے کچھ مہر، یا پورا مہر معاف کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے اور شرعاً اس کا معاف کرنا درست ہوگا۔ صورت مسئولہ میں ۴۹ر دراہم کی مقدار سے متعلق سوال کیا گیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ایک درہم 3.0618 گرام کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے مہر کی کم سے کم مقدار 30.618 گرام چاندی (برابر 2.625 تولہ چاندی) بنتی ہے۔ پھر اسی حساب سے 49 دراہم برابر ہیں 150.0282 گرام اور 12.8625 تولہ چاندی کے بنتے ہیں، چاندی کی قیمت بازار سے معلوم کر کے مہر ادا کر سکتے ہیں۔

لما في القرآن الكريم (النساء: ٢٤): ﴿وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾

وفي التاتارخانية (٨٣/٣): والنساء اللاتي يعتبر مهرها بمهورهن: قوم أبيها أخواتها لابيها

(۱) وأقل المهر عشرة دراهم. (الهداية، باب المهر: ٣٢٤/٢)

(۲) جواہر الفقہ: ۴۲۳/۱

وأمها أو لابيها وعماتهاوبنات عمها... فان لم تكن لها أخت ولا عمة فبنت الاخت لاب على ما ذكرنا من التفسير وبنت العم،الخ.

وفی الدر المختار(۱۰۱/۳):(أقله عشرة دراهم)لحديث البيهقی وغيره: " لا مهر أقل من عشرة دراهم".

وفی الشامية تحته: قوله (لحديث البيهقی وغيره) رواه البيهقی بسند ضعيف ورواه ابن أبی حاتم وقال الحافظ ابن حجر إنه بهذا الإسناد حسن كما فی فتح القدير فی باب الكفاء ة. (نجم الفتاویٰ:۲۰۰/۵-۲۰۱)

بطورِ مہر ۱۰/ تولہ سونے کا مطالبہ کرنا:

سوال: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے پانچ یا دس تولہ سونا لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔کیا یہ شریعت میں جائز ہے اور جب تک کوئی سونا نہ دے،شادی میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے؟ قرآن سنت کی روشنی میں بندہ کی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

پانچ ، یا دس تولہ سونا اگر مہر ہے تو اس صورت میں اپنی بیٹی کے لیے اس کا مطالبہ کرنا جائز ہے،اگر مہر کے علاوہ اس کا مطالبہ کرتا ہے تو اس صورت میں یہ رواج قابل ملامت اور لائق ترک ہے۔اس رواج کا شریعت سے کوئی تعلق اور کوئی نسبت نہیں ہے۔غیر اسلامی طریقہ ہے اور مزاج شریعت کے خلاف ہے۔حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے،جس میں خرچ کم ہو۔اگر نکاح میں اس قسم کی پابندیاں اور غلط رواج جاری رہیں گے تو دنیا میں فتنہ عظیم برپا ہوجائے گا اور بہت سے لڑکے،لڑکیاں نکاح کی نعمت سے محروم ہوکر حرام کاری میں مبتلا ہوجائیں گے۔نکاح کے موقعہ پر لڑکے والے کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے اور رشوت شریعت میں حرام ہے،چناں چہ پانچ ، یا دس تولہ سونا مہر کے علاوہ بطور رواج لینا حرام ہے،لہٰذا اس کی وجہ سے شادی موخر کرنا جائز نہیں۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:۱۸۸)﴿وَلاَ تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

وفی الهندية (۳۲۷/۱):ولو أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة، كذا فی البحر الرائق.

وفی الدرالمختار(۱۵۶/۳):(أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لانه رشوة.

وفی الشامية تحته:(قوله:عند التسليم) أی بأن أبی أن يسلمها أخوهاأونحوه حتی يأخذ شيئا وكذا لو أبی أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لانه رشوة بزازية. (نجم الفتاویٰ:۲۱۵/۵)

۱۰۰/ روپیہ مہر پر بھول سے نکاح پڑھایا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں محلّہ اصالت

پورہ میں حلالہ کے لیے ایک نکاح ہوا، جس میں مہر کی مقدار کل سو روپیہ لکھی گئی ہے، نکاح پڑھانے والے کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا، مہر کی مقدار کم ازکم ڈھائی تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہونی چاہئے، میں نے ایسا بھول سے کیا ہے، اب یہ نکاح ہوگیا، یا نہیں؟ کیا دوبارہ سے نکاح ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہوگا، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ اگر مہر دس درہم سے کم متعین کیا گیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں اس کی صراحت ہے تو اس پر پورے دس درہم لازم ہوں گے اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۳۰ر گرام ۸۱۶ر ملی گرام ہوتا ہے، جس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ولا مهر أقل من عشرة. (إعلاء السنن، باب لا مهر أقل من عشرة: ۱۸/۱۱، إدارة القرآن كراتشي)

ويصح النكاح وإن لم يسم فيه مهراً (إلى قوله) **ولو سمى أقل من عشرة فلها العشرة.** (الهداية: ۳۲۳/۲ـ۳۳٤)

وتجب العشرة إن سماها أودونها. (شامي: ۳۳۳/٤، زكريا، البحر الرائق، باب المهر: ۱٤٤/۳، كوئٹه، منجمع الأنهر، باب المهر: ۵۰۹/۱، بيروت، إيضاح المسائل: ۱۲۹) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳؍۷؍۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۸/۸ـ۴۰۹)

مہر میں اضافہ وکمی:

سوال: مہر کی مقرر کردہ رقم شادی کے بعد گھٹائی، یا بڑھائی جاسکتی ہے؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

الجواب ـــــــــــ

اگر عورت اپنی رضامندی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کردے، یا شوہر مہر میں کچھ اضافہ کردے تو ایسا کرنا جائز ہے،(۱) اور اگر اس کے پیچھے زوجین کے معاشی حالات کارفرما ہوں، مثلا: عورت محسوس کرے کہ شوہر کے معاشی حالات ایسے نہیں ہیں کہ وہ پورا مہر ادا کرسکے اور اس بنا پر اس نے مہر کا کچھ حصہ معاف کردیا تو ظاہر ہے کہ یہ بہتر طریقہ ہے اور صلہ رحمی میں داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۷/۴)

بیوی کا اپنے مہر کو کم کردینا:

سوال: ایک لڑکی جس کا نکاح بلوغ سے قبل ہوا تھا، اس نے بالغہ ہونے کے بعد اپنے دین مہر کی متعینہ مقدار

(۱) "إن زادها في المهر بعد العقد لزمته الزيادة ... وإن حطت عنه مهرها صح الحط". (الهداية: ۳۲۵/۲، باب المهر)

نو ہزار میں سے اکثر معاف کر کے صرف سوا ہزار باقی رکھی۔ یہ معافی شرعاً جائز ہوئی، یا نہیں؟ اور نکاح کے وقت جو مہر متعین ہوا تھا۔ وہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

پہلا مہر صحیح ہوا تھا، اس کے بعد عورت نے اگر خوشی سے کم کر دیا تو یہ کمی جائز ہوئی اور جبر ودباؤ سے کم کرایا ہو تو کمی جائز نہیں ہوئی اور مہر کم نہیں ہوا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۹/۲/۲۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/۴)

کیا عاقلہ بالغہ کا مہر امام اپنی مرضی سے تبدیل کرسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک صاحب نے ایک دولہا سے مسجد میں نماز نفل پڑھنے کے ۵۱/روپیہ بصد وصول کئے، بارات قریب ہی کی تھی، امام صاحب اپنے حجرے ہی میں رہے، گواہ اور وکیل کو لڑکی کے پاس اجازت طلب کرنے کے لیے بھیجا، لڑکی نے ۱۰/ہزار روپیہ پر ہاں کردی، اس کے بعد گواہ وکیل امام صاحب اس محفل میں آئے، جہاں بارات بیٹھی تھی، لڑکے نے دس ہزار روپیہ پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا، تب وکیل نے کہا (جو لڑکی کے ماموں تھے) کہ ۹/ہزار مہر کردو، اس پر لڑکے نے ہاں کردی، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا تو لڑکی نے دس ہزار پر اور لڑکے نے ۹/ہزار پر ہاں کی، اس پر میں نے امام صاحب سے کہا، نکاح صحیح نہیں ہوا ہے، آپ لڑکی کو ۹/ہزار مہر کی اطلاع کرو تو امام صاحب نے کہا کہ وکیل اور امام کو اتنا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تبدیل کرسکتے ہیں، اگر آپ کو شک ہے تو فتویٰ لے آئیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر بعد میں لڑکی نے ۹/ہزار روپیہ پر رضامندی ظاہر کردی تو یہ نکاح درست ہوگیا؛ لیکن یہ بات یاد رکھی جائے کہ جب لڑکی عاقلہ بالغہ ہو تو اپنے مہر کی تعیین میں وہ خود مختار ہے، اس کے اولیا کو کمی بیشی کا حق نہیں ہے، اس بارے میں امام صاحب مذکور کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

بالغة وكلت رجلاً بتزويجها من فلان بألف درهم فزوجها الوكيل بخمس مائة، فلما أخبرت بذٰلك، قالت: لا يعجبني هٰذا لأجل نقصان المهر، فقيل لها: لا يكون لك منه إلا ما تريدين، فقالت: رضيت، قال الفقيه أبوجعفر: يجوز النكاح؛ لأن قولها لا يعجز ليس برد النكاح، فإذا رضيت بعد ذٰلك فقد صادفت إجازتها عقداً موقوفاً فصحت الإجازة. (قاضى خان على الهندية: ۳۴۵/۱)

---

(۱) (وصح حطّها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أولا. (الدرالمختار) (قوله: وصح حطّها) الحط الإسقاط كمافى المغرب... ولابدّ من رضاها ففى هبة الخلاصة خوفها بضرب حتى وهبت مهرها لم يصح. (ردالمحتار: ۳۳۸/۲)

امرأة وكّلت رجلاً بأن يزوجها بأربع مائة درهم، فزوجها الوكيل وأقامت، ثم قال الزوج: تزوجتها بدينار وصدقه الوكيل، إن أقر الزوج أن المرأة لم توكله بدينار، فالمرأة بالخيار، إن شاء ت أجازت النكاح بدينار وإن شاء ت ردّت. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی الوکالة فی النکاح: ۳۱/۲، لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۱/۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۴/۸-۴۱۵)

اولاد ہونے سے مہر میں کمی تو نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص کی زوجہ بارہ سال سے اپنے والدین کے یہاں ہے، اس بیوی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، شوہر نے ہر چند لانے کی کوشش کی؛ مگر سسرال والوں نے انکار کیا، شوہر نے دوسری شادی کر لی، سسرال والوں نے مہر اور نان نفقہ کی بابت نالش (یعنی: دیوانی عدالت میں مقدمہ) کردی ہے۔ آیا اولاد ہونے سے عورت کے مہر میں کچھ کم ہوجاتی ہے اور جب کہ مہر دیا جائے گا تو نان ونفقہ بھی دیا جائے گا، یا نہیں؟ اور دونوں اولاد والدہ کی ہمراہ ہے اور شوہر کہتا ہے کہ مہر تو میں دوں گا؛ مگر میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے تو میرا ارادہ ہے کہ میں قسط سے ادا کروں، یہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اولاد کے ہونے سے مہر میں کمی نہیں ہوتی، مہر پورا بذمہ شوہر اس صورت میں لازم ہے؛ (۱) لیکن چوں کہ عورت کو اس کے والدین بے وجہ شوہر کے گھر نہیں بھیجتے؛ اس لیے نفقہ عورت کا بذمہ شوہر کے اس صورت میں لازم نہیں ہے، (۲) اور اولاد کا نفقہ بیشک لازم ہے، (۳) اور مہر کے مطالبہ کا حق عورت کو، یا اس کے ورثہ کو جب کہ مہر مؤجل ہو، بعد طلاق کے یا موت کے ہے۔ (کذا فی الدر المختار والشامی وغیرهما) (۴) اور بعد ہما وجوب مہر کے اگر فی الحال کل ادا نہ ہوسکے تو برضاء زوجہ اور اس کے ورثہ کے قسط وار ادا ہوسکتا ہے؛ لیکن ابھی تو شوہر مہر کے دینے میں یہ عذر

---

(۱) ومن سمى مهراً عشرة فمازاد فعليه المسمى إن دخل بها أومات عنها لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل وبه يتأكد البدل وبالموت ينتهي النكاح نهايته. (الهداية، باب المهر: ۳۲۴/۲، ظفير)

(۲) فأما إذا امتنعت عن الإنتقال فإن كان الإمتناع بحق بأن امتنعت لتستوفى مهرها فلها النفقة وأما إذا كان الامتناع بغير حق بأن كان أوفاها المهر أو كان المهر مؤجلا، أو وهبته منه فلانفقة لها، كذا في المحيط، وإن نشزت فلانفقة لها حتى تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه بخلاف مالو امتنعت عن التمكن في بيت الزوج لأن الإحتباس قائم حتى. (الفتاویٰ الهندية، مصری، باب فی النفقات: ۴۸۵/۲، ظفير)

(۳) نفقة الأولاد الصغار على الاب لايشاركه فيها أحد. (الهداية، فصل: ونفقة الاولاد على الأب: ۲۹۱/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت/ وكذا في الفتاویٰ الهندية، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۵۶۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۴) إلا التاجيل لطلاق أوموت. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۳/۲، ظفير)

کرسکتا ہے کہ مہر مؤجل ہے اور میں نے طلاق نہیں دی تو ابھی مہر کا مطالبہ میرے ذمہ نہیں ہوسکتا ہے اور اگر شوہر کو یہ عذر کرنا نہیں ہے اور فی الحال ادا کرنا ہے تو قسط مقرر کر دیوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۴/۸-۲۹۵)

وکیل، یا ولی کا مہر میں کمی کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید کی لڑکی مسماۃ بانو ہندہ کا عقد نکاح مسمی عمرو کے لڑکے خالد کے ساتھ ہوا ہندہ سے بوقت اجازت وکیل نے مہر ۱۵۳/روپیہ کی اطلاع دی تھی، مجلس عقد میں وکیل نے ایک غیر شخص سے نکاح پڑھنے کو کہا، عمرو کی طرف سے کہا گیا کہ مہر بجائے کے (۔۔۔) روپیہ کر دیئے جاویں، کوئی عذر نہیں، بغیر اطلاع ہندہ نکاح میں کوئی خرابی ہوئی ہے، یا نہیں؟

نقل عبارت کتب تحریر فرمایا جاوے، اس وقت یہاں یہ واقعہ ہوا ہے، جس سے بہت زیادہ فتنہ اٹھا ہوا ہے۔ زید چوں کہ رضائی پارٹی کا ہے؛ اس لیے بہار وغیرہ سے فتویٰ لیا ہے، جس مین بہت غلطی معلوم ہوتی ہے۔ امید کہ جواب مفصل وتسلی بخش مع نقل عبارت وحوالہ جواب دے کر اطمینان فرمائیں گے۔

(یار علی خان، مدرسہ عربیہ عین العلوم، قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۲۳/جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ)

الجواب ________________ حامداً ومصلیاً

اگر مہر کا نکاح میں بالکل ذکر نہ کیا جاوے، یا صراحۃً مہر کی نفی کردی جائے، تب بھی شرعاً نکاح درست ہوجاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

وکذا یجب مهر المثل فیما إذا لم یسم مهراً أو نفی". (الدرالمختار) (۱)

لہذا صورت مسئلہ میں نکاح صحیح ہوگیا، جس قدر مہر قرار پایا ہے، اس میں سے کچھ کم کرنا بھی درست ہے، اگر عورت تمام معاف کردے تو یہ بھی جائز ہے؛ مگر صورت مسئولہ میں ہندہ بالغہ ہے اور دو روپیہ بغیر اس سے اجازت حاصل کئے باپ وکیل وغیرہ نے کم کر دیئے ہیں تو یہ کمی ہندو کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر ہندہ اس کمی پر رضامند ہے تو یہ کم کرنا معتبر سمجھا جائے گا، ورنہ نہیں۔

"وصح حطها کله أو بعضه عنه".

وقال الشامی: "وقید بحطها؛ لأن حط أبیها غیر صحیح لو صغیرہ، ولو کبیرة توقف علی إجازتها". (ردالمحتار: ۵۲۲/۲) (۲)

نکاح میں اس سے کوئی خرابی نہیں آتی۔ بہشتی زیور، درمختار وشامی کا حوالہ دیکھا، اس میں یہ مسئلہ مذکور نہیں، وہ دسرا مسئلہ ہے، اس پر کوئی اشکال ہو تو تحریر فرمائیں۔

---

(۱) الدرالمختار، باب المهر: ۱۰۸/۳، سعید

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی حط المهر والابراء منه: ۱۱۳/۳، سعید

سوال کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمی عقد نکاح سے پہلے کی گئی ہے، آگے چل کر سوال میں لکھا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد۔۔۔کی کمی کی گئی ہے اور یہ جواب اسی کا ہے، اگر کمی پہلے کی گئی ہو، نکاح بعد میں ہوا ہے تو یہ نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دے گی تو نافذ ہوگا، ورنہ نہیں۔

"بالغة وكلت رجلابتزويجها من فلان بألف درهم، فزوجها الوكيل بخمس مأة،فلما أخبرت بذلك،قالت: لايعجبني هذا لأجل نقصان المهر، فقيل لها: لايكون لك إلا ماتريدين، فقالت:رضيت.قال الفقيه ابوجعفر:يجوز النكاح؛لان قولها: لايعجبني،ليس برد النكاح، وإذا رضيت بعد ذلك، فقد صادفت اجازتها عقداً موقوفا، فصحت الاجازة". (فتاویٰ قاضی خان: ۳۹٤/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۴/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۷/۲/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵٦-۵٤/۱۲)

نکاح کے بعد مہر میں کمی:

سوال: کسی کا نکاح ہوا اور مبلغ پانچ ہزار روپیہ مہر مقرر کیا اور اس وقت اس نے قبول کرلیا اور بعد میں خیال ہوا کہ اس کی حیثیت تو پانچ سو روپے کی بھی نہیں تو اس حالت میں مہر کم کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور اگر کم کر سکتے ہیں تو کس طرح، یا نکاح ہی نہیں ہوا، اس پر دوبارہ نکاح ہونا چاہیے، یا نہیں؟ فقط

(المستفتی: حاجی گلزار احمد سہارنپوری، بمعرفت محمد مشرف علی سہارنپوری، ۱٦/ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں اگر کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو تو نکاح صحیح ہوگیا، اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

"وتجب العشرة إن سماهااو دونها، ويجب الاكثر إن سمى الاكثر".

قال الطحطاوى تحت قول الدر:"ويجب الاكثربالغا مابلغ، فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان". (۲)

مہر پورا واجب ہوگا، اگر خلوت صحیحہ ہوچکی، یا خلوت صحیحہ سے پہلے زوجین میں سے کسی کا انتقال ہوگیا، جب تک

---

(۱) فتاویٰ قاضی کان علی هامش الفتاویٰ الهندية،فصل فی الوكالة: ۲٤٥/۱،رشيدية)

"امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها بأربع مأة درهم، فزوجها الوكيل وأقامت، ثم قال الزوج: تزوجتها بدينار وصدقه الوكيل،من اقرالزوج أن المرأة لم توكله بدينار، فالمرأة بالخيار، إن شاء ت أجازتالنكاح بدينار، وإن شاء ت ردت". (خلاصة الفتاویٰ،كتاب النكاح، الفصل الحادى عشر فى الوكالة فى النكاح: ۳۱/۲،امجداكادمى لاهور)

(۲) حاشية الطحطاوى على الدرالمحتار،باب المهر، مطلب فى حط المهر والابراء منه: ۱۱۳/۳،سعيد

ادا نہ کیا جائے، یا بیوی معاف نہ کرے، ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ کم کرنے کی صورت یہ ہے کہ بیوی سے کہے اور وہ اپنی خوشی سے چاہے تمام معاف کردے، چاہے اس میں سے کچھ کم کردے۔

وصح حطها لكله أو بعضه عنه". (الدرالمختار)(۱)

لیکن اتنا مہر مقرر کرنا جو حیثیت سے زائد ہو اور ادا نہ کرسکے، بُری بات ہے، شرعی کے موافق حسب حیثیت مہر مقرر کرنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۲/۳/۱۸ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۲/۳/۱۸ھ۔ صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۵۷-۵۸)

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا:

سوال: اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقت نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کردیا ہو تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا چاہے تو کرواسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ——————

مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی اضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہوجائے تو بیوی کی اضامندی کے بغیر عدالت، یا کوئی جرگہ وغیرہ نہ تو مہر کم کرواسکتے ہیں اور نہ ختم کرسکتے ہیں، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قال العلامة أبوبكر الكاساني: فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة ... لايسقط بعد ذٰلک اِلَّا بالإبراء. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۱، فصل بيان مايتاكد به المهر)(۳) (فتاوی حقانیہ: ۴/ ۳۶۳)

نابالغہ لڑکی کا ولی مہر کم کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ولی نابالغہ لڑکی کا نکاح بعوض مبلغ ایک ہزار روپیہ مہر کے کردیا، لڑکے نابالغ کے باپ نے منظور کرلیا، کیا لڑکی کا ولی مہر کو کم کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ——————

درمختار میں ہے: **وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل، أو لا، الخ.**

---

(۱) الدرالمختار، باب المهر، مطلب في حط المرأة والابراء منه: ۳/ ۱۱۳، سعيد

(۲) عن عمربن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قال: ألا! لاتغالوا فى صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقية"، هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذيكتاب النكاح، باب ماجاء في مهورالنساء: ۱/ ۲۱۱، سعيد)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: وأمّا المسمى فإنّما فاتمام قام مقامه للتراضى بهٖ ثمّ عرف المهر فى العناية بأنهُ اسم للمال الذى يجب فى عقد النكاح على الزوج فى مقابلة البضع أما بالتسمية أو بالعقد. (ردالمحتار: ۲/ ۳۵۷، باب المهر) ومثلهُ فى الهندية: ۱/ ۳۰۳، الفصل الثانى فيما يتاكد به المهر والمتعة)

قال فی الشامی: وقید بحطها لأن حط ابیها غیر صحیح لو صغیرة، الخ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ولی نابالغہ کو مہر کے کم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۹/۸)

شوہر مفلس ہو تو کیا عدالت مہر کم کرسکتی ہے:

سوال: زید کا نکاح بتقرر مہر پانصد روپیہ ہمراہ مسماۃ مریم ہوکر کابین نامہ میں باضابطہ پانصد روپیہ بوقت نکاح تحریر ہوا، کچھ عرصہ کے بعد فریقین میں تنازعہ ہوکر مسماۃ مریم کی طرف سے دعویٰ پانصد زرمہر عدالت میں دائر کیا گیا، عدالت ابتدائی سے باعتبار تحریر کابین نامہ دعویٰ ڈگری ہوا؛ لیکن عدالت سیشن وچیف کورٹ سے بلارضامندی مسماۃ مریم مدعیہ بجائے پانصد روپیہ مہر کے بتیس روپیہ چھ آنے زرمہر کو بوجہ مفلس وناداری مدعاعلیہ کے قائم رکھ کر باقی رقم مہر کو خارج کردیا گیا۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

شرعاً وطی کے بعد پورا مہر لازم ہوجاتا ہے۔ شامی میں ہے:

وأفاد: أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد تمامه بالوطء ونحوه. (۲)

اور اگر شوہر مفلس بھی ہو تو مہر ساقط نہیں ہوتا؛ بلکہ مؤخر ہوجاتا ہے، پس بالکل ساقط کردینا مہر کا، یا کم کردینا خلاف حکم شرع ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۶/۸-۲۷۷)

انعقاد نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا:

سوال: کیا انعقاد نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اس زیادتی کا مطالبہ کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس طرح نکاح سے قبل حق مہر میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے، اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الهندیة: الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح... فإذا ازادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة، کذا فی السراج الوهاج. (۳۱۲/۱، الفصل السابع فی الزیادة فی المهر والحط عنه وفیما یزید وینقص)

(۱) ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۴/۲، ظفیر

(۲) ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفیر

(۳) قال فی البدائع: وإذا تاكد المهر بما ذكر لایسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالابراء. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفیر)

قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله:(تحت قوله وما فرض بعد العقد أو زيد لايتنصف) ... دل وضع المسئلة على جواز الزيادة فى المهر بعد العقد وهى لازمة لهٗ بشرط قبولها فى المجلس على الأصح. (البحر الرائق: ۱٤٨/٣، باب المهر) (فتاوی حقانیہ: ۳۵۸/۴)

ایجاب وقبول کے بعد مہر میں اضافہ:

سوال: محمد اشتیاق ولد محمد مہدی حسن کا نکاح گیارہ ہزار روپے، یا نو ہزار روپئے میں طرفین کی طرف سے رضامندی حاصل ہونے پر پڑھایا گیا اور نکاح پڑھانے والے مولانا علاء الدین صاحب، مہتمم مدرسہ جامعہ روحانیہ فرید نگر بیلا گنج تھے، میں شہاب الدین نکاح پڑھائے جانے کے بعد مجلس میں پہونچا، میں نے دریافت کیا کہ نکاح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ہوگیا تو ہم نے پوچھا کہ دین مہر کتنا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ گیارہ ہزار روپئے رکھا گیا تو ہم نے کہا کہ آج کل کے حالات کے مطابق دین مہر کم ہے، پھر ہم نے ایوب صاحب سے جولڑکی کے بہنوئی ہوتے ہیں، ان کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کم دین مہر رکھنے کی وجہ سے نکاح کی مجلس میں شریک نہیں ہوئے۔ہم نے ان کو بلوایا؛ مگر وہ نہیں آئے تو ہم نے مولانا صاحب سے دریافت کیا کہ دین مہر کی رقم اگر ۲۱/ ہزار روپئے کردی جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ تو مولانا صاحب نے کہا کہ اگر لڑکا راضی ہوجائے تو لڑکے کو پھر تین بار اقرار کروانا ہوگا اور لڑکی کو اس کی خبر دینی ہوگی۔ہم نے لڑکے پر دباؤ دیا کہ ۲۱/ ہزار مان جاؤ، اس کے بعد وہ لڑکا مان گیا اور خوشی سے اس نے ہاں بھی بھردی، پھر مجلس میں دوبارہ گواہان کو طلب کرکے مولانا نے نکاح کی رسم ۲۱/ ہزار دین مہر پر ادا کردی اور لڑکی کو اس کی خبر دے دی گئی اور پھر مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔سوال یہ ہے کہ پہلے والا دین مہر واجب الادا ہوگا، یا بعد والا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے بعد شوہر کو مہر میں اضافہ کا شرعاً حق ہے، خواہ نکاح قاضی کے ذریعہ اضافہ ہو، یا بلا نکاح، عورت کے قبول کرلینے کے بعد اضافہ شدہ رقم بھی شوہر پر واجب الادا ہوگی، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ نکاح اول میں مہر کی کمی کی وجہ سے نکاح ثانی اکیس ہزار روپئے پر کیا گیا، جس کا مقصد مہر میں اضافہ تھا اور شوہر نے بخوشی اس کو قبول کرلیا، نیز عورت کو بھی اس کی اطلاع کردی گئی تو اب شوہر محمد اشتیاق پر ۲۱/ ہزار روپئے کی ادائیگی ضروری ہے۔

(ومافرض) ... (بعدالعقد) ... (أوزيد)على ماسمّى فإنها تلزمه بشرط قبولها فى المجلس ... وفى الكافى جدّدالنكاح بزيادة ألف لزمه الألفان على الظاهر. (الدر المختار)

(قوله:وفى الكافى):حاصل عبارة الكافى تزوّجها فى السربألف ثم فى العلانية بألفين ظاهرا لنصوص فى الأصل أنه يلزمه عنده الألفان ويكون زيادة فى المهر. (ردالمحتار، باب المهر: ۳۳۷/۲)

فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۲/۲۷/ ۱۴۱۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

نکاح صحیح میں مہر مسمیٰ سے کم دینا عورت کی رضا پر موقوف ہے:

سوال: ایک مفلس مرد کا غیر کفو عورت کے ساتھ چار ہزار روپے مہر مقرر کر کے شادی کی گئی غیر کفو ہونے کے سبب سے تھوڑے ہی دن میں طلاق ہوگئی۔اس عورت کا مہر مثل پانچ سو روپے ہے اس صورت میں مہر مسمیٰ دینا واجب ہے یا مہر مثل؟ مہر مسمیٰ کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے مہر مسمیٰ چھوڑ کر مہر مثل دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

هو الموفق للصواب: کفاءت شرع میں عورت کا حق ہے؛ یعنی عورت کی برابری والا مرد ہونا لزوم نکاح کے لیے اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ مردوں کا حق نہیں ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں کی برابری کا اعتبار کیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

"الكفاءة معتبرة في الرجال للنساء للزوم النكاح، كذا في محيط السرخسي، ولا تعتبر في جانب النساء للرجال، كذا في البدائع". (۱)

چوں کہ صورت مسئولہ میں نکاح صحیح مہر مسمیٰ پر کیا گیا ہے؛ اس لیے اس پر وہی مہر واجب ہوگا۔مہر مسمیٰ دینے کی قدرت نہ ہو تو کم دینا عورت کی رضا پر موقوف ہے۔

کتبہ: ضیاء الدین محمد کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: محمد عبد الجبار عفی عنہ۔الجواب صواب: شیخ آدم عفی عنہ۔الجواب صحیح: عبد الرحیم عفی عنہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۸۰)

بعد نکاح شوہر نے مہر میں اضافہ کر دیا تو کتنا مہر لازم ہوگا:

سوال: زید کی شادی ہندہ سے ایک ہزار روپئے کے عوض ہوئی، جب پہلی رات دونوں میں یکجائی ہوئی تو زید نے اپنی بیوی سے کہا تمہارا مہر ایک ہزار روپئے متعین ہوا تھا؛ لیکن اب میں اس کو بڑھا کر دو ہزار روپئے کرتا ہوں اور بیوی نے اس کو قبول کر لیا۔ کچھ دنوں تک دونوں ساتھ رہے اور ہندہ خوشگوار زندگی گزارتی رہی، ایک دن کسی بات سے رنجیدہ ہو کر زید نے بحالت غصہ اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دی تو اب بتلایا جائے کہ زید پر مہر میں ایک ہزار روپئے کی ادائیگی لازم ہے، یا دو ہزار روپئے کی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ زید نے اپنی خوشی ورضامندی سے بلا جبر و دباؤ بیوی کے مہر کو بڑھا کر دو ہزار روپئے کر دیا تو ایسی صورت میں زید پر دو ہزار روپئے کی ادائیگی لازم ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس في الأكفاء في النكاح: ۲۹۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس

الزيادة فى المهر صحيحة حال قيام النكاح عندعلمائنا الثلاثة، كذا فى المحيط، فإذا زادها فى المهر بعد العقد لزمته الزيادة، كذا فى السراج الوهاج، هذا إذا قبلت المرأة الزيادة. (الفتاویٰ الهنديه: ۳۱۲/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳/۵/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم:

سوال: زید نے خالدہ سے دوسری شادی کی، مہر بارہ ہزار مقرر کیا گیا، جب رخصتی کے بعد خالدہ زید کے گھر آ گئی تو اسے پتہ چلا کہ زید کی پہلی بیوی کا مہر پچیس ہزار روپے ہے تو اس نے زید سے کہا کہ میرا مہر بھی پچیس ہزار کرو۔ اس کے اصرار پر زید نے مہر بڑھا کر پچیس ہزار کر دیا۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کا مہر بڑھانے کا مطالبہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت کی رو سے عقد نکاح میں مہر مقرر کرنے کے بعد اگر میاں بیوی مہر کو بڑھانے پر راضی ہو جائیں تو شوہر پر جو رقم زیادتی کے ساتھ طے ہو، اسی کا ادا کرنا لازم ہوگا، البتہ طے ہونے سے قبل صرف بیوی مطالبہ کر رہی ہو تو بیوی کے مطالبے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اسے مذکورہ وجہ کے بسبب یہ حق ہے۔

لمافى القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿وَآتُواالنِّسَائَصَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفى الجوهرة النيرة (٨١/٢): (وإن زادها فى المهر بعد العقدلزمته الزيادة) يعنى إذا قبلت المرأة الزيادة.

وفى الدرالمختار (١١١/٣): (وما فرض) بتراضيهما أو بفرض قاض مهر المثل (بعد العقد) الخالى عن المهر (أو زيد) على ما سمى فإنها تلزمه.

وفى الشامية (١٠٩/٣): أو نفى ان وطء الزوج أو مات عنها.

وفى الفقه الاسلامى (٦٧٩٥/٩): فقال الحنفية: إذا زاد الزوج الرشيد أو ولى الصغير على المهر المسمى شيئاً بعد تمام العقد وتراضى الطرفين على المهر، لزمت الزيادة بالوطء أو بالموت عن الزوجة. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۳/۵-۲۱۴)

نکاح بعد مہر بڑھ سکتا ہے، یا نہیں اور کیا اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے:

سوال: اگر بوقت نکاح زوجین بالغ ہوں اور دین مہر متعین ہو جاوے تو بعد نکاح اس مقدار معینہ دین مہر میں، جو بوقت نکاح قرار پایا تھا، توسیع ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو حسب استدعاء زوجہ، یا شوہر خود بغیر استدعاء زوجہ بھی توسیع کر سکتا ہے، اگر توسیع جائز ہے تو بعد نکاح کس وقت؟ ہمہ وقت، یا بعد خلوت صحیحہ؟

الجواب

درمختار میں ہے: (ومافرض) ... (بعدالعقد) ... (أوزيد) علٰى ماسمى فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس أو قبول ولى الصغيرة، الخ.(۱)

پس معلوم ہوا کہ مہر کا زیادہ کرنا بعد قبول کرنے عورت کے صحیح ومعتبر ہے اور لازم ہو جاتا ہے، خواہ عورت کی طلب پر ہو، یا خود شوہر زیادتی کر دیوے اور بعد دخول کے ہو، یا قبل دخول کے غرض یہ کہ کسی وقت ہو؛ لیکن وجوب اس زیادتی کا بعد دخول، یا موت کے ہے اور اگر قبل دخول وخلوت طلاق ہو جاوے تو وہ زیادتی ساقط ہے، اصل مہر کا نصف لازم ہو جاتا ہے۔(هكذا في الدر المختار والشامي)(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۸۱-۲۸۲)

شوہر بعد نکاح مہر بڑھادے تو بیوی اس کی بھی مستحق ہوگی:

سوال: زوجین وقت نکاح نابالغ تھے، اب دونوں بالغ ہیں اور زوجہ اب تک رخصت نہیں ہوتی، اگر زوج حسب منشاء زوجہ کی کچھ زیادہ مہر مقرر کر دیوے اور پھر کبھی زوجہ کے رخصت ہونے کے بعد اگر مہر کے وصول کرنے کی ضرورت پڑے، یا زوج طلاق دے دے تو زوجہ کل مہر، یا نصف کی شرعاً مستحق ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

قال في الدر المختار: (قوله: فإنها تلزمه) أي الزيادة إن وطيء أومات عنها، الخ.(شامی)(۳)

پس معلوم ہوا کہ وطی کے بعد پورا مہر مع زیادتی کے لازم ہوتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۵۲)

مقرر کردہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے:

سوال: اگر خاوند کی طرف سے مقرر شدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہو جائے تو کیا عورت اس اضافے کی حق دار ہے، یا نہیں؟

الجواب

حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعا جائز ہیں؛ اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے

(۱) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۶۳، ظفير

(۲) (لاينصف) لاختصاص التنصيف بالمفروض في العقد بالنص بل تجب المتعة في الاول ونصف الأصل. (الدرالمختار) وفي الشامي: (قوله: لاينصف) أي بالطلاق قبل الدخول، بحر، ... (قوله: ونصف الاصل في الثاني) أي فيما لوزاد بعد العقد. (ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۶۴، قبيل مطلب في حط المهر، ظفير)

(۳) ردالمحتار، باب المهر: ۲/۴۶۳)

درمختار کی پوری عبارت یہ ہے: (أو زيد) على ما سمّى فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس أو قبول ولي الصغيرة ومعرفة قدرها وبقاء الزوجية على الظاهر، نهر. (الدرالمختار، باب المهر: ۲/۴۶۳، ظفير)

مقرر شدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کی مالکہ متصور ہوگی۔

قال فی الهندية: الزيادة فی المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علماء نا الثلاثة كذا فی المحيط، فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة. كذا فی السراج الوهاج: هٰذا اذا قبلت المرأه الزيادة سواء كانت من جنس المهر أولا من زوج أو من ولی كذا فی النّهر الفائق. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۱۲، الفصل السابع فی الزيادة فی المهر..الخ)

قال العلامة ابن نجيم المصری: ودل وضع المسئلة على جواز الزيادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس على الأصح. (البحر الرائق: ۳/۱۴۸، باب المهر) (فتاوی حقانیہ: ۴/۳۷۰)

دین مہر میں مہر سے زیادہ جائداد لکھ دی تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی حیات میں بحیثیت طول عمر کے حواس ٹھیک نہ رہنے کی حالت میں اپنی عورت کو کچھ جائداد منقولہ وغیرہ دین مہر میں مہر کی مقدار سے زیادہ عورت کی ترتیب سے لکھا کر رجسٹری کرادی۔اس مسئلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

مہر کی مقدار سے زیادہ جو ایسی حالت میں دی، بحکم وصیت ہے لہٰذا نا جائز ہے، **بحكم لا وصية لوارث.** (۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۶۰-۲۶۱)

مغالات مہر:

سوال: رسالہ النور: ۱/۲۵-۵۳ھ، ملفوظ نمبر: ۲۹۴، میں حسب ذیل عبارت ہے: ''جواب میں فرمایا کہ احادیث میں جو مغالات مہر کی ممانعت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کے خلاف ایک شخص قلیل مہر مقرر کرے، ورنہ فقہا اس راز کو سمجھتے۔ دیکھئے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر غیر اب وجد کسی لڑکی کا نکاح مہر مثل سے کم پر کردے تو نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ساری قوم مغالات کرتی ہو تو اپنی اولاد کے لیے مہر مثل کی مراعاۃ واجب ہے، ممانعت مغالات مہر کا مطلب یہ ہے کہ ساری قوم مہر میں مغالات کو رفع کرے''۔ (انتہی ملفوظ)

(۱) پس احقر نے ہمشیرۂ خود کا عقد ۶۰۰/روپیہ مہر پر کردیا، حالاں کہ ہماری ذات میں ساڑھے بارہ ہزار روپے کے قریب قریب مہر مقرر ہوتا ہے، پس مذکورہ بالا عبارت مسئلہ فقہا کی رو سے نکاح منعقد نہیں ہوا اور جگہ پر بھی مہر معمولی ومہر مثل سے کم پر ہمارے یہاں مہر بندھا ہے؛ مگر وہ لڑکی کے والد نے خود باندھا ہے۔ پس کیا ایسی صورت میں نکاح ہمشیرہ اسی شخص سے مہر مثل پر کردینا چاہیے؟

---

(۱) الهداية، كتاب الوصايا: ۴/۶۴۱، ظفير

(۲) اگروہ شخص ساڑھے بارہ ہزار مہر منظور نہ کرے اورعذر کرے تو کیا از روئے مقدمہ ہمشیرہ کوان سے چھڑالینا چاہیے۔

(۳) اگر ہمشیرہ ۶۰۰/روپے پرنکاح قائم رکھے، یا کہے کہ بوقت نکاح مجھے یہ مہر منظور تھا تو کیا نکاح بحال رہے گا؟

(منظوراحمد، مدرس رڑکی، سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) مہر کے متعلق شریعت کی طرف سے تعیین ہے کہ کم از کم دس درہم ہونا چاہیے،اس سے کم جائزنہیں،(۱)اس سے زائدعورت اوراولیا کا حق ہے،عورت اوراولیا کا حق ہے،عورت اگر بلا رضامندیٔ اولیا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے گی تو اولیا کوقاضی کے ذریعہ سے فسخ کا حق ہے۔(۲)اگرعورت بالغہ واولیاء مہر مجل سے کم پر رضامند ہوجاویں تو صحیح ہے۔(۳) صورت مسئولہ میں اگر ہمشیرہ بوقت نکاح بالغہ تھیں اوراولیا میں سے بھی کسی کوکوئی اعتراض نہ تھا تو یہ نکاح صحیح ہے۔

(۲) جب سب کی رضامندی سے نکاح ہوا تو چھڑانے کی کیا ضرورت ہے۔(۴)

(۳) اگر بوقت نکاح بالغہ تھیں اوراولیا کوبھی اعتراض نہیں تو نکاح بحال درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودعفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۱/۳/۱۳۵۳ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۲/جمادی الثانیہ۱۳۵۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۴۳-۴۵)

حیثیت کے اختلاف سے مہر میں اختلاف:

سوال: اگرمہر بحیثیت مالی حالت کے مقررکیا جائے تو میرا مہر کتنا مقررکیا جائے گا،جب کہ میرے کارخانے کی مجموعی آمدنی تقریباً ایک ہزارروپے مہینہ ہے،جس میں میراایک بھائی دوبہنیں اورماں بھی شریک ہیں۔

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال:"ولامهر أقل من عشرة".(إعلاء السنن، باب: لامهر أقل من عشرة: ۸۱/۱،إدارة القرآن کراتشی)

(۲) وإذا تزوجت المأة ونقصت عن مهر مثلها، فللأولياء الاعتراض عليه عند أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالی، حتی يتم لها مهر مثلها أو يفارقها،الخ".(الهداية،کتاب النکاح، فصل فی الکفائة:۳۲۱/۲،مکتبه شرکة علمية ملتان)

(۳) أن الکفاء ة فی الأمور المذکورة من حق الولی بشرط أن يکون عصبة ولوکانغير محرم ... ثم إذا سکت الولی عن الاعتراض حتی ولدت المرأة، فإن هقه يسقط فی الکفاء ة، الخ".(کتاب الفقة علی المذاهب الاربعة، مبحث الکفاء ة فی الزواج:۵۲/٤،دارالفکربيروت)

(۴) وإذا زوجها الولی بغير کفاء ة برضاها، لزم النکاح، وإذا رضی الأولياء فقد اسقطوا حق أنفسهم بالاعتراض والفسخ". (الفقه الإسلامی وإدلته، الفصل الخامس:الکفاء ة فی الزواج، ترتيب الحقبين الأولياء ووقت سقوط حق الأعتراض:۶۷٤٤/۹،رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی، جتنی مقدار آپ کو ادا کرنا سہل ہو اور لڑکی کے حالات کے بھی مناسب ہو، تجویز کرلیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندنظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۱/۳۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۵۲)

مہر کی زیادہ مقدار، یا مہر مثل مقرر کرنے میں تقابل:

سوال: مفتی صاحب! بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں؛ یعنی جتنا مہر بھی رکھا جائے، مقرر کیا جاسکتا ہے؛ لیکن دوسری طرف کتابوں میں یہ بھی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا؛ یعنی ان کے مہر کے برابر مقرر کرنا چاہیے؟ کیا یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں؛ کیوں کہ شریعت میں اصل تو یہی ہے کہ مہر مقرر کیا جائے اور مہر کے مقرر کرنے میں کوئی حد نہیں جتنا چاہے مہر مقرر کیا جاسکتا ہے، البتہ دس درہم (2.625 تولہ چاندی کی مقدار) سے کم نہ ہو۔ باقی رہا مہر مثل تو وہ ایک حَکَم اور ثالث کی طرح ہے؛ یعنی اگر کسی وجہ سے عقد میں مہر متعین نہ ہو پائے، یا ایسی چیز مہر مقرر کردی، جو شرعاً مال ہی نہ ہو وغیرہ تو ان صورتوں میں مہر مثل کو بطورِ حکم کے مہر بنانا پڑتا ہے؛ کیوں کہ اصل مہر مقرر نہیں ہوا، لہٰذا مہر مثل ادا کرنا ہوگا اور مہر مثل سے لڑکی کے ددھیال کی عورتوں کا مہر مراد ہوتا ہے، جتنا مہر ان عورتوں کا ہو، وہی مہر مثل کہلائے گا اور اس لڑکی کو وہی ادا کیا جائے گا۔

درج بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ مہر مقرر کرنے کی حد مقرر نہ ہونے اور مہر مثل مقرر کرنے میں کوئی تضاد نہیں، پہلا اصل ہے اور دوسرا بوقتِ ضرورت حکم ہے۔

لمافي القدوری (ص:۱۷۶)**:وأقل المهر عشرة دراهم فان سمى أقل من عشرة فلها العشرة ومن سمى مهرا عشرة فمازاد فعليه المسمى،الخ.**

وفي الهندية (۱/۳۰۶)**:وإذا مات أحد الزوجين فى نكاح لا تسمية فيه فإنه يتأكد مهر المثل عند أصحابنا كذا فى البدائع ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة،الخ.** (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۱۴-۲۱۵)

---

(۱) وإذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها فللأولياء الاعتراض عليها عند أبى حنيفة رحمة الله عليه، حتى يتم لها مهر مثلها او يفارقها، الخ. (الهداية، فصل فى الكفاءة: ۲/۳۲۱،مكتبه شركة علمية ملتان)

زیادہ مہر کی صورت میں نکاح درست ہے، یانہیں:

سوال: فی زمانناشادی میں بہت زیادہ چالیس ہزار مہر مقرر ہوتا ہے، حالاں کہ گھر میں فاقہ کی نوبت ہوتی ہے؛ مگر کم معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایسا نکاح درست ہے، یا کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مہر کا زیادہ کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا اور شرعاً پسندیدہ امر نہیں ہے، (۱) باقی جو کچھ مہر مقرر کر دیا جاوے، اگرچہ وہ شوہر کی حیثیت سے زیادہ ہو، وہ مہر لازم ہو جاتا ہے اور نکاح ہو جاتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۳۵)

وسعت سے زائد مہر مقرر کرنا:

سوال: بہار میں مہر بہت مقرر کرتے ہیں؛ یعنی تین ہزار ایک سو اکاون سے کم نہیں؛ بلکہ اس سے زائد ہی مقرر کیا جاتا ہے۔ از روئے شرع یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مہر نہ اتنا زائد ہو کہ شوہر پر اس کی ادائیگی دشوار اور پریشانی کا باعث ہو جائے اور نہ اتنا کم ہونا چاہیے کہ جس کی کوئی اہمیت وحیثیت نہ ہو؛ بلکہ مہر مقرر کرنے میں زوجین (شوہر بیوی) اور خصوصاً شوہر کی معاشی حالت کی رعایت ضروری ہے؛ تاکہ وہ بآسانی ادا کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مہر کی زیادتی دنیا میں شرافت وعزت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے کہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کا مہر زیادہ سے زیادہ رکھتے، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا؛ اس لیے تعیین مہر میں زیادہ غلو سے کام نہ لیا جائے۔

عن عمر بن الخطاب قال :ألا ! لاتغالوا صدقةَ النساء فإنها لو كانت مكرمة فى الدنيا وتقوىً عنداللّٰه لكان أولٰكم بها نبى اللّٰه عليه وسلم ماعلمت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناتہ على أكثر من اثنتى عشرة أوقية. (مشكاة المصابيح،باب الصداق: ۲/۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۶/ شعبان ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

(۱) عن عمر بن الخطاب قال:ألا! لاتغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة فى الدنيا وتقوىٰ عند اللّٰه لكان أولٰكم بها نبى اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ماعلمت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقية.(رواه أحمد والترمذى وأبوداؤد والنسائى وابن ماجه والدارمى) (مشكاة المصابيح، باب الصداق،ص: ۲۷۷،ظفير)

(۲) وتجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما.(الدرالمختار) (قوله:يجب اليكثر أى بالغا مابلغ.(ردالمحتار،با ب المهر: ۲/۴۵۴،ظفير)

استطاعت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اور اس کا حکم:

سوال(۱) بوقت نکاح اکثر مقامات پر لڑکی والے لڑکے کی مالی طاقت سے زیادہ مہر مقرر کرتے ہیں، مثلاً ۴۰، ۵۰/ ہزار روپئے۔ ظاہر ہے کہ اتنا زیادہ مہر کا ادا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ شریعت میں مالی طاقت سے زیادہ کسی کا مہر مقرر کرنا کیسا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص لڑکی والوں کی طرف سے، یا خود لڑکا اپنے خاندان کے دباؤ میں آ کر اپنی استطاعت سے زیادہ مہر میں شادی کر لیتا ہے؛ لیکن مہر کی زیادتی کے سبب مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، بیوی بھی مہر معاف نہیں کرتی ہے تو آپ شرعاً یہ بتائیں کہ بیوی کی طرف سے مہر معاف نہ ہونے کی صورت میں لڑکا اپنی طاقت کے مطابق ۴۰/ ہزار روپئے مہر ہے تو فقط ۱۵/ ہزار روپئے مہر ادا کرنے سے کیا مہر ادا ہو جائے گا؟

مہر میں صرف مہر فاطمی مقرر کرنا:

(۳) رقم کا تعین کئے بغیر فقط مہر فاطمی کا لفظ استعمال کرنے سے نکاح جائز ہے، یا نہیں؟ میں نے بعض مستند علماء کرام سے مہر فاطمی کے سلسلہ میں جاننا چاہا تو ان کا کہنا تھا کہ مہر کا تعین کئے بغیر فقط مہر فاطمی کا لفظ استعمال کرنے سے نکاح جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ تمام مسائل کا جواب دیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) لڑکے کی استطاعت سے بہت زیادہ مہر باندھنا صحیح نہیں ہے، آج کل جو یہ رواج بن چکا ہے، وہ غلط ہے، اس کو ختم کیا جائے، لڑکا اور لڑکی دونوں کے حالات کی رعایت کر کے اتنا مہر متعین کیا جائے، جس کی ادائیگی میں لڑکے کو دشواری نہ ہو اور لڑکی کو قبول کرنے میں عار محسوس نہ ہو، حضرت عمرؓ نے مہر زیادہ مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر مہر کی زیادتی دنیا میں عزت کا باعث بنتی اور اللہ کے نزدیک تقویٰ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے، حالاں کہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح اور خود اپنا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر نہیں کیا ہے۔

عن عمر بن الخطاب قال ألا لاتغالوا صدقةَ النساء فإنها لو كانت مكرمة فى الدنيا وتقوىً عندالله لكان أولٰكم بها نبى الله عليه وسلم ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقية. (مشكاة المصابيح باب الصداق: ۲۷۷/۲)

(۲) البتہ مقرر کردہ مہر خواہ زیادہ مقدار میں ہو، یا کم مقدار میں شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے، اگر عورت اپنی خوشی سے معاف کر دے تو ٹھیک، ورنہ اس کی ادائیگی بہر قیمت لازم ہے، ادا نہ کرنے کی صورت میں گنہ گار رہو گا۔

(وتجب) العشرة (إن سمّاها أو دونها و) يجب (الأكثر منها إن سمى) الأكثر. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۳۳۰/۲)

(۳) اگر نکاح کے وقت مہر فاطمی متعین کیا جائے تو بھی مہر متعین سمجھا جائے گا، یہ کہنا کہ اس صورت میں مہر متعین نہیں ہے؛ اس لیے نکاح نہیں ہوا غلط اور بے بنیاد ہے، مہر فاطمی کا وزن ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے، (جواہر الفقہ: بحث اوزان شرعیہ: ۴۲۴/۱) اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ اگر مہر متعین نہ ہو تو بھی مفتیٰ بہ قول کے مطابق نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور بعد خلوت صحیحہ مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

(قوله: صح النكاح بلاذكره) لأن النكاح عقد انضمام وازدواج لغة فيتم بالزوجين ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلايحتاج إلى ذكره لصحة النكاح. (البحرالرائق باب المهر: ۲٤٩/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۶/۵/۱۴۲۰ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴) ☆

☆ **اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا:**

سوال: جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو کیا اس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مدنظر رکھنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے؛ اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں؛ لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا ہو جائے گا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتغالوا صدقة النساء. (مشكاة، ص: ۲۷۷، باب الصداق) (مفتی عزیز الرحمٰنؒ فرماتے ہیں: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۱/۸، مسائل واحکام مہر) (فتاوی حقانیہ: ۳۵۹/۴)

استطاعت سے زائد مہر باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شرعاً مہر کتنا ہونا چاہیے اور جو آج کل لوگ اتنا زیادہ مہر کر دیتے ہیں، جس کو آدمی ادا نہیں کر سکتا ہے تو کیا یہ درست ہے اور اس کو کتنا مہر ادا کرنا چاہیے؟

(المستفتی: فہیم احمد، نگینوی مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شرعاً مہر کی مقدار دس درہم ہے، اس سے کم نہ ہونا چاہیے، اگر دس درہم سے کم مہر باندھا ہے، تب بھی دس درہم لازم ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۲۵۶/۸، ایضاح المسائل: ۱۲۹)

وأقل المهر عشرة دراهم ولو سمى أقل من العشرة فلها العشرة. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفية ديوبند: ٣٢٤/٢)

اور زیادتی کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، اوسط درجہ کے صاحب حیثیت لوگوں کے لیے مہر فاطمی باندھنا بہتر ہے، جو آسانی سے مہر فاطمی ادا کر سکیں اور جو کمزور غریب لوگ ہیں جو روز کی کمائی پر گزارہ کرتے ہیں، ان کے لیے مہر فاطمی مسنون نہیں؛ اس لیے کہ وہ مہر فاطمی ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے لیے اتنی مقدار باندھنا مسنون ہے، جتنی مقدار وہ آسانی سے ادا کر سکیں؛ لیکن دس درہم سے کم بھی نہ ہونا چاہیے اور جو لوگ کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں، ان کے لیے مہر ام حبیبہؓ باندھنا زیادہ بہتر ہے؛ البتہ اتنا زیادہ مہر مقرر کرنا کہ ادا نہ کیا جا سکے، یہ ناجائز ہے۔ ==

مہر فاطمی بہتر ہے، یا شوہر کی حیثیت سے:

سوال: مہر کی مقدار متعین کرنے میں معیار کیا ہونا چاہیے؟ مہر فاطمی بہتر ہے، یا شوہر کی حیثیت ملحوظ ہو؟ ایک صاحب نے شرعی مہر کی مقدار ۱۲/اوقیہ چاندی بتلائی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا مہر ۱۲/اوقیہ، یا اس کے قریب قریب تھا، ایک اور صاحب نے کہا کہ مہر کی مقدار شوہر کے تین مہینے کی تنخواہ، یا آمدنی کے برابر ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

(غفار قادر، پربھنی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار تو متعین کی گئی ہے، جیسا کہ بعض احادیث کی روشنی میں حنفیہ اور مالکیہ کا نقطۂ نظر ہے؛(۱) لیکن زیادہ سے زیادہ مقدار متعین نہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ

== عن أبي العجفاء السلمي، قال: خطبنا عمر فقال: ألا لا تغالوا بصدق النساء. (أبو داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية: ۲۸۷/۱، دار السلام رقم: ۲۱۰۶)

لیکن جتنا مہر عقد نکاح کے وقت متعین کر دیا گیا اور شوہر نے اسے تسلیم کر لیا، تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمىٰ الأكثر. (الدرالمختار، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۶۱۶/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۴/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۴۶/۱۳-۶۴۷)

مہر وسعت سے زیادہ ہو، تب بھی نکاح درست ہے:

سوال: زید کی تنخواہ ایک سو تیس روپے ہے، شادی سے قبل مہر پندرہ سو قبل مہر پندرہ سو روپے طے ہوا تھا؛ لیکن عین موقع پر خسر نے چار ہزار روپیہ پر اصرار کیا اور زید نے چار ہزار دو اشرفی دین مہر قبول کر لیا۔ اب زید کو شک ہے، یہ تو وسعت سے زیادہ ہو گئے۔ کیا شرع کے مطابق یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح تو صحیح ہو گیا، اب یا تو مہر کے ادا کرنے کی تدبیر کرے، یا معاف کرائے۔

”وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الاكثر منها إن سمى الأكثر: أي بالغا ما بلغ ، فالتقدير بالعشرة لمنع الفصان“.(الدرالمختاروشامي: ۲۳۰/۲)(الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

فالمهر بتأكد باحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أومهر المثل، حتى لا يسقط شئ منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق“. (بدائع الصنائع، فصل في بيان مايتأكد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الكتب العلمية، بيروت) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۷/۱۰)

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۵۶/۷، أقل المهر

عنہن کا مہر ۱۲/ یا ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی ۴۸۰/ یا ۵۰۰/ درہم تھا؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اتنا ہی مہر رکھنا ضروری ہے،---- یہ کہنا کہ تین ماہ کی تنخواہ، یا آمدنی کے برابر مہر ہونی چاہیے، بالکل بے اصل بات ہے، شریعت کی ہدایات اور نبوی معمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہر اتنا زیادہ نہیں ہونا چاہیے کہ شوہر ادا ہی نہ کر پائے اور اتنا کم بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بالکل معمولی رقم ہو؛ بلکہ خطیر قابلِ ادائیگی رقم ہو، جس میں شوہر کی آمدنی اور بیوی کے خاندانی مہر دونوں کی رعایت ہو اور اگر فوری مہر ادا نہ کر رہے ہوں تو سونے اور چاندی سے مہر متعین کیا جائے؛ لیکن تاخیر کی وجہ سے اس کی مقدار کم نہ ہونے پائے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۸۷-۳۸۸)

نام ونمود کے لیے برداشت سے زیادہ مہر مقرر کرنا:

سوال: ایک جگہ یہ دستور ہے کہ بوقت نکاح مہر ایک لاکھ، یا سوا لاکھ کا باندھا جاتا ہے، باوجود یہ کہ دولہا کی حیثیت ہزار روپے کی بھی نہیں ہے؛ لیکن رواجاً مہر باندھا جاتا ہے اور خیال یہ ہوتا ہے کہ میاں کون مانگتا ہے اور اگر مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟ جب ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تو کس سے لے گا؟ ایسی صورت میں نکاح اس رواجی مہر پر جائز ہوگا، یا نہیں؟ اور اولاد اس کی حلال ہوگی، یا نہیں؟

(المستفتی: منشی محمد احسان اللہ، دفتر ایس ایم یوسف، صدر بازار دہلی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس خیال سے مہر باندھنا کہ ”کون مانگتا ہے اور مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟“ سخت گناہ ہے۔ مہر خاوند کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہیے، (۱) اور ادا کرنے کی نیت رکھنی چاہیے؛ لیکن اگر حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے اور اسی قدر مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے، جس کا مواخذہ اس کے سر رہتا ہے، (۲) اور اولاد اس کی ثابت النسب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ عفی عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

صح الجواب بالکتاب

”ویصح وإن لم یسم فیه مهر، الخ“. (هکذا فی الهدایة) (۳)

حررہ محمد یوسف عفی عنہ (کفایۃ المفتی: ۵/۱۴۳)

---

(۱) عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إن أعظم النکاح برکة ایسره مؤنة. (شعب الإیمان للبیهقي، کتاب النکاح، باب الاقتصاد فی النفقة: ۵/۲۵۴، (رقم: ۶۵۶۶) دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین ... حتی لا یسقط منه بعد ذلک شئ إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، ماجدیة)

(۳) الهدایة: کتاب النکاح، باب المهر: ۲/۲۹۳، سعید

لوگوں کا زیادتی مہر کو اچھا اور قابل فخر سمجھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل مہر کے بارے میں لوگوں کا یہ ذہن بنا ہوا ہے کہ مہر جتنا زیادہ ہو، اتنا ہی اچھا ہے؛ لیکن شریعت کی نظر میں مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟ نیز سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے اس کی تخمینی مقدار کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ خیال کرنا کہ مہر جتنا زیادہ ہو اتنا ہی اچھا ہے، یہ شرعاً ممنوع ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہر بڑھا کر نہ باندھو؛ اس لیے کہ اگر یہ کوئی شرافت اور فخر کی چیز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق تھے، لوگ اپنی شان وشوکت اور فخر ومباہات کی خاطر زیادہ سے زیادہ مہر متعین کر لیتے ہیں اور پھر یا تو معاف کرانے کی کوشش کرتے ہیں، یا ادائیگی ومعاف کرائے بغیر ہی عورت کا اہم ترین حق لے کر دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، جو انتہائی خسارہ کی بات ہے، اس لیے اصل سنت تو یہ ہے کہ حسبِ استطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور صاحب زادیوں کا مہر متعین کیا جائے اور اگر زیادہ ہی مہر باندھنے کی بات ہے تو ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اتنی مقدار متعین کرے، جس کو بآسانی ادا بھی کر سکے؛ کیوں کہ مہر عورت کا اہم ترین حق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کبائر کے بعد بدترین گناہ یہ ہے کہ آدمی اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس پر کسی کا قرضہ (حق) ہو؛ اس لیے اتنا مہر متعین کریں کہ جو بآسانی ادا کر سکیں، مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر متعین کرنا جائز نہیں۔ دس درہم کا وزن موجودہ گرام کے حساب سے ۳۰/تولہ ۶۱۸/ملی گرام ہے، جس کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے۔ (مستفاد: بہشتی زیور: ۶/۴۲-۱۲/۴، ایضاح المسائل: ۱۲۹، جواہر الفقہ: ۶/۴۲۴)

عن العجفاء السلمی قال: خطبنا عمر رضی اللّٰہ فقال: ألا لا تغالوا بصُدُق النساء؟ فإنها لو كانت مكرمة فی الدنیا أوتقویٰ عند اللّٰہ، كان أولاكم بها النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما أصدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امرأة من نسائه ولا أُصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتی عشر أوقية. (سنن أبی داؤد: ۲۸۷/۱، رقم: ۲۱۰۶، سنن الترمذی: ۲۱۱/۱، رقم: ۱۱۱٤، سنن ابن ماجة: ۱۳۷/۱، رقم: ۱۸۸۷، مشكاة المصابيح: ۲۷۷)

عن أبی موسی رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن أعظم الذنوب عند اللّٰہ أن يلقاه بها عبد بعد الكبائر التی نهی اللّٰہ عنها أن يموت رجل وعليه دين. (مشكاة المصابيح، باب الإفلاس: ۲۵۳)

عن الشعبی عن علی رضی اللّٰہ عنه: لا مهر أقل من عشرة دراهم. (السنن الكبریٰ للبيهقی: ۲٤۰/۷، سنن الترمذی: ۲۱۱/۱)

ولو سمی أقل من عشرة دراهم فلها العشرة عندنا. (الهداية: ۳۲٤/۲)

وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر(قوله: ويجب الأكثر) أي بالغًا ما بلغ فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان. (الدر المختار مع ردالمحتار،باب المهر: ۱۰۲/۳، كراتشي، الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فی المهر: ۳۰۳/۱ ،كوئٹه، مجمع الأنهر،باب المهر: ۵۰۹/۱،دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۳/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۸/۸-۳۹۹)

مہر کی زیادتی:

سوال: کیا اپنی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا، یا بندھوانا جائز ہے؟ یہ کہہ کر کہ برادری میں رسم اتنے ہی حق مہر کی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح تو ایسی حالت میں درست ہوجاتا ہے؛ لیکن زیادہ مہر مقرر کرنا اور اس میں غلو کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، خصوصاً دنیا کے دکھلاوے کے لیے اور رسم کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرنا شرعا ممنوع ہے۔

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: ألا ! لا تغالوا فی صدقات النساء ، فإنها لو كانت مكرمة فی الدنيا وتقوی عنداللّٰه، لكان أولكم بها نبی اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم". (الحديث. مشكاة المصابيح، ص: ۲۷۷)(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳/۱۲-۴۶) ☆

---

(۱) مشكاة المصابيح،باب الصداق، الفصل الثانی،ص: ۲۷۷،قديمی

☆ مہر کی زیادتی:

سوال: مہر کے لیے شرعی قانون کیا ہے؟ کیوں کہ آج کل کثرت سے یہ ہورہا ہے کہ خاوند میں وسعت نہیں ہوتی؛ مگر لڑکی کے ورثاء اصرار سے زیادہ ہی حق مہر مقرر کراتے ہیں اور بعضوں کا خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر مہر زیادہ از وسعت ہو پڑا ہو، لینا دینا تو کچھ بھی نہیں۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مہر کی ادنی مقدار شریعت نے دس درہم مقرر کی ہے، (أقله عشرة دراهم. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۴۳/۳،قديمی) زیادہ کی تحدید کچھ نہیں، طرفین جس قدر چاہیں اور وسعت سمجھیں مقرر کرسکتے ہیں، حیثیت سے زیادہ مقرر کرنا نام آوری، شہرت کے لیے شرعاً پسندیدہ نہیں، نہایت مذموم اور بُرا ہے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیکھیں: مشکوۃ المصابیح: باب الصداق، الفصل الثانی، ص: ۲۷۷، قدیمی) اور جب کہ دینے اور معاف کرانے کی نیت نہ ہو تو بہت ہی بُرا ہے، بعض احادیث میں ایسے شخص کے لیے سخت کلمات فرمائے ہیں، جس طرح کہ دوسرا کسی قسم کا قرض ذمہ میں رہتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح دین مہر بھی عورت کا واجب الادا قرض ہوتا ہے، اس کو ادا کرنا، یا معاف کرانا ضروری ہے اور جس شخص کی ادا کرنے کی نیت نہ ہو، باوجود وسعت کے ادا نہ کرے اور نہ معاف کرائے اور نہ عورت معاف کرے تو وہ قیامت ==

لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا:

سوال (۱) ایک شادی شدہ لڑکا جس کی عمر پینتیس سال ہے اور اس کا مہر پینتس روپے چار آنے ہے؛ کیوں کہ ان کی برادری میں اتنا مہر باندھنے کا رواج ہے اور یہ لڑکا سرکاری ملازم ہے۔ ایک دوسرے شخص نے بہلا پھسلا کر چوری سے اپنی لڑکی سے ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھا دیا اور بستی والوں کو معلوم نہیں ہوا، یہ چوری سے نکاح اور ڈیڑھ ہزار روپے مہر، جو کہ دباؤ ڈال کر باندھا گیا ہے درست ہے، یا نہیں؟

(۲) ایک غریب خاندان ہے، جو کہ دادا پردادا ماں باپ سب کا مہر پینتیس روپے چار آنے ہے؛ لیکن لڑکے کا مہر زبردستی سے دباؤ ڈال کر ڈیڑھ ہزار روپے باندھا گیا جس کی نہ کوئی جگہ ہے، نہ زمین ہے، نہ کوئی حیثیت ہے تو آیا دباؤ ڈال کر ڈیڑھ ہزار روپے مہر باندھا گیا، جس کی نہ کوئی جگہ ہے، نہ زمین ہے، نہ کوئی حیثیت ہے تو آیا دباؤ ڈال کر ڈیڑھ ہزار روپے مہر باندھنا درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) ایجاب وقبول جب دو گواہوں کے سامنے شریعت کے مطابق ہو جائے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، (۱) اور مہر کی اتنی مقدار بھی منظور کرنے سے مہر لازم ہو جاتا ہے، (۲) اگر چہ برادری میں کم مہر کا رواج ہے۔ پینتیس سالہ شادی شدہ سرکاری ملازم لڑکا ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو نابالغ، یا کم عمر لڑکا سمجھ کر بہلا پھسلا کر غلط کام کرا لیا جائے اور

== میں ماخوذ ہوگا۔ (أخرج الطبرائی بسند رواته ثقات أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ايما رجل تزوج امرأة على ماقل من المهر أو كثر، وليس في نفسه أن يؤدى إليها حقها، خدعها، فمات ولم يؤد إليها حقها، لقى الله يوم القيامة وهو زان، وأيما رجل استدان دينا وهو لايريد انيؤدى إلى صاحبه حقه، خدعه، حتى أخذ ماله، لقى الله هو سارق". (الزواجر عن افتراف الكبائر، باب الصداق: ٢/٤٧، ٤٨، دار الفكر، بيروت) اور اگر ترکہ چھوڑا ہے تو اس وصول کیا جائے گا، (وموت أحدهما كحياتهما في الحكم أصلا وقدرا لعدم سقوطه بموت أحدهما". (الدر المختار، باب المهر: ٣/١٥٠، سعيد) نکاح بہر حال درست ہو جاتا ہے۔ (إنما ينعقد متلبسا بإيجاب من احدهما وقبول من الاخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/٩، سعيد) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۴۶-۴۷)

(۱) النكاح ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر بشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/٩-٢٢، سعيد)

(۲) وتجب العشره إن سماها او دونها، ويجب الأكثر منهاإن سمى الاكثر، ويتاكد عند وطء أو خلوة صهت أو موت أحدهما". (الدر المختار) "(قوله: ويتأكد): أى الواجب من العشرة أو الأكثر، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ٣/١٠٢، سعيد)

اس کومعذور قرار دے دیا جائے؛ اس لیے نکاح درست ہوگیا، (۱) اور مہر بھی پورا لازم ہوگا۔ (۲) گواہ بھی نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوا۔ (۳)

(۲) اکراہ کر کے اگر اتنا مہر مقرر کیا گیا ہے؛ یعنی اگر اس کو منظور نہ کرے تو ضرب، حبس وغیرہ کی سزا دی جائے تو نکاح جب بھی منعقد ہوگیا؛ (۴) لیکن اگر وطی سے پہلے طلاق دے دے گا تو شخص مذکورہ حقدار ہوگا کہ وہ نصف مہر اکراہ کرنے والوں سے وصول کرے۔ (۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۴۷-۴۹)

لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ہونے جا رہا

---

(۱) النكاح ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر بشرط حضورشاهدين حرين أوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا،الخ". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹-۲۲، سعيد)

(۲) وتجب العشره إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الاكثر، ويتاكد عند وطء أو خلوة صهت أو موت أحدهما". (الدرالمختار) "(قوله: ويتأكد): أى الواجب من العشرة أو الأكثر، الخ)". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(۳) ومنها الشهادة، قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح، هكذا فى البدائع". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الاول: ۱/۲۶۷، رشيدية)

(۴) (مايصح مع الاكراه): فقال: طلاق إيلاء وظهار ورجعة ونكاح، يشمل ماإذا أكره الزوج أو الزوجة على عقد النكاح، كما هو مقتضى إطلاقهم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب فى المسائل التى تصح مع الاكراه: ۳/۲۳۶، سعيد)

"(قوله: ليتحقق رضاهما): أى يصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضاء، إذا حقيقة الرضاء غير مشروط فى النكاح لصحته مع الاكراه والهزل"، (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۲۱، سعيد)

"عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ثلث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة". (مشكاة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثانى: ۲/۲۸۴، قديمى) (عن أبى هريرة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ثَلاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النكاح، والطلاق، والرَّجْعة. (مختصر سنن أبى داؤد للمنذرى، باب الطلاق على الهزل، رقم الحديث: ۲۱۰۸، وأخرجه الترمذى (رقم: ۱۱۸۴) وابن ماجة (رقم: ۲۰۳۹) وقال الترمذى: حديث حسن غريب، هذا آخر كلامه، وقال أبو بكر المعافرى: روى "والعتق" ولم يصح شىء منه، فإن كان أراد ليس منه شىء على شرط الصحيح، فلا كلام، وإن أراد أنه ضعيف، ففيه نظر، فإنه حسن، كما قال الترمذى، انيس)

(۵) وصح نكاحه وطلاقه وعتقه، ورجع بقيمة العبد ونصف المسمى إن لم يطأ. (الدرالمختار) وصح نكاحه، فلو اكره عليه بالزيادة، بطلب: بيع المكره فاسدا الخ: ۶/۱۳۷، سعيد)

تھا،لڑکی والوں نے مہر فاطمی مقرر کرنا چاہاتو اس نے اس کو اپنی حیثیت سے زیادہ بتایا، پھر کہا گیا کہ سواسات ہزار مقرر کروتواس کو بھی حیثیت سے زیادہ بتایا بالآخر پھر مہر فاطمی کے بارے میں کہا گیا کہ مہر فاطمی مقرر کرو، ورنہ بارات واپس لے جاؤتو زید نے کہا کہ ٹھیک ہے، مہر فاطمی مقرر کرو ہم طلاق ہی نہیں دیں گےتو مہر کیا لیں گے، اس طرح نکاح ہو گیا اور رسید پر بھی مہر فاطمی لکھا ہے تو شرعاً یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟ جب کہ مہر نہ دینے کی نیت شوہر کی ہے شرعی حکم کیا ہے؟

(المستفتی: عبدالکریم ، کانٹھ، معرفت مولانا تنویر احمد سہسپوری، مدرسہ فیض العلوم کانٹھ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر نہ دینے کی نیت سے زید گنہگار ہوگا توبہ کرلے اور بوقت نکاح چونکہ مہر فاطمی طے ہوا ہے اور وہی رسید میں بھی لکھا گیا ہے؛ اس لیے مہر فاطمی ہی شرعاً مقرر ہو چکا ہے۔ نیز نکاح بھی بلاشبہ صحیح اور درست ہو چکا ہے۔

وما فرض بتراضيهما، أو بفرض قاض مهر المثل (إلى قوله) أوزيد على ما سمىٰ فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس، أو قبول ولي الصغيرة و معرفة قدرها، وبقاء الزوجية على الظاهر، الخ. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۱۱۲/۳، زكريا: ۲٤٦/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶؍ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/۱۱/۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۴۷-۶۴۸)

اعلانیہ شہرت کے لیے زیادہ مہر لکھوانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نکاح کا ارادہ کیا، اس کے پاس وافر رقم موجود نہ تھی، کافی پریشان تھا، آخر اس نے قرض وغیرہ لے کر کسی طرح سارا بندوبست کیا؛ لیکن مسئلہ مہر کا پھنس گیا۔ خاندان میں عزت وشرافت باقی رکھنے کے لیے کم از کم ایک لاکھ مہر مقرر کرنا ضروری تھا، جو ظاہر ہے یہ شخص ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب ترکیب آئی، اس نے لڑکی کے والدین وغیرہ سے مل کر بیس ہزار مہر طے کرلیا اور یہ طے کیا کہ مجلسِ نکاح میں ڈیڑھ لاکھ مہر لکھوائیں گے۔ الغرض اس طرح تمام مراحل طے ہو گئے؛ لیکن شادی کے بعد لڑکی اور اس کے والدین بیس ہزار لینے سے مکر گئے اور ڈیڑھ لاکھ کا مطالبہ کرنے لگے، اب یہ شخص سخت پریشان ہے؛ کیوں کہ پچھلے معاہدے کا کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں۔ آپ بتائیں لڑکے پر کون سا مہر دینا واجب ہے؟

الجوابــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اولاً تو یہ بات یاد رہے کہ اس طرح شہرت وسمعت کے لیے مجلس نکاح میں زیادہ مہر مقرر کرانا اور پہلے کم مہر پر نکاح، یا معاہدہ خفیہ طور پر کرنا یہ صحیح طریقہ نہیں، اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اگر کہیں ایسے حالات ہوں تو سب کے سامنے کم مہر پر نکاح کیا جائے اور اس برے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے، اگر چہ کہنے والے کچھ بھی کہتے

رہیں، ان اعتراض کرنے والوں کو بھی اپنی عاقبت سے متعلق غور وفکر کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وعن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:"إن أعظم النكاح بركة أيسره مونة". (مشكاة، ص:۲٦۸)(۱)

(بیشک سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچہ جتنا کم ہو۔)

ایک اور حدیث میں ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه قال: ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة فی الدنيا وتقوی عند اللّٰه لكان أولاكم بها نبی اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، ما علمت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته علی أكثر من اثنتی عشرة أوقية. (رواه أحمد والترمذی وأبو داود والنسائی وابن ماجه والدارمی)(مشكاة، ص:۲۷۷)(۲)

(حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے، فرماتے ہیں: خبردار عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ؛ کیوں کہ مہر کی زیادتی اگر دنیا میں شرافت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا معیار ہوتی تو اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حق دار تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے اپنی کسی زوجہ، یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو۔)

اس لیے اولاً تو شہرت کے لیے آپ کو یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی؛ لیکن اگر ایسا واقعہ ہوگیا ہے تو شرعاً جو نکاح مجلس عقد میں ہوا، اس میں طے شدہ مہر معتبر ہوگا، الا یہ کہ خفیہ معاہدے پر آپ کے پاس دو گواہ ہوں، اگر آپ خفیہ بیس ہزار مہر مقرر کرنے پر دو گواہ لے آتے ہیں تو مہر بیس ہزار ادا کرنا ہوگا، ورنہ عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور بظاہر جو مجلسِ نکاح میں ڈیڑھ لاکھ طے ہوئے ہیں، آپ پر اس ڈیڑھ لاکھ کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما في المصنف عبدالرزاق (۱۸۷/٦): عبد الرزاق عن الثوری عن جابر وغيره عن الشعبی قال إذا تزوج فی السر بمهر وفی العلانية بمهر أكثر منه فالصداق الذی سمی فی العلانية، قال سفيان: إلا أن تقوم البينة أنه كان سمعة (أی سمع به وأذاعه كذبا أو سمعة). (۳)

وفی الشامية (۱٦۲/۳): الوجه الثانی أن يتعاقدا فی السر علی مهر ثم أقر فی العلانية بأكثر فإن اتفقا أو أشهدا أن الزيادة سمعة فالمهر ما ذكر عند العقد فی السر وإن لم يشهد فعندهما

---

(۱) مسند أبی داؤدالطيالسی، رقم الحديث: ۱۵۳۰، مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۲۴۵۲۹، انيس

(۲) مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۲۸۵، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۱۱۴، سنن أبی داؤد، رقم الحديث: ۲۱۰٦، سنن النسائی، رقم الحديث: ۳۳۴۹، سنن ابن ماجة، رقم الحديث: ۱۸۸۷، سنن الدارمی، رقم الحديث: ۲۲۴٦، المستدرك للحاكم، رقم الحديث: ۲۷۲۵، مسند أبی داؤدالطيالسی، رقم الحديث: ٦۴، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث: ۱۰۳۹۹، مسند الحميدی، رقم الحديث: ۲۳، سنن سعيد بن منصور، رقم الحديث: ۵۹٦، انيس

(۳) مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث: ۱۰۴۴۴، انيس

المهر هو الأول، وعنده هو الثانى ويكون جميعه زيادة على الاول لو من خلاف جنسه وإلا فالزيادة بقدر ما زاد على الاول اه ملخصا من الذخيرة. والحاصل فى الوجه الاول أن العقد إنما جرى فى العلانية فقط، وفى الوجه الثانى بالعكس أوجرى مرتين مرة فى السر ومرة فى العلانية كما قدمناه مبسوطا عن الفتح، الخ.

وفيه أيضاً (۱٦۱/۳، مطلب فى مهر السر ومهر العلانية) **(قوله: المهر مهر السر، إلخ) المسألة على وجهين الاول تواضعا فى السر على مهر ثم تعاقدا فى العلانية بأكثر والجنس واحد، فإن اتفقا على المواضعة فالمهر مهر السر وإلا فالمسمى فى العقد ما لم يبرهن الزوج على أن الزيادة سمعة.** (نجم الفتاویٰ: ۱۹۹/۵-۲۰۰)

بدنامی سے بچنے کے لیے مجمع میں زیادہ مہر کہلوانے کا حکم:

سوال: میں نے جب شادی کی تو سسر نے مجھے کہا: میری لڑکی کا مہر تو 5000 روپے ہے؛ لیکن مجلس نکاح میں آپ پچاس ہزار لکھوانا؛ تاکہ لوگ ہمیں اچھے گھرانے کا تصور کریں، البتہ ہم آپ سے صرف پانچ ہزار لیں گے۔ میں نے بھی ان پر اعتبار کر کے لکھ دیا، اب وہ میرے سے پچاس ہزار کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اب میرے اوپر کتنا مہر لازم ہوگا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر لڑکی کا حق ہے اس میں سسرال والوں کا کوئی دخل نہیں۔ صورت مسئولہ میں جبکہ خفیہ اور علانیہ مہروں کی مقداروں میں کافی فرق بھی ہے تو اس صورت میں اگر آپ کے پاس خفیہ طور پر طے کئے جانے والے (پانچ ہزار روپے) مہر کے بارے میں کوئی گواہ، یا ثبوت ہے تو پھر علانیہ مہر (50000) آپ کے ذمے واجب نہیں ہے۔

(۲) اور اگر خفیہ مہر پر کوئی گواہ، یا ثبوت نہیں ہے تو پھر اگر لڑکی راضی ہو جائے تو دیانتاً پانچ ہزار ہی واجب ہیں؛ لیکن اگر بیوی عدالت چلی جائے تو قضائاً پچاس ہزار (50000) کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

لمافى الجرهرة النيرة (۵۵۵/۱)**: ومن أقر لغيره بمال كاذبا، والمقر له يعلم أنه كاذب لا يحل له ديانة إلا إذا سلمه بطيب نفسه فإنه يحل.**

وفيه أيضاً: اذا اقرالحر البالغ العاقل على نفسه بحق لزمه اقراره.

وفى الشامية (۱٦۱/۳، مطلب فى مهر السر ومهر العلانية) **: (قوله: المهر مهر السر، إلخ) المسألة على وجهين الاول تواضعا فى السر على مهر ثم تعاقدا فى العلانية باكثر والجنس واحد، فإن اتفقا على المواضعة فالمهرمهر السر وإلا فالمسمى فى العقد ما لم يبرهن الزوج على أن الزيادة سمعة.**

وفيه أيضاً (۱٦۲/۳)**: الوجه الثانى أن يتعاقدا فى السر على مهر ثم أقر فى العلانية بأكثر فإن**

اتفقا أو أشهدا أن الزيادة سمعة فالمهر ما ذكر عند العقد فى السر وإن لم يشهد فعندهما المهر هـو الاول وعـنـده هـو الثـانى ويكون جميعه زيادة على الاول لو من خلاف جنسه وإلا فالزيادة بقدر ما زاد على الاول ا ه ملخصا من الذخيرة.

وفيه أيضاً (۴۱۳/۳): **لان الـقـاضى إنما يقضى بالحجة والحجة إنما هى البينة أو الإقرار، أما الصک فلا يصلح حجة لان الخط يشبه الخط.** (نجم الفتاویٰ:۱۹۸/۵-۱۹۹)

عورت کے غیر واقعی اوصاف بیان کر کے مہر زائد تجویز کر دیا گیا:

سوال: کچھ لوگوں نے زید کی شادی ہندہ کے اوصاف بیان کر کے چار ہزار مہر پر کر دی؛ مگر ہندہ میں وہ اوصاف بالکل نہیں ہیں، چار ہزار مہر بھی لوگوں کے کہنے سننے سے قبول کیا تھا، حالاں کہ زید کی حیثیت چار ہزار کی نہیں ہے تو کیا اب متعین ہوسکتا ہے؟ اگر مہر مثل کو حکم بنایا اور وہ زید کی حیثیت سے بڑھ کر ہے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

جتنے مہر پر نکاح کو قبول کیا، وہی لازم ہوگیا، چاہے اپنی رغبت سے قبول کیا ہو، یا دوسروں کے کہنے سے اور چاہے بیوی پسند آئے، یا نہ آئے، اس صورت میں مہر مثل کو حکم نہیں بنایا جائے گا۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۳/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۰/۱۲)

لڑکی کی رضامندی کے بغیر شوہر کا متعینہ مہر میں سے کم کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کے گھر والوں نیز ان کے جملہ احباب واقربا نے ان کی شادی کی نسبت ہندہ کے گھر والوں سے تقریباً ایک سال قبل ۹/ ہزار روپئے سکہ رائج الوقت مہر دین جانبین کی رضامندی سے طے کر لیا گیا تھا، جب زید کے گھر والے شادی کی مقررہ تاریخ میں ہندہ کے گھر والے کے یہاں بارات کی صورت میں زید کے نکاح کے لیے گئے تو ہندہ کے گھر والے نے ناسازگار ماحول بنا کر جبراً وقہراً ۹/ ہزار روپئے کے بجائے ۵۱/ ہزار روپئے زید کا مہر مقرر کر دیا اور ساتھ ہی ایک لاکھ روپئے کا پاؤنڈ بھی بندھوالیا، اب جب کہ دونوں طرفین کے سبھی لوگ رضامند ہیں تو کیا ان سب کی رضامندی کی صورت میں زید کے مہر کو جو جبراً وقہراً باندھا گیا تھا، اس میں کم وبیش کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) **فـالـمهـر بتاكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهـر الـمثـل هتـى لا يسـقط شئ منه بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق".** (بدائع الصائع، كتاب النكاح، فصل فى بيان مايتأكد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وتجب العشرة إن سماها او دونها، ويجب الاكثر منها إن سمى الاكثر، ويتاكد عند وطء او خولة صحت من الزوج". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

زید کے گھر والوں نے نکاح کے وقت پہلے سے طے شدہ مہر ۹/ ہزار کے بجائے ۵۱/ ہزار روپیہ بطور مہر قبول کرلیا تو وہ لازم ہوگیا اور اس کا ادا کرنا واجب ہے، بعد میں لڑکی اپنی خواہش سے کچھ کم کرنا چاہے تو اس کو کم کرنے کا حق ہے؛ لیکن اگر لڑکی کم کرنے پر راضی نہ ہو تو کمی نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۷)

وصح حطها لكله أو لبعضه عنه. (الدر المختار مع الشامي: ۲٤۸/٤،زكريا)

للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أو لم يدخل، وليس لأحد من أوليائها أب ولا غيره الاعتراض عليها، كذا في شرح الطحاوي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل العاشر في هبة المهر: ۳۱٦/۱،زكريا، وكذا فيفتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب ذكر مسائل المهر، فصل في حبس المرأة نفسها بالمهر: ۳۸۹/۱،زكريا)

ولا بد في صحة حطها من الرضا، حتى لو كانت مكرهة لم يصحّ. (البحر الرائق،باب المهر: ۲٦٤/۳،زكريا، كذا في الرد المحتار،مطلب في حط المرأة والإبراء منه: ۱۱۳/۳ كراتشي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۲۲ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۱۹/۸-۴۲۰)

جبراً جتنا مہر قبول کروایا گیا، اتنا مہر لازم ہوگا:

سوال: عبدالرحیم عرف رحیم میاں نے اپنے لڑکے شکیل احمد کی شادی اسحٰق میاں کی لڑکی فاطمہ کے ساتھ طے کی، اس وقت دین مہر کی رقم ۹۹۰/ روپئے مقرر ہوئی، ۹/ بجے رات میں عقد ہونا شروع ہوا، اس وقت لڑکی کے باپ نے گاؤں والوں کے ساتھ بندوق لاٹھی لے کر بارات کو گھیر لیا اور مارنے کی دھمکی دینے لگے اور ساڑھے سات ہزار روپیہ لڑکے سے دین مہر زبردستی قبول کروایا۔ شریعت کی رو سے زبردستی دین مہر قبول کروانا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

زبردستی ڈرا دھمکا کر زیادہ مہر مقرر کرنا اور شوہر سے قبول کروانا باعث گناہ ہے؛ لیکن جب لڑکے نے ساڑھے سات ہزار روپئے ڈر سے قبول کرلیا تو یہ مہر مقرر ہوگیا اور شوہر کے ذمہ بعد خلوت پورے ساڑھے سات ہزار روپئے مہر دینا لازم ہوگا۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/ ۷۰) ☆

---

(۱) (و) يجب (الأكثر منها إن سمى) الأكثر. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳۳۰/۲)

☆ **جبراً مہر مثل سے زیادہ مہر لوگوں نے مقرر کردیا تو کیا حکم ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح میں لڑکے کی مرضی کے بغیر زبردستی ۲۰/ ہزار روپیہ اور نصف بیگھہ زمین مہر میں متعین کردیا گیا ہے، اتنا بھاری مہر پر لڑکا نہ بوقت نکاح راضی تھا ==

زیادہ مہر پر جبراً دستخط لینا:

سوال: نکاح سے پہلے ایک دن صبح مسجد کے اراکین نے ایک غیر جانبدار مکان کے کمرہ میں بکر کو بلا کر ایک دستاویز پر دستخط کرنے کو کہا، اس دستاویز کو جب کمیٹی کے صدر نے پڑھا تو اس میں اس کا فیصلہ تحریر تھا کہ وہ کمیٹی چند قرائن کی بنا پر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ بکر سکہ رائج الوقت ایک ہزار روپیہ مہر سے ہندہ کا نکاح کر کے ایام حمل ہی میں اپنے پاس رکھے، جب بکر نے دستاویز دستخط کرنے سے انکار کیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ انکار کا دوسرا انجام سنگباری سے ہلاک ہے۔ کمیٹی کے صدر نے کہا کہ بکر کمیٹی کا فیصلہ نہیں مانے گا تو وہ تکلیف اٹھاوے گا اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا؛ مگر بکر نے صاف انکار کر دیا دستخط کرنے سے اور کہا کہ اس فیصلہ پر غور کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے اور کمیٹی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بکر کو اسی وقت دستخط کرنا چاہیے۔

آخر بکر نے ظالموں سے چھٹکارا پانے کے لیے اتنا کہا: ۵۰/ سے ۹۷/ روپے مہر سے نکاح کرے گا، مگر کمیٹی نے مہر کی کمی کے لیے تیسری درخواست نے کر فیصلہ کیا کہ ۸۶۷/ روپے مہر سے نکاح کرے۔ بکر نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مہر کا فیصلہ کرنے کا کمیٹی کو کوئی حق نہیں ہے۔ شریعت نے اس کا حق نکاح کرنے والے کو دیا ہے۔ کمیٹی کے صدر نے کہا کہ وہ شریعت وریت سنتے نہیں، پر ان کا فیصلہ ہے، جسے وہ کبھی بدل نہیں سکیں گے۔ بکر نے مار پیٹ کے خوف سے

== اور نہ ہی اب راضی ہے۔ نیز لڑکی کا مہر مثل بھی اتنا نہیں ہے، اس کی خاندانی عورتوں کا اس سے بہت ہی کم ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس طرح زبردستی باندھے ہوئے مہر کا ادا کرنا لڑکے پر واجب ہے، یا نہیں؟ جب کہ لڑکے نے بوقت نکاح صراحت سے انکار کر دیا تھا کہ میرے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اتنا بھاری مہر ادا کر سکوں؟ جواب مدلل مرحمت فرمائیں۔

(المستفتی: محمد رفاقت حسین، بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ——— وبالله التوفيق

شوہر پر مذکورہ متعین کیا ہوا بھاری مہر ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، صرف مہر مثل ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے زیادہ ادا کرنا اس پر لازم نہیں ہے، مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کی دوسری بہن، اور پھوپھی وغیرہ کے مہر کی جو مقدار ہے، وہ مہر مثل ہے، اس شوہر پر بھی اتنی مقدار مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور جو زائد ہے، وہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔

وإن أكره على النكاح جاز العقد، فإن كان المسمىٰ مثل مهر المثل، أو أقل جاز (إلى قوله) وإن كان أكثر من مهر المثل فالزيادة باطلة. (الجوهرة النيرة، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان: ۳۵۵/۲، دار الكتاب ديوبند: ۳۳۷/۲، هكذافي شامي، كراتشي: ۱۳۷/۶، زكريا: ۱۸۹/۹)

فإن كان المسمىٰ أكثر من مهر المثل فالزياده باطلة، ويجب مقدار مهر المثل؛ لأنه فات الرضا في الزيادة بالإكراه، الخ. (البحر الرائق، زكريا: ۱۳۶/۸، كوئٹه: ۷۵/۸، هٰكذا في الهندية، زكريا: ۳۰۳/۱، جديد زكريا: ۳۶۹/۱، قاضي خان على الهندية، زكريا: ۳۸۳/۱، جديد زكريا: ۲۴۰/۱، مبسوط السرخسي، دار الكتب العلمية: ۹۲/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۹/۲۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۴۸/۱۳-۶۴۹)

دستاویز پر دستخط کر دیا؛ مگر بکر کوئی صاحب نصاب نہیں، اس کی ماہانہ تنخواہ صرف ایک سو چالیس روپے ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کا مہر صرف چار سو روپے تھا۔ از روئے شرع تحریر فرمائیں کہ کیا مہر سے متعلق کسی کا رویہ درست ہے؟ اسلام میں سب سے اچھا مہر کون سا ہے؟ کیا کمیٹی کو یہ حق پہونچ سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کا مہر طے کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

کمیٹی کا اس طرح مجبور کرنا ظلم ہے اس کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے۔ (کذا فی الدر المختار) (۱) پھر اپنی جانب سے مہر مقرر کرکے زائد رقم دستاویز میں لکھنا، اس پر دستخط لینا یہ بھی ظلم ہے۔ (۲) مہر کا تعلق عورت مرد کی رضامندی پر ہے، جب دونوں اپنی خوشی سے نکاح کریں، جس قدر چاہیں مہر مقرر کر سکتے ہیں۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، جو کہ تقریباً ڈھائی تولہ چاندی ہوتی ہے، اس سے کم معتبر نہیں، (۳) البتہ اگر کوئی عورت مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو اس کے ولی کو اتنا حق پہونچتا ہے کہ وہ مہر مثل کی تکمیل کرادے۔ (کذا فی الدر المختار) (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۵۰-۵۲)

مہر بہت زیادہ مقرر کرنا اور ادائیگی نیت نہ کرنا گناہ ہے:

سوال: آج کل وباء عام پھیل رہی ہے کہ مقدار مہر پانچ اور دس ہزار روپیہ جو صراحۃ ناکح کی حیثیت سے زیادہ ہوتا ہے اور ناکح اس کی ادائیگی سے عاجز ہوتا ہے، مقرر کرکے نکاح کیا جاتا ہے، اگر ناکح کی نیت ادائیگی کہ نہ ہو محض مذاق سمجھتا ہو، یا نیت دین کی ہو؛ لیکن کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔ دونوں صورتوں میں نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ان دونوں صورتوں میں نکاح تو جائز اور صحیح ہو جاتا ہے اور قربت وصحبت بھی جائز ہو جاتی ہے؛ مگر ایسا خیال رکھنے والا سخت گناہ گار فاسق ہے اور پہلی صورت میں کہ اس کو محض مذاق سمجھے تو خوف کفر کا ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے اور اس کو زانی فرمایا گیا ہے؛ یعنی عذاب وعقاب میں وہ زانیوں کی طرح مبتلا ہوگا اور الفاظ حدیث یہ ہیں:

---

(۱) والإنسان لایجبر علی تحمل الضرر. (ردالمحتار، کتاب الشرکة، مطلب: الحق أن الدین یملک: ۴/۳۰۱، سعید)

(۲) وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لاتظلموا ألا ! لا یحل مال امرئ ! لابطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی: ۲۵۵، قدیمی) (مسند الإمام أحمد، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۵، انیس)

(۳) عن جابر رضی اللّٰه عنه: قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "ولامهر أقل منعشرة". (إعلاء السنن، باب: لامهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن کراتشی)

(۴) وإذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها، فللأولیاء الاعتراض علیها عند أبی حنیفة رحمة اللّٰه تعالیٰ حتی یتم لها مهر مثلها أو یفارقها، الخ". (الهدایة، فصل فی الکفاءة: ۲/۳۲۱، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: أیما رجل تزوج امرأة علی ما قل من المهر أو کثر، لیس فی نفسه أن یؤدی إلیها حقها خدعها، فمات ولم یؤ د إلیها حقها، لقی اللّٰہ یوم القیامة وهو زان. (الترغیب والترهیب، کتاب النکاح(۱)

اوراسی بناپرحدیث میں زیادہ مہرمقررکرنے کی ممانعت آئی ہے: "ألا! لا تغالوا صدقات النساء". (۲)

لیکن تبصریح فقہائے نکاح درست ہوجاتاہے، اگرچہ کوئی شخص مہرکی صراحۃً نفی بھی کردے اورحدیث وعیدکوتہدید پر محمول کیا جاتاہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم (امدادالمفتین: ۲/۴۷۴)

حیثیت سے زیادہ مہرادانہ ہوسکا تو کیا ہوگا:

سوال(۱) بعض لوگ فخریہ طورپراپنے قومی رواج کے موافق اوربعض لڑکی کے طلاق کے اندیشہ سے لڑکی کا مہرشوہر کی حیثیت سے بہت زیادہ بندھواتے ہیں، حالاں کہ شوہرکی حیثیت ۵۰/روپیہ بھی اداکرنے کی نہیں ہوتی اور پانچ صدیاپانچ ہزار کازوردیاجاتاہے اورشوہرکی طلب میں مطلوبہ مہربندھوانے پرمجبورہوجانا پڑتاہے اور اس ناقابل برداشت بارکوذمہ رکھ لیتاہے۔

چوں کہ یہ بارطاقت سے بالکل باہرہوجاتاہے، کسی بھی طرح اس کی ادائیگی ممکن نہیں ہونی، لہٰذا بغیراداکئے بھی مرجاتاہےاوراس دین مہرکواپنے ذمہ ہی لے جاتاہے۔ اگرعورت معاف نہ کرے تو شوہرکی سبک دوشی کی کوئی سبیل ہوسکتی ہے، یانہیں؟

(۲) مثلاً شوہرکے ذمہ پانچ صدکامہرہے، اس کاکل ترکہ مع خانگی سامان کے سوڈیڑھ سوروپیہ ہے، وارثوں میں لڑکےاورلڑکیاں بھی موجودہیں تومتوفی کاترکہ سب وارثوں کوملےگا، یاعورت کومہرمیں دیاجاوےگا؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

(۱) یہ توظاہربات ہے کہ فخرکےطورپرزیادہ مہرمقررکرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، زیادہ مہرمقررکرنے کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے، (۳) اگرکسی نے بجبوری زیادہ مہرپرنکاح کیا(کم مہرپرنہیں ہوتا تھا) اورنیت بھی اداکرنے

(۱) عن میمون الکردی عن أبیه، رقم الحدیث: ۲۷۸۱، انیس

(۲) عَنْ أَبِی الْعَجْفَاءِ السُّلَمِیِّ، قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ، فَقَالَ: أَلَا لَا تُغَالُوا بِصُدُقِ النِّسَاءِ، فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا، أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، وَلَا أُصْدِقَتْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً. (سنن أبی داؤد، باب الصداق، رقم الحدیث: ۲۱۰۶، انیس)

(۳) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه قال: "ألا! لاتغالوا فی صدقات النساء، فإنها لو کانت مکرمة فی الدنیا وتقوی عنداللّٰه، لکان أولکم بها نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". (مشکاة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی، ص: ۲۷۷، قدیمی)

کی تھی اور عمر بھر فکر میں رہا اور کوشش کرتا رہا؛ لیکن ابھی ادا نہیں ہوسکا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے توقع ہے کہ وہ اپنے خزانہ سے بیوی کو عطا کردیں گے اور شوہر کی جان بچ جاوے گی۔(۱)

(۲) دین مہر وغیرہ کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے مقدم ہے،(۲) بقیہ مہر کا حل نمبر (۱) میں مذکور ہوا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔صحیح: عبد اللطیف غفرلہ،۴؍صفر ۱۳۶۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲؍۵۲-۵۴)

جتنے مہر پر لڑکی نے وکیل بنایا تھا، اس خلاف کرنا:

سوال: ایک لڑکی نے ایک شخص کو اس امر کا وکیل بنایا کہ میرا نکاح فلاں شخص سے مبلغ ۵۰۰؍ پانچ سو روپیہ مہر کے بدلہ میں کردو؛ مگر لڑکے والوں کے مشورہ سے ایک ہزار روپیہ مقرر کیا گیا، جس کو لڑکی نے منظور کیا، نکاح ایک ہزار روپیہ مہر پر ہی ہوا تو یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح صحیح ہوگیا،(۲) اگر لڑکی ایک ہزار مہر کو ناپسند کرتی ہے، پانچ سو ہی پر اس کو اصرار ہے تو پانچ سو ساقط کردیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۱۲؍۵۶)

زوجہ کے مہر میں سرأ زیادتی کرنا:

سوال: کیا حق مہر نکاح کے بعد (دس، یا پندرہ سال بعد) ایزاد ہوسکتا ہے، جو منکوحہ کے کہنے پر (جو عموماً دیگر وارثان کا حصہ کم کرنے کی خاطر کیا جاتا ہے) جائز ہے، یا نہ؟ اور کیا ایسے مہر کو دیگر ورثا جائز قرار دیویں، یا نہ؟ بالخصوص جو مہر از قسم مکان، یا زمین زوج نے خفیہ بذریعہ تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کردیا ہو اور یہ شرط بھی تحریر کردی ہو کہ کاغذات سرکار میں داخل خارج کرادوں گا؛ مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ بقیہ حیات تحریر تمسک عمل درآمد بھی نہ کرایا ہو، اس کو جائز رکھا جاوے، یا ناجائز؟ واضح رہے کہ یہ تمسک ایک سوتیلی ماں نے اپنے حق میں کبھی خفیہ تحریر کرایا ہو اور والد

(۱) عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفى له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". (رواه ابوداؤد الترمذى)(مرقاة المفاتيح، كتاب الاداب، باب الوعد، الفصل الثانى:۸/۶۱۵)

(۲) ثم تقدم ديونه التى لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث ما بقى. الخ". (الدر المختار، كتاب الفرائض:۶/۷۶۰،سعيد)

(۳) وينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الاخر". (الدر المختار، كتاب النكاح:۳/۹،سعيد)

(۴) وصح حطها لكله أوبعضه عنه. (الدر المختار،باب المهر،مطلب فى حط المرأة والابراء منه:۳/۱۱۳،سعيد)

مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں، ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵/سالہ کاغذات سرکاری میں عمل درآمد نہ کرادیا ہو؟

الجواب

زیادت مہر میں عقد کے بعد جائز ہے، خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔

الزيادة فى المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة، كذا فى المحيط، فإذا زادها فى المهر بعد العقد لزمته الزيادة، كذا فى السراج الوهاج، هذا إذا قبلت المراة الزيادة، آه. (الفتاویٰ العالمگیرية: ۲۹/۲)(۱)

لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے ذمہ دو گواہ قائم کرنا ہے؛ کیوں کہ وہ مدعی زیادت ہے، اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کردے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی، یا یہ ثابت کردے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کرلے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترکہ سے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کرسکے تو بقیہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے، اگر وہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے، ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کرلیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے؛ لیکن اس پر قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے، تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے؛ کیوں کہ مجرد تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے۔

فإن الخط يشبه الخط،(۲)**هكذا فهمته من القواعد ولما أر له جزئية صريحة فمن وقف عليها فليحرر. والله اعلم**

۲۶/ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۳۵۴/۳)

نکاح کے وقت قاضی کا بھول کر مہر کی مقدار بڑھانا:

سوال: سہیل کی شادی ایک دینی اجتماع میں ہوئی، شادی سے پہلے مہر کی رقم گیارہ سو روپیہ مقرر ہوئی تھی، اجتماع میں ایک ساتھ بہت سی شادیاں ہو رہی تھیں، ان میں اکثر لوگوں کا گیارہ ہزار مقرر تھا، قاضی صاحب نے غلطی سے سہیل کا نکاح بھی گیارہ ہزار مہر پر پڑھادیا۔ سہیل اس کو گیارہ سو ہی سمجھا اور قبول کیا۔ لڑکی جب مکان پر آئی تو سہیل

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل السابع فى الزيادة فى المهر: ۳۱۲/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) وَالْخَطُّ يُشْبِهُ الْخَطَّ وَالْخَاتَمُ يُشْبِهُ الْخَاتَمَ. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث والعشرون فى كتاب القاضى إلى القاضى: ۳۸۱/۳، دار الفكر بيروت، انيس)

نے اس مہر کا تذکرہ کیا۔لڑکی نے کہا کہ وہاں غلطی سے ہوا ہے، میرا تو وہی مہر ہے، جو پہلے سے مقرر تھا،شادی کے فارم پر بھی گیارہ سو ہی درج ہے۔اس صورت حال میں سہیل کے ذمہ کتنا مہر لازم ہے؟ (عالیہ پروین، جالے، دربھنگہ)

الجواب

مہر میں دراصل اسی مقدار کا اعتبار ہوتا ہے، جو نکاح کے وقت طے پائی ہے،اگر غلطی سے بھی نکاح کے وقت گیارہ ہزار روپیہ کہہ دیا گیا اور شوہر نے قبول کرلیا تو وہی مہر اس کے ذمہ لازم ہوگی ،(۱) البتہ بعد میں نکاح نامہ پر گیارہ سو کا اندراج اور زوجہ کا گیارہ سو روپیہ مہر تسلیم کرنا گویا کہ زوجہ کا گیارہ سو کے علاوہ مہر مقررہ کی بقیہ رقم معاف کر دینا ہے اور زوجہ کا اپنی مرضی سے مہر مقررہ کا کچھ حصہ معاف کر دینا درست ہے؛(۲) اس لیے مہر گیارہ سو روپیہ ہی سمجھا جائے گا۔(کتاب الفتاویٰ:۴/۳۹۴-۳۹۵)

مہر کی مقدار مقرر کرنے کے متعلق ایک تجویز:

سوال: جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے، یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں، جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتے ، یہ بے اعتدالی مذہبی نقطہ نظر سے بھی قابل تدارک ہے، یہاں کے مفتی صاحب نے میری ہدایت کے موافق منسلکہ تجویز پیش کی ہے، اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں ؛ اس لیے مکلّف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہوتو از راہ کرم اصلاح فرما دیں؟

(المستفتی:۲۱۸، سرفراز علی خاں چیف سکریٹری ریاست جاورہ، ۶/ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱/فروری ۳۴ء)

الجواب

اس میں شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے مہر کی زیادتی کی طرف کوئی حد معین نہیں کی اور اس لیے زوجین مختار ہیں کہ جتنا چاہیں مہر مقرر کریں؛(۳) لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ لوگوں نے اس اختیار کو بری طرح استعمال کیا ہے اور مہر کی زیادتی کو حد افراط تک پہنچا دیا ہے اور اس افراط کی وجہ سے بہت شدید مفاسد پیش آتے ہیں، ان کا دفع کرنا اولی الامر کے فرائض میں سے ہے۔(۴) علماء وعظ وتذکیر سے اصلاح کر سکتے ہیں؛ مگر محض وعظ وتذکیر استیصال مفاسد کے لیے

---

(۱) ”وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر و يتأكد عند الوطء أو خلوة صحت، ألخ.(قوله:و يتأكد):أى الواجب من العشر أو الأكثر وأفاد أن المهر يجب بنفس العقد مع احتمال سقوطه بردتها،ألخ“.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۴/ ۱۶۹)

(۲) ”وإن حطت عن مهرها صح الحط“.(الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۱۳)

(۳) ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾(سورةالنساء: ۲۰)

(۴) عن أبي العجماء السلمي قال: خطبنا عمر فقال:ألا !لا تعالوا بصداق النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله كان أولكم بها النبي صلى الله عليه وسلم، ما أصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتي عشرة أوقية.(سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق: ۱/ ۲۹۴، امداديه)

ناکافی ثابت ہوتے ہیں، پس اگر والی مسلم اس کی باعتبار تفاوت غنا وثروت کے مختلف مقدار معین کردے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپے آمدنی رکھنے والا شخص دوسو روپے سے زیادہ مہر نہ باندھے اور پانچ ہزار روپے سالانہ آمدنی رکھنے والا شخص ۔۔۔ پانچ سو روپے سے زیادہ نہ باندھے وعلی ہذا اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ ہاں یہ اعلان کردیا جائے کہ مقدار مقررہ سے زیادہ ڈگری نہ دی جائے گی اور اس کی قانون گنجائش رکھی جائے کہ جو شخص معینہ مقدار سے زیادہ مہر باندھنا چاہے، وہ والی مسلم سے خاص اجازت حاصل کرکے باندھ سکے گا۔ اجازت چاہنے والے کو والی کے سامنے اس امر کا ثبوت دینا ہوگا کہ وہ اپنی جائیداد، یا کسی دوسرے صحیح ذریعہ سے اس مطلوبہ مقدار کی ادائیگی پر قادر ہے تو ایسی تحدید میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ اس کی غرض اصلاح ہے، نہ کہ احکام شرعیہ میں مداخلت اور ایسی اصلاح کا والی مسلم حق رکھتا ہے۔ ہاں! غیر مسلم حکومت کی جانب سے یہ تحدید مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت ہوگی اور اس کو ایسی تحدید کا حق نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

الجواب صحیح: حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۶/۵)

رسالہ تعدیل الدھر فی درجۃ تقلیل المھر:

(لقب رسالہ، حسن المشاورۃ فی استفسار ریاسۃ جاورۃ)

من جانب ریاست جاورہ ایک خط مع مضمون متعلق تجویز انداز زیادت مہر بغرض مشاورت آیا، جس جواب یہاں سے لکھا گیا، اول خط کی نقل کی جاتی ہے، پھر جواب جس میں اس مضمون کا خلاصہ لے لیا گیا ہے، نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون خط ریاست جاورہ:

بخدمت مولانا اشرف علی حاحب تھانوی دام فیضہ السلام علیکم

جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے، یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں، جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کرسکتے، یہ بے اعتدالی مذہبی نقطہ نظر سے بھی قابل تدارک ہے، میری ہدایت کے موافق یہاں کے مفتی صاحب شہر نے منسلکہ تجویز پیش کی ہے، اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں؛ اس لیے مکلّف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہ کرم اصلاح فرمادی جاوے، یا شرعی احکام کے تحت میں ایسی تجویز تحریر فرمائی جائے، جس سے مذکورہ بے اعتدالیوں کا سد باب ہو جاوے؟ فقط

الجواب

اس مفصل تجویز کا مجمل حاصل یہ سمجھ میں آیا ہے کہ احادیث سے تقلیل مہر کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے؛ مگر اس تقلیل

کی کوئی خاص حد نہیں؛ بلکہ معیار اس کا سہولت ادا واستطاعت ہے؛ لیکن اگر باوجود اس کے کوئی شخص بہت زیادہ مہر کا التزام کرلے تو وہ سب واجب ہوجاوے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو بعض روایت میں چالیس اوقیہ سے زائد ٹھہرانے پر زائد کو بیت المال میں داخل کرنے کی رائے منقول ہے، جس سے تحدید معلوم ہوتی ہے، سو ایک عورت کے محاجہ پر آپ نے اس سے رجوع فرمالیا، (هذا كله في الدر المنثور) (۱) غرض تحدید مشروع نہیں، پھر سہولت ادا واستطاعت ہر ایک کے اعتبار سے جدا ہے۔ نیز ہر ایک کی استطاعت کا علم بھی نہیں ہوسکتا، ان موانع شرعیہ وحسیہ کے سبب کسی مقدار کا مقرر کرنا قضاءً جائز نہیں؛ لیکن چوں کہ مہر کے ایک معتد بہ حصہ کی تقدیم یعنی قبل دخول ادا کرنا بھی واجب، یا مستحب ہے، على الا ختلاف العلماء (كمافي ردالمحتار، باب المهر، تحت قول الدر المختار: ورواية الأقل تحمل على المعجل، (۲) اور بعض جگہ مقدم ومؤخر کی تنصیف کا عرف بھی ہے؛ اس لیے اگر قضاءً یہ تجویز کردیا جاوے کہ نصف مہر معجّل بمعنی مقدم اور نصف مؤجل بمعنی مؤخر إلى الأجل المشروط أو المعروف ہونا چاہیے تو اس صورت میں تحدید بھی نہ ہوگی اور اصل مقصود؛ یعنی تقلیل مہر بقدر استطاعت بھی حاصل ہوجاوے گا؛ کیوں کہ استطاعت سے زائد کا نصف دینا بھی عادۃً متعذر رہے، آہ۔ (۳)

اگر تجویز کا یہی حاصل ہے تو جواباً عرض ہے کہ مقدمات سب صحیح ہیں؛ مگر اس میں ایک جزو اور قابل اضافہ ہے، وہ یہ کہ اگر مہر کثیر کی کسی مقدار کا کسی جماعت میں عام رواج ہوجائے تو تاوقتیکہ رواج نہ بدلے، اس وقت تک وہی مقدار

(۱) وَأخرج ابْن جرير عَن أنس عَن رَسُول اللّٰه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم ﴿وَآتَيْتُم إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا﴾ قَالَ: ألفا وَمِائَتَيْن يَعْنِي أَلفَيْنِ، وَأخرج سعيد بن مَنْصُور وَأَبُو يعلى بِسَنَد جيد عَن مَسْرُوق قَالَ: ركب عمر بن الْخطاب الْمِنْبَر ثمَّ قَالَ: أَيهَا النَّاس مَا إكثاركُمْ فِي صدَاق النِّسَاء وَقد كَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَأَصْحَابه وَإِنَّمَا الصَّدقَات فِيمَا بَينهم أَرْبَعمِائَة دِرْهَم فَمَا دون ذَلِك وَلَو كَانَ الْإِكْثَار فِي ذَلِك تقوى عِنْد الله أَو مكرمَة لم تَسْبِقُوهُمْ إِلَيْهَا فَلَا أعرفن مَا زَاد رجل فِي صدَاق امْرَأَة على أَرْبَعمِائَة دِرْهَم، ثمَّ نزل فاعترضه امْرَأَة من قُرَيْش فَقَالَت لَهُ: يَا أَمِير الْمُؤمنِينَ نهيت النَّاس أَن يزِيدُوا النِّسَاء فِي صدقاتهن على أَرْبَعمِائَة دِرْهَم قَالَ: نعم، فَقَالَت أما سَمِعت مَا أنزل الله يَقُول ﴿وَآتَيْتُم إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا﴾ فَقَالَ: اللَّهُمَّ غفرانك، كل النَّاس أفقه من عمر، ثمَّ رَجَعَ فَركب الْمِنْبَر فَقَالَ: يَا أَيهَا النَّاس إِنِّي كنت نَهَيْتُكُمْ أَن تَزِيدُوا النِّسَاء فِي صدقاتهن على أَرْبَعمِائَة دِرْهَم فَمن شَاءَ أَن يُعْطى من مَاله مَا أحب، وَأخرج عبد الرَّزَّاق وَابْن الْمُنْذر عَن أبي عبد الرَّحْمَن السّلمِيّ قَالَ: قَالَ عمر بن الْخطاب: لَا تغالوا فِي مُهُور النِّسَاء، فَقَالَت امْرَأَة لَيْسَ ذَلِك لَك يَا عمر إِن يَقُول ﴿وَآتَيْتُم إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا﴾ من ذهب، قَالَ: وَكَذَلِكَ هِيَ فِي قِرَاءَة ابْن مَسْعُود فَقَالَ عمر: إِن امْرَأَة خاصمت عمر فَخَصمته، وَأخرج الزبير بن بكار فِي الموفقيات عَن عبد الله بن مُصعب قَالَ: قَالَ عمر: لَا تزِيدُوا فِي مُهُور النِّسَاء على أَرْبَعِينَ أُوقِيَّة فَمن زَاد أَلقيت الزِّيَادَة فِي بَيت المَال، فَقَالَت امْرَأَة: مَا ذَاك لَك، قَالَ: وَلم، قَالَت: لِأَن اللّٰه يَقُول ﴿وَآتَيْتُم إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا﴾ الْآيَة، فَقَالَ عمر: امْرَأَة أَصَابَت وَرجل أَخطَأ. (الدر المنثور: ٤٦٦/٢، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) الدر المختار، باب المهر: ١٠١/٣، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) یعنی تجویز کا خلاصہ تمام ہوا۔ س

کثیر شرعاً مہر مثل قرار دی جاوے گی اور بہت سے احکام (جیسے اس سے کم پر بعض صورتوں میں نکاح کا صحیح نہ ہونا اور بعض میں قابل فسخ ہونا وغیر ذلک) اس مقدار کے ساتھ متعلق رہیں گے، البتہ خود اس رواج کا بدلنا ایک درجہ میں پھر بھی مامور بہ رہے گا، اب اس اضافہ کے بعد تجویز مذکور کے متعلق عرض ہے، اول کچھ روایات لکھتا ہوں، جن سے مسئلہ کا تعلق ہے، پھر ان کا نتیجہ عرض کروں گا۔

الروايات هذه:

(الرواية الأولىٰ)

في الهداية، كتاب الكراهية: قال: ولا ينبغي للسلطان أن يسعر على الناس، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا تسعروا فإن اللّٰه هو المسعر القابض الباسط الرازق"، ولأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة على ما نبين، وإذا رفع إلى القاضي هذا الأمر يأمر المحتكر ببيع ما فضل عن قوته وقوت أهله على اعتبار السعة في ذلك وينهاه عن الاحتكار، فإن رفع إليه مرة أخرى حبسه وعزره على ما يرى زجرا له ودفعا للضرر عن الناس، فإن كان أرباب الطعام يتحكمون ويتعدون عن القيمة تعديا فاحشا، وعجز القاضي عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير فحينئذ لا بأس به بمشورة من أهل الرأى والبصيرة، فإذا فعل ذلك وتعدى رجل عن ذلك وباع بأكثر منه أجازه القاضي، وهذا ظاهر عند أبي حنيفة؛ لأنه لا يرى الحجر على الحر وكذا عندهما، إلا أن يكون الحجر على قوم بأعيانهم. (۱)

في البناية: أى كذا هو ظاهر عندهما، لأنهما وان رأيا الحجر؛ ولكن على حر معين أوقوم بأعيانهم، أما على قوم مجهولين فلا، وهٰهنا كذالك فلا يصح، وبه قالت الأئمة الثلاثة رحمهم اللّٰه. (۲)

الرواية الثانية:

في روح المعاني تحت قوله تعالىٰ: ﴿اطيعوا اللّٰه واطيعوا الرسول واولي الامر منكم﴾: وهل يشمل المباح أم لا؟ فيه خلاف، فقيل: إنه لا يجب طاعتهم فيه لأنه لا يجوز لأحد أن يحرم ما حلله الله تعالى ولا أن يحلل ما حرمه الله تعالى، وقيل: تجب أيضا كما نص عليه الحصكفي وغيره، وقال بعض محققي الشافعية: يجب طاعة الإمام في أمره ونهيه ما لم يأمر بمحرم، وقال بعضهم: الذي يظهر أن ما أمر به مما ليس فيه مصلحة عامة لا يجب امتثاله إلا ظاهراً فقط بخلاف ما فيه ذلك فإنه يجب باطنا أيضا، وكذا يقال في المباح الذي فيه ضرر للمأمور به. (۳)

---

(۱) الهداية، فصل: في البيع: ۳۷۷/٤، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس

(۲) البناية شرح الهداية، تسعير الوالي: ۲۱۷/۱۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) روح المعاني، سورة النساء: ٦٤/۳-٦٥، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

قلت: وبهذا الظاهر يجمع بين جميع الاقوال، فالجواب يحمل على الظاهر وعدم الوجوب على الباطن وفيما يضر العامة على الوجوب ظاهراً وباطناً، والقواعد تقتضى ترجيع هذاالظاهر والله اعلم

الرواية الثالثة:

فى الهداية، كتاب إحياء الموات، فصل كرى الأنهار: فالأول "أى النهر الذى هو غير مملوك لأحد": فالأول كريه على السلطان من بيت مال المسلمين؛ لأن منفعة الكرى لهم فتكون مؤنته عليهم، ويصرف إليه من مؤنة الخراج والجزية دون العشور والصدقات؛ لأن الثانى للفقراء والأول للنوائب، فإن لم يكن فى بيت المال شيء فالإمام يجبر الناس على كريه إحياء لمصلحة العامة إذ هم لا يقيمونها بأنفسهم، وفى مثله قال عمر رضى الله عنه: لو تركتم لبعتم أولادكم، إلا أنه يخرج له من كان يطيقه ويجعل مؤنته على المياسير الذين لا يطيقونه بأنفسهم. (۱)

الرواية الرابعة:

وفى الدرالمختار، تكبيرات العيدين عن المعراج: لِأَنَّ طَاعَةَ الْإِمَامِ فِيمَا لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ وَاجِبَةٌ، آه.
وفيه بعد أسطر: أَنَّ أَمْرَ الْخَلِيفَةِ لَا يَبْقَى بَعْدَ مَوْتِهِ أَوْ عَزْلِهِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْفَتَاوَى الْخَيْرِيَّةِ وَبُنِيَ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَوْ نَهَى عَنْ سَمَاعِ الدَّعْوَى بَعْدَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً لَا يَبْقَى نَهْيُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ. (۲)

الرواية الخامسة:

فى ردالمحتار، كتاب الحجر، تحت قول الدرالمختار: (بَلْ) يُمْنَعُ (مُفْتٍ مَاجِنٌ) ... (وَطَبِيبٌ جَاهِلٌ وَمُكَارٍ مُفْلِسٌ) مانصه: أَشَارَ بِهِ إلَى أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ بِهِ حَقِيقَةَ الْحَجْرِ، وَهُوَ الْمَنْعُ الشَّرْعِيُّ الَّذِي يَمْنَعُ نُفُوذَ التَّصَرُّفِ، لِأَنَّ الْمُفْتِيَ لَوْ أَفْتَى بَعْدَ الْحَجْرِ وَأَصَابَ جَازَ، وَكَذَا الطَّبِيبُ لَوْ بَاعَ الْأَدْوِيَةَ نَفَذَ فَدَلَّ أَنَّ الْمُرَادَ الْمَنْعُ الْحِسِّيُّ كَمَا فِي الدُّرَرِ عَنْ الْبَدَائِعِ. (۳)

اب روایات پر نتیجہ کو متفرع کرتا ہوں کہ تجویز مذکور بوجہ جامعیت ورعایت تمام جوانب شرعیہ دعاویہ کے نہایت مستحسن ومناسب ہے، اس وقت اس سے اچھی تجویز میرے ذہن میں حاضر نہیں اور زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں؛ مگر اس میں قابل غور یہ امر ہے کہ اس تجویز کی تنفیذ کا درجہ کیا ہوگا، اگر قانون لازمی بنانا ہے، اس طرح سے کہ اگر متناکحین اس کے خلاف معاملہ کریں؛ یعنی نصف مہر پیشگی نہ دیا جاوے تو اس معاملہ کو باطل اور کالعدم کہا جاوے اور جبراً نصف مہر کی تقدیم پر مجبور کیا جاوے، تب تو شرعاً ایسا قانون بنانا جائز نہیں۔

دليـلـه الرواية الاولى: اگر اس پر شبہ کیا جاوے کہ حاکم مسلم کو گوا ایسا عام قانون بنانے کا اختیار نہ ہو،

---

(۱) الهداية، ۳۸۹/٤، دار إحياء التراث العربى بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار: ۱۷۲/۲، دارالفكربيروت، انيس

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱٤۷/٦، دارالفكربيروت، انيس

جس سے حکم شرعی کے تفسیر کا ایہام ہو؛ مگر وقتی طور پر بعض تصرفات مالیہ میں حکم امتناعی دینے کا تو اختیار ہے، جس کا مکمل قانون کتب فقہیہ کے کتاب الحجر میں مذکور ہے اور حجر کی حقیقت، یالازم بطلان تصرف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں اسباب حجر نہیں، جیسا ظاہر ہے اور اسباب حجر کی صورت میں بعد منع امام بھی تصرف کو باطل نہیں کیا جاتا۔

دلیله الروایة الخامسة: حیث لم یبطل بیع الأدویة وغیرها بعدالمنع أیضاً، دوسرے اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مجور علیہ متعین ہو، خواہ منفرد ہو، یا جماعت، چناں چہ روایت اولیٰ میں اس کی بھی تصریح ہے: **في قوله: فإذافعل ذلک** (إلی قوله) **فلایصح،** اور ظاہر ہے کہ محل متکلم فیہ میں کوئی جماعت بھی معین نہیں، محجور علیہ ہمیشہ بدلتے رہیں گے؛ اس لیے حجر کا قاعدہ بھی یہاں جاری نہیں ہوسکتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ گو زیادت مِہر مباح ہے؛ لیکن اگر حاکم مسلم کسی مباح کو منع کردے، محکومین پر اطاعت واجب ہوجاتی ہے اور واجب کے ترک پر تعزیر جائز ہے، پس تنفیذ بطور حجر کے نہ ہو، حتیٰ کہ زیادت مہر، یاتأجیل مہر کے التزام کو باطل نہ کیا جاوے؛ لیکن خلاف کرنے پر تعزیر مقرر ہو اور وجوب اطاعت امراء مسلمین آیات واحادیث میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا محل وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے، ورنہ واجب، یا حرام میں خود امر ونہی شرعی کافی ہے، اس میں اولی الامر کا کیا دخل؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خود یہ مسئلہ ذاتَ خلافٍ ہے، جس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ امر ایسا ہو کہ اس میں مصلحت عامہ ہے اور خلاف میں ضرر عام، اس میں تو اطاعت ظاہراً وباطناً واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو صرف ظاہراً واجب ہے، تاکہ فتنہ نہ ہو، باطناً واجب نہیں؛ کیوں کہ اپنے ضرر کے التزام کا ہر شخص کو اختیار ہے اور اگر اس سے قطع نظر کرکے اطاعت مطلقہ کو بھی واجب کہا جاوے، تب بھی حاکم کو تو ایسا جبری حکم دینا جائز نہ ہوگا، گو بعد حکم اطاعت واجب ہو۔ یہ سب تفصیل روایت ثانیہ میں اور اسی طرح ضرر عام کی قید روایت ثالثہ میں مذکور ہے اور حاکم کے لیے ایسے حکم کے عدم جواز کی تائید حدیث مسلم، فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا میں صریح ہے:

عن المسوربن مخرمة في قصة خطبة علی رضی الله عنه بنت أبی جهل، قال صلی اللّٰه علیه وسلم: إني لست أحرم حلالاً ولا أحل حراماً. (الحدیث)(۱)

دیکھئے آپ نے باوجود ناخوشی کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہی نہیں فرمائی؛ بلکہ اس نہی کو تحریم حلال میں داخل فرمایا، اسی طرح حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو مغیث رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کا باوجود رجحان کہ امر نہیں فرمایا؛ بلکہ ان کے اس پوچھنے پر: **یارسول اللّٰہ ! تأمرني؟** آپ نے جواب دیا: **إنما اشفع،** جس پر انھوں نے عذر کیا: **لاحاجة لي فیه،** اور آپ نے مجبور نہیں فرمایا، **کذا فی المشکاۃ، باب المباشرة، عن البخاري.** (۲)

---

(۱)　صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۶۲۰۹-۳۴۴۹، انیس

(۲)　عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعبَّاسٍ: يَا عَبَّاسُ، أَلاَ تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ، وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ رَاجَعْتِهِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ تَأْمُرُنِي؟ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا أَشْفَعُ، قَالَتْ: لاَ حَاجَةَ لِي فِيهِ. (صحیح البخاری، باب شفاعة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث: ۵۲۸۳، انیس)

وأما أمره صلى الله عليه وسلم عبدالله رضى الله عنه وزينب رضى الله عنها بالنكاح فكان للمصلحة العامة التشريعية فى مثل هذاالمقام، أو هو من خصوصياته صلى الله عليه وسلم فى خصوص الواقعة، أو كان لمعالجة النخوة ومن باب إزالةالمنكر.

پھر اس سب سے قطع نظر کر کے ایسا حکم دائمی نہیں ہوسکتا، حاکم کی حیات تک باقی رہے گا، پھر باطل ہوجائے گا، اس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کے ساتھ تجدید کی حاجت ہوگی، **کما فی الروایة الرابعة** اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جب زیادت مہر ایک درجہ میں منکر ہے تو حاکم مسلم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت میں مخالفت کرنے والے کو سزا دینا جائز ہے، جیسا عام منکرات میں اجازت ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ منکر درجہ معصیت میں نہیں، جس پر سزا دینا جائز ہو، یہ ایسا ہی منکر ہے، جیسا طلاق بلاوجہ کہ حدیث میں اس کو ابغض فرمایا ہے اور مہر میں تو کوئی ایسا لفظ بھی وارد نہیں، پھر بھی طلاق پر کوئی سزا نہیں، اگر کہا جاوے کہ بعض احادیث میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر قضیہ بالزانی کی وعید آئی ہے، جس سے اس کا معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مقدار زائد از تحمل کے لیے عدم نیت اداعادۃً لازم ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ وعید تکثیر مہر پر نہیں؛ بلکہ نیت عدم ادا، یا عدم نیت ادا پر ہے اور اس کے لیے نہ تکثیر مستلزم ہے، نہ تقلیل مانع، دونوں کے ساتھ اس کا تحقق وعدم تحقق ہوسکتا ہے۔ دوسری علت اس وعید کی خداع ہے، جیسا اس حدیث کے بعض طرق میں مصرح ہے اور جب منکوحہ کو معلوم ہوا اور وہ اس پر راضی ہو تو علت نہیں پائی گئی، اس کی پوری بحث احقر کے رسالہ ''**تحقيق الشبيه بأهل السفاح لمن لايريد أداء المهر فى النكاح**'' میں ہے۔ پس اس کا معصیت موجبہ لاستحقاق التعزیر ہونا ثابت نہ ہوا، یہ سب کلام اس صورت میں ہے، جب کہ اصل تجویز کی تنفیذ درجہ جبر میں ہو اور اگر محض درجہ ترغیب ومشورہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، ہر طرح مستحسن ہے، جیسا ظاہر ہے۔ اگر شبہ کیا جاوے کہ دیکھئے روایت اولیٰ میں تسعیر جبری کو فی نفسہ ناجائز کہا گیا ہے؛ مگر تعدی فاحش کے وقت جبر کی بھی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح اگر تقلیل مہر پر جبر کو فی نفسہ ناجائز کہا جاوے؛ مگر جب تکثیر سے تعدی فاحش ہونے لگے تو اس میں بھی جبر کی اجازت دی جاوے؛ بلکہ درمختار، کتاب الکراہیۃ میں عام غلاء میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول وجوب تسعیر کا منقول ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں عدم تسعیر میں ضرر عام ہے اور یہاں تکثیر مہر، یا عدم تعجیل میں ضرر خاص ہے، جس پر زوج وزوجہ راضی ہیں، **فافترقا**، اس سے ایک دوسرے شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ احتکار اِقوات میں مخالفت پر تعزیر مشروع ہے، **كمافى الدرالمختار كتاب الكراهية: فإن لم يرجع بل خالف أمر القاضى عزره بما يراه رادعاً له، آه.** (۱) وجہ جواب ظاہر ہے کہ اس میں ضرر عام ہے اور اگر شبہ کیا جاوے اور غالبًا یہ آخری شبہ ہے کہ امر مجتہد فیہ میں حاکم مسلم اگر ایک شق متعین کردے تو وہ واجب ہوجاتی ہے اور تقدیم بعض مہر کا وجوب مجتہد فیہ ہے، جیسا خلاصہ سوال میں مذکور ہوا اور ترک واجب پر تعزیر جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ بعض متعین نہیں خاتم حدید دینے سے

(۱) الدرالمختار، فصل فى البيع: ۶/ ۳۹۹، دارالفکر بیروت، انیس

بھی بشرط رضائے زوجہ یہ واجب ادا ہو جاتا ہے، پس اس سے نصف مہر کے ادا کی تقدیم کو وجوب کیسے ثابت ہوا۔

ولیکن هذا آخر الكلام في هٰذاالمقام والله ولي الأحكام في كل حلال وحرام وأدىٰ تسمية هذه العجالة بتعديل أهل الدهر في درجة تقليل المهر وتلقيبها بحسن المشاورة في استفسار رياسةجاوره، والحمد لله المفضال منعام على إتمام المرام وصلى الله تعالىٰ علىٰ نبيه سيدالأنام ألف ألف صلاة وسلام إلىٰ يوم القيامة.

۲۷/رجب، یوم الجمعۃ ۱۳۵۲ھ (النور، ص ۷، شعبان ۱۳۵۳ھ) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

علاقہ والوں کی طرف سے مہر کی ایک مخصوص مقدار مقرر کرنا:

سوال: مسلم جماعت نے بستی کے مسلمانوں کی شادیوں کی فضول خرچی کو روکنے کے لیے چند قواعد مرتب کئے ہیں۔ ان میں مہر کے متعلق یہ حد مقرر کی ہے کہ کم سے کم سو روپے اور زیادہ سے زیادہ چھ سو چوبیس روپے مہر رکھا جائے۔ اس حدود مہر سے کم، یا زیادہ مہر رکھنے والا بانی جماعت کا گنہگار سمجھا جاتا ہے، اس مجرم کے لیے جرمانہ بھی مقرر ہے۔ کیا شریعت حقہ میں مہر کے لیے کوئی حد مقرر ہے، یا نہیں؟ مذکورہ بالا حد بندی از روئے شریعت جائز ہے، یا نہیں؟ ایسی حد بندی قائم کرنے والی جماعت حق بجانب ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: ۱۱۵۴، حاجی محمد یوسف صاحب)

الجواب

مہر کے لیے کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً ڈھائی روپیہ) ہے اور زیادہ کی حد مقرر نہیں ہے؛ یعنی اگر کسی شخص کو قدرت ہو تو وہ اپنی قدرت کے موافق جتنا مقرر کرے، (مثلاً ہزار دو ہزار دس ہزار وغیرہ) تو اتنا مہر لازم ہو جاتا ہے؛ لیکن اپنی طاقت اور قدرت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مذموم ہے، اگر کوئی انجمن اصلاح کے طور پر مہر کا اوسط درجہ مقرر کر دے تو مضائقہ نہیں، مگر اس قاعدے کو اس طرح بنایا جائے کہ شرعی حکم کی تصریح بھی اس میں موجود ہو، مثلاً یہ عبارت ہو: ''شریعت مقدسہ میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، (۱) اور زائد کے لیے کوئی حد معین نہیں ہے، شوہر اپنی وسعت کے موافق جتنا ادا کر سکے مقرر کر سکتا ہے، اس شرعی حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجمن اصلاح کے لیے یہ حد مقرر کرتی ہے، کم از کم مقدار تو وہی ہو جو عورت، یا اس کا ولی منظور کرے؛ مگر زیادتی کی جانب میں چھ سو چودہ روپے سے زیادہ تجاوز نہ کیا جائے''۔ اس عبارت کے ساتھ قاعدہ بنایا جائے اور خلاف کرنے والے پر جرمانہ کرنا جائز نہیں، جو خلاف کرے، اس کو صرف یہ تنبیہ کی جائے کہ لوگ اس کی تقریب میں شرکت نہ کریں اور اگر کوئی خاص شخص صاحب وسعت زیادہ مہر مقرر کرنے کی درخواست کرے تو انجمن میں اس کی درخواست پیش ہو اور انجمن مناسب سمجھے تو اس کو خاص طور پر اس شرط سے اجازت دے دے کہ وہ مہر بوقت عقد فوراً ادا کر دے اور عورت کے نام اس رقم کی جائیداد خرید دی جائے؛ تا کہ وہ محفوظ ہو جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۴/۵)

---

(۱) لا مهر أقل من عشرة دراهم. (سنن البيهقي: ۳۳۲/۷)

مقدار مہر کو مقرر کردینا:

سوال: کیا کسی فرد, یا جماعت کو مہر کی ایک حد مقرر کرنے کا حق حاصل ہے، جب کہ اس قسم کی تحدید پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور صاحب اختیار نے اپنا حکم واپس لے لیا تھا اور دوبارہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''فمن شاء أن يعطى ما أحب''.

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمایا ہے؛(۱) لیکن کسی فرد کو، یا کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ سب برادری کے لیے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کردے کہ اس سے کمی زیادتی کی اجازت ہی نہ رہے اور ہر شخص خواہی نخواہی اسی مقدار پر مجبور ہوجائے، البتہ شریعت نے کم سے کم مقدار دس درہم مقرر کی ہے، اس سے کم درست نہیں، زیادہ کی مقدار مقرر نہیں کی، (۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا، چار ہزار درہم مہر مقرر ہوا جو کہ نجاشی نے ادا کیا، جیسا کہ کتب احادیث وسیر میں ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۴)

تحدید مہر جائز نہیں:

سوال: کیا حاکم وقت، یا علاقے کے بڑوں کو یہ حق حاصل ہے کہ مہر کثیر کی حد مقرر کریں کہ مثلاً کوئی بھی دس ہزار روپے سے زیادہ مہر نہیں باندھ سکتا اور یہ اس لیے کیا جائے کہ لوگ مغالاۃ فی المہر (مہروں میں زیادتی) سے باز آجائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مہر کی حد اکثر اور تحدید کی کسی دلیل سے ثابت نہیں؛ بلکہ بعض آیات کریمہ سے تکثیر اور بعض دلائل سے اس اطلاق معلوم

---

(۱) عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: ألا! لاتغالوا في صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتى عشرة اوقية''،هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء في مهور النساء: ۱/۲۱۱،سعيد)

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:''ولامهر أقل من عشرة''.(إعلاء السنن، باب: لامهر اقل من عشرة: ۱/۸۱،إدارة القرآن كراتشى

(۳) وعن أم حبيبة رضى الله عنها أنها كانت تحت عبدالله بن جحش فمات بأرض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه وسلم وامهرها عنه أربعة الاف''،رواه ابوداؤد والنسائى.(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثالث: ۶/۳۶۳،رشيدية)

ومفہوم ہوتا ہے، لہٰذا حاکم وقت، یا اہل حل وعقد کے لیے جائز نہیں کہ وہ مہر کی تحدید کریں؛ تاہم ذرائع ابلاغ بطور علم ووعظ عوام کے اندر اس کی تقلیل کی مسنونیت پر ترغیب دیں اور صاحب اقتدار طبقہ، علماء وحکام اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: ﴿وَآتَيتُم إحدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تأخُذُوا مِنهُ شَيئًا﴾(سورۃ النساء: ۲۰)

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحلَةً﴾(سورۃ النساء: ٤)

﴿وأُحِلَّ لَكُم مَا وَرَاءَ ذَلِكُم اَن تَبتَغُوا بأَموَالِكُم مُحصِنِينَ غَيرَ مُسَافِحِينَ﴾(سورۃ النساء: ۲٤)(۱)

(فتاوی حقانیہ: ۳۷۲/۴)

قوم کی طرف سے مہر کی تعیین اور اس کے خلاف پر جرمانہ:

سوال: قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے یہ تجویز پاس کی ہے کہ آئندہ سب لوگوں کو اپنی اولاد کے نکاح ۲۵/روپیہ سے زیادہ کی رقم پر نہ کرنا چاہیے، چناں چہ تمام قوم اس کی پابند ہے، مخالف پر جرمانہ وغیرہ کیا جاتا ہے تو تعیین مہر کا ان لوگوں کو حق ہے، یا نہیں؟ صحت نکاح میں کوئی خرابی ہے، یا نہیں؟

(محمد اسماعیل گنگوہی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مہر پچیس روپیہ، یا اس سے زائد، یا اس سے کم دس درہم تک مقرر کرنا جائز ہے اور بہر صورت نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔ کم کی مقدار دس درہم شریعت کی جانب سے متعین ہے، زیادہ کی مقدار متعین نہیں کسی اور کو انتہائی مقدار لازمی طور پر متعین کرنے کا حق حاصل نہیں، نہ کسی کی تعیین سے متعین ہوسکی ہے،(۲)، البتہ زیادہ مہر مقرر کرنا کچھ فضیلت کی بات نہیں، خصوصاً جب کہ اس کی وسعت بھی نہ ہو۔

"(عمر) قال فی الخطبة: ألا! لا تغالوا فی صدقة النساء، فإن ذلک لو کان مکرمة فی الدنیا وتقوی عند اللّٰہ، کان أولکم رسول اللّٰہ، ماأصدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم امرأة

---

(۱) قال الشیخ وھبة الزحیلی: وقد نبھت امرة الٰی ھذہ الایة حینما أراد عمر بن الخطاب تحدید المھور فنھی أن یزاد فی الصداق علی أربع مأة درھم وخطب الناس فیہ... فقالت لہٗ امراة من قریش بعد نزولہ من علی المنبر ولیس ذلک الیک یاعمر فقال ولم؟ قالت لأن اللّٰہ تعالٰی یقول ﴿واٰتیتم احداھن قنطارا فلاتأخذوا منہ شیئًا أتأخذونہ بھتانًا واثمًا مبینًا﴾فقال عمر: امرأة أضابت ورجل أخطاء.ورواہ أبویعلی فی الکبیر،فقال:اللّٰھمَّ غفر أ کل الناس أفقہ من عمر،ثم رجع فرکب المنبر، فقال:ایُّھا الناس انی کنت نھیتکم أن تزیدوا النسائی صدقاتھن علی أربع ماة درھم فمن شاء أن یعطی من مالہ ماء أحب.(الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۲۵٦/۷)

ومثلہٗ فی الفتاویٰ الاسلامیة:۳۳۳/۲، وأبحاث ھیئة کبار العلماء:٤۰۹/۲)

(۲) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:"ولامھر أقل من عشرة".(إعلاء السنن، باب: لامھر أقل من عشرة: ۸۱/۱،إدارة القرآن کراتشی)

من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتي عشرة أو قية". (مجمع الفوائد)(۱)

مہر فاطمی مقرر کرنا افضل ہے، اور وسعت سے زیادہ مقرر نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔ مال کا جرمانہ شرعا جائز نہیں۔

قال ابن نجيم بعدبحث: "والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (بحر: ۴۱/۵)(۲)

قوم کی اس تجویز سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۳۵۲/۱۲/۲۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا، ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۷-۳۸)

علاقہ والوں کا مہر کی حد مقرر کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقے میں پورا گاؤں مہر کی رقم کی زیادتی سے پریشان تھا؛ اس لیے بااثر حضرات نے بیٹھ کر یہ مقرر کیا کہ گاؤں میں کسی لڑکی کی شادی اب 20/ ہزار مہر سے زیادہ پر نہ ہوگی، کیا اس طرح قانون بنانا درست ہے اور کیا شریعت میں مہر کی مقدار متعین ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر شرعاً عورت کا حق ہے۔ عورت کی رضامندی سے طے کیا جانا چاہیے۔ شرعاً مہر کی کم از کم مقدار 2.625/ تولہ چاندی (یا اس کی رقم) مقرر و متعین ہے؛ لیکن زیادہ کی کوئی حد نہیں جتنا مہر مقرر کرنا چاہیں مقرر کر سکتے ہیں، البتہ بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا ایسا رواج ہوگیا ہے کہ جس سے معاشرہ متاثر ہو رہا ہے، مثلاً لاکھوں میں مہر متعین کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے درج ذیل مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

(۱) لڑکے اتنے با استطاعت نہیں ہوتے، لہٰذا وہ شادیاں نہیں کر پاتے۔

(۲) لڑکیاں بن بیاہی گھروں پر اپنے بال سفید کر لیتی ہیں؛ لیکن اتنا مالدار لڑکا میسر نہیں آپاتا، جو وہ مہر ادا کرے اور جب لڑکے لڑکیوں کی شادیاں بلوغ کے بعد مؤخر ہوں تو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ زمین میں فساد عظیم برپا ہوتا ہے۔

(۳) مہر کی ادائیگی کے لیے لڑکے، یا اس کے باپ وغیرہ کو سودی قرضے لینا پڑتے ہیں۔

(۴) مہر عورت کا حق ہونے کے بجائے اس کی قیمت بن جاتا ہے جس کے سبب لڑکے والے غلط رویہ اختیار کرتے ہیں اور جہیز میں بھی زیادتی کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔

---

(۱) جمع الفوائد، كتاب النكاح، الصداق والوليمة وإجابة الدعوة. (رقم الحديث: ۴۱۵۳): ۲/۵۸، إدارة القرآن كراتشي

(۲) البحر الرائق، كتاب الصداق: ۴/۲۹۱، إمدادية ملتان

(۳) وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۳/۹، سعيد)

(۵) عموماً اتنا مہر اداء نہیں ہو پاتا اور لڑکا یہ بار اپنے سر لے کر قبر میں چلا جاتا ہے، یا اپنی عزت نفس مجروح کرکے لڑکی سے اسے معاف کراتا ہے۔

نیز دیگر بھی بہت سے مفاسد ہیں، جن کے باعث شریعت میں مہر کی زیادتی ممدوح نہیں اور بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے مہر کی رقموں میں زیادتی نہ کرو؛ کیوں کہ اگر مہر کی رقم کا زیادہ ہونا کوئی کرامت، یا شرافت ہوتا تو ازواج مطہرات اور بنات طیبات اس کی زیادہ مستحق تھیں (جب کہ ان مقدس اور معزز خواتین کا مہر زیادہ نہ تھا)، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر گاؤں والے مل کر کوئی ایسا قانون بناتے ہیں، جس میں مہر کی متوسط مقدار مقرر کردیں (وہ مقدار اتنی کم بھی نہ ہو کہ شرفا کو اپنی بچی بیاہتے ہوئے عار ہو اور اتنی زیادہ بھی نہ ہو کہ غربا عاجز ہوجائیں) اور اس مقدار کو معیار بنالیا جائے، یعنی کوئی اس سے زیادتی نہ کرے، البتہ اگر بوقت ضرورت جانبین کی رضامندی سے اس معیار سے کم پر عقد طے ہو تو اس میں کوئی حرج نہ سمجھا جائے تو امید ہے ہر لڑکی بھی بخوشی راضی ہوجائے گی اور یہ اقدام معاشرے میں اچھے اثرات مرتب کرے گا نیز شادیاں آسان ہوجائیں گی اس لئے تمام گاؤں والوں کو چاہیے کہ اس قانون پر عمل کریں اور خواہ مخواہ اپنی وجہ سے تمام گاؤں والوں کو حرج میں نہ ڈالیں۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفی الھندیة (۳۱۳/۱): وإن حطت عن مھرھا صح الحط، کذافی الھدایة ولابد فی صحة حطھا من الرضا حتی لو کانت مکرھة لم یصح ومن أن تکون مریضة مرض الموت، ھکذا فی البحر الرائق.

وفی الشامیة (۱۱۳/۳، مطلب فی حط المھر والابراء منه): (قوله: وصح حطھا) الحط الإسقاط کما فی المغرب وقید بحطھا لأن حط أبیھا غیر صحیح لو صغیرة ولو کبیرة توقف علی إجازتھا ولا بد من رضاھا. (نجم الفتاویٰ: ۱۵۹/۵-۱۶۰)

برادری کا مہر کی مقدار مقرر کرنا

اور مہر کے ذکر کے ساتھ کئے گئے نکاح پر رضامندی مہر پر بھی رضامندی متصور ہوگی:

سوال (۱) ہماری میمن برادری میں عورتوں کا مہر بوقت نکاح اس وقت ۵۰۰/روپے مقرر ہے، قبل ازیں ۱۲۵/روپے اور اس سے پہلے ۲۵/روپے تھا، یہ رقم برادری کی مجلس عامہ کی جانب سے مقرر کی جاتی ہے، کیا مردوں کا یا ایک کمیٹی کا عورتوں سے پوچھے بغیر مہر مقرر کرنا شرعاً صحیح وجائز ہے؟ نیز کیا عورت کی رضامندی ضروری ہے؟

شوہر اور لڑکی کے والدین کی طرف سے لڑکی کو دیئے گئے سامان کا حکم:

(۲) دلہن کو مرد کی طرف سے، یا دولہا کے خاندان کی طرف سے سونے ک زیورات دیئے جاتے ہیں، اگر

طلاق ہوگئی تو زیورات واپس لیے جاتے ہیں، اس پر مطلقہ کا حق نہیں گردانا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کے پاس کچھ نہیں رہتا، وہ بے سروسامانی کی حالت میں میکے سدھارتی ہے، اگر مطلقہ صاحب اولاد ہوتو اور بھی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، دین میں ایسی مطلقہ کو کیا رعایت حاصل ہیں؟

الجواب

(۱)　　مہر مقرر کرنے کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے؛ لیکن نکاح کے وقت جب اس سے اجازت لی جاتی ہے، اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ: ''تمہارا نکاح فلاں شخص سے اتنے مہر پر کیا جارہا ہے'' اگر اس نے اس وقت رضامندی دے دی تو مہر پر بھی رضامندی ہوگئی، جہاں تک برادری کی طرف سے مہر کے تعین کا تعلق ہے، عورت اسکی پابند نہیں ہے، بلکہ اگر چاہے تو اس سے زیادہ بھی مقرر کراسکتی ہے۔

(۲)　　اگر یہ زیورات عورت کو مالک بنا کر صراحۃً نہیں دیئے گئے تو وہ شوہر ہی کی ملکیت ہیں، (۱) اور جدائی کے وقت شوہر واپس لے سکتا ہے؛ لیکن اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہے اور لڑکی کو اس والدین کی طرف سے جو کچھ چڑھایا گیا ہو، وہ اس کی ملکیت ہے، (۲) جو جدائی کے وقت اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے، خلاصہ یہ کہ طلاق کے بعد شوہر کی طرف سے ایک تو مہر کی ادائیگی واجب ہے، (۳) بشرطیکہ وہ پہلے ادا نہ کیا ہو، دوسرے عدت کے دوران اس کا نفقہ واجب ہے، (۴) اس کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے ذمے واجب نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۱۲/۱/۱۴۰۱ھ (فتویٰ نمبر: ۳۲/۱۸۰۳ ج) (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۹۶-۲۹۷)

---

(۱)　　وفی الدر المختار، کتاب الهبة (۶۸۸/۵، طبع سعید): وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضا... و رکنها هو الایجاب والقبول ...وحکمهما ثبوت الملک للموهوب له ... وتصح بایجاب کوهبت ونحلت، الخ.

(۲)　　و فی ردالمحتار (۵۸۵/۳، طبع سعید): ان الجهاز ملک المرأة وانه اذا طلقها تأخذه کله وإذا ماتت یورث عنها.

(۳)　　و فی الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر (۱۰۲/۳، طبع سعید) وتجب ... عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما و تزوج ثانیا فی العدة، الخ.

وفی الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی (۳۰۳/۱، طبع ماجدیة): والمهر یتأکد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء کان مسمیٰ أومهر المثل حتی لایسقط منه شیء بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق، الخ.

(۴)　　وفی الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطلاق، الباب السابع عر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة (۵۵۷/۱، طبع ماجدیة): المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنیٰ کان الطلاق رجعیا أوبائنا أو ثلاثا حاملا کانت المرأة أو لم تکن، کذا فی فتاویٰ قاضی خان.

و فی الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقة (۶۰۹/۳، طبع سعید): وتجب لمطلقة الرجعی والبائن والفرقة بلا معصیة.... الخ.

ایک بیوی کا مہر پانچ ہزار دوسری کا پانچ سو، کم والی کا بڑھا دینا کیسا ہے:

سوال: زید نے ہندہ سے پانچ ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا، اس کی بہت مدت کے بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا، زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم مقرر کیا، زید نے اس کی دل جوئی کے لیے یہ قصہ کیا کہ تین چار سو روپیہ اس کے مہر میں اور زیادہ کر دئے؛ کیوں کہ زیادۃ بعد العقد بھی اصل کے ساتھ بتصریح فقہا ملحق ہو جاتے ہیں، تین سو چار سو اس کو اور دے دوں، خواہ نقد، یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے؛ لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے، کہیں یہ زیادتی مہر احدہما خلاف عدل نہ ہو جائے، یہ زیادۃ فی مہر احدہما جائز ہے، یا نہ؟ اگر کوئی دلیل صریح نہ ہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو، کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جاوے تو اقرب الی الاقناع ہے؟

الجواب

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ ”**زیادۃ فی المهر بعد العقد ملحق بأصل المهر**“ ہے اور ہبہ مبتدءٔ نہیں ہے، کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ: زیادۃ فی مہر احدی الزوجات درست ہے، خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا، جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو (اور اس کو حیلہ ترک عدل وتسویہ بین الزوجات، جو کہ واجب ہے، نہ بنایا جاوے،) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا، فتح القدیر کے جزئیہ ذیل سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے:

”**(قوله: وإن رضيت إحدى الزوجات بترك قسمها لصاحبتها جاز) هذا إذا لم يكن برشوة من الزوج، بأن زادها في مهرها لتفعل أو يتزوجها بشرط أن يتزوج أخرى فيقيم عندها يومين وعند المخاطبة يوما، فإن الشرط باطل ولا يحل لها المال في الصورة الأولٰى، فله أن يرجع فيه، الخ**“. (۱)

اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے:

”**(قوله: خلافاً لزفر) فإنه يقول الزيادة هبة مبتدأة لا تلحق بأصل العقد إن قبضت ملكت وإلا فلا، الخ**. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ زیادۃ کہ ہبہ مبتدءٔ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جاوے؛ کیوں کہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات ضروری ہے۔

کما في العيني على البخاري: وتمام العدل أيضا بين تسويتهن في النفقة والكسوة والهبة ونحوها. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۶۷-۲۶۹)

---

(۱) فتح القدير، باب القسم: ۲/۳۰۳، ظفير

(۲) العناية على هامش فتح القدير، باب المهر: ۲/۲۱۴، ظفير

(۳) عمدة القاري شرح البخاري: ۹/۵۰۰، ظفير

الزيادة في مهر إحدى الزوجتين بعد العقد هل توجب تسوية الأخرى فيها أم لا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت ہندہ سے پانچ ہزار مہر پر نکاح کیا، اس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر نکاح کیا اور دونوں کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم رکھا، زید نے اس کی دلجوئی کے لیے یہ قصد کیا کہ تین سو چار روپئے اس کے مہر میں اور زیادہ کر کے (کیوں کہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ بتصریح فقہاء ملحق ہو جاتی ہے) اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اس کو اور دے دوں، خواہ نقد، یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے؛ لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے، کہیں یہ زیادت فی مہر احدہما خلاف عدل نہ ہو جاوے؛ اس لیے استفتاء کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احدہما جائز ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی دلیل صریح نہ ہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جاوے تو اقرب الی الاقناع ہے۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــ الأول من بعض العلماء

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ "**زيادة في المهر بعد العقد ملحق بأصل المهر**" ہے اور ہبہ مبتدۂ نہیں ہے، کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ: زیادۃ فی مہر احدی الزوجات درست ہے، خصوصا اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا، جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو (اور اس کو حیلہ ترک عدل وتسویہ بین الزوجات جو کہ واجب ہے، نہ بنایا جاوے،) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا، فتح القدیر کے جزئیہ ذیل سے یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے:

"**(قوله: وإن رضيت إحدى الزوجات بترك قسمها لصاحبتها جاز) هذا إذا لم يكن برشوة من الزوج، بأن زادها في مهرها لتفعل أويتزوجها بشرط أن يتزوج أخرى فيقيم عندها يومين وعند المخاطبة يوما، فإن الشرط باطل ولايحل لها المال في الصورة الأولىٰ، فله أن يرجع فيه، الخ**".

اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے:

"**قوله: خلافاً لزفر، فإنه يقول الزيادة هبة مبتدأة لا تلحق بأصل العقد إن قبضت ملكت وإلا فلا،الخ.**

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ زیادۃ کہ ہبہ مبتدۂ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جاوے؛ کیوں کہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات ضروری ہے۔

كما في العيني على البخاري: وتمام العدل أيضا بين تسويتهن في النفقة والكسوة والهبة ونحوها. والله تعالى اعلم

کتبہ:۔۔۔،۵؍ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ۔ الجواب صواب: محمد۔۔۔ عفا اللہ عنہ

الجواب ــــــــــــــــ الثانی من جامع إمداد الأحکام

أقول وبالله التوفیق: زیادت فی المہر کا ملحق باصل العقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہوں، چناں چہ زیادت کا دخول سے متنصف ہونا اور قبل دخول متنصف نہ ہونا اس پر دال ہیں۔

نیز زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لیے ہبہ کے احکام مطلقاً نہ ثابت ہوں۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر اور شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض ہبہ مستانفہ نہیں سمجھتے؛ بلکہ اس کے لیے کچھ احکام ہبہ کے اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور (امام) زفر وشافعی اس کو من کل وجہ ہبہ مستانفہ سمجھتے ہیں، ائمہ ثلثہ حنفیہ اس کو ہبہ ابتداءً ومہر انتہاءً کہتے ہیں؛ اسی لیے وہ اس زیادت کو حق متعاقدین میں بحکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں ہبہ وتبرع۔

کما یظهر من کلام الفقهاء ودلیله: شرط بقاء الزوجیة لجواز هذه الزیادة علی الظاهر، کما فی الدر،(۱) فلو کان کالمهر فی جمیع الأحکام لم یکن بقاء الزوجیة شرطا؛ لأن المهر یبقی ولو انعدمت الزوجیة، کما لا یخفی.

قال فی النهر: والظاهر عدم الجواز بعد الموت والبینونة، وإلیه یرشد تفسیر المحیط بحال قیام النکاح إذ نقلوا أن ظاهر الروایة أن الزیادة بعد هلاک المبیع لا تصح، وفی روایة النوادر: تصح، ومن ثم جزم فی المعراج وغیره بأن شرطها بقاء الزوجیة، حتی لو زادها بعد موتها لم تصح (أی لعدم المحل وقت الزیادة) والإلتحاق بأصل العقد وإن کان یقع مستنداً إلا أنه لا بد أن یثبت أوّلا فی الحال، ثم یستند، آه. (۲)

اور طحاوی نے عدم اشتراط بقاء زوجیت کو گو ترجیح دی ہے؛ مگر اس کی بناء التحاق باصل العقد پر نہیں رکھی؛ بلکہ یہ کہا ہے:

"وکون ظاهر الروایة عدم صحة الزیادة بعد هلاک المبیع، لا یقتضی أن یکون ظاهر الروایة هنا لفرق بین الفصلین قام عند المجتهد، فإنه فی النکاح أمر الله تعالیٰ بعدم نسیان الفضل بین الزوجین وهذه الزیادة من مراعاة الفضل، آه. (شامی: ۲/۵۵۲-۵۵۳) (۳)

قول اول میں شرط بقاء زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لیے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کر کے اس شرط کی نفی کر دی۔ بہر حال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر

---

(۱) الدر المختار، مطلب فی أحکام المتعة: ۳/۱۱۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، مطلب فی أحکام المتعة: ۳/۱۱۲، دار الفکر بیروت، انیس

هذا صریح فی أن تلک الزیادة تلتحق بأصل المهر بعد ثبوته فی الحال وثبوته إنما هو بصورة الهبة والشیء إذا ثبت ثبت بلوازمه، فیثبت لها أحکام التبرع فی الجملة. منه

(۳) ردالمحتار، مطلب فی أحکام المتعة: ۳/۱۱۲، دار الفکر بیروت، انیس

کے نہیں ہے؛ بلکہ درحقیقت یہ ہبہ من وجہ ہے اور مہر من وجہ ہے، ہبہ کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منفصل ہے، مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے۔

لما فيه من إبطال حق الورثة، قال في الدر:(ومالزمه في مرضه بسبب معروف) ببينة او بمعاينة قاض (قدم على ما أقر به في مرض موته ولو) المقر به (وديعة) ... (والسبب المعروف) ما ليس بتبرع (كنكاح مشاهد) إن بمهر المثل، أما الزيادة فباطلة وإن جاز النكاح،آه.(۷۰۸/٤)(۱)

فهذا كما ترى قد ادخل الشهادة هنا في التبرع وهذا إذا كانت الزيادة في صلب العقد ولو كانت بعد العقد فتبطل بالأولىٰ وإن كان المهر أقل من المثل والعلة كونه تبرعا في الأصل ابتداءً، كما لا يخفى.

اور مہر مثل کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں، اگر ہبہ محضہ ہوتا تو بدون قبض کے لزوم میں محتاج قبض نہیں، كما يدل عليه قول صاحب العناية خلافاً لزفر، فإنه يقول الزيادة هبة مبتدأة لا تلحق بأصل العقد إن قبضت ملكت وإلا فلا،الخ.

باقی تمام احکام اس کے لیے ہبہ کے ثابت ہیں، مثلاً قبول مرأۃ کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ، جو اصل مہر میں شرط نہیں۔ نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر دراصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں یہ تصریح ہے:

"لكن إنما يظهر في الشفعة الحط فقط.قال الشامي:لأن في الزيادة إبطال حق الشفيع الثابت قبلها فلا يملكانه، فله أن يأخذ بدون الزيادة،آه.(۲٦۰/٤)(۲)

اب صورت مسئولہ کا حکم واضح ہو گیا، وہ یہ کہ منکوحہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے، اگر یہ مہر مثل تھا، تب تو اس کا مستحق زیادت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل نہ تھا؛ بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح کے خود ہی ساقط کر دیا ہے، والساقط لا يعود اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولیٰ کا ہبہ ونفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو، زوجہ اولیٰ کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلہا کو باطل نہیں کر سکتی، كما مر في مثال الشفيع، بس اس زیادۃ کا ثمرہ صرف یہ ہوگا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبض فی اللزوم نہیں رہے گا، باقی احکام تبرع وہبہ کے بحالہا باقی رہیں گے اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس

(۱) الدرالمختار،باب إقرار المريض:٦١١/٥،دارالفكربيروت،انيس

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولية، مطلب في بيان الثمن والمبيع والدين: ١٥٥/٥، دارالفكربيروت،انيس

قلت:هذاصريح فيما ذكرته قبل أن هذه الزيادة مهر انتهاءً في حق المتعاقدين وتبرع زائد في حق الثالث فلذا لم يعدهامن الثمن في حق الشفيع.منه

میں ہدم باب القسم باسرہ لازم آئے گا؛ کیوں کہ تیرے مہر میں یہ زیادت کررہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے، وہ استدلال صحیح نہیں، یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دال ہے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں؛ بلکہ اس کی حالت موجودہ کے احکام بھی اس کے لیے ثابت ہوتے ہیں۔غور کرنا چاہیے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے اور یہ تقابل اس زیادت کی حالت موجودہ قبل الاستناد ہے، ورنہ بعد الاستناد تو یہ زیادت مہر کا جزو ہو کر عوض بضع ہے اور بضع شرعاً متقوم ہے، اس کا معارضہ رشوت کبھی نہیں ہوسکتا، پس فقہا کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لیے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے؛ بلکہ اس کی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں، پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو، اس وقت تو رشوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے؛ کیوں کہ استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے لیے صلہ زائدہ کے احکام کا فی الجملہ ثابت ہونا اوپر عبارات درمختار وردالمختار وغیرہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہانے تبرع میں داخل کر کے بدون اجازت ورثہ باطل کہا ہے، علی ہذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں مبطل حق شفیع نہیں مانا گیا اور اس کے لیے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے، اسی طرح بھی زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادت ہے، باطل نہیں ہوسکتا ہٰذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۴؍شعبان ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۶۱)

ایک بیوی کا مہر کم اور دوسری کا زیادہ ہو تو دونوں کا کتنا مہر ہوگا:

سوال: زید کی دو بیویاں ہیں، بڑی بیوی کا دین مہر بہت زیادہ ہے اور چھوٹی بیوی کا دین مہر کم ہے تو دونوں دین مہر برابر پائے گی، یا اپنے اپنے دین مہر کے مطابق پائے گی؛ مگر بڑی بیوی کو صرف ایک لڑکی ہے اور چھوٹی کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اگر جائداد دین مہر میں ختم ہوجائے تو کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ اگر دونوں کو دین مہر کے مطابق جائداد تقسیم کردی جائے اور دونوں کے بچے اپنی ماں کی جائداد میں حصہ لے لیں گے تو یہ کافی ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جس بیوی کا جتنا دین مہر ہے اتنا وہ پائے گی، (۱) دین مہر ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا، وہ اولاد پر حسب سہام شرعی تقسیم ہوگا، اگر دین مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے، کسی کو کچھ نہیں ملے گا، نہ اس میں کوئی گناہ ہے، نہ مواخذہ شرعی؛ بلکہ شرع کا حکم ہی یہ ہے کہ پہلے دین ادا کیا جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۔)

---

(۱) ثم الأصل في التسمية أنها إذا صحّت وتقرّرت يجب المسمّٰى. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۰۳)

(۲) ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (سورة النساء: ۱۲) ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله. (السراجي: ٤)

زوجین کی رضامندی سے مہر کی رقم میں اِضافہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شوہر بیوی کا نکاح مہر فاطمی پر ہوا؛ لیکن کچھ دنوں بعد میں شوہر بیوی کے بیچ جھگڑا شروع ہوگیا، شوہر کی بدچلنی اور شوہر کی مار پیٹ اور جہیز کی مانگ سے پریشان عورت نے شوہر کے گھر جانے سے انکار کردیا؛ لیکن جب معزز لوگوں نے عورت کو سمجھایا کہ آئندہ تمہارا شوہر ایسی حرکتیں نہیں کرے گا تو عورت نے ایک شرط رکھ دی کہ میں اپنا مہر فاطمی کے بجائے ۲/لاکھ روپیہ لوں گی اور آج سے میرا مہر دولاکھ روپیہ ہی ہوگا، جس کو لڑکے نے پنچایت کے بیچ میں منظور کرلیا اور ایک شرائطی اسٹامپ بھی لکھ دیا گیا، اس فیصلہ کے تقریباً ۸/ ماہ بعد لڑکے نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی تو اب شوہر اپنی بیوی کو مہر فاطمی ادا کرے گا، یا ۲/لاکھ روپیہ کے مہر ادا کرے گا؟ تحریر فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حسبِ تحریر سوال چوں کہ آپسی رضامندی سے مہر کی مقدار میں اضافہ کیا گیا ہے اور باقاعدہ اس کا اسٹامپ پیپر بھی لکھ دیا گیا؛ اس لیے یہ اضافہ شرعاً معتبر ہے اور مسئولہ صورت میں شوہر پر دولاکھ روپئے مہر ادا کرنا لازم ہے۔ (مستفاد امدادالاحکام: ۳/۳۵۴)

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ (سورة النساء: ٢٤)

أی من زيادة ونقصان فی المهر، فإن ذٰلک سائغ عند التراضی بعد استقرار الفريضة، والمراد إبراء المرأة عن المهر، أو توفية الرجل كل المهر إن طلق قبل الدخول. (الجامع لأحكام القرآن الكريم، سورة النساء: ١١٩/٣، المكتبة التجارية)

قال فی البحر: ودل وضع المسئلة على جواز الزيادة فی المهر بعد العقد، وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس على الأصح، كما فی الظهيرية، واستدلوا بجوازها بقوله تعالى: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ فإنه يتناول ما تراضوا على إلحاقه وإسقاطه. (البحر الرائق: ٢٦١/٣، ومثله فی الشامية: ٢٤٦/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۷/۱۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۲۱-۴۲۲)

حکم تجدید نکاح بزیادت مہر از مہر سابق اور اس صورت میں شوہر کے ذمہ کون سا مہر واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵/سال اور عابدہ عمر ۱۴/سال ہر دو باجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقعی ہوا کہ اپنے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں آکر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار دونوں شاہدین سے کرا کر ہی دیا تھا کہ عابدہ کا موں اس

جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے، چالیس تولہ سونا چاہیے اور اسی پر اصرار کر کے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا، حتی کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کرا ہی چھوڑا، حالاں کہ زید زوج ایک سو پچیس ۱۲۵/ روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھاسکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لے کر کیا تھا، اس کے ضائع ہو جانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً وکرہاً نکاح ثانی بھی قبول کرلیا۔

(۱) عندالشرع کون سا نکاح منعقد ہوا، اول، یا ثانی؟

(۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی بالجبر کرانے کا مستحق ہے، یا نہیں؟

(۳) نکاح اول کا مہر واجب الادا ہے، یا ثانی کا؟

(۴) مہر مؤجل زوجہ کو کس وقت ادا کیا جا سکتا ہے؟

اس کے چار ماہ بعد زوج وزوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لے جا کر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے ہاں آنے نہیں دیتا، آیا عابدہ کا نان ونفقہ زید پر واجب الادا ہے، یا نہیں؟ مع حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب

قال فی العالمکیریة: الزِّيَادَةُ فِي الْمَهْرِ صَحِيحَةٌ حَالَ قِيَامِ النِّكَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ، كَذَا فِي الْمُحِيطِ .فَإِذَا زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ .هَذَا إِذَا قَبِلَتْ الْمَرْأَةُ الزِّيَادَةَ سَوَاءٌ كَانَتْ مِنْ جِنْسِ الْمَهْرِ أَوْ لَا مِنْ زَوْجٍ أَوْ مِنْ وَلِيٍّ، كَذَا فِي النَّهْرِ الْفَائِقِ وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تَتَأَكَّدُ بِأَحَدِ مَعَانٍ ثَلَاثَةٍ: إِمَّا بِالدُّخُولِ، وَإِمَّا بِالْخَلْوَةِ الصَّحِيحَةِ، وَإِمَّا بِمَوْتِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ فَإِنْ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا مِنْ غَيْرِ هَذِهِ الْمَعَانِي الثَّلَاثَةِ بَطَلَتْ الزِّيَادَةُ وَتَنَصَّفَ الْأَصْلُ وَلَا تَتَنَصَّفُ الزِّيَادَةُ، كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ، ....وَلَوْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِأَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ جَدَّدَ النِّكَاحَ بِأَلْفَيْنِ اخْتَلَفُوا فِيهِ ذَكَرَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِ النِّكَاحِ أَنَّ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَا تَلْزَمُهُ الْأَلْفُ الثَّانِيَةُ وَمَهْرُهَا أَلْفُ دِرْهَمٍ وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – تَلْزَمُهُ الْأَلْفُ الثَّانِيَةُ وَبَعْضُهُمْ ذَكَرَ الْخِلَافَ عَلَى عَكْسِ هَذَا قَالَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى: الْمُخْتَارُ عِنْدَنَا أَنْ لَا تَلْزَمَهُ الْأَلْفُ الثَّانِيَةُ، كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ.(۱)(قلت وهذا اذا كان المقصود بالتجديد تجديد النكاح عزال وتلعياً)

وَفَتْوَى الْقَاضِي الْإِمَامِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجِبُ بِالْعَقْدِ الثَّانِي شَيْءٌ إِلَّا إِذَا عَنَى بِالزِّيَادَةِ فِي الْمَهْرِ فَحِينَئِذٍ يَجِبُ الْمَهْرُ الثَّانِي، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ.(۲/۲۹)(۲)

(۱-۲) الفتاویٰ الهندية،الفصل السابع فی الزيادة فی المهر: ۳۱۳/۱،دارالفکر بيروت،انيس

پس صورت مسئولہ میں نکاح ثانی تو لغو ہے؛ لیکن چوں کہ اس سے مقصود محض زیادت مہر منظور کیا ہے، اس پر وہی واجب ہوگا، جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ زید زوج نے اس کو رضا منظور کیا ہے، اس پر اکراہ شرعی کا تحقق نہیں ہوا اور گو ماموں اس صورت میں ولی نہ تھا؛ مگر اول تو اس نے والدہ عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے ایسا کیا ہے، دوسرے مدار تو زوج کے منظور کرنے پر ہے، جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کر لیا تو اس کی طرف سے زیادت فی المہر کا تحقق ہو گیا، پس اگر زوجہ مسماۃ عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کر لیا ہو؛ یعنی اس کو دوسرے نکاح کی مہر زائد پر ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس نے سکوت کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہو گیا، جو دخول، یا خلوت سے مؤکد بھی ہو گیا اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے، بعض جگہ طلاق، یا موت کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال کی اصطلاح معلوم نہیں؛ اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی یہ بات دریافت طلب ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے، یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟

اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادا مطالبۂ زوجہ پر واجب ہوتا ہے، یا طلاق وموت پر اور صورت مسئولہ میں کل مہر مؤجل تھا، یا کوئی حصہ معجّل بھی تھا اور جو حصہ معجّل تھا، وہ عابدہ کو وصول ہو گیا، یا نہیں؟ واللہ اعلم

۸/ربیع الاول ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۷۶)

فالج کے مریض کا مہر میں اضافہ کرنا:

سوال: زید ایک سال کے عرصے سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا رہا اور پورے ایک سال کے بعد اپنی زوجہ کے مہر مسمی میں اضافہ کرتا ہے۔ درحالت رضا ورغبت وبدرستی ہوش وحواس اور لکھ بھی دیتا ہے۔ اس معاملے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد اسی مرض میں فوت ہو جاتا ہے۔ کیا یہ اضافہ اصل مہر مسمی کے ساتھ منضم ہو کر ترکہ سے واجب الاداز وجہ کے لیے ہوگا، کیا یہ اضافہ تصرفات مرض الموت میں شمار ہوگا، یا تصریفات حالت صحت میں؟ کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ جو مرض سال بھر تک، یا کچھ زیادہ عرصے رہا ہو اس کو ابتدا ہی سے مرض الموت شمار نہ کریں گے اور ابتدائے مرض سے اس کے تصرفات میں خلل نہ آئے گا؛ بلکہ جس روز سے مرض شدید ہو کر ہلاکت کی نوبت پہنچی ہے اس روز سے مرض الموت شمار ہوگا اور اسی روز سے اس کے معاملات کو پوری طرح نہ سمجھیں گے۔ پس اگر کوئی شخص سال دو سال سے تپ دق وسل وغیرہ میں مبتلا تھا، اس کے بعد ایک ہفتے کے لیے مرض شدید ہو کر اسی میں انتقال ہو گیا تو مرض الموت صرف ایک ہفتہ شمار ہوگا، اس سے پہلے معاملات بالکل صحیح اور جائز مثل حالت صحت کے سمجھے جائیں گے۔

(المستفتی: ۹۰۱، محمد عبداللہ، مہتمم مدرسہ انوریہ لدھیانہ، ۷/صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹/اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

فالج کا مریض جب کہ مرض ممتد ہوکر ایک حالت پر ٹھہر جاتا ہے اور موت کا خطرہ نہیں رہتا تو اس کے تصرفات صحت کے تصرفات قرار دیئے جاتے ہیں،(۱) پھر جب مرض میں اشتداد (بڑھوتری، شدت) پیدا ہوکر نئی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ مریض قرار دیا جاتا ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۲/۵)

بیوی کو مہر سے زیادہ دے کر واپسی کا مطالبہ کرنا:

سوال: میں نے اپنی بیوی کا مہر مہر فاطمی رکھا اور شادی کے وقت میرے پاس وسعت تھی، لہٰذا میں نے بیوی کو ۱۰/تولہ سونا دے دیا، میری شادی ۲۰۱۰ء میں ہوئی تھی، جب چاندی تقریباً ۷/سو روپے تولہ تھی، جس حساب سے مہر فاطمی تقریباً ایک لاکھ بنتا تھا؛ لیکن میں نے تقریباً ۵/لاکھ کا سونا مہر میں دے دیا اور لڑکی کو ہدیہ کر دیا۔ اس وقت کوئی ناچاقی نہ تھی، اب ۲/سال بعد بہت سے جھگڑے پیدا ہوگئے ہیں، سسرال والے دھمکی دے رہے ہیں کہ ہم لڑکی کو بھی واپس لے جائیں گے اور مہر کی رقم بھی واپس نہ دیں گے اور میں مہر فاطمی سے زیادہ رقم جو میں نے ویسے ہی دے دی تھی، واپس لینا چاہتا ہوں، اگرچہ یہ اچھی حرکت نہیں؛ لیکن اگر شرعاً اس کی گنجائش ہو تو میرے سسرال والوں اور بیوی کا دماغ کچھ درست ہو جائے گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی اہلیہ کو مہر فاطمی سے زائد ہدیہ کئے ہوئے سونے کا رجوع درست نہیں ہے۔

لمافي الهندية (۳۸۶/٤، كتاب الهبة): وإذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع فى الهبة وإن انقطع النكاح بينهما ولو وهب لاجنبية ثم تزوجها أو وهبت لاجنبى، ثم زوجت نفسها منه كان

---

(۱) وفى الهندية عن التمرتاشي: وفسر أصحابنا التطاول بالسنة، فإذا بقى على هذه الحالة سنة فتصرفه بعدها كتصرفه فى حال صحة ... المقعد والمفلوج ما دام يزداد ما به كالمريض فإن صار قديمًا ولم يزد فهو كالصحيح فى الطلاق وغيره.(رد المحتار، كتاب الطلاق باب طلاق المريض: ۳۸۵/۳، سعيد)

صَاحِبُ السُّلِّ إذَا طَالَ بِهِ ذَلِكَ فَهُوَ فِي حُكْمِ الصَّحِيحِ إلَّا إذَا تَغَيَّرَ حَالُهُ مِنْ ذَلِكَ التَّغَيُّرِ فَيَكُونُ حَالُ التَّغَيُّرِ مِنْ مَرَضِ الْمَوْتِ وَكَذَا الزَّمِنُ وَيَابِسُ الشِّقِّ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ فَسَّرَ أَصْحَابُنَا التَّطَاوُلَ بِالسَّنَةِ فَإِذَا بَقِيَ عَلَى هَذِهِ الْعِلَّةِ سَنَةً فَتَصَرُّفُهُ بَعْدَ سَنَةٍ كَتَصَرُّفِهِ حَالَ صِحَّتِهِ كَذَا فِي التُّمُرْتَاشِيِّ،صَاحِبُ الْجُرْحِ وَالْوَجَعِ الَّذِى لَمْ يَجْعَلْهُ صَاحِبَ فِرَاشٍ فَهُوَ كَالصَّحِيحِ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ،وَلَوْ أُعِيدَ الْمُخْرَجُ لِلْقَتْلِ إلَى الْحَبْسِ أَوْ رَجَعَ الْمُبَارِزُ بَعْدَ الْمُبَارَزَةِ إلَى الصَّفِّ صَارَ فِي حُكْمِ الصَّحِيحِ كَالْمَرِيضِ إذَا بَرِءَ مِنْ مَرَضِهِ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الخامس فى طلاق المريض: ٤٦٣/١،دارالفكر بيروت،انيس)

للواهب أن يرجع فى الهبة، لأن النكاح بعد الهبة لا يمنع الرجوع، كذا فى فتاوى قاضى خان.

وفى الدرالمختار (٧٠٤/٥،باب الرجوع فى الهبة) :(والزاى الزوجية وقت الهبة فلو وهب لامرأة ثم نكحها رجع ولو وهب لامرأته لا) كعكسه. (نجم الفتاویٰ:۱۹۷/۵)

مقررہ مہر نالش کر کے لے لیا،

پھر شوہر نے پہلا مہر قائم رکھا تو یہ دوسرا اضافہ مہر عورت لے سکتی ہے:

سوال: مسماۃ امۃ الغنی نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ اپنا دین مہر شوہر سے بذریعہ نالش (دیوانی عدالت) وصول کرلیا اور بعد کو شوہر نے موافقت پیدا کر کے مسماۃ مذکورہ کا وہی مہر تعداد مبلغ پانچ ہزار روپیہ مہر مکرر قائم کر کے تسلیم کر لیے، اب چوں کہ شوہر مسماۃ کا انتقال ہوگیا، لہٰذا مسماۃ مذکورہ شرعاً اپنا دین مہر مکرر ترکہ شوہر سے پانے کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں عورت پانچ ہزار روپیہ پانے کی ترکہ شوہری سے مستحق ہے؛ کیوں کہ یہ دوبارہ شوہر کا پانچ ہزار روپیہ مہر کا تسلیم کرنا زیادتی مہر پر محمول ہوکر بذمہ شوہر واجب الادا ہوگیا۔

كما يظهر من فروعات باب المهر من الدرالمختار والشامي: ومافرض بتراضيها،الخ،بعد العقد،الخ،أوزيد على ماسمى فإنها تلزمه بشرط قبولها فى المجلس،الخ. (الدرالمختار)

وفى الشامي: وكذا لو أقر لزوجته بمهر وكانت قد وهبته له، فإنه يصح إن قبلت فى المجلس، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۶/۸-۳۲۷)

مہر سے متعلق چند سوالات:

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ مقرر شدہ مہر کو اپنی شوہر مرضی سے بڑھا سکتا ہے، یا نہیں؟ اسی طرح عورت مقرر شدہ مہر کو کم کرسکتی ہے، یا نہیں؟

(۲) مہر معجّل طے شدہ میں تاجیل کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ میں سے مہر کی ادائیگی ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر بیوی اپنا مہر معاف کردے، یا باپ بھائی وغیرہ کو اختیار دے دے تو وہ معاف کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۴) معاشرہ کا دستور یہ ہوگیا ہے کہ نکاح کے وقت مہر متعین ہوجاتا ہے؛ مگر زندگی میں شوہر اس کی ادائیگی نہیں کرتا اور نہ عموماً اس کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے اور اگر شوہر مہر ادا بھی کرنا چاہے تو عورت کہتی ہے کہ میں کیا کروں گی،

---

(۱) ردالمحتار،باب المهر: ٤٦٣/٢،ظفير

ہاں البتہ اگر طلاق ہو جائے تو مہر کا مطالبہ ہوتا ہے، یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت سے کہتے ہیں کہ تو معاف کردے، وہ معاف کر دیتی ہے؛ اس لیے دریافت طلب بات یہ ہے کہ زندگی میں اگر شوہر کے لیے عورت اس معاشرہ میں مہر معاف کر دے تو وہ معافی سمجھی جائے گی یا نہیں؟

واضح رہے کہ عورتیں اس جذبہ کے تحت معاف کرتی ہیں کہ اگر معاف نہیں کیا تو شوہر پریشان کرے گا، یا اس لیے کہ مہر لے لینا ایک نئی سی بات ہوگی اور ایسی عورت کو معاشرہ میں اچھا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح شوہر کے انتقال کے بعد کی معافی شرعاً معتبر ہوگی، یا نہیں؟ اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے مہر کی رقم کے حق دار کون کون ہیں؟

(المستفتی: محمد جاوید، چاند پور، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــ وبالله التوفیق

(۱) نکاح کے بعد شوہر اپنی مرضی کے مطابق بیوی کے مقررہ مہر میں جتنا چاہے حسب منشا اضافہ کر سکتا ہے، اسی طرح بیوی کو بھی شریعت نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے مہر میں کمی کر سکتی ہے۔

فإن زادها في المهر بعد العقد لزمته الزيادة. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفيه ديوبند: ٣٢٥/٢، شامي، كراتشي: ١١١/٣، زكريا: ٢٦٤/٤)

وإن حطت عنه من مهرها صح الحط. (الهداية، اشرفي ديوبند: ٣٢٥/٢، شامي، كراتشي: ١١٣/٣، زكريا: ٢٤٨/٤)

(۲) مہر معجّل کو زوجہ کی اجازت سے مؤجل کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۲۴۶/۸، ۲۸۲/۸)

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس کی بیوی کا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

أما الاول فلأن المسمىٰ دين في ذمته وقد تأكد بالموت، فيقضي من تركته. (الهداية، اشرفي ديوبند: ٣٣٧/٢)

نیز بیوی کے مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور اگر اپنے باپ یا بھائی کو اس کا اختیار دے دے تو ان کے معاف کرنے سے بھی مہر معاف ہو جائے گا۔

وصح حطها لكله أو بعضه عنه وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف على إجازتها ولابد من رضاها. (شامي، كراتشي: ١١٣/٣، زكريا: ٢٤٨/٤، الهداية، اشرفي ديوبند: ٣٢٥/٢، عزیز الفتاویٰ: ۴۴۹)

(۴) جو شخص نکاح کے بعد مہر متعین ادا کرنے کی نیت نہ رکھے اور نہ اس کی فکر کرے تو ایسا شخص سخت گنہگار ہے۔ حدیث شریف میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

عن ميمون الكردي عن أبيه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم لامرة ولامرتين ولاثلاثة حتى بلغ عشر مرار: أيما رجل تزوج امرأة بما قل من المهر، أو كثر ليس في نفسه أن يؤدي إليها حقها خدعها، فمات ولم يؤد إليها حقها لقى الله يوم القيامة، وهو زان. (المعجم الاوسط

للطبرانی، دارالفکر، بیروت: ۵۰۱/۱، رقم: ۱۸۵۱)

اورشوہر کے انتقال کے بعد بھی عورت مہر معاف کردے، تو بھی معاف ہوجائے گا؛ لیکن عورتوں پر دباؤ ڈال کر اور معاف نہ کرنے پر بعد میں پریشان کرنا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے، اسی طرح زبردستی دباؤ ڈال کر مہر معاف کرایا جائے، تو مہر معاف نہیں ہوتا علی حالہ باقی رہے گا۔

وصح حطها لكله، أو بعضه عنه. (شامی، کراتشی: ۱۱۳/۳، زکریا دیوبند: ۲٤۸/٤)

ولابد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (الهندية، قديم زكريا: ۳۱۳/۱، جديد زكريا: ۳۸۰/۱)

نیز ابھی بیوی کا مہر ادا نہ ہوا تھا اور وہ انتقال کرگئی تو اس کے مرنے کے بعد مہر اس کا وارثوں کا حق بن جائے گا اور ان میں شرعی اعتبار سے تقسیم ہوگا، اس میں شوہر اس کی اولادیں اور والدین سب شامل ہوں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی: ۴۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۸۱۹/۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۹/۶/۱۶ھ۔ (فتاوی قاسمیہ: ۶۴۰/۱۳-۶۴۲)

☆ ☆ ☆

مہر کی معافی کے مسائل

مہر کی ادائیگی ضروری، یا معاف کرالینا کافی ہے:

سوال: ادائیگی مہر ضروری ہے، یا بخشوانا کافی ہے؟

الجواب

ادائیگی مہر ضروری ہے؛ لیکن اگر عورت بخوشی معاف کردے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۸)

بیوی نے مہر معاف نہ کیا تو شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کا مہر ادا نہیں کیا تھا اور نہ زوجہ سے معاف کرایا تھا کہ زوجہ کا انتقال ہوگیا تو اس وقت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

مہر اس کا بذمہ شوہر واجب الادا ہے؛ لیکن اگر متوفیہ کے اولاد کچھ نہیں ہے تو نصف ترکہ متوفیہ کا وارث شوہر ہوتا ہے اور نصف باقی ورثہ کو ملتا ہے، پس مہر میں سے بھی نصف شوہر کو پہنچا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۷/۸-۳۰۸)

عورت کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے:

سوال: اگر عورت بالغہ پہلی رات کو اپنا زر مہر معاف کردے تو معاف ہوجاوے گا، یا نہیں؟

الجواب

مہر معاف ہوگیا، اگر زوجہ اس معافی کو تسلیم کرے، یا دو گواہ مرد عادل، یا ایک مرد اور دو عورتیں عادلہ گواہ ہوں تو مہر ساقط ہوگیا، مطالبہ مہر کا پھر کوئی نہیں کرسکتا اور اگر زوجہ کو معافی سے انکار ہو اور گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو مطالبہ زوجہ صحیح ہوگا۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۵/۸) ☆

(۱) المهر كله يسقط بأسباب أربعة ... منها الإبراء عن كل المهر قبل الدخول وبعده إذا كان المهر دينا لأن الإبراء إسقاط والإسقاط ممن هو من أهل الإسقاط فى محل قابل للسقوط يوجب السقوط.(بدائع الصنائع: ۱٤٦٧/۳، انیس)

(۲) وأماللزوج فحالتان: النصف عندعدم الولد وولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد، الخ.(السراجی: ۱۳، ظفیر)

(۳) وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل أو لا.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۳۲٤، ظفیر)==

مہر معاف کرانے، یا عورت کے خود معاف کرنے کا حکم:

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر عورت اپنے شوہر کے کہنے پر مہر معاف کردے تو کیا معاف ہوجاتا ہے؟

(۲) اور اگر عورت خود سے معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن، پورنوی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) اگر شوہر نے صرف معاف کرنے کو کہا اور کسی قسم کی دباؤ اور جبر کی شکل اختیار نہیں کی ہے اور شوہر کے کہنے پر بیوی نے اپنی خوشی سے معاف کردیا ہے تو شرعاً معاف ہوجائے گا۔

وصح حطها لكله،أو بعضه. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا: ٢٤٨/٤، كراتشي: ١١٣/٣)

ولابد فى صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (الفتاویٰ الهندية، زكريا: ٣١٣/١،جديد: ٣٨٠/١)

(۲) جی ہاں معاف ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۵۶۴/۲۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۲/۱۳-۷)

== (و)نصابها (لغيرها من الحقوق سواء كان) الحق (مالا أوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو(للإرث رجلان) ... (أورجل وامرأتان). (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٤٦٥/٥، دارالفكر بيروت،ظفير)

☆ بیوی مہر معاف کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بیوی مہر معاف کرسکتی ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: عبید اللہ، بھاگل پوری)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر بیوی کی اپنی ذاتی ملکیت ہے، اس کو اپنی ذاتی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے بغیر کسی دباؤ کے بیوی غریب شوہر کے اوپر سے مہر معاف کردے، تو اس کو اختیار ہے۔

واتفق العلماء على أن المرأة المالكة لأمر نفسها إذا وهبت صداقها لزوجها نفذ ذلك عليها ولارجوع لها فيه (تفسيرالقرطبي، سورة النساء: ٤، دارالكتب العلمية بيروت: ١٨/٥)

وصح حطها لكله،أو بعضه عنه قبل أو لا. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ١١٣/٣، زكريا: ٢٤٨/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۰۸/۴۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۵/۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۱/۱۳-۷)

بیوی جب مہر معاف کردے تو معاف ہوگا، یا نہیں:

سوال: میرا حقیقی بالغ بھائی عبدالوہاب فوت ہوگیا، میں نے مرحوم کی بیوہ کو کہا کہ تیرا مہر اس کے ذمہ ہے، اگر تو لینا چاہتی ہے تو ہم دینے کے لیے تیار ہیں، ورنہ معاف کردے۔ بیوہ مذکورہ نے برادری کے دو گواہوں کے روبرو کہا کہ میں معاف کرتی ہوں۔ اس صورت میں مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــ

اس صورت میں مہر معاف ہوگیا، عنداللہ کچھ مواخذہ مہر کا عبدالوہاب متوفی کے ذمہ نہیں رہا۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۶/۸)

مہر لکھ کر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر کو ایک کاغذ پر لکھ کر دیا کہ میں نے اپنا مہر معاف کردیا؛ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ کیا مہر معاف ہوگیا، یا نہیں؟

الجوابــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر خالص عورت کا حق ہے؛ اس لیے اگر عورت اپنی رضامندی سے شوہر کو مہر معاف کرنا چاہے تو کرسکتی ہے، چاہے زبانی طور پر معاف کردے، یا لکھ کردے دے، دونوں صورتوں میں شوہر سے مہر کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة: ۲۳۷): ﴿إِلَّا أَن يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (الآية)

وفى الهندية (۳۱۳/۱): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا فى الهداية ولا بد فى صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت هكذا فى البحر الرائق.

وفيه أيضاً (۱٦٦/٤): الإقرار بالكتابة على وجوه منها أن يكتب على وجه لا يكون مستبينا بأن كتب على الهواء أو على الماء أو على الجمد لا يجب به شيء وإن أشهد عليه... منها أن يكتب على وجه يكون مستبينا وأنه على وجوه منها كتاب الرسالة وهو أن يكتب على بياض ويصدره بالتسمية ثم بالدعاء ثم يبين المقصود فيكتب أن لک على ألف درهم من قبل كذا يكون إقرارا استحسانا ويحل لمن عاين كتابته أن يشهد عليه بذلک بشرط أن يعرف الشاهد ما كتب أشهد على ذلک أو لم يشهد، هكذا فى المحيط.

وفى الدرالمختار (۱۱۳/۳): (وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد، كما فى البحر.

---

(۱) وإن حطت عنه من مهرها صح الحط لأن المهر بقاء حقها والحط يلاقيه حالة البقاء. (الهداية، باب المهر: ۳۰۵/۲)
وصح حطها لكله أوبعضه عنه قبل، أولا. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٦٤/٢، ظفير)

وفیه أیضاً (۶۰۰/۵): (الامر بکتابة الإقرار إقرار حکما) فإنه کما یکون باللسان یکون بالبنان فلو قال للصّکّاک: أکتب خط إقراری بألف عَلَیَّ أو اکتب بیع داری أو طلاق امرأتی صح، کتب أم لم یکتب.

وفی الشامیة (۶۰۰/۵): فرع: ادعی المدیون أن الدائن کتب علی قرطاس بخطه أنه الدین الذی لی علی فلان ابن فلان أبرأته عنه صح وسقط الدین لان الکتابة المرسومة المعنونة کالنطق به وإن لم یکن کذلک لا یصح الإبراء ولا دعوی الإبراء ولا فرق بین أن تکون الکتابة بطلب الدائن أو لا بطلبه بزازیة من آخر الرابع عشر من الدعوی. (نجم الفتاویٰ:۲۲۸/۵-۲۲۹)

قبل القبض مہر معاف کرانے کا حکم:

سوال: مفتی صاحب! بعض عورتیں شادی کے بعد مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے مہر معاف کر دیتی ہیں تو کیا قبضہ سے پہلے مہر معاف کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اگر عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اپنی خوشی سے معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾

وفی الدر المختار(۱۱۳/۳):(وصح حطها) لکله أو بعضه (عنه) قبل أو لا ویرتد بالرد کما فی البحر.

وفی الرد تحته: مطلب فی حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط کما فی المغرب... قوله (ویرتد بالرد) أی کهبة الدین ممن علیه الدین ذکره فی أنفع الوسائل بحثا وقال لم أره واستدل له فی البحر بما فی مداینات القنیة قالت لزوجها أبرأتک ولم یقل قبلت أو کان غائبا فقالت أبرأت زوجی یبرأ إذا رده اه قال فی النهر ولا یخفی أن المدعی إنما هو رد الحط وکأنه نظر إلی أن الحط إبراء معنی. (نجم الفتاویٰ:۲۲۹/۵)

بعد القبض عورت کا مہر کو ہبہ کرنا:

سوال: مفتی صاحب! ایک عورت جو کہ اپنے مہر پر قبضہ کر چکی ہے، بوجہ اخراجات کی تنگی کے اپنی خوشی سے خاوند کو کاروبار کے لیے سونے، یا نقدی کی شکل میں دینا چاہتی ہے۔ کیا عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں اس کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عورت مہر پر قبضہ کر لینے سے مہر کی مالکہ ہو جاتی ہے اور مالکہ کو اپنے مال میں ہر جائز تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے،

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر عورت دل کی خوشی سے خاوند کو مال دینے پر راضی ہے تو یہ جائز ہے اور خاوند قبضہ کرنے سے اس مال کا مالک بن جائے گا؛ لیکن اگر عورت اپنا مال بطور قرض دے رہی ہے تو خاوند پر اس کا واپس کرنا واجب ہوگا۔

لمافی التاتارخانية (۸۵/۳): وفی المهر حقوق ثلاثة حق الشرع وهو أن لا يكون أقل من عشرة ... وحق المرأة وهو كونه ملكا لها حتى لو زوجت نفسها من رجل بعشرة ثم أبرأته عن كلها أو عن بعضها جاز.

وفی الفقه الإسلامی وأدلته (۶۸۲۸/۹): ويجوز للمرأة الرشيدة أن تهب للزوج جميع الصداق الذی تقرر به النكاح؛ لانها ملكته، وتقرر بالوطء، سواء قبضته منه أم لم تقبضه، لقوله تعالیٰ: ﴿فإن طبن لكم عن شیء منه نفساً، فكلوه هنيئاً مريئاً﴾. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۹/۵-۲۳۰)

معافی صراحتاً ہونی چاہیے:

سوال: مرحومہ کا ترکہ مہر، یا زیور وظروف ثیاب وغیرہ کے اس کی والدین سے معافی کے لیے کنایۃ، مثلا مطالبہ نہ کرنا، یا تصرف میں دخیل نہ ہونا کافی ہے، یا صراحتاً الفاظ معافی شرط ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مطالبہ نہ کرنا، یا دخیل نہ ہونا کافی نہیں ہے، صراحتاً معافی کے الفاظ کہنا ضروری ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۸/۸)

عورت کا ناسمجھی میں مہر معاف کرنے کا حکم:

سوال: جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میں بالکل ناسمجھ اور ناداں تھی، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ مہر کیا ہوتا ہے۔ میرے سسر بار بار مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کردو، چناں چہ میں نے اس وقت اپنا مہر معاف کیا۔ کیا اس طرح سے مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ یاد رہے کہ اگر مجھے مہر کے بارے میں کچھ پتہ ہوتا تو میں مہر معاف نہیں کرتی۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر عورت حقیقتاً مہر کے لفظ اور اس کے معنی سے ناواقف تھی اور محض اپنے سسر کے اتنا کہنے سے کہ ''بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کردو'' اس نے یہ کہہ دیا کہ میں نے معاف کردیا تو اس طرح معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور شوہر کے ذمہ مہر دینا لازم ہوگا۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾

وفی البحرالرائق (۲۶۵/۳): ويشترط فی صحة إبرائها عن المهر علمهابمعناها لما فی التجنيس: لو قال لها قولی وهبت مهری منک فقالت المرأة ذلک وهی لا تحسن العربية لا

یصح فرق بین هذا وبین العتق والطلاق حيث يقعان أن الرضا شرط جواز الهبة وليس بشرط لجواز العتق و الطلاق،آه.

وفی حاشية الطحطاوی علی الدر (۵۳/۲):**واعلم أنه يشترط فی صحة برائتها عن المهر علمها بمعناها فلو قال لها قولی وهبت مهری منک فقالت وهی لاتحسن العربية لايصح.** (نجم الفتاویٰ:۲۲۷/۵)

اگر بیوی نے تنہائی میں مہر معاف کر دیا تو:

سوال: جب زید کا نکاح ہوا تھا تو مہر پانچ سو روپیہ کا مقرر ہوا تھا؛ مگر زید کی حیثیت اس قدر ادا کرنے مہر کی نہیں تھی، زید نے تنہائی میں عورت سے کہا کہ ادا کرنے مہر کا مجھ میں مقدور نہیں، معاف کر دے۔منکوحہ زید نے کہا کہ معاف کیا، پھر ایک عرصہ بعد دو عورتوں اور دو مردوں کے سامنے کہا کہ مہر معاف کر دے۔اس نے کہا کہ معاف کیا، جب منکوحہ نے معاف کرنے کو کہا تو نکاح کو تین چار برس گزر چکے تھے۔زید مہر سے بری ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب

مہر اس صورت میں معاف ہو گیا، اگرچہ زید کے کہنے سے معاف کیا تھا۔

(مجموعۂ کلاں، ص: ۱۲۰-۱۲۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۸۳-۲۸۴) ☆

☆ شب زفاف میں معاف کیے ہوئے مہر کی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے بعد شب زفاف میں شوہر بیوی سے مہر معاف کراتا ہے اور بیوی بھی کہہ دیتی ہے کہ میں نے معاف کیا، میرے اللہ نے معاف کیا تو ایسی صورت میں مہر معاف ہو جائے گا، یا نہیں؟ اس کے بعد اگر بیوی مہر کا مطالبہ کرے تو کر سکتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر مطالبہ نہیں کرتی تو شوہر بری الذمہ ہوگا، یا نہیں؟ (المستفتی: انیس احمد، جنور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وبالله التوفيق

شب زفاف میں شوہر کے مطالبہ پر بیوی کا مہر معاف کر دینا ایک قابل غور بات ہے؛ اس لیے کہ مہر کی معافی صحیح طور پر اسی وقت ممکن ہے، جب بیوی طیب نفس اور خوشی سے اپنا مہر معاف کر دے اور شب زفاف میں جب شوہر نے مہر کی معافی کا مطالبہ کر دیا تو بیوی کے لیے بدمزگی سے بچنے کے لیے اور خوشی کے ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کے واسطے اس کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں ہے کہ شوہر کے مطالبہ پر مہر معاف کر دے، اس طرح سے مہر معاف کرنا قطعی طور پر طیب نفس اور خوشی سے نہیں ہوتا؛ اس لیے حضرت تھانویؒ نے طیب نفس سے معاف کرنے کا ضابطہ یوں بیان فرمایا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کر دی جائے اور اس کے بعد وہ اپنی خوشی و مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے شوہر کو واپس کر دے، لہٰذا شب زفاف میں مہر کے معاف کرانے میں طیب نفس کی کوئی شکل نہیں پائی جاتی؛ اس لیے شب زفاف میں معاف کرانے کے باوجود مہر معاف نہیں ہوگا، بعد میں بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق بدستور باقی رہے گا اور شوہر اس معافی کی وجہ سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱۶۹/۲، سورۃ النساء: ۴ کے ذیل میں)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا ألا لايحل مال امرء إلا بطيب نفسه منه. (مشكاةالمصابيح: ۲۵۵، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت: ۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢) ==

بیوی نے پہلی رات مہر لینے سے انکار کردیا تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر شادی کی پہلی رات شوہر بیوی کو نقد حق مہر ادا کرے اور بیوی لینے سے انکار کردے، تو بعد میں اگر طلاق واقع ہوجائے تو شوہر پر کیا لازم ہوگا؟ وہ حق مہر ادا کرے، یا نہیں؟

نوٹ: بیوی نے انکار میں لفظ معاف اپنی زبان سے نہیں ادا کیا ہے۔

(المستفتی: امجد حسین، اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر بیوی لینے سے انکار کردے اور معاف کردے تو طلاق واقع ہونے کے بعد مطالبہ کا حق نہ ہوگا، اگرچہ بوقت انکار معافی کا لفظ استعمال نہ کیا ہو؛ اس لیے کہ عرف میں مہر کے لینے سے انکار معافی کے لیے مستعمل ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتی قدیم: ۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۹۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۲-۶۳)

شادی کی رات بیوی سے مہر معاف کرانا:

سوال: مفتی صاحب! ایک ماہ بعد میری شادی ہونے والی ہے، میرے ایک دوست نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ شادی کی رات جب بیوی کے پاس جاتے ہیں تو سب سے پہلے مہر معاف کروایا جاتا ہے۔ مجھے آپ سے معلوم یہ کرنا تھا کہ آیا یہ شرعی اعتبار سے درست ہے؟ اگر بیوی مہر معاف نہ کرے تو کیا کیا جائے؟ کیا مہر بیوی کو بعد میں ادا نہیں کیا جاسکتا؟

الجواب ــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر اس مال کو کہا جاتا ہے، جو نکاح کے بدلے میں شوہر کے ذمے عورت کو ادا کرنا لازم ہوجاتا ہے، اگرچہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ ہو، یا مہر نہ رکھنے کی شرط ہو، پھر بھی مہر مثل واجب ہوجاتا ہے؛ لیکن یاد رہے! کہ مہر کا اصل مقصد ادا کرنا ہے نہ کہ معاف کروانا۔ مہر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معجّل: جو فی الفور ادا کرنا طے ہو۔

(۲) مؤجل: جس میں ادائیگی فی الفور شرط نہ ہو؛ بلکہ موت یا طلاق کے وقت، یا زندگی میں کسی بھی وقت دینا طے ہو۔

== **لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.** (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا: ۶/ ۱۰۶، کراتشی: ۴/ ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/ ۶/ ۱۴۳۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۴-۶۵)

لیکن بہر حال ادا کرنا ہوگا، یہ انتہائی بے ہودہ اور قبیح حرکت ہے کہ عورت سے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہر معاف کرایا جائے اور وہ بے چاری چارو ناچار مہر معاف کردے۔ یاد رہے کہ یہ جبر ہے اور اس طرح مہر معاف نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم رہتا ہے، اگر چہ بیوی زبان سے معاف بھی کردے، لہذا آپ کے دوست نے آپ کو جو کچھ کہا ہے، وہ سراسر غلط ہے۔ آپ نکاح کے وقت اتنا مہر طے کریں، جو فی الفور سہولت سے ادا کر سکتے ہوں اور اگر کسی وجہ سے فی الفور ادا پر قادر نہ ہوں تو نکاح کے بعد کوئی وقت طے کرلیں، اس وقت ادا کریں؛ لیکن مہر ادا نہ کرنا، یا بیوی سے جبراً معاف کروانا جائز نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ بغیر کچھ کہے بیوی اپنی خوشی سے کسی جبر اور دھمکی کے بغیر خود ہی مہر معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے؛ لیکن یاد رہے کہ بیوی کی سو فیصد رضامندی ضروری ہے، بصورتِ دیگر مہر معاف نہ ہوگا۔

لمافی الكلام المجيد (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾

وفی مشكاة المصابيح (١/٢٥٥): **وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه".** (رواه البيهقی فی شعب الإيمان والدارقطنی فی المجتبی)

وفی الدرالمختار (٦/١٤١): **(خوفها الزوج بالضرب حتی وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج علی الضرب) وإن هددها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه خانية وفی مجمع الفتاوی منع امرأته المريضة عن المسير إلی أبويها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لانها كالمكره.**

وفی الشامية(٣/١٠٠): **ثم عرف المهر فی العناية بأنه اسم للمال الذی يجب فی عقد النكاح علی الزوج فی مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد واعترض بعد شموله للواجب بالوطء بشبهة ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء.** (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۲۶-۲۲۷)

حکم معاف کردن منکوحہ حقوق خود بذمہ شوہر:

سوال: اگر عورت بلا جبر و اکراہ محض اپنی خوشی و اپنی کسی مصلحت سے اپنے تمام حقوق متعلقہ شوہر ایک خاص مدت کے لیے، یا ہمیشہ کے لیے معاف کردے، یا کوئی خاص حق معاف کردے تو شوہر اس سے ان حقوق کے متعلق کیا بری ہے؟

الجواب

جی ہاں؛ مگر اس عورت کو اس کے بعد بھی ہر وقت حق رجوع ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ اس کی اطلاع اس کو کردے کہ تم کو ہر وقت حق رجوع ہے۔

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۸۸) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

ترجیح عدم عفومہر درصورت کثیر بودن مال متروکہ میت:

سوال: زید کا انتقال ہوا، دو بھائی ایک بہن، والدہ، زوجہ وارث چھوڑے اور مال بھی اتنا چھوڑا کہ زوجہ کا مہر ادا ہونے کے بعد بھی بہت مال باقی رہے گا؛ مگر زید کے بھائی بہن والدہ، مہر وحصہ ترکہ کی زوجہ سے معافی چاہتے ہیں، کچھ دینا نہیں چاہتے۔ اس صورت میں معاف کردینا بہتر ہے، یا لے لینا؟

الجواب

ظاہراً تو معاف کردینا بہتر ہے؛ لیکن نظر غائر سے لینا افضل ہے؛ کیوں کہ اس معافی چاہنے کا مبنیٰ حرص ہے، جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اعانت ہے اس مذموم کی۔

رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۹۵) (امداد الفتاویٰ: ۲/)

حکم معافی مہر صغیرہ بعوض طلاق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر چودہ برس کی ہے اور شوہر اس کا بالغ ہے، لڑکی کے بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہے اور اس کا چچا دوسری جگہ موجود ہے اور والدہ والد اس کے کوئی نہیں ہیں، وارث چچا ہی ہے، وہ لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے، اگر لڑکی اپنا مہر بخشنا چاہے تو کس طرح بخشے، اگر اس کا چچا نہ منظور کرے تو وہ کس طرح بخشے، شوہر اس کا اسی مہر بخشنے کی شرط پر طلاق دینا چاہتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چوں کہ وہ نابالغ ہے؛ اس لیے اگر چچا بھی منظور کرے، تب بھی مہر معاف نہیں ہوسکتا، اگر شوہر طلاق دے گا تو ہوجاوے گا؛ مگر مہر ساقط نہ ہوگا۔

فی الدر المختار: (خَلَعَ الْأَبُ صَغِيرَتَهُ بِمَالِهَا، أَوْ مَهْرِهَا طَلُقَتْ) فِي الْأَصَحِّ، كَمَا لَوْ قَبِلَتْ هِيَ وَهِيَ مُمَيِّزَةٌ وَلَمْ يَلْزَمْ الْمَالُ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ. (إلى قوله). (وَإِنْ شَرَطَهُ) أَيْ الزَّوْجُ الضَّمَانَ (عَلَيْهَا) أَيْ الصَّغِيرَةِ (فَإِنْ قَبِلَتْ وَهِيَ مِنْ أَهْلِهِ) بِأَنْ تَعْقِلَ أَنَّ النِّكَاحَ جَالِبٌ وَالْخُلْعَ سَالِبٌ (طَلُقَتْ بِلَا شَيْءٍ) لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْغَرَامَةِ، وَإِنْ لَمْ تَقْبَلْ، أَوْ لَمْ تَعْقِلْ لَمْ تَطْلُقْ، وَإِنْ قَبِلَ الْأَبُ فِي الْأَصَحِّ، زَيْلَعِيٌّ، وَلَوْ بَلَغَتْ وَأَجَازَتْ جَازَ فَتْحٌ.

وفی ردالمحتار: (قَوْلُهُ: وَإِنْ قَبِلَ الْأَبُ) لِأَنَّ قَبُولَهَا شَرْطٌ وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ فَتْحٌ (قَوْلُهُ فِي الْأَصَحِّ) وَفِي رِوَايَةٍ يَصِحُّ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ إذْ تَتَخَلَّصُ مِنْ عُهْدَتِهِ بِلَا مَالٍ فَتْحٌ. (۹۳۵/۲ - ۹۳۸)(۱)

۳/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۶۷) (امداد الفتاویٰ: ۳۰۴/۲)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب فی خلع الصغیرۃ: ۴۵۷/۳ - ۴۵۹، دارالفکر بیروت، انیس

بیوی نے مہر معاف کر دیا تو مہر معاف ہو گیا:

سوال: بی بی نور جبیں کا نکاح محمد عالمگیر کے ساتھ ہوا، بعد نکاح زن وشو کے تعلقات اچھے رہے، چناں چہ نکاح کے چار یوم بعد نور جبیں نے بخوشی ورضا اپنا دین مہر جو عالم گیر کے ذمہ واجب الادا تھا، معاف کر دیا، صبح کو عالمگیر نے ایک دین دار اور متشرع آدمی کے سامنے معافی دین مہر کا نور جبیں سے اقرار کرایا۔ کیا نور جبیں کا اپنے دین مہر کو معاف کر دینا صحیح ہے؟ اور کیا عالمگیر کے ذمہ سے دین مہر کی ادائیگی ساقط ہوگئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر بی بی نور جبیں عاقلہ بالغہ نے بغیر کسی قسم کے دباؤ کے اپنی خوشی سے اپنا دین مہر شوہر محمد عالمگیر کو معاف کر دیا تو دین مہر معاف ہو گیا اور عالمگیر کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم، ۱۴/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

خوشی سے مہر معاف کرے تو معاف ہوگا، یا نہیں:

سوال: ایک عورت مرگئی اور وقت مرگ بیہوش تھی، مہر معاف نہیں کئے؛ مگر حیات میں خفیہ طور سے اپنی رضامندی سے شوہر کو معاف کر دیئے تھے اور لوگوں کو معاف کرنا معلوم نہیں ہے تو مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

(۲) ایک عورت نے خفیہ طور سے مہر معاف کیا اور پھر ایک موقعہ پر اس نے چند عورتوں کے سامنے بلا حجاب ظاہر کر دیا کہ میں اپنے شوہر کو مہر معاف کر چکی ہوں۔ ایسی صورت میں مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) عنداللہ وہ مہر معاف ہو گیا۔(۲)

(۲) اس صورت میں بھی عنداللہ مہر معاف ہو گیا۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۵۸)

بیوی کا خوش دلی سے مہر معاف کرنا، یا کم کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی صاحب نے زید سے یہ

---

(۱) المهر كله يسقط بأسباب أربعة ... منها الإبراء عن كل المهر قبل الدخول وبعده إذا كان المهر دينا لأن الإبراء إسقاط والإسقاط ممن هو من أهل الإسقاط فى محل قابل للسقوط يوجب السقوط.(بدائع الصنائع: ۳/۱٤٦٧)

(۲) وإن حطت عنه من مهرها صح الحط؛لأن المهر بقاء حقها والخط يلاقيه حالة البقاء.(الهداية،باب المهر: ۱/۳۰۵،ظفير)

(۳) (وصح حطها) لكله او بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد،الخ(الدرالمختار على هامش ردالمحتار،باب المهر،مطلب فى حط المهر والإبراء منه: ۲/٤٦٤ـ٤٦٥،ظفير)

بتایا کہ اگر عورت مہر موجل معاف کردے تو معاف ہوجائیں گے، یا رقم کے اندر کمی کردے تو وہ بھی کم ہوجائے گی۔ کیا شریعتِ مطہرہ میں یہ فعل جائز ہے، یا نہیں؟ اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم مہر موجل معاف کردو اور یہ کہنے پر بیوی بحسن خوبی اور خوش دلی کے ساتھ یہ کہہ دے کہ میں نے معاف کردیا، یا یہ کہا کہ رقم کے اندر کچھ کمی کردو اور اس نے خوش وخرم یہ کہہ دیا کہ میں نے اتنی رقم کم کردی، دونوں فعل صحیح ہیں یا نہیں؟ اور شریعتِ مطہرہ اور فتویٰ کی رو سے کیا یہ صحیح ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

آج کل مہر کی ادائیگی کے بارے میں حد درجہ کوتاہی ہوتی ہے اور ماحول ایسا بنادیا گیا ہے کہ بیوی کی طرف سے مہر کا مطالبہ، یا اس سے معافی کی درخواست پر اسے قبول نہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے اور عموماً عورت بادلِ ناخواستہ مہر معاف کرنے کا دم بھرتی ہے، لہٰذا ایسے ماحول میں محض زبانی معافی کا اعتبار نہیں، پہلے بیوی کو کل مہر ادا کرکے اسے قابض بنادیا جائے، پھر وہ اپنی خوش دلی سے اگر واپس کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً، فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾(سورة النساء: ٤)

قال الله تعالیٰ: ﴿اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، وَاَنْ تَعْفُوْآ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(سورةالبقرة: ٢٣٧)

حدثنا المعتمر ابن سليمان عن أبيه، قال: زعم الحضرمی أن رجالاً كانوا يفرضون المهر، ثم عسی أن يدرک أحدهم العسرة، فقال: ولا جناح عليكم أيها الناس فيما تراضيتم به من بعد الفريضة؛ يعنی إن وضعت لک منه شيئًا فهو لک سائغ. (تفسير ابن كثير مكمل: ٣١٠، دار السلام رياض)

عن ابن جريج عن الزهری: ﴿اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ﴾ قال: الثيبات ﴿اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ ولی الكبر. (المصنف لابن أبی شيبة: ٥٤٠/٣، رقم: ١٦٦٩٥، دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عباس رضی الله عنه قال: رضی الله بالعفو وأمر به؛ فإن عفت عفت، وإن أبت وعفا وليها جاز وإن أبت. (المصنف لابن أبی شيبة: ٥٤٠/٣، رقم: ١٦٩٩٦، دار الكتب العلمية بيروت)

وصح حطها لكله أو بعضه عنه، وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف علی إجازتها، ولا بد من رضاها. (الدر المختار مع الشامی: ٢٤٨/٤، زكريا، كذا فی البحر الرائق، باب المهر: ٢٤٦/٣، زكريا، تبيين الحقائق، باب المهر: ١٤١/٢، إمدادية ملتان)

ولابد فی صحة حطها من الرضا. (الفتاویٰ الهندية: ٣١٣/١، كذا فی البحر الرائق: ٢٤٦/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۶/۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۱۸-۴۱۹)

بیوی مہر واپس کرنے کے بعد ثواب کی مستحق ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عورت اپنے شوہر کو مہر معاف کررہی ہے، اپنی خوشی سے جب کہ شوہر مہر کو ادا کررہا ہے، عورت اس رقم کو لوٹا رہی ہے، اس صورت میں عورت ثواب کی مستحق ہے، یا نہیں؟ اس صورت میں مہر ادا ہوگا یا نہیں؟

(المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ اسٹریٹ مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مہر کی ادائیگی کی یہ شکل ہے کہ شوہر مہر کی رقم عورت کے حوالہ کردے، پھر عورت اپنی مرضی سے وہ رقم شوہر کو ہبہ کردے تو شوہر کی طرف سے مہر بھی ادا ہوجائے گا اور بیوی کو انفاق علی ذوی القربیٰ کا ثواب بھی ملے گا اور اگر بیوی مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے بحالات صحت ورضا مہر معاف کردے تو شوہر کی طرف سے مہر ادا نہیں ہوگا، البتہ ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۲۴۴/۱۳، جدید ڈابھیل: ۷۰/۱۲)

للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها، أولم يدخل وليس لأحد من أولياء ها أب و لاغيره الاعتراض عليها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع فى المهر، الفصل العاشر فى هبة المهر، زكريا: ۳۱٦/۱، جديد: ۳۸۲/۱)

وصح حطها لكله، أو بعضه (عنه). (الدرالمختار مع الشامی، كراتشی: ۱۱۳/۳، زكريا: ۲٤۸/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۴؍ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۷۱۹/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۱/۶/۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۵۸/۱۳)

بیماری میں مہر معاف کرنے کا حکم:

سوال (۱) زاہد کی زوجہ راشدہ سخت بیمار تھی، اس پر کبھی کبھی بے ہوشی کی کیفیت بھی طاری ہوجاتی تھی، لوگوں کے یاد دلانے، توجہ دلانے سے راشدہ نے اپنے شوہر کا مہر معاف کردیا تو شرعاً اس معافی کا اعتبار ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ راشدہ کا انتقال اسی مرض کی حالت میں ہوگیا ہے۔

شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کے معافی مہر سے مہر معاف نہیں ہوتا:

(۲) آج کل عام رواج ہوگیا ہے کہ شوہر اپنی زندگی میں بیوی کا مہر ادا نہیں کرتا ہے؛ بلکہ جب شوہر کا انتقال ہوجاتا ہے تو اسی انتقال کے وقت جو بیوی کے لیے انتہائی پریشانی اور رنج والم کا وقت ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بیوی کو کوئی ہوش نہیں رہتا ہے، وہ غموں سے نڈھال اور چور رہتی ہے، عورتیں شوہر کے پاس پکڑ کر لاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ

اپنا مہر معاف کردو، اس وقت وہ اپنا مہر معاف کرتی ہیں تو اس سے مہر معاف ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) سوال سے یہ واضح ہے کہ راشدہ نے ایسی حالت میں مہر معاف کیا ہے، جب کہ وہ سخت بیمار ہے، اس پر بے ہوشی کی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے اور اسی مرض میں اس کا انتقال بھی ہو گیا تو اس حالت میں معافی مہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس سے مہر معاف نہیں ہوگا؛ بلکہ شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے؛ لیکن اگر مرحومہ کے تمام ورثا اس معافی کو صحیح قرار دے دیں تو مہر معاف ہو جائے گا، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"مريضة وهبت صداقها من زوجها فإن برء ت من مرضها صح وإن ماتت من ذٰلک المرض فإن كانت مريضة غير مرض الموت فكذٰلک الجواب وإن كانت مريضة مرض الموت لايصح إلا بإجازة الورثة" الخ. (الفتاویٰ الهندية، فی هبة المريض: ۴۰۲/۴)

(۲) دوسری صورت میں بھی مہر معاف نہیں ہوگا، چوں کہ وہ حالت ایسی نازک اور پریشانی کی ہوتی ہے کہ زوجہ کو بالکل ہوش وحواس نہیں رہتا ہے، کیا کہہ رہی ہے، یا کیا کر رہی ہے، اس کا اسے بالکل علم نہیں رہتا ہے، اس پر شدت رنج وغم کی وجہ سے مجنونہ کیفیت طاری رہتی ہے، لہٰذا ان حالات میں مہر معاف کرنے سے مہر معاف نہیں ہوگا۔(۱) بیوی مہر کی حق دار ہے اور شوہر کی متروکہ جائداد سے اس کی ادائیگی کے بعد ہی جائداد وارثوں کے درمیان تقسیم ہوگی، (۲) اور مہر کے علاوہ بیوی کو اس کی جائداد سے شرعاً حصہ بھی ملے گا۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

شوہر کی موت کے بعد مہر معاف کرانا:

سوال: کچھ لوگ خاوند کے مرنے کے بعد مہر معاف کراتے ہیں، کیا اس سے مہر معاف ہو جاتا ہے اور کیا یہ طریقہ درست ہے؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

اگر عورت کسی جبر و دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے مہر معاف کردے، تب ہی مہر معاف ہوگا، جبر و دباؤ کے تحت معاف کردے، یا عورت مہر معاف کرنے کے وقت مرضِ وفات میں ہو تو مہر معاف نہیں ہوگا۔

(۱) وشرائط صحتها فی الواهب: العقل والبلوغ والملک. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵۰۸/۴)
والهبة لاتصح بدون الرضى (ردالمحتار كتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقة: ۵۲۲/۴)

(۲) ثم تقضى ديونه من جميع ما بقی من ماله. (السراجی: ۴)

(۳) اگر اولاد ہے تو آٹھواں حصہ ورنہ چوتھا حصہ ملے گا۔ وأما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدةً عندعدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولدأو ولدالابن وإن سفل. (السراجی: ۱۱-۱۲)

" لابد من صحة حطها من الرضى حتى لو كانت مكرهة لم يصح، وأن لا تكون مريضة مرض الموت ".(۱)

اس سے قطع نظر بھی یہ نا مناسب اور نا شائستہ طریقہ ہے، اگر مرد نے ترکہ چھوڑا ہو تو ہونا یہ چاہیے کہ ترکہ میں سے پہلے مہر کی رقم ادا کی جائے، پھر ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳۹۲/۴)

مہر معاف کرتے وقت کہا: معاف کرتی ہوں؛ لیکن اگر تمہارے لڑکوں نے جھگڑا کیا تو لے لوں گی، کیا حکم ہے:

سوال: زینب سے عبداللہ نے ایک طویل سفر کے وقت مہر معاف کر دینے کے درخواست کی، زینب نے کہا کہ میں مہر معاف کرتی ہوں؛ لیکن اگر تمہاری پہلی بیوی کے لڑکوں نے تمہارے بعد مجھ سے جھگڑا وغیرہ کیا تو میں عدالت کے ذریعہ سے ضرور اپنا مہر تمہارے ترکہ سے لوں گی، ورنہ معاف کرتی ہوں تو آیا یہ دین مہر عنداللہ وعندالقضاء معاف ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں (نہ) عنداللہ مہر معاف ہوا، نہ عندالقاضی۔

(كما لا يصح) تعليق الإبراء عن الدين بشرط محض، الخ. (الدر المختار) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۸۱/۸)

بیوی کی طرف سے معافی مہر کی شرط:

سوال: پیر محمد کی بیوی کا والد منفعت خان اپنی لڑکی کو لینے آیا، پیر محمد کو چوں کہ بعض وجوہ کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ وہ اپنی لڑکی کو لے جا کر نہیں بھیجیں گے؛ اس لیے اس کے والد اور خود بیوی سے اپنے اطمینان کی غرض سے اس مضمون کی تحریر لکھائی کہ:

''اپنی لڑکی غلام فاطمہ کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں اور میں جا رہی ہوں، اگر پندرہ یوم کے اندر واپس نہ بھیج دوں، یا نہ آویں تو ہمارا از مہر اور خرچ وغیرہ کا کوئی دعویٰ پیر بخش پر نہ ہوگا؛ یعنی مہر ہم دونوں کی جانب سے معاف سمجھا جاوے گا''۔

منفعت علی باوجود یکہ پندرہ یوم گزر چکے، اپنی لڑکی کو پیر بخش کے یہاں نہیں بھیجا اور کہتا ہے کہ میری لڑکی تو اس تحریر کے مطابق اس کو طلاق ہوئی، یا نہیں؟ نیز غلام فاطمہ اپنے خاونس سے مہر اور خرچ لینے کی حق دار ہے، یا نہیں؟

(حسین بخش سارجن کوہ ڈسائی، ضلع شملہ، بھارت)

الجواب حامداً ومصلياً

تحریر مذکور میں طلاق کا ذکر تک بھی نہیں، لہذا اس تحریر سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نیز یہ کہ یہ تحریر عورت اور اس کے

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۱۳/۱

(۲) ردالمحتار، كتاب الهبة، مسائل متفرقة: ۷۱۶/٤، ظفير

والد کی طرف سے ہے اور طلاق کا حق شوہر کو ہوتا ہے،(۱) البتہ عورت کو مہر معاف کرنے کا حق ہوتا ہے، خواہ بلا شرط معاف کرے، خواہ کسی شرط سے معاف کرے۔ (۲) شرط مذکور کا اعتبار کرتے ہوئے عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہا، نہ اس سے نفقہ طلب کر سکتی ہے؛ کیوں کہ شوہر کی مرضی کے خلاف جب دوسری جگہ رہتی ہے اور شوہر کے گھر نہیں آئی تو اس حالت میں نفقہ دینا واجب نہیں، البتہ اگر شوہر کے گھر آ جائے تو نفقہ کا مطالبہ اس کو درست ہوگا اور شوہر کو نفقہ دینا پڑے گا۔

”وإن نشزت، فلا نفقة لها، حتى تعود إلى منزله والخارجة عن منزل زرجها، المانعة نفسها منه، ... وإذا تركت النشوز،فلها النفقة“.(الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵۴۵)(۳)

البتہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، جب تک کہ شوہر سے طلاق، یا خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شرعی طریق پر جدائی ہو کر عدت نہ گزر جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۴/ ۱۱/ ۱۳۵۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/ ۱۱/ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۱۷-۷۲)

بیوی نے کہا طلاق دے گا تو مہر معاف کر دوں گی، شوہر نے قبول کرلیا، اس نے معاف کر دیا اور شوہر نے طلاق نہیں دی تو کیا حکم ہے:

سوال: زوجہ زید نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تو مجھ کو طلاق دے دے تو میں تمہارے مہر بخش دوں، زید راضی ہو گیا؛ مگر عورت نے کہا کہ قسم کھاؤ، زید نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تو میرے بخش دے گی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، فوراً اس کی زوجہ نے مہر بخش دیئے اور زید نے طلاق دینے سے انکار کر دیا تو کیا اس صورت میں زوجہ زید مطلقہ مغلظہ ہوئی، یا نہیں؟ اور اس کا مہر زید کو معاف ہوا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں اگر شوہر طلاق نہ دے گا تو مہر بھی معاف نہ ہوگا؛ کیوں کہ مہر کی معافی عورت کی طرف سے بعوض طلاق کے تھی، پس جب کہ شوہر نے طلاق نہیں دی، مہر بھی معاف نہیں ہوا۔ (۴) (کیوں کہ یہ معافی معلق تھی۔ ظفیر) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/ ۲۸۳)

---

(۱) ”وأهله (أى الطلاق): زوج عاقل بالغ مستيقظ ... الطلاق لمن أخذ بالساق“.(الدرالمختار: ۳/ ۲۳۰، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) ”وصح حطها لكله أو لبعضه عنه“.(الدرالمختار)

”قيد بحطها؛لأن حط أبيها غير صحيح لوصغيرة، ولو كبيرة توقف على إجازتها“.(ردالمحتار: ۳/ ۱۱۳، كتاب النكاح،باب المهر، مطلب فى حط المهر والإبراء منه، سعيد)

(۳) الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵۴۵، كتاب الطلاق، الفصل الأول فى نفقة الزوجة،رشيدية

(۴) قاعدہ ہے:إذا فات الشرط فات المشروط.(وحيث فات الشرط فى حقه منع السبب من الإنعقاد فلم يثبت الوجوب.(التقرير والتحرير على تحرير الكمال بن همام:۳/ ۲۱۴،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

'مہر معاف کردوں گی' کہنے سے مہر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی بیوی کا انتقال ہونے کے قریب ہے، دو چار دن پہلے زید اور بیوی میں مہر کے متعلق بات ہوئی تو زید کی بیوی نے زید سے کہا کہ میں مہر وغیرہ سب معاف کردوں گی، تم کو قرض دار نہیں چھوڑوں گی؛ لیکن میری ماں، بھائی کو آنے دو، اسی اثنا میں زید کی بیوی کا انتقال ہوجاتا ہے۔ اب بیوی کا مہر معاف سمجھا جائے گا، یا شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر ادا کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟ اب یہ زید کس کو مہر کی قیمت دے گا؟ جب کہ زید کے سسرال والوں میں کوئی بھی مہر وغیرہ طلب نہیں کرتا، اس کا صحیح طریقہ تحریر فرمایئے۔ جواب بہت جلد عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

(المستفتی: مولوی خلیل احمد، شوپوری، پوسٹ: پیغمبر پور، سوار)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بیوی نے مذکورہ الفاظ سے مہر معاف کرنے کا صرف وعدہ کیا تھا، معاف نہیں کیا ہے؛ اس لیے شوہر کے اوپر شرعاً مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور یہ مہر بیوی کا ترکہ شمار ہوگا، اس میں بیوی کے تمام شرعی ورثا حق دار ہوں گے، لہٰذا اگر بیوی کی اولاد نہیں ہے تو شوہر کو کل مہر کا نصف ملے گا اور اگر بیوی کی اولاد موجود ہے تو شوہر کو کل مال کا ربع ملے گا، بقیہ دوسرے ورثا کو ملے گا، بقیہ اگر ورثا کی تعداد و نام درج کردیا جاتا تو سب کے لیے سہام بھی بنادیئے جاتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۱۲۷۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۶۷)

فارغ خطی قبول کرنے والی شوہر سے مہر لے سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: زوجین میں بہت زیادہ موافقت تھی، ایک روز چند اشخاص کو جمع کرکے ان کے روبرو عورت کو فارغ خطی دی اور عورت نے بھی قبول کرلی اور دوسرا شوہر کرلیا۔ اب پہلے شوہر سے مہر لے سکتی ہے، یا نہیں؟ حالاں کہ پہلے شوہر نے ایک دفعہ بھی جماع نہیں کیا؟

الجواب ــــــــــــــــ

قال فی الدرالمختار: (ویسقط الخلع) ... (والمباراۃ) ... (کل حق) ... (لکل منھا علی الآخر مما یتعلق بذلک النکاح).

(قولہ: حق) شمل المھر والنفقۃ المفروضۃ والماضیۃ والکسوۃ کذلک، الخ. (شامی)(۱)

پس معلوم ہوا کہ اس عورت میں بعد فارغ خطی کے مہر بذمہ شوہر لازم نہیں رہا اور دعویٰ عورت کا دوبارہ مہر وغیرہ شوہر اول پر باطل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۹۵)

---

(۱) ردالمحتار، باب الخلع: ۲/۷۷۷-۷۷۸، ظفیر

لاولد عورت کے مہر کی وارث اس کی ماں بہن ہیں، یا نہیں؟

اوران کے مہر معاف کرنے سے معاف ہوگا، یا نہیں:

سوال: میری اہلیہ کالا ولدا نتقال ہوگیا، والدین اور بہن بھائی موجود ہیں، اگر مرحومہ کے والدین اپنا ترکہ مہر بطیّب خاطر معاف کردیں تو میں دین سے سبک دوش ہوسکتا ہوں، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت مین مرحومہ کے بہن بھائی وارث نہیں ہیں، والدین اور شوہر وارث ہیں، پس والدین اگر اپنا حصہ مہر بحق شوہر معاف کردیں تو شوہر بری الذمہ ہوجاوے گا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۸/۸)

مہر زیور کی شکل میں ادا کردیا اور پھر بیوی نے معاف کردیا تو وہ زیور ترکہ شمار ہوں گے، یا نہیں:

سوال: جمیلہ بیوی مرحومہ زوجہ عبدالحمید کو ہم نے اس کی زندگی میں مہر شریعت کی رو سے جو بنتا تھا، وہ اس کو چاندی کے زیورات کی صورت میں مہر کی طرف سے ادا کردیا تھا، معجّل طور پر بیوی کے مرتے ہوئے چند عورتوں نے مہر معاف کرنے کو کہا، میں نے خود عورتوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ مہر زیور کی شکل میں ادا کردیا ہے، اس پر عورتوں نے مرنے والی سے پوچھا تو مرنے والی بولی کہ میں نے مہر خوشی سے معاف کردیا تھا۔اب سوال یہ ہے کہ جو زیور مہر کی شکل میں ادا کردیا تھا، میں اس کا حق دار ہوں، یا کہ نہیں؟ یا میرے بچے حق دار ہیں؟

(المستفتی: عبدالحمید، جلہ ارائیں)

الجواب

اگر مہر بشکل زیور عورت کو ادا کردیا تھا تو وہ زیور عورت کے مملوک ہوگئے، عورت کی زبانی معاف کرنے سے وہ خاوند کی ملک نہیں بنیں گے، تاوقتیکہ وہ خاوند کو دے کر قبضہ نہ کرادے، اگر یہ ہبہ درست بھی ہوتو بھی مرض الوفات میں خاوند کو ہبہ کرنا درست نہیں، لہٰذا وہ زیورات عورت کا ترکہ شمار ہوکر اس کے تمام ورثا میں تقسیم ہوں گے، ان میں سے 1/4 خاوند کو بھی ملے گا۔فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۳/۶/۱۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۵۳۵/۴)

بیوی نے مہر معاف کردیا، اس کی موت کے بعد والدین طلب کرتے ہیں، کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ بالغہ پندرہ سالہ نے گواہوں کے سامنے اپنے شوہر کو مہر معاف کردیا۔اب بعد انتقال ہندہ کے اس کے والدین مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندہ نابالغہ تھی، اس کا معاف کرنا معتبر نہیں ہے۔اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

ہندہ جب کہ پندرہ سالہ اور بالغہ تھی تو معاف کرنا اس کا مہر کو صحیح ہے اور والدین کا مطالبہ مہر کا شوہر سے درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۳/۸)

مہر معاف کرنے کے بعد لینا اور عدت کے اندر نکاح کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور زوجہ نے مہر معاف کر دیا اور عدت کے اندر ہی عورت نے عقد ثانی کر لیا اور اپنے چند رفقا کے ورغلانے سے شوہر پر عدالت میں مہر کا دعویٰ کر کے جھوٹا ثبوت بہم پہنچا کر مہر کی ڈگری حاصل کر لی اور اپنی تحریر معافی مہر سے منکر ہوگئی اور طلاق بھی اس شرط پر تھی کہ حق مہر معاف ہو تو اس صورت میں معافی مہر سے انکار کرنا طلاق کے بارے میں مؤثر ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں شوہر کی طرف سے طلاق ہوگئی اور عورت کی طرف سے مہر معاف ہوگیا، پھر عورت کا معافی مہر سے منکر ہوکر اور جھوٹی شہادت عدالت میں پیش کر کے مہر کی ڈگری کرالینا ظلم ہے، طلاق پر کچھ (اثر) اس کا نہ ہوگا، طلاق واقع ہوگئی اور مہر بھی عنداللہ معاف ہوگیا، ظلماً عورت کا مہر وصول کرنا فعل ناجائز اور حرام ہے اور عدت کے اندر دوسرے شخص سے نکاح کرنا بھی حرام اور باطل ہے، نکاح نہیں ہوا، (۲) اور جو لوگ اس نکاح میں ساعی ہوئے، مرتکب فعل حرام کے فاسق ہوئے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۶/۸-۲۶۷)

---

(۱) إن حطت عنه من مهرها صح الحط لأن المهر بقاء حقها والحط يلاقيه حالة البقاء.(الهداية، باب المهر: ۳۰۵/۲،ظفير)

(۲) أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلا.(ردالمحتار، باب العدة: ۵۱۶/۳، دارالفكر بيروت، ظفير)

(۳) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (الآية) (سورة البقرة: ۳۰) (قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ قِيلَ فِيهِ: إنَّ أَصْلَ الْعُقْدَةِ فِي اللُّغَةِ هُوَ الشَّدُّ، تَقُولُ: عَقَدْتُ الْحَبْلَ وَعَقَدْتُ الْعَقْدَ، تَشْبِيهًا لَهُ بِعَقْدِ الْحَبْلِ فِي التَّوَثُّقِ; وَقَوْله تعالى: ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ مَعْنَاهُ: وَلَا تَعْقِدُوهُ وَلَا تَعْزِمُوا عَلَيْهِ أَنْ تَعْقِدُوهُ فِي الْعِدَّةِ، وَلَيْسَ الْمَعْنَى أَنْ لَا تَعْزِمُوا بِالضَّمِيرِ عَلَى إيقَاعِ الْعَقْدِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، لِأَنَّهُ قَدْ أَبَاحَ إضْمَارَ عَقْدٍ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ بِقَوْلِهِ: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ﴾ وَالْإِكْنَانُ فِي النَّفْسِ هُوَ الْإِضْمَارُ فِيهَا فَعَلِمْنَا أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾، إنَّمَا تَضَمَّنَ النَّهْيَ عَنْ إيقَاعِ الْعَقْدِ فِي الْعِدَّةِ وَعَنْ الْعَزِيمَةِ عَلَيْهِ فِيهَا، وقَوْله تَعَالَى: ﴿حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ يَعْنِي بِهِ انْقِضَاءَ الْعِدَّةِ وَذَلِكَ فِي مَفْهُومِ الْخِطَابِ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إلَى بَيَانٍ، أَلَا تَرَى أَنَّ فُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكٍ حِينَ سَأَلَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَابَهَا بِأَنْ قَالَ: لَا حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ، فَعَقَلَتْ مِنْ مَفْهُومِ خِطَابِهِ انْقِضَاءَ الْعِدَّةِ وَلَمْ يَحْتَجْ إلَى بَيَانٍ مِنْ غَيْرِهِ؟ وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ أَنَّ مَنْ عَقَدَ عَلَى امْرَأَةٍ نِكَاحًا وَهِيَ فِي عِدَّةٍ مِنْ غَيْرِهِ أَنَّ النِّكَاحَ فَاسِدٌ.(أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة: ۵۱۵/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

معافی کے بعد مہر کا مطالبہ صحیح نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ تیرا مہر موجود ہے، معاف کردے، ورنہ تجھ کو زکوٰۃ دینا پڑے گی، اس نے خیال کیا کہ مہر تو ملنے سے رہا لہذا معاف کردیا۔ اب شوہر سے پا سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

جب کہ عورت نے کسی وجہ سے ہو معاف کردیا اور بدون زبردستی واکراہ کے معاف کیا، اگرچہ شوہر کے کہنے سے معاف کیا اور اگرچہ عورت نے بخوف زکوٰۃ مہر معاف کیا، اس صورت میں مہر معاف ہوگیا، اب وہ عورت عند اللہ مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۷/۸)

عورت مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ نہیں کرسکتی:

سوال: عورت اپنا مہر معاف کرنے کے بعد اپنے شوہر سے خلع کی درخواست کرے اور پھر مہر کی طالب ہو؛ مگر شوہر مہر نہیں دینا چاہتا تو کیا عورت کی طرف سے مہر کا مطالبہ درست ہوگا؟

(المستفتی: منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندوراؤ دہلی)

الجواب ــ

اگر عورت مہر معاف کرچکی ہے تو اب اس کو عند اللہ مہر کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔ (۲) اگر باوجود مہر معاف کرنے کے مطالبہ کرے گی تو اس کا مطالبہ غیر معقول اور غیر مقبول ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح: محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتح پوری، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۴۴/۵)

مہر کی معافی کے بعد عورت پھر مستحق ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر عورت راضی وخوشی سے شوہر کو معاف کردے روبرو گواہان کے تو بعد معاف کرنے کے پھر عورت مستحق مہر پانے کی ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

اگر عورت مہر معاف کردے تو مہر معاف ہوجاتا ہے اور بعد معاف کرنے کے پھر عورت کو عند اللہ مہر کا لینا شوہر سے

---

(۱) للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أو لم يدخل. (الفتاویٰ الهندية، مصری: ۲۹٦/۱، ظفير)
إذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لايرجع فی الهبة. (قاضی خان: ۲۸۸/۲، ظفير)

(۲) وإذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع فی الهبة. (الخانية علی هامش الهندية، كتاب الهبة، فصل فی رجوع الهبة: ۲۷٤/۳، ماجدية)

درست نہیں ہے؛ لیکن اگر عورت مہر کے معاف کرنے سے منکر ہو اور شوہر کے پاس دو گواہ عادل معافی مہر کے نہ ہوں تو قاضی حکم مہر دلوانے کا کردے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۱۷/۸)

مہر کا دعویٰ:

سوال: زید نے اپنی ہمشیرہ مرحومہ ہندہ کے مہر کا دعویٰ عمر شوہر ہندہ پر کیا، عمر نے جواب دیا کہ ہندہ اپنی حیات میں مہر معاف کر چکی ہے اور ثبوت معافی میں چند گواہ پیش کئے، حاکم نے گواہوں میں جرح وغیرہ کا نقص نکال کر گواہی رد کردی۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

معافی مہر کا ثبوت شرعی پورا ہو تو دعویٰ مہر کا عورت کے بھائی کی طرف سے مسموع نہ ہوگا، مفتی کا کام اسی قدر ہے کہ یہ تحریر کرے کہ اگر دو گواہ عادل معافی مہر کے موجود ہیں تو مہر ساقط ہے،(۲) اور مطالبہ عورت کے بھائی کا غیر مسموع ہے اور اگر دو گواہ عادل نہیں ہیں، یا کوئی امر موجب رد شہادت ان میں موجود ہے تو عورت کے بھائی کا دعویٰ صحیح اور مہر اس کو دلوایا جاوے گا۔ باقی قبول، یا رد شہادت، یہ کام حاکم وقاضی کا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۰۹/۸-۳۱۰)

ابرائے مہر کے بعد پھر مطالبہ:

سوال: بالفرض اگر بیوہ نے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اپنا دین مہر معاف کر دیا ہو اور بصورت تنازعہ پھر مطالبہ کرتی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کا مطالبہ کرنا درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) قال علیه السلام: البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر. (الهدایة: ۱۸۷/۳، ظفیر)

عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِیمَ، أَنَّهُ قَالَ: الْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِی، وَالْیَمِینُ عَلَی الْمُدَّعَی عَلَیْهِ، وَكَانَ لَا یَرُدُّ الْیَمِینَ. (کتاب الآثار لأبی یوسف، باب القضاء، رقم الحدیث: ۷۳۸، انیس)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تعالٰی عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِی، أَحْسِبُهُ قَالَ: وَلا أُثْبِتُهُ أَنَّهُ قَالَ: وَالْیَمِینُ عَلَی الْمُدَّعَی عَلَیْهِ. (مسند الشافعی بترتیب سنجر، باب الدعاوی و البینات، رقم الحدیث: ۱۵۹۳، انیس)

عَنِ ابْنِ أَبِی مُلَیْكَةَ، قَالَ: كُنْتُ قَاضِیًا لِابْنِ الزُّبَیْرِ عَلَی الطَّائِفِ، فَذَكَرَ قِصَّةَ الْمَرْأَتَیْنِ، قَالَ: فَكَتَبْتُ إِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ، فَكَتَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَی رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَائَهُمْ وَلَكِنَّ الْبَیِّنَةَ عَلَی الْمُدَّعِی وَالْیَمِینَ عَلَی مَنْ أَنْكَرَ. (السنن الکبری للبیهقی، باب البینة علی المدعی، رقم الحدیث: ۲۱۲۰۱، انیس)

(۲) وماسواء ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین أورجل وامرأتین سواء کان الحق مالا أوغیر مال، الخ. (الهدایة: ۱۳۸/۳، ظفیر)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر بیوہ نے مہر معاف کر دیا تو وہ اب اس سے رجوع نہیں کر سکتی؛(۱) مگر معافی کے ثبوت کے لیے خود بیوہ کا اقرار یا شہادت شرعیہ قضالازم ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۶۱)

مہر معاف کرنے کے بعد پھر مطالبہ:

سوال: استفتاء: بگرامی خدمت مولانا مفتی صاحب ایں چند مسئلہ مندرجہ ذیل رابرو نے عنایت فرمودہ ارسال فرمایند خیلی مہربانی خواہد شد:

(۱) مثلا زید زنے رابعوض مہر سہ صد درہم درعقد آوردہ، یک صد و پنجاہ درہم نقد ادانمودہ، باقی ماندہ را زن مذکور بزید بخشید وساقط نمود بعد مرور ہفت وہشت سال زنے دیگر یعقد نکاح آورد، آیا زن اول بخشیدہ وساقط گردانیدہ را باز از زید حق مطالبہ میرسد، یا نہ؟

(۲) بصورت مسئولہ اگر زوجہ زید بعد از اسقاط مہر باقی ماندہ بکلام مفصول ھماں روز، یا بعد چند روز بگوید کہ ازیں مبلغہا را بخشیدہ ام بشرطیکہ با من احسان کنید، یا زن دیگر نگیرید، ایں شرط موثر شدہ مفید شود یا شرط باطل شدہ غیر معتبر خواہد؟

(۳) بعد از اسقاط پدر زوجۂ اولیٰ مبلغ پنجاہ درم از زید بطور قرض حسنہ گرفت، بعد از تزوج زید بزوجۂ ثانیہ زوجۂ اولیٰ می گوید کہ ایں پنجاہ را بمھر باقی مائدہ تقاضی نمودہ، بقیہ می خواہم۔آیا شرعا ایں حق بزوجہ می رسد یا نہ؟

(۴) نیز وقتیکہ زید دوصد و پنجاہ درھم نقد ادانمودہ، زوجہ بگوید: یک صد شما بجائے لباس محسوب اند، زید گوید کہ ھمگی نقود بہ ارادۂ مھر ادا کردہ ام، یا دوصد بجائے مھر و پنجاہ بجائے لباس۔پس قول کدام اعتبار کردہ شود؟

بینوا بالبرھان اجرکم الرحمٰن (المستفتی: ملاعبدالواحد، ملاعبدالغنی گل محمد کراچی)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زن چون بقیہ مہر بزوج ہبہ کردہ زوج آں راقبول نمود، پس رجوع از ہبہ دوصورت مذکورہ روانخواہد شد، زیرا کہ زوجیت مانع از رجوع است۔

”ومنها (أى من العوارض المانعة من الرجوع) الزوجية، سواء كان أحد الزوجين مسلما أو كافرا، كذا فى الإختيار شرح المختار“. (عالمگیری)(۳)

(۱) الساقط لايعود.(شرح الاشباه والنظائر، الفن الثالث: ما يقبل الإسقاط من الحقوق:۳/۶۰،إدارة القرآن كراتشى)

(۲) وماسوى ذلک من الحقوق ، يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصية“.(الهداية،كتاب الشهادة؛۳/۱۵۳ـ۱۵٤،إمداديه ملتان)

(۳) الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس فى الرجوع فى الهبة،الخ: ٤/۳۸٦،رشيدية

(۲) اگر زوجہ ایں شرط را بکلام خویش موصول کرد معتبر خواہد شد، واگر درمان روز گفتہ؛ مگر بعد فصل کثیر گفتہ معتبر نہ خواہد شد۔(۱)

(۳) اگر بلاشرط غیر معتبر ساقط کردہ بود پس مجری نمودن زوجہ ان پنجاہ درہم را بمہر خویش روا نیست، زیرا کہ مھر ساقط شد؛ مگر بشرط معتبر (أی بشرط موصول نہ بشرط مفصول) ساقط کردہ بود، وزوج خلاف آن شرط کرد، واکنون از دائے سابقہ انکار میکند، پس زوجہ حق میدارد کہ بھر نجیکہ توائد از زوج وصول کند۔(۲)

(۴) چوں زوج وقیت ادائے مہر تصریح کردہ است کہ این رقم بمہر میدہم، پس قول زوج معتبر خواہد شد ولیکن ایں ہمہ علاوۂ نفقہ ولباس خواہد، پس اگر درنفقہ لباس تقصیر کردہ است زن را مطالبۂ آں میرسد۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۱۳۵۳/۱۲/۷ھ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۷/ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۶۲-۶۴)

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا:

سوال: یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا تھا، اب کسی گھریلو نا چاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے تو کیا یہ عورت دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب کوئی عورت برضا ورغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کر دے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا؛ اس لیے صورت مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الهندية: للمرأة أن تهب ما لها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لاحد من أوليائها أبّ ولاغيره الاعتراض عليها. (الفتاویٰ الهندية: ۳۱٦/۸، الباب السابع فی المهر الفصل العاشر فی هبة المهر)(۴) (فتاوی حقانیہ: ۳٦٦/۴) ☆

---

(۱) من حلف مطلاق او عتاق وقال: إن شاء الله متصلابه، لاحنث عليه، الخ". (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطلاق، الفصل الخامس، الجزء الثالث: ۱۵۷/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء اللّٰه متصلأبه، لم يقع الطلاق، الخ". (الفتاویٰ الهندية: الفصل الرابع فی الاستثناء: ۴۵۴/۱، رشيدية)

(۲) امرأة تركت مهرها للزوج على ان يحج بها، فلم يحج بها، قال محمدبن مقاتل: إنها تعود بمهرها؛ لأن الرضا بالهبة كان بشرط العوج، فإذا انعدم العوض، انعدم الرضا، والهبة لا تصح بدون الرضا. والثانية: إذا قالت لزوجها: وهبت مهرى منك على ان لاتظلمنى، فقبل، صحت الهبة، فلو ظلمها بعد ذلك، فالهبة ماضية. وقال بعضهم، مهرها باق إن ظلمها، الخ". (ردالمحتار، كتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة: ۷۱۰/۵، سعيد)

(۳) ثم قال: كان المدفوع كله من المهر وقالت: هدية، فالقول له؛ لانه المملك إلا فيما يؤكل، به افتى الامام الحلوانی، واختار الفقية ابوالليث انه إن كان متاعا واجبا على الزوج والدرع لا يكون من المهر، وإن غير واجب عليه، فالقول له فی المختار. (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ الهندية، الباب الثانی عشر فی المهر، النوع الرابع: ۱۳۵/۴، رشيدية)

(۴) قال العلامة الحصكفی: (وصح حطها) لِكُلِّهٖ أو بعضه (عنه) قبل أو لا، الخ. ==

بیوی اگر مہر معاف کردے تو علاحدگی کے بعد مطالبہ کا حکم:

سوال: سید ریحان علی نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی ہے، بیوی کی رضا مندی سے طلاق دی ہے۔ بیوی حق مہر ۵ سال قبل معاف کرچکی تھی۔ شادی کو سات سال ہوئے تھے۔ اس عرصے میں دو بیٹے ہیں۔ چھوٹا تین سال اور بڑا چھ سال کا ہے، جس دن سے شادی ہوئی، ریحان کی نوکری ختم ہوگئی اور پھر گھر کا سامان بکتا رہا اور پھر گھر بک گیا، زیور بک گیا اور اس کے اخراجات پورے ہوتے رہے؛ لیکن بیوی کے گھر والے یہی کہتے رہے کہ داماد پیر کی جوتی ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہوکر بیوی میکے گئی اور سارے میکے کو لے کر آئی اور کھڑے ہوکر ریحان کو پٹوایا اور پھر گھر آ گئی۔ میں برداشت کرتا رہا کہ بچے ہیں؛ لیکن جب میری جان کی دشمن ہوگئی تو میں نے اسے طلاق دے دی، جس کے بعد سارا میکا سامان لینے کے لیے آیا تو غنڈے لے کر آئے اور جہیز کے علاوہ میرا سامان اور ٹی وی اور فریج میز بھی لے گئے اور اس کے علاوہ مہر بھی مانگ رہے ہیں۔ بچے میرے پاس پھینک کرگئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ یہ بچے ریحان کے گلے کی ہڈی بن جائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

(۱) جب آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے جہیز کا سامان لے

== قال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه: تحت هٰذه العبارة (وصح حطها) وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةٌ ولو كبيرةٌ توقف على إجازتها ولابد من رضاها. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۱۳/۳، باب المهر، مطلب في حط المهر وللابواء منه) ومثلهٗ في الهداية: ۳۰۵/۲، باب المهر)

☆ **مہر معاف کرنے کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک پنچایت بلائی گئی، جس میں اقبال اور اس کی بیوی ہندہ بھی موجود تھی، اقبال نے اپنی بیوی ہندہ کی طلب پر پنچایت کے روبرو تین مرتبہ طلاق دی اور ہندہ نے پنچایت کے روبرو تین مرتبہ مہر معاف کردیا، جہیز وغیرہ کا بھی لین دین ہو چکا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بیوی نے جو مہر معاف کیا ہے، کیا وہ واجب الادا ہے، یانہیں؟ واضح رہے کہ ہندہ نے پہلی رات میں بھی بلاکسی دباؤ کے مہر معاف کردیا تھا اور آج طلاق لیتے وقت بھی پنچایت کے روبرو معاف کیا، اس صورت میں حکم شریعت کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(المستفتی: اقبال حسین، محلّہ: ٹھاکران، بلاری، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جب ہندہ نے بلاکسی جبر اور دباؤ کے پہلے ہی مہر معاف کردیا تھا اور پھر طلاق کے وقت بھی بخوشی معاف کیا، جس پر پوری پنچایت گواہ موجود ہے تو اب اس معافی کے بعد عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

وصح حطها لكله، أو بعضه قبل أولا. (الدرالمختار على الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۱۱۳/۳، زكريا: ۲۴۸/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۹۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۵۷)

جائے، البتہ وہ اپنے جہیز کے ساتھ جو آپ کا سامان بھی لے گئی ہے، وہ اسے واپس کرنا ضروری ہے۔

(۲) مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے، لہٰذا جب آپ کی بیوی نے ایک دفعہ مہر معاف کردیا تو دوبارہ مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں اور اگر وہ انکار کرتی ہے کہ میں نے معاف نہیں کیا ہے تو مہر کے معاف کرنے پر شوہر کے پاس گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عورت کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم اٹھالی تو اس کو پورا مہر دیا جائے گا اور اگر اس نے انکار کردیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور مہر کو معاف سمجھا جائے گا۔

لما في الهندية (۳۱٦/۱،الفصل العاشر في هبة المهر): للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لأحد من أوليائها أب ولا غيره الاعتراض عليها، كذا في شرح الطحاوي.

وفي الدرالمختار (٥٤٧/٥):(ولو كان) ما يدعيه (دينا) مكيلا أو موزونا نقدا أو غيره (ذكر وصفه) لانه لا يعرف إلا به...(ويسأل القاضي المدعى عليه) عن الدعوى فيقول إنه ادعى عليك كذا فماذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحيحة (لا) يسأل لعدم وجوب جوابه (فإن أقر) فيها (أو أنكرفبرهن المدعي قضى عليه) بلا طلب المدعي (وإلا) يبرهن (حلفه) الحاكم (بعد طلبه) إذ لا بد من طلبه اليمين في جميع الدعاوى إلا عند الثاني في أربع على ما في البزازية... (وإذا قال) المدعى عليه (لا أقر ولا أنكر لا يستحلف بل يحبس ليقر أو ينكر) درر... (وقضى) القاضي (عليه بنكوله مرة) لو نكوله (في مجلس القاضي) حقيقة (بقوله لا أحلف) أو حكما كأن (سكت) وعلم أنه (من غير آفة) كخرس وطرش في الصحيح سراج وعرض اليمين ثلاثا ثم القضاء أحوط. (نجم الفتاویٰ:۲۲۷/۵۔۲۲۸)

مہر کی معافی، پھر اس سے انکار:

سوال (الف) عورت اگر بلا کسی تحریک کے اپنی خوشی سے مہر معاف کردے، پھر دو تین ماہ کے بعد ناخوش ہوکر پھر مہر کی معافی سے انکار کردے تو ایسی صورت میں شرعاً مہر معاف ہوگیا، یا نہیں؟

(ب) اگر عورت نے کسی تنہائی کے موقع پر اپنی خوشی سے بلا کسی تحریک وتقاضا کے ان الفاظ کے ساتھ مہر معاف کردیا کہ ''پہلی شب کو تو میں مہر سے محض ناواقف تھی؛ اس لیے نا سمجھی سے تمہارے کہنے پر میں نے اپنا مہر معاف کردیا تھا؛ لیکن اب دوبارہ سمجھ بوجھ کر اپنی خوشی سے بلا کہے میں اپنا مہر معاف کرتی ہوں''۔

وہ ایسی تنہائی میں الفاظ کہے کہ صرف اسی نے سنا ہو اور کسی نے نہ سنا ہو۔ کیا مہر شرعاً معاف ہوگیا، یا نہیں؟ یعنی اس معافی سے مرد آخرت کے مواخذہ سے شرعاً حقیقۃً نجات پاچکا یا نہیں؟ لیکن اس صورت میں جب کہ عورت دو تین ماہ کے بعد پھر الٹ پھیر کر کے یہ کہے کہ میں تو اپنا مہر ہرگز نہ معاف کروں گی؛ بلکہ آخرت میں لوں گی تو ایسی صورت میں شرعاً مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

(ج) اگر معافی کے وقت مرد نے یہ کہا ہو کہ ہم باوجود معافی کے تمہارا مہر تھوڑا ادا کرنے کی فکر میں ہیں؛ کیوں کہ ہم عورت کا احسان نہیں چاہتے تو ایسے الفاظ سے معافی کو نقصان تو شرعاً نہیں پڑے گا کہ مہر معاف نہ ہوا ہو؛ بلکہ اگر مرد یہ بھی کہہ دے کہ میں معافی نہیں چاہتا تم معاف نہ کرو تو کیا اس کہنے پر مہر معاف نہیں ہوا؟

(۲) (الف) جو شخص اپنی عورت سے بظاہر بنا کی کوئی صورت نہ دیکھے اور صبر وضبط نہ کر سکے؛ بلکہ اکثر فکر و الجھن غالب رہتی ہو تو ایسی صورت میں جب کہ مہر کثیر کے سب یکمشت ادا کرنے سے عاجز وقاصر ہو تو کیا مجبوری کی صورت میں تھوڑا ادا کرنا جائز ہوگا، جب کہ دو طلاق دے دے؟

(ب) کیا یکمشت مہر ادا نہ کر سکتے کی صورت میں ایسا مرد شرعاً طلاق نہیں دے سکتا؛ یعنی ایسی صورت میں طلاق دینا شرعاً جائز نہ ہوگا؟ اگر مجبوری کی صورت میں مرد کو شرعاً طلاق دینا جائز ہے تو مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا صورت ہوگی؟ بہرحال مواخذۂ آخرت، یا عذاب آخرت سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟ اور شرعاً ایسے مرد کے لیے کیا حکم ہوگا؟

(ج) اگر مرد سخت عاجز ہو کر طلاق دے دے اور بہ سبب مجبوری کے ادا نہ کر سکے؛ لیکن نیت ادائیگی کی رکھتا ہو تو ایسے مرد کے لیے شرعاً آخرت میں مواخذہ ہوگا، یا نہیں؟ کیا وہ مستحق عذاب دوزخ کا ہوگا؟

(د) بہرحال ایسی صورت میں عورتوں کی شرارتوں فتنوں مکر وفریب سے نجات پانے کے لیے شرعاً کوئی صورت نکل سکتی ہے، یا نہیں؟ محض آخرت کی گرفت مواخذہ کے خیال واندیشہ سے احتیاط کرنے کی بنا پر۔

(۳) (الف) عورت اگر مرد کی مرضی کے خلاف کسی رشتہ دار کے یہاں چلی جائے اور جا کر پھر واپس بھی نہ آئے اور پانچ برس کے بچے کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے؛ لیکن وہاں بچے کے لیے کسی طرح اگر آرام نہ ہو تو کیا مرد اس نیت سے بچے کے لیے خرچ نہ بھیجے کہ عورت کو خرچ بھیجنے کے سبب سے خوب آرام ملے گا تو اور پاؤں پھیلائے گی؛ کیوں کہ اس کو تو خوف آخرت ہے نہیں، بجز نفس پرستی وخود غرضی وآرام مزہ طلبی کے۔

لہذا جب یہاں سے بھی خرچ نفقد کی رسد جاری رہے گی تو ممکن ہے کہ وہ عمر بھر بھی نہ آوے اور سانس و دکار بھی نہ لیوے، لہذا ایسی قسم کی مختلف مصلحتوں کی بنا پر مرد اگر اپنے بچے کے لیے عورت کے نام خرچ نہ پہنچے تو مرد کو شرعاً گناہ ہوگا، یا نہیں، یا اس مصلحت کے بنا پر خرچ نہ دینا ہی شرعاً مناسب وجائز ہوگا؟ کیوں کہ ظاہر ہے کہ اگر عورت کو آرام نہ ہوتا؛ بلکہ تکلیف ہوتی تو ایسی شرارت ہی نہ کرتی؛ بلکہ مجبور ہو کر فوراً واپس آتی۔

(ب) اگر بچے کو خرچ دینا بہرصورت واجب ہے تو بچے کے لیے کسی معیار شرعی سے کرچ بھیجا جائے کہ نفس پر ست عورت خوب مزے نہ اڑا سکے، اگر وہ اس صورت میں بھی مزے اڑائے گی؛ کیوں کہ کھانا کپڑا تو خالہ کے ذمے ہے، کھانا کپڑا تو خالہ کے گھر سے ملتا ہی رہے گا، اب بچے کا خرچ بچہ کا سدراہ ہوگا، خیر۔

(ج) کیا بچے کے لیے دو یا تین روپیہ ماہوار بھیج دیا کروں، جب کہ میری تنخواہ دس روپیہ ماہوار ہے؟ لیکن

بیماری اور ضعف جسمانی کی بنا پر آج کل خرچ زیادہ ہے، ادھر گھر گر رہا ہے، جس کی مرمت مدت سے نہیں ہوئی۔ ان امور کا لحاظ کر کے کیا دو روپیہ کافی نہ ہوگا؟ بہر حال جو شریعت کا حکم ومنشا ہے، واضح کیا جائے؟

(۴) اگر عورت بر بنا مہر کی کثرت اور پابند شریعت دیکھ کر آور پریشان کرتی ہے؛ تا کہ مرد پر قابو حاصل ہو جاوے اور فتنہ کے خیال سے مرد دب کر رہا کرے تو ایسی صورت میں کیا از روئے شریعت شرع میں اتنی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مرد عورت کو الگ کر کے جان بچائے اور چھوڑ کر اس کے فتنہ وفساد سے ہمیشہ کے لیے نجات دینی دنیوی حاصل کرے؟ اگر گنجائش ہے تو مواخذہ سے بری ہونے کے لے مہر کے باب میں جو صورتیں آسانی کی ہوں، مفصل ان صورتوں سے آگاہی بخشی جائے تو عین بندہ نوازی اور غریب پروری ہوگی؟

نوٹ: سائل نے یہ غلط فہمی اور نادانی کی کہ مہر زیادہ بندھوا کر جیل خانے کا قیدی ہوگیا؛ لیکن سائل کا اعتقاد ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہر الجھن کو سلجھایا ہے، ہر غلط فہمی کا علاج بتلایا ہے، بہر حال بڑے سے بڑے گناہ کے مرتکب کو بھی ارتکاب جرم کے بعد کوئی نہ کوئی نجات آخرت کے لیے علاج بتلایا ہے؛ اس لیے میں بھی دوبارہ کوشش کر رہا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام اپنی توجہ خاص سے غور وفکر کر کے عورت کے فتنہ سے نجات اور مہر کے مواخذہ سے رہائی آخرت کے لیے کوئی صورت نجات، یا علاج کی ارقام فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ اجر اعظم عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

(۱) (الف) دیانۃً تو معاف ہوگیا؛ لیکن قضاءً معاف ہونے کے لیے ثبوت شرعی ضروری ہے۔(۱)

(ب) اس کا جواب بھی یہی ہے۔

(ج) اس سے مہر معاف نہیں ہوسکتا۔(۲)

(۲) (الیف) عورت کو چاہیے کہ رقم مقرر کردے، اگر وہ مقرر نہ کرے؛ بلکہ مقدمہ کرئے تو پھر وہ حاکم سے مقرر کرالے۔

(ب) طلاق دینا جائز ہے؛(۳) مگر مطالبہ مہر کا پورا کرنا بھی بہر حال حتی الوسع واجب ہے۔(۴) اگر

---

(۱) وماسوى ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصية". (الهداية، كتاب الشهادات:۳/۱۵۳-۱۵٤، امدادية ملتان)

(۲) إن الابراء إسقاط، فيه معنى التمليک بدليل أنه يرتد بالرد". (بدائع الصنائع، فصل: شرائط الصحة، كتاب البيوع:۷/۲۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) "إلا إذا خافا ألا يقيما حدود الله فلا بأس أن ينفرقا". (الدر المختار)

"(قوله: إلا إذا كافا)؛ لأن التفريق حينئذ مندوب بقرينة قوله: فلا بأس؛ لكن سيأتى اول الطلاق أنه يستحب لومؤذية، الخ". (ردالمحتار، فصل فى المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته:۳/۵۰، سعيد)

"وأما وصفه: فهو أنه (أى الطلاق) محظور نظرا إلى الاصل ومباح نظرا إلى الهاجة، الخ". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب الاول فى تفسيره:۱/۳٤۸، رشيدية)

(۴) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق". (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثانى فيما يتأكد به المهر:۱/۳۰۳، رشيدية)

ادا کیا، نہ معافی ہوئی، نہ بقدر ادائیگی ترکہ چھوڑا تو عورت کا مطالبہ برقرار رہا، پھر اگر ادا کرنے کی پختہ نیت تھی؛ مگر اسباب مہیا نہ ہوسکے تو امید ہے کہ اللہ پاک اپنے خزانہ سے عورت کو دے کر خوش کردیں گے، اگر پختہ نیت نہ تھی تو مواخذہ ہوگا، اگر ترکہ چھوڑا ہے تو اس سے پورا کیا جائے گا۔(۱)

(د) خوشامد کرے، نرمی سے معاف کرالے۔(۲)

(۳) (الف) خرچ دینا تو واجب ہے؛ مگر ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نقد روپیہ نہ دے؛ بلکہ بچے کی ضروریات خود خرید کردے، یا کسی معتبر آدمی کو اپنا وکیل بنادے کہ وہ بچے کی ضروریات کھانا وکپڑا، جوتہ وغیرہ خرید کر ضرورت کے موافق دے دیا کرے۔(۳)

(ب) الف کے موافق عمل کیا جائے؛ یعنی جو خرید کر کپڑا بنا کر کھانا ہی بہتر یہ ہے کہ بچے کی ضرورت کے مطابق کردیا جائے اور نقد روپیہ نہ دیا جائے؛ تاکہ عورت مزے کی چیزیں منگا کر نہ کھائے۔

(ج) اس کا مدار ضرورت پر ہے، جو کہ حیثیت کے مطابق مختلف ہوتی رہتی ہے، میں کچھ تعین نہیں کرسکتا۔(۴)

(۴) جب نباہ دشوار ہوجائے اور مرد تحمل نہ کرسکے، نفس پر قابو بھی نہ رکھتا ہو تو طلاق دینے میں مضائقہ نہیں، اگرچہ طلاق دینا واجب بھی نہیں ہے اور مہر کے لیے نمبر:۲(د) پر طلاق سے پہلے عمل کرلیا جائے، بغیر اس کے طلاق دینا خطرہ دنیا وآخرت سے خالی نہیں اور معافی کم ازکم دو آدمی معتبر گواہ بنادیا جائے۔ جواب نمبر:۲(الف، ب، د) میں رہائی کی صورتیں آچکیں ہیں۔ جواب نمبر:۴ کے مطابق عمل کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳۵۹/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳۵۹/۴/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۶۴-۶۹) ☆

---

(۱) "وموت أحدهما كحياتهما في الحكم أصلا وقدرا لعدم سقوطه يموت أحدهما". (الدر المختار، باب المهر، مطلب: مسائل الاختلاف في المهر: ۱۵۰/۳، سعيد)

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه ... ثم قضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثنه". (السراجي: ۳، سعيد)

(۲) "ولا بد في صحة حطها من الرضا، حتى لو كانت مكرهة لم يصح، هكذا في البحر الرائق". (الفتاویٰ الهندية، الفصل السابع في الزيادة في المهر والحط عنه الخ: ۳۱۳/۱، رشيدية)

(۳) وتجب لطفله الفقير". (الدرالمختار)

"(قوله: بأنواعها) من الطعام والكسوه والسكنى ... (قوله: لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى ان يحتلم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الفقة، مطلب: الصغير المكتسب نفقته في كسبه لا على ابيه: ۶۱۲/۳، سعيد)

(۴) "فتجب على الأب كفايتها بدفع القدر". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير المكتسب نفقته في كسبه لا على أبيه: ۶۱۲/۳، سعيد)

==

بیوی کے خفیۃً مہر معاف کردینے کے بعد علانیۃً انکار کا حکم:

سوال: مفتی صاحب! خالد کی بیوی نے تنہائی میں خالد کو مہر معاف کردیا۔ ایک دفعہ جب بعض لوگوں کے سامنے خالد نے اس کا ذکر کیا تو اس کی بیوی نے انکار کردیا اور کہا کہ میں نے تو مہر معاف نہیں کیا۔ خالد کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ اب خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

خالد کے پاس چوں کہ اپنے اس دعویٰ پر ''کہ بیوی نے مہر معاف کردیا ہے'' گواہ موجود نہیں، لہٰذا اس کی بیوی سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اس بات پر قسم کھائے کہ اس نے مہر معاف نہیں کیا۔ اگر وہ قسم کھالیتی ہے تو خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر قسم سے انکار کردے تو خالد کا دعویٰ معتبر سمجھا جائے گا اور مہر کی معافی کا فیصلہ کردیا جائے گا۔

لمافی السنن الكبری للبيهقي (٢٥٢/١): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله عليه وسلم قال: البينة علی المدعی واليمين علی المدعی عليه.

وفی الدرالمختار (٥٤٧/٥): (ويسأل القاضی المدعی عليه) عن الدعوی فيقول إنه ادعی عليك كذا فماذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحيحة (لا) يسأل لعدم وجوب جوابه (فإن أقر) فيها (أو أنكر فبرهن المدعی قضی عليه) بلا طلب المدعی (وإلا) يبرهن (حلفه) الحاكم (بعد طلبه) إذ لا بد من طلبه اليمين فی جميع الدعاوی إلا عند الثانی فی أربع علی ما فی البزازية. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۳/۵)

== ''وبعد الفطام يفرض القاضی نفقة الصغار علی قدر طاقة الأب وتدفع إلی الام حتی تنفق علی الأولاد''. (الفتاویٰ الهندية، باب النفقة، باب النفقة، الفصل الرابع فی نفقة الاولاد: ٥٦١/١، رشيديه)

☆ مہر معاف کرکے پھر انکار کرنا:

سوال: بیوی نے اپنا مہر معاف کردیا تھا؛ مگر کوئی دلیل شاہد وغیرہ نہیں تھے۔ اب بیوی کے مطلقہ ہونے پر بیوی نے عدالت میں مہر کا دعویٰ دائر کردیا ہے تو یہ بیوی کے لئے کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر بیوی نے خوشی سے معاف کردے تو مہر عنداللہ معاف ہوگیا، اب اس کو معافی سے انکار کرنا جائز نہیں ہے۔ (وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل أو لا''. (الدرالمختار) ''قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: ''(قوله: وصح حطها) الحط: االإسقاط كما فی المغرب، وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف علی اجازتها، ولا بد من رضاها''. (ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی أحكام المتعة: ١١٣/٣، سعيد)/ ''للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها اولم يدخل، وليس لأحد من اوليائها اب ولاغيره الاعتراض عليها، كذا فی شرح الطحطاوی''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح الباب السابع فی المهر، الفصل العاشر فی هبة المهر: ٣١٦/١، رشيدية) اگر وہ انکار کرکے وصول کرے گی تو یہ ظلم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۹/۱۲)

مہر کی معافی کے دو گواہ ہیں، کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ نے اپنے شوہر خالد کو اس کی بیماری میں اللہ کے واسطے اپنا مہر معاف کردیا، اس واقعہ کے دو عینی گواہ یہ شہادت دیتے ہیں۔قادر بخش کہتا ہے کہ میں مہر بخشنے کا گواہ ہوں: خالد نے کہا کہ مہر بخش دو، ہندہ نے کہا کہ اللہ کی واسطے معاف کیا۔فاضل کہتا ہے کہ ہندہ نے کہا کہ خدا کے واسطے میرا معاف کیا۔آیا یہ شہادت کامل ہے، یا ناقص؟

الجواب

یہ شہادت تو کافی ہے، اگر دونوں گواہ عادل ہوں؛ (۱) لیکن مرض الموت میں ہبہ کرنا، یا دین معاف کرنا بحکم وصیت ہے، (۲) اور وصیت وارث کے لیے درست نہیں ہے؛ اس لیے مرض الموت میں مہر کا معاف کرنا معتبر نہ ہوگا؛ لیکن اگر دیگر ورثا راضی ہوں تو وارث کے لیے وصیت درست ہوسکتی ہے اور وصیت ایک ثلث میں جاری ہوتی ہے، اس میں بھی اگر ورثا راضی ہوں تو ثلث سے زیادہ میں بھی جاری ہوسکتی ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۷۳)

مہر معاف کرنے کے وقت گواہ ضروری نہیں:

سوال: مہر معاف کرتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر کے معاف ہونے کے لیے کسی گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے؛ (۴) لیکن اگر عورت کے ورثہ انکار کریں تو دو گواہوں سے معافی ثابت ہوگی۔ (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۰۸)

---

(۱) (و) نصابها (لغيرها من الحقوق سواء كان) الحق (مالا أوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) ... (أورجل وامرأتان) ولا يفرق بينهما، الخ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٤/٥١٦-٥١٦، ظفير)

(۲) إعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه كل ذلک حكمه كحكم وصية فيعتبر من الثلث كما قدمنا. (الدر المختار) (قوله محاباته) أى فى الإجارة والإستيجار والمهر والشراء والبيع. (ردالمحتار، كتاب الوصايا، باب الفتوىٰ فى المريض: ٥/٦٣١، ظفير)

(۳) (لا لوارثه وقاتله مباشرة)... (إلا بإجازة ورثته) لقوله عليه السلام: (''لاوصية لوارث'' إلا أن يجيزها الورثة) يعنى عندوجود وارث آخر. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا: ٥/٥٧٥، ظفير)

(۴) وصح حطها لكله أوبعضه عنه قبل أولا. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٢/٣٦٤، مطلب فى حط المهر، ظفير)

(۵) وماسواء ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أورجل وامرأتين، سواء كان الحق مالا أو غير مال، مثل النكاح والطلاق، الخ. (الهداية: ٣/١٣٨، ظفير)

معافی کے وقت کسی کا ہونا ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: مہر معاف کرنے کے وقت زوج وزوجہ کے قریبی رشتہ دار باپ بھائی کا ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

معافی مہر کے لیے زوج اورزوجہ کے رشتہ داروں کے موجود ہونے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگرزوجہ معافی مہر سے انکارکرے تو شوہر کے وارثوں پر دو گواہ عادل معافی مہر کے پیش کرنا ہوں گا، بدون گواہوں کے بصورت انکارزوجہ معافی مہر ثابت نہ ہوگی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۲/۸)

جس معافی کے گواہ نہ ہوں، اس کا حکم:

سوال: ایک عورت کا مہر پانچ ہزار مقرر ہوا تھا، جس میں سے اس نے اپنی خوشی سے بحالت اپنے خاوند کو دو ہزار روپیہ معاف کردیئے، جس کا کوئی گواہ شاہد نہیں، شرعاً یہ معافی معتبر ہوگی، یا کالعدم ہو جاوے گی؟

الجواب

اگرزوجہ اس ابراء (معاف کرنے) سے منکر سے نہیں؛ بلکہ مقر ہے تو شرعاً یہ معافی معتبر ہوگی، زوج کے ذمہ سے مہر کا یہ حصہ ساقط ہوگیا۔

ہدایہ میں ہے:

"وإن حطت عنه من مهرها صح الحط لأن المهر حقها والحط يلاقيه حالة البقاء، انتهٰی. (۲)

لیکن اگرزوجہ اقرار نہیں کرتی تو پھر شرعی شہادت کے بغیر اس معافی کا اعتبار نہ ہوگا۔

(اور گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت ہونے ضروری ہیں۔ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۳/۸-۳۵۴)

دعویٰ معافی مہر میں گواہی اوراس سلسلہ میں سوال:

سوال: دعویٰ معافی مہر کا دائر ہے؛ لیکن اس میں مسماہ الف کی شہادت بھوپال میں ہوئی اور مسماۃ ب کی شہادت بہت عرصہ کے بعد لاہور میں ہوئی اور مسمی ج کی شہادت مسماہ الف کی ساتھ ساتھ ہوئی اور گواہاں نمبر: ۱، ۲، ۳ کی شہادتیں بوجہ اقرار عدم پابندی وبے پردہ ہونے کے مفید ثبوت نہیں؛ اس لیے کل متروکہ سے دین مہر ادا کیا جاوے۔ اس صورت میں نصاب شہادت پورا ہے، یا نہیں؟ اور چوں کہ مسماۃ الف وب کی شہادت علاحدہ علاحدہ ہوئی تو اس میں کچھ شرعی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا أوغيره كنكاح وطلاق، الخ، رجلا ن أورجل وامرأتان. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵۱۵/٤، ظفير)

(۲) الهداية، باب الهر: ۳۰۵/۲، ظفير

الجواب ـــ

معافی مہر کا دعویٰ اس وجہ سے غیر ثابت قرار دیا گیا ہے کہ اس میں ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیتی ہیں؛ مگر دو عورتوں نے علاحدہ علاحدہ ادائے شہادت کیا ہے؛ یعنی دو عورتوں کی علاحدہ علاحدہ شہادت ادا کرنے کی وجہ سے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو نصاب شہادت قرار نہ دیا گیا ہے اور بسبب عدم نصاب شہادت کے دعویٰ کو غیر مسموع قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ مذہب حنفیہ میں ایسا کوئی قول نہیں، جس سے یہ ثابت ہو جاوے کہ عورتوں کی شہادت میں عدم تفریق شرط قبول ہے، ہاں اتنا صحیح ہے کہ قاضی کو دو عورتوں میں تفریق نہ کرنا چاہیے، **کما فی الدر المختار: ولایفرق القاضی بینهما، الخ**، اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ ام شافعی، کما قال السبکی اورام بشر حاکم کے پاس شہادت کے لیے حاضر ہوئیں، اس نے ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنا چاہا تو ام شافعی نے ﴿فتذکر احدهما الاخری﴾ کی آیت پڑھ کر سنادی اور حاکم ساکت ہوا۔(۱) اس سے ظاہر ہوا کہ ام شافعی کے استنباط کا دار و مدار آیت مذکورہ پر ہے، جس کی حقیقت اس سے زائد نہیں کہ اشارہ عدم ضرورت تفریق معلوم ہوتا ہے، نہ یہ کہ عدم تفریق ضروری ہے، چنانچہ خود شوافع کے یہاں بھی بوقت ارتیاب قاضی کو تفریق کا اختیار رہے؛ بلکہ مستحب ہے کہ شاہدوں کو بشرط اشتباہ وارتیاب ایک دوسرے سے علاحدہ کرے۔

کما فی الحموی: قال التاج السبکی بعد نقل هذه الحکایة: وهذا فرع حسن واستنباط جید أو منزع غریب والمعروف فی مذهب ولدها (وهو الشافعی) إطلاق القول بأن الحاکم إذا ارتاب بالشهود استحب له التفریق بینهم وکلاهما صریح فی اشتباه النساء للمنزع الذی ذکرته ولا باس به، آه، أقول: وفی الملتقط من الحکایة المذکورة لیس صریحاً فی أن المذهب عندنا عدم التفریق فی شهادة النساء إذا ارتاب القاضی. (ص: ۳۲۷)(۲)

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ قاضی باوجود رضامندی نساء کے بھی بصورت ارتیاب کے تفریق کر سکتا ہے، پس اگر خاص عذر سے، یا بدون عذر اتفاقاً دو عورتوں کی شہادت علاحدہ علاحدہ لی گئی تو اس میں کیا مضائقہ ہے، لہٰذا محض علاحدہ علاحدہ ادائے شہادۃ امراتین کی وجہ سے نصاب شہادت کو ناقص نہ سمجھا جاوے گا؛ بلکہ اس شہادت سے معافی مہر ثابت ہوگی اور اگر اس تو ہم پر محض علاحدہ علاحدہ اور مختلف اوقات میں ادائے شہادت ہونے کی بنا پر رد دعویٰ کی قضا ہو تو وہ قضا بھی نافذ نہیں **کما فی الشامی: المقلد متی خالف معتمد مذهبه لا ینفذ حکمه.** (۴/ ۴۳۰)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/ ۳۴۴-۳۴۶)

---

(۱) حکی ان ام بشر شهدت عند الحاکم فقال الحاکم فرقوا بینهما فقالت لیس لک ذلک قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إن تضل احدهما فتذکر احدهما الاخری﴾ فسکت الحاکم. (رد المحتار، کتاب الشهادات: ۴/ ۶۱۵) تفصیلی واقعہ جس میں امام شافعی کا تذکرہ بھی ہے، اس کے لیے دیکھئے حموی علی الاشباہ والنظائر، کتاب القضاء والشہادات، ص: ۱۲۲، ظفیر

(۲) الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب القضاء والشهادات، ص: ۲۲۱. ظفیر

(۳) الدر المختار، مطلب یفتی بقول الإمام علی الإطلاق: ۵/ ۳۶۰، دار الفکر بیروت، انیس

والدین کی اجازت کے بغیر عورت مہر معاف کرسکتی ہے، یانہیں:

سوال: زوجہ بالغہ اجازت والدین کے مہر معاف کرسکتی ہے، یانہیں؟ اگر شوہر گواہ پیش کرے کہ زوجہ نے مہر معاف کردیا ہے اور زوجہ منکر ہوتو اس صورت میں دعویٰ عورت کا مسموع ہوگا، یانہ؟

الجواب

زوجہ بالغہ برضائے خود اپنا مہر معاف کرسکتی ہے، (۱) اور شوہر اگر دو گواہان عادل وثقہ سے معافی مہر ثابت کردے تو عورت کا انکار معتبر نہیں ہے اور دعویٰ عورت کا در بارہ مہر غیر مسموع ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۶/۸)

طلاق کی طلب پر شوہر نے کہا کہ مہر معاف کردو تو لڑکی کے باپ نے ذمہ لے لیا، اب طلاق دے دی تو مہر کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنے داماد سے کہا کہ تو میری دختر کو طلاق دے دے، اس نے کہا کہ اگر وہ معاف کردے گی تو میں طلاق دے دوں گا، زوجہ کے باپ نے ضامن ہوکر کہا کہ میں اپنی بیٹی سے مہر معاف کرادوں گا، اس بناپر شوہر نے طلاق دے دی، بعد میں نہ باپ نے معاف کرایا، نہ لڑکی نے معاف کیا۔ اس صورت میں شوہر کے ذمہ مہر ادا کرنا واجب ہے، یا کیا؟

الجواب

اس صورت میں طلاق ہوگئی اور بی بی نے اگر مہر معاف نہ کیا تو باپ ذمہ داری ہے، اس سے لیوے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۹/۸)

جس بیماری میں مہر معاف کیا، اسی میں بیوی مرگئی تو معاف ہوا، یانہیں:

سوال: ہندہ مریضہ نے اپنے شوہر کو بدیں مضمون مہر معاف کردیا کہ میں چوں کہ امراض لاحقہ میں مبتلا رہتی ہوں، لہذا اپنے مہر بخشتی ہوں، بعد اس تحریر کے اس مرض لاحقہ میں دس روز کے بعد انتقال کیا۔ اب عورت کے وارث مہروں میں شرعاً حصہ پاسکتے ہیں، یانہیں؟

الجواب

مرض الموت میں مہر معاف کرنا صحیح نہیں ہے، پس اگر باقی ورثہ مہر کی معافی کو تسلیم نہ کریں تو وہ اپنا حصہ مہر میں سے

(۱) وصح حطها لكله أو بعضه عنه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۴/۲، ظفير)

(۲) وماسوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والطلاق، الخ. (الهداية، كتاب الشهادة: ۱۳۸/۳، ظفير)

لے سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے کہ مرض الموت کا ہبہ وغیرہ بحکم وصیت ہے اور بحکم ''لا وصية لوارث'' (۱) وارث کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوتی؛ مگر یہ کہ باقی ورثہ راضی ہوں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۵/۸)

موت کے وقت جو مہر معاف کراتے ہیں، اس سے معاف ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: شوہر کو دفن کرنے سے پہلے اکثر عورتیں ورثاء متوفی اپنا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے زوجہ متوفی کو مجبور کرتے ہیں کہ مہر معاف کردے، چوں کہ وقت نہایت رنج والم وسقوط عقل وہوش وپریشانی کا ہوتا ہے، ایسے وقت کی معافی مہر معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________________

ایسے وقت کی معافی صحیح ومعتبر ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۳/۸)

مہر معاف کرانے کی رسم قابلِ ترک ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بیوی سے دین مہر معاف کرانے کا رواج عام ہوگیا ہے، کیا یہ مناسب اور صحیح ہے؟ دین مہر حالات ناخوش گوار ہونے پر جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے، لڑکی مع سامان ومال اپنے شوہر کے گھر چلی جاتی ہے، لڑکی کے والدین کا اختیار ختم ہوجاتا ہے، قول وقرار ہوکر دین مہر کی رقم صرف تحریر میں ہوتی ہے، دین مہر کے بدل میں لڑکی لڑکے کے اختیار میں ہوجاتی ہے۔ عرض میری یہ ہے کہ تاریخ رکھتے وقت تخمینا پچاس آدمیوں کی محفل میں مبلغ پچیس ہزار روپیہ طے ہوئے تھے؛ لیکن کچھ عرصہ بعد لڑکے کے والد سے ملاقات ہونے پر لڑکے کے والد نے کہا کہ لڑکا تو دین مہر کے معاملہ میں دس ہزار کے قابل بھی نہیں ہے، لڑکے کی ہمشیرہ نے کہا کہ پانچ ہزار روپیہ کے قابل نہیں ہے اور گفتگو بات چیت معاہدہ کے خلاف ہوگئی اور شک میں پڑگئی اور مشکوک ہوگئی، ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ______________ وبالله التوفيق

مہر بیوی کا لازمی حق ہے جس کی ادائیگی شوہر پر لازم اور فرض ہے، مہر کو معاف کرانے کی عرفی اور جبری رسم انتہائی مذموم اور قابل ترک ہے اور کسی طرح کا دباؤ ڈال کر بیوی سے مہر معاف کرانا شرعا معتبر نہیں ہے، مہر اُسی وقت معاف ہوسکتا ہے جب کہ بیوی بغیر کسی خاندانی دباؤ کے محض اپنی خوشی سے مہر معاف کردے۔ آج کل ہمارے معاشرہ میں اس طرح بخوشی مہر کی معافی کا رواج نہیں ہے؛ بلکہ عموما رسم ورواج اور خاندانی دباؤ کی وجہ سے، یا بے عزتی اور لعن طعن

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا: ٦٥٦/٣، ط: سعيد، ظفير

(۲) وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل أولا. (الدرالمختار) الحط: الإسقاط، كمافي لمغرب وأن لاتكون مريضته مرض الموت. (ردالمحتار، باب المهر: ٤٦٤/٢ـ٤٦٥، ظفير)

کے ڈر سے عورتیں مہر معاف کرتی ہیں؛ اس لیے بہرصورت شوہر پر ادائیگی لازم ہے۔ افضل یہ ہے کہ نکاح کے بعد پہلی فرصت میں مہر بیوی کے حوالہ کر دیا جائے اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو جو زیور دیا جارہا ہے، وہ مہر کی نیت سے دے کر لڑکی کو اس کا پوری طرح مالک اور متصرف بنادیا جائے اور مسئولہ صورت میں جب کہ نکاح کی تاریخ رکھتے وقت ۲۵؍ہزار روپیہ مہر کا وعدہ ہوگیا تھا تو لڑکے والوں کو اس وعدہ کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ وعدہ خلافی شرعاً بری بات ہے؛ تاہم منگنی کے وقت طے شدہ مہر کا اصلاً اعتبار نہیں ہے اور اصل اعتبار نکاح کے وقت طے شدہ رقم کا ہے؛ اس لیے فریقین جس رقم پر خوش دلی سے متفق ہوجائیں وہی مہر قرار پائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/۲۵۱، ۸/۳۲۷، کفایت المفتی: ۵/۱۱۱-۱۱۸)

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً، فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ (سورة النساء: ٤)

عن سعيد بن المسيب أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قضى في المرأة إذا تزوجها الرجل أنه إذا أرخيت الستور فقد وجب الصداق. (الموطأ للإمام مالك، النكاح، باب إرخاء الستور: ٣٤٢، رقم: ١٢-١٣، سنن الدارقطني، النكاح: ٢١٢/٣، رقم: ٣٧٧٨، ٣٧٧٩، سنن سعيد بن منصور، باب فيما يجب به الصداق: ٢٠١/١، رقم: ٧٥٧)

عن عمر رضي اللّٰه عنه قال: إذا أجيف الباب، وأرخيت الستور فقد وجب المهر. (سنن الدارقطني، النكاح: ٢١٢/٣، رقم: ٣٧٧٦، سنن سعيد بن منصور، باب فيما يجب به الصداق: ٢٠١/١، رقم: ٧٥٨)

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أيما رجل تزوج امرأة، فنوىٰ أن لا يعطيها صداقها، مات يوم يموت وهو زان. (فيض القدير: ٢٤٧٣/٥، رقم: ٢٩٥٢، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أومهرالمثل، حتى لايسقط منه شيء بعد ذٰلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ٣٠٣/١، زكريا، الدرالمختار مع رد المحتار، باب المهر: ١٠٢/٣، كراتشي، وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يتأكد المهر: ٥٣٠/٣، دارالكتب العلمية بيروت)

ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهةً لم يصح. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ٢٦٤/٣، زكريا، وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المرأة والإبراء منه: ١١٣/٣، كراتشي، مجموعة الفتاوىٰ، كتاب الهبة وما يتصل بهٰذا: ٣٩٦/٤، لاهور)

وصح حطها لكله أو بعضه عنه، قال الشامي: ففي هبة الخلاصة خوفها بالضرب حتى وهبت مهرها لم يصح لو قادرا على الضرب. (الدرالمختار مع الشامي: ٢٤٨/٤، زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۲/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

مرض الموت کی معافی جائز ہے، یا نہیں؟

اور مہر معاف کرنے کے گواہ نہیں ہوں تو لڑکا مہر پائے گا، یا نہیں:

سوال: مسماۃ ہندہ نے مرض الموت میں چند زیورات مسجد میں دیا اور بقیہ زیور اپنے لڑکے خالد نابالغ کو دیا، شوہر کو کوئی عذر اپنے حق میں اس وقت نہیں ہوا، بعد انتقال کے شوہر نے اپنا حصہ لے لیا، خالد جب بالغ ہوا تو مہر طلب کیا، شوہر کہتا ہے کہ مہر معاف کر دیا؛ مگر نہ کوئی شہادت ہے، نہ ثبوت ہے، پس ایسی صورت میں خالد مہر پانے کا مستحق ہے، یا نہیں؟ اور مرض الموت میں اگر مہر معاف کرے تو معاف ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

شوہر کا دعویٰ معافی مہر کا بلا دو گواہ عادل کے مسموع نہ ہوگا، (۱) اور خالد بقدر اپنے حصہ کے مہر وصول کرے گا اور شوہر کا حصہ ساقط ہو جاوے گا اور مرض الموت کی معافی باطل ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۳۲۷-۳۲۸) ☆

(۱) ونصابها (أی الشهادة) لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره، كنكاح وطلاق ووكالة ووصية، الخ، رجلان أو رجل وامرأتان. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الشهادات: ٥١٥/٤، ظفير)

(۲) "مريضة وهبت صداقها من زوجها فإن برء ت من مرضها صح وإن ماتت من ذلك المرض فإن كانت مريضة غير مرض الموت فكذلك الجواب وإن كانت مريضة مرض الموت لايصح إلا بإجازة الورثة" الخ. (الفتاویٰ الهندية، فی هبة المريض: ٤٠٢/٤، انيس)

☆ مرض الموت میں مہر معاف کرانے سے معاف نہیں ہوتا ہے:

سوال: زید نے اپنی منکوحہ سے مرض الموت میں درحالیکہ اس کے بطن سے کمسن اولاد بھی زندہ موجود ہے، مہر معاف کرائے، بعدہ زید نے نکاح ثانی کیا، چناں چہ اس بیوی سے بھی کچھ اولاد ہوئی اور موجود ہے اور اس کی وفات کے بعد موجودہ بیوی نے زید کی جائداد سے اپنا مہر اور حصہ وراثت اور اپنی اولاد کے حصہ وراثت حاصل کئے اور زید کی پہلی اولاد کو ان کی والدہ کے دین مہر سے بوجہ علت تماوی لا دعویٰ کر دیا اور جائداد زید پر اپنا قبضہ جما کر حصہ وراثت سے بھی محروم کروانا ہے، آیا شرعاً پہلی بیوی کی اولاد زید کی جائداد سے اپنی والدہ کا دین مہر اور حصہ وراثت حاصل کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور کیا معاف کرا لینے سے دین مہر ساقط ہو جاتا ہے اور کیا تماوی اسقاط حقوق میں شرعاً معتبر ہے اور موثر ہے، یا نہیں؟

الجواب

حالت مرض الموت میں مہر معاف کرنا شوہر کا معتبر نہیں ہے، اس متوفیہ کی اولاد اپنا حصہ میراث کا اور مہر کا شرعاً پانے کی مستحق ہے، زوجہ ثانیہ کا قبضہ تمام جائداد و تر کہ شوہر پر شرعاً باطل ہے، پہلی زوجہ کی اولاد کا اس میں حق ہے اور تماوی شرعاً کوئی چیز نہیں ہے۔ کتب فقہ میں ہے:

"أن الحق لايسقط بتقادم الزمان". (شامی) (رد المحتار، باب اللعان: ٦٣٧/٢، ظفير)

وفی الدر المختار: إعتاقه ومحاباته وهبته، الخ، كل ذلك حكمه كحكم وصية، الخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب العتق فی المرض: ٥٩٦/٥-٥٩٧، ظفير)

وفيه أيضا: لاوصية لوارث. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الوصايا: ٥٧٥/٥، ظفير) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۲۵۱)

مرض الوفات میں مہر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنے مرض وفات میں اپنا مہر معاف کر دیا۔ یہ معافی شرعاً معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر کی معافی کے متعلق سوال میں مذکور ہے کہ مرض وفات میں کی گئی اور مرض وفات میں جو تصرف کیا جاتا ہے، وہ بحکم وصیت ہوتا ہے اور وارث کے حق میں کوئی وصیت بلا اجازت دوسرے وارثوں کے نافذ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے:

"لا وصية لوارث إلا أن تجيز الورثة، كذا في الدر المختار. (۱)

خاوند متوفیہ کا شرعی وارث ہے، اس کے حق میں دین مہر کی معافی بوقت مرض وفات بلا اجازت دوسرے وارثوں کے ہرگز معتبر نہیں؛ بلکہ یہ دین اس کے ذمہ واجب ہے، جو متوفیہ کے ترکہ میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا۔ (امداد المفتین: ۴۷۰/۲)

عورت کا اپنے مرض الموت میں مہر بخشنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی منکوحہ نے اپنے سخت مرض الموت کی حالت اور بدحواسی کے عالم میں اپنے شوہر اور خوشدامن اور چچا کے روبرو اپنا مہر بخش دیا۔ آیا یہ مہر کا بخش دینا شرعاً معتبر ہے، یا نہیں؟ موصوفہ کے انتقال کے بعد جو کچھ زیورات واسباب وسامان اس کو اپنے والدین کی طرف سے دیئے گئے تھے اور نیز وہ زیورات واسباب جو مرحومہ کو اپنے شوہر کی طرف سے دیئے گئے تھے، یہ سب کے سب مرحومہ کی ملکیت ہیں، یا نہیں؟ مرحومہ کے ورثہ شوہر، والد اور والدہ موجود ہیں، پس مالِ متروک ورثہ میں کتنے حصوں میں منقسم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کی منکوحہ نے مرض الموت میں بحالت بدحواسی اپنا مہر بخشا ہے اور پھر قریبی مدت میں اسی مرض میں انتقال ہوا ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو وہ مہر بخش دینا صحیح نہیں؛ لیکن اگر دوسرے ورثہ اجازت دیں؛ یعنی اس بخش دینے کو قبول کرلیں تو صحیح ہے، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:

مَرِيضَةٌ وَهَبَتْ صَدَاقَهَا مِنْ زَوْجِهَا فَإِنْ بَرَأَتْ مِنْ مَرَضِهَا صَحَّ، وَإِنْ مَاتَتْ مِنْ ذَلِكَ الْمَرَضِ فَإِنْ كَانَتْ مَرِيضَةً غَيْرَ مَرَضِ الْمَوْتِ فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ، وَإِنْ كَانَتْ مَرِيضَةً مَرَضَ الْمَوْتِ لَا يَصِحُّ إِلَّا بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ. (۲)

---

(۱) الدر المختار، كتاب الوصايا: ٦٥٦/٦، دار الفكر بيروت، انيس

عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ ,قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ. (سنن الدارقطنى، كتاب الوصايا، رقم الحديث: ٤٢٩٦/ السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث: ١٢٥٤٠، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادى عشر فى المتفرقات: ٤٠٢/٤، دار الفكر بيروت، انيس

لٰہذا ورثہ کے قبول نہ کرنے کی صورت میں مرحومہ کا مہر اور اس کے زیورات اور کپڑے وغیرہ جو اس نے اپنے خاوند اور والدین سے پائے ہیں، وہ تمام اس کا ترکہ ہے۔ اگر اس پر کسی کا قرض ہو تو چاہیے کہ اس ترکہ میں سے پہلے اس کا قرض ادا کریں۔ اس کے بعد اگر کسی غیر وارث کو کچھ دینے کی وصیت کی ہو تو اس کو باقی تہائی حصہ سے ادا کریں۔ اس کے بعد بقیہ ترکہ کو کچھ حصوں میں منقسم کر کے خاوند کو آدھا؛ یعنی تین حصے دیکر بقیہ تین حصوں میں سے ایک حصہ ماں کو اور دو حصے باپ کو دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۲۷-۱۲۸) ☆

☆ مرض الموت میں عورت کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں:

سوال: زید نے اپنی بیوی سے مرض الموت میں مہر معاف کرایا، بعد میں جب زید کے سسرال والوں نے کہا کہ مہر ادا کرو تو زید نے جواب دیا کہ میری بیوی نے مرض الموت میں مہر معاف کر دیا تھا۔ اب آپ بتائیں کہ مہر شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر معاف نہیں ہوا تو مہر کی رقم کا کیا کیا جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مرض الموت (جس مرض میں موت واقع ہو جائے) میں عورت کا مہر معاف کرنا شوہر کے حق میں معتبر نہیں ہوگا۔ اب مہر شوہر کے ذمہ ہے اگر شوہر کی اولاد ہے تو اس صورت میں ربع (ایک چوتھائی) شوہر کو ملے گا اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف آدھا ملے گا اور بقیہ رقم عورت کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کی جائے گی۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (الآية)

وفي الهندية (٣١٣/١): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا في الهداية ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت، هكذا في البحر الرائق.

وفي الشامية (١١٣/٣، مطلب في حط المهر والابراء منه): (قوله: وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لان حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۵/۵)

نزع کے عالم میں مہر کی معافی کا اعتبار نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر شوہر زندگی میں مہر ادا نہ کرے تو شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کا وفات کا وقت قریب ہونے پر مہر معاف کرالی جائے تو کیا ایسے مہر معاف ہو جائی گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے معاف نہیں ہوتی ہے، قیامت کے دن شوہر سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجوابــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نزع کے عالم میں مہر کی معافی کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ یہ محض رسمی معافی ہوتی ہے، البتہ اگر صحت اور ہوش حواس کی حالت میں خوش دلی سے بیوی مہر معاف کرے تو شوہر کا ذمہ معاف ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے مطالبہ نہ ہوگا۔

ففي هبة الخلاصة: خوّفها الضربَ حتى وهبت مهرها لم يصح لو قادرا على الضرب، وأن لا يكون مريضة مرض الموت. (شامي، مطلب في حطّ المهر والإبراء منه: ٢٤٨/٤، زكريا)

وإن حطت عنه من المهر أى بأن حطت المرأة مهرها المعقود عليه بعضا أو كلا عن الزوج صح الحط؛ لأن المهر حقها، والحط يلاقي حقها. (مجمع الأنهر: ٥١٤، شامي: ٢٤٨/٤، زكريا، البحر الرائق: ٢٦٤/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۱۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۲۸/۸-۴۲۹)

مہر کی معافی کو موت پر موقوف کرنا:

سوال: زید کی بیوی نے بحالت صحت مکرر، سہ کرر، کئی بار بحالت خوشی اپنے شوہر سے کہا کہ اگر میں پہلے مروں تو میرا مہر جو آپ کے ذمہ دین ہے، معاف ہے؛ مگر جب آپ پہلے انتقال کریں تو میں مہر کا دعویٰ کروں گی، زید کی بیوی اپنے شوہر سے پہلے انتقال کی۔ اس صورت میں زید سے مہر ساقط ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس صورت میں زید کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوا۔

إن مت من مرضک هذا، فأنت فی حل من مهری، أو قالت: فمهری باطل؛ لأنها مخاطرة وتعليق، كذا فی الظهيرية. مريضة قالت لزجها: إن مت من مرضی هذا فمهری عليک صدقة، أو أنت فی حل من مهری، فماتت من ذلک المرضی، فقولها باطل والمهر علی الزوج، كذا فی خزانة المفتين، آه". (الفتاویٰ الهندية: ۱۷۳/۳)(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳۵۸/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳۵۸/۲/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۳/۱۲)

دق کی مریضہ نے موت سے دو ہفتہ پہلے مہر معاف کیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک عورت جو کئی سال سے مرض دق میں مبتلا تھی، اس نے اپنے مرنے سے دو ہفتہ قبل گواہوں کے سامنے شوہر کو معاف کر دیا تو مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

مرض دق میں جب کہ زیادتی ہونے لگی اور ضعف بڑھنے لگے اور پھر اس میں مرجاوے تو ایسا مرض مرض الموت ہے اور ہبہ وغیرہ تبرعات اس کے بحکم وصیت ہیں، لہٰذا اس صورت میں معاف کرنا اس کا مہر کو صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ وصیت وارث کے لیے بدون رضا باقی ورثہ کے صحیح نہیں ہے۔

قال فی الدر المختار: وفی القنية المفلوج والمسلول والمقعد مادام يزداد كالمريض، الخ. (۲)

وفی الشامی: قلت: وحاصله أنه إن صار قديماً بأن تطاول سنته ولم يحصل فيه إزدياد فهو صحيح، أما لو مات حالة الإزدياد الواقع قبل التطاول أو بعده فهو مريض، الخ. (شامی، جلد: ۲)(۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة، الباب الثامن فی حكم الشرط فی الهبة: ۳۹۸/٤، رشيدية

(۲) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب طلاق المريض: ۷۱٦/۲، ظفير

(۳) ردالمحتار، باب طلاق المريض: ۷۱۷/۲، ظفير

وفيه أيضاً قبيله: إن علم أن به مرضاً مهلكاً غالباً وهو يزداد إلى الموت فهو المعتبر، الخ. (۱)

اور یہ ظاہر ہے کہ مریض بمرض دق کو مرنے سے ایک دو ہفتہ پہلے از دیاد مرض وضعف لازمی ہے، الغرض مریضہ مذکورہ کا یہ تصرف مرض الموت میں سمجھا جاوے گا اور مرض الموت میں مہر کا معاف کرنا شوہر کے لیے صحیح نہیں ہے۔

قال فی الدر المختار: إعتاقه و محاباته وهبته، الخ، كل ذلك حكمه كحكم وصية، الخ. (۲)

وفيه: من الوصايا ولا لوارثه، الخ، إلا باجازة ورثته لقوله عليه الصلاة والسلام: لا وصية لوارث" إلا أن يجيزها الورثة، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۰/۸-۳۴۱)

"مہر معاف کرنے کا حق لڑکی کے باپ کو ہوگا" یہ شرط کیسی ہے:

سوال (۱) زید کا نکاح ہندہ بالغہ سے ہوا اور ہندہ کے والدین نے چند شرائط زید سے لکھوائی، ایک شرط یہ ہے کہ مہر کے معاف کرنے کا اختیار ہندہ کے والد کو ہوگا، ہندہ کو نہیں۔ یہ شرط صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) بموجب شرط اقرار نامہ ہندہ کا مہر اس کے والدین معاف کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

یہ شرط لغو ہے، والدین ہندہ کو مہر معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ہندہ کا مہر زید کے ذمہ بدستور واجب ہے، وہی اس کی مستحق ہے اور وہی معاف کر سکتی ہے، والدین، یا کسی کا اس طرح کی شرطیں لگانا اور شوہر کا قبول کرنا شرعاً قطعاً بے معنی ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۱/۸)

بیوی سے مہر معاف نہ کرا سکا تو اب کیا کرے:

سوال: بکر کی زوجہ کا انتقال ہو گیا اور بکر نے نہ تو مہر ادا کیا، چوں کہ وسعت نہیں تھی اور نہ مہر معاف کرایا، اب زوجہ کی والدہ وغیرہ سے بکر مہر معاف کرالیوے تو معاف ہو سکتا ہے، یا نہیں، جب کہ مرحومہ لا ولد ہے؟

(۲) مرحومہ کے مہر کا حق دار کون کون ہے؟

(۳) کوئی ایسی صورت ہے، جب کہ وہ واقعی ادائیگی کے قابل نہیں ہے کہ وہ مرحومہ کے قرض مہر سے بچ جاوے اور قیامت میں گرفتار عذاب نہ ہو؟

---

(۱) ردالمحتار: ۷۱۶/۲، ظفير

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۵۹۶/۵-۵۹۷، ظفير

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا: ۵۷۵/۵، ظفير

(۴) وصح حطها لكله أو بعضه عنه. (الدر المختار) وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف على أجازتها ولابد من رضاها، ففي هبة الخلاصة: خوفها بضرب، حتى وهبت مهرها، لم يصح، لوقادرا على الضرب، آه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۴/۲، ظفير)

(۴) اگر کوئی شخص خلوت میں اپنی زوجہ سے مہر معاف کرالیوے تو معاف ہوجاوے گا، یا نہ؟ گواہوں کی ضرورت تو نہ ہوگی؟

الجواب

زوجہ کے مرنے کے بعد زوجہ کے وارثوں سے اگر مہر معاف کرائے گا، مہر معاف ہوجائے گا، عام اس سے کہ ادائے مہر کی استطاعت ہو، یا نہ ہو اور مہر میں خاوند کا بھی حق ہے، اس کو معاف کرانے کی ضرورت نہیں۔(۱)

(۲) زوجہ کے وارثوں کو مہر اسی طرح پہنچے گا، جس طرح کا اپنا مملوکہ مال پہنچتا ہے۔

(۳) معاف کرانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

(۴) اگر تخلیہ میں زوجہ سے مہر معاف کراوے گا تو وہ عنداللہ معاف ہوجاوے گا؛ لیکن اگر جھگڑا قاضی کے یہاں پیش ہوگا تو وہ بغیر گواہ، یا اقرار زوجہ کے مہر ساقط نہ کرے گا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۴/۸۔۳۲۵) ☆

شوہر کے مرنے کے بعد مہر کے سلسلے میں کس کا قول معتبر ہوگا:

سوال: زید جو ایک مسجد کا امام ہے، اپنے انتقال کے وقت سے پہلے وصیت کرتا ہے کہ میراز رنقد مال غریبوں میں تقسیم کردیا جائے، چناں چہ زید کے انتقال کے بعد اہل محلّہ میں سے ایک مولوی صاحب نے ان کا تمام سامان ان کے ورثا میں تقسیم کردیا۔صرف ان کی مالیت کا تہائی حصہ مبلغ ۱۰/روپیہ برائے تقسیم غربا روک لیا؛ لیکن زید کی بیوہ اس رقم کو اپنے مہر میں لینا چاہتی ہے، مگر مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تم مہر معاف کرچکی ہو، لہٰذا اس کی مستحق نہیں، مسماۃ بیوہ کا بیان ہے کہ اس پر چھ رشتہ دار مرد اور تین عورتوں کی شہادت موجود ہے کہ بیوہ نے بروقت تقسیم ورثہ ہرگز مہر معاف نہیں کیا، لیکن تنہا مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تقسیم ورثہ کے وقت مہر معاف کیا تھا۔اب فرمایئے کہ تنہا مولوی صاحب کا قول نا قابل قبول ہے، یا نہیں؟ یا مسماۃ وہ اور اس کے شاہدوں کا؟ نیز مسماۃ اس وقت معذور اور سخت محتاج ہے، کیا علاوہ مہر کے محتاج ہونے کی حیثیت سے اس کو مقدم سمجھا جائے گا۔

(المستفتی: ۲۲۱۷، حافظ عبدالمجید (میرٹھ) ۲۰/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۳/جنوری ۱۹۳۸ء)

---

(۱) شوہر کا حصہ بیوی کے ترکہ میں نصف (اگر بچے نہ ہو) ہے، ورنہ چوتھائی۔دیکھئے: سراجی وغیرہ۔ظفیر (وأما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد، الخ. (السراجی فی المیراث، ص: ۱۳، انیس)

☆ **نہ معاف کرایا پایا تو کیا حکم ہے:**

سوال: اگر منکوحہ بدون وصول اور بدون معاف کرنے مہر کے فوت ہوگئی تو وہ مہر فی سبیل اللہ خرچ کرنا جائز ہے، یا ورثہ کو دیا جائے؟

الجواب

وہ وارثوں کو پہچانا چاہیے؛ یعنی شوہر اپنا حصہ وضع کرکے باقی دیگر ورثہ کا حصہ ان کو پہنچادے۔(وأما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد، الخ. (السراجی، ص: ۱۳، انیس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۸)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

تنہا مولوی صاحب کا قول درباره معافی مہر مقبول نہیں۔(۱) بیوہ کو پورا مہر ملے گا، اس کے بعد جو کچھ بچے تو اس کی ایک تہائی وصیت میں دی جائے اور دو تہائی وارثوں میں تقسیم ہوگی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۱/۵)

شوہر کی موت کے بعد بیوی سے مہر معاف کروانا کیسا ہے:

سوال: ہندوستان میں عام جگہوں پر یہ رواج اب بھی ہے کہ مسلمان نکاح کرتے ہیں اور بغیر مہر دیئے ہوئے ازدواجی زندگی گزارتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی موت کے بعد لوگ بیوی سے معاف کرواتے ہیں۔کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اس طرح مہر معاف کرنے سے مہر معاف ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مہر معجّل ہو تو فی الفور اس کی ادائیگی لازم ہے، مہر کی ادائیگی سے قبل عورت کو شرعاً یہ اختیار رہے کہ شوہر کو اپنے نفس پر قابو نہ دے اور ہم بستری سے روک دے اور اگر مہر مؤجل ہو تو فی الفور اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے، اس کی ادائیگی کا وقت موت، یا طلاق ہے، اس صورت میں ادائیگی سے قبل عورت کو ہم بستری سے روکنے کا اختیار نہیں ہے۔اگر مہر معجّل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو تو پھر عرف کے اعتبار سے معجّل، یا مؤجل ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے، ہندوستان میں چوں کہ عرف مؤجل ہی کا ہے؛ اس لیے مطلق اگر مہر ہو تو عرفاً مؤجل ہی سمجھا جاتا ہے۔(۳) مہر خواہ معجّل ہو، یا مؤجل بہر دو صورت عورت کا حق لازم ہے، جس کی ادائیگی شوہر پر بہر حال لازم ہے۔دیگر واجبات اور قرض کی طرح یہ بھی ایک قرض ہے اور قرض کی ادائیگی جتنی جلد ممکن ہو کر دینی چاہیے۔ ہندوستان کے اکثر مقامات کا جو رواج ہے کہ مہر ادا نہیں کیا جاتا ہے اور موت کے وقت شوہر معافی کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے، یا دوسرے لوگ عورت کو معاف کرنے پر دباؤ ڈالتے ہیں، یا شوہر اس حال میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے کہ مہر اس کے ذمہ باقی رہتا ہے، یہ طریقہ خلاف شرع ہونے

---

(۱) ادعت امراة على زوجها بعد موته أن لها عليه ألف درهم من مهرها فالقول قولها.(الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثانى عشر: ۳۲۲/۱، ماجدية)

(۲) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبداء بتكفينه ... ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقى بين ورثته.(السراجى، ص:۳، سعيد)

(۳) (ولها منعه من الوطئ) ودواعيه ... (لأخذ مابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتٰى ... (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرطا ... إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا،غاية إلاالتأجيل لطلاق أوموت فيصح للعرف.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر، مطلب فى منع الزوجة نفسهالقبض المهر: ۳۵۸/۲-۳۵۹)

کے ساتھ ساتھ خلاف فطرت انسانی بھی ہے اور اس خاص موقع سے مہر معاف کرانے سے بھی معاف نہیں ہوتا ہے۔(۱) اگر شوہر بغیر مہر ادا کئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کے ترکہ سے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مہر خواہ معجّل ہو، یا مؤجل شوہر کو چاہیے کہ اس کی ادائیگی میں خواہ مخواہ تاخیر نہ کرے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی،۱۲/۸/۱۴۱۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

بیوی مرحوم شوہر کا مہر معاف کردے:

سوال: کسی شخص نے بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، البتہ نیت ادا کرنے کی تھی، اسی اثنا میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد میں بیوی نے مہر معاف کر دیا، کیا ایسی صورت میں مہر ادا ہو جائے گا؟ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پور، کریم نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــ

حقوق معاف ہونے کے لیے صرف اس قدر ضروری ہے کہ معاف کرنے والا اپنی رضا مندی سے معاف کردے، جس کے ذمہ حق باقی تھا، اس کا زندہ رہنا ضروری نہیں، لہذا اگر شوہر کی وفات ہوگئی اور بیوی نے بغیر کسی جبر و دباؤ کے مہر معاف کر دیا تو یہ معاف ہونے کے لیے کافی ہے، البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ مہر جلد سے جلد زندگی میں ادا کردے؛ تاکہ عنداللہ وہ اس قرض سے سبک دوش سمجھا جائے اور بیوی کے معاف کرنے کی احتیاج باقی نہ رہے۔ نیز اگر شوہر نے کچھ ترکہ چھوڑا ہو تو جیسے اس کے دوسرے قرض ادا کئے جائیں گے، بیوی کا مہر بھی ادا کیا جائے گا، یہ مناسب نہیں کہ ترکہ تو دوسرے ورثاء آپس میں تقسیم کرلیں اور بیوہ پر دباؤ ڈال کر مہر معاف کرادیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۹۳)

بیوی نے مہر معاف کر دیا، بیٹے کو مطالبہ کا حق نہیں:

سوال: ہندہ نے اپنی حیات میں اپنا مہر اپنے شوہر زید کے حق میں معاف کر دیا تھا، جس کو چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، اب ہندہ کا لڑکا بکر جس کی عمر اس وقت ۵۷/سال ہے۔ اپنی ماں کے مہر کا طالب ہے۔ کیا بکر کا یہ مطالبہ صحیح ہو سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ہندہ نے اپنی حیات وصحت میں (مرض الموت سے پہلے) مہر معاف کر دیا تھا تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو گیا تھا، اب لڑکے بکر کو اپنے والد مطالبہ کا حق نہیں۔

”وصح حطها لكله أو بعضه، آه“. (الدرالمختار)

”الحط الاسقاط، آه“. (ردالمحتار)

”قبل أو لا، ويرتد بالرد، كما في البحر، آه“. (الدرالمختار)(۱)

---

(۱) والهبة لاتصح بدون الرضى. (ردالمحتار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵۲۲/۴)

(۲) الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والابراء منه: ۱۱۳/۳، سعيد

"والساقط لا یعود، آہ". (الأشاہ) (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۷۰)

طلاق کے بعد مہر کو بخشنا:

سوال: عورت کو بعد از طلاق پانے مہر بخشنے کا حق ہے، یا نہیں؟ والسلام

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حق جیسا کہ کسی اجنبی کے ذمہ قرض ہو تو معاف کر سکتی ہے، اسی طرح طلاق کے بعد مہر کو بھی معاف کر سکتی ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳۵۸/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/صفر/۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۷۲)

کیا لڑکی کے مطالبہ طلاق کی وجہ سے مہر معاف ہو جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے بھائی مجیب عالم کا نکاح تقریباً پانچ ماہ پہلے یاسمین بنت شفیق احمد ضلع رامپور کے ساتھ ہوا تھا، مجیب پہلے ہی کان سے کم سنتا تھا اور زبان میں کچھ ہکلاہٹ تھی، جو شادی سے پہلے کچھ نہیں چھپایا گیا، اب پانچ ماہ کے بعد یاسمین بنت شفیق احمد، مجیب عالم کے گھر میں رہنے سے انکار کر رہی ہے، کافی کوشش کے باوجود بھی آنے کو تیار نہیں ہے اور وہ طلاق مانگ رہی ہے، اس صورت میں ہم کیا کریں طلاق دیں یا نہیں؟ اور اگر طلاق دی جائے تو مہر واجب ہوگا یا نہیں کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر لڑکی اپنی مرضی سے طلاق لے رہی ہے تو مہر نہیں دیا جائے گا؟

(المستفتی: مظہر عالم، نزد مسلم انٹر مسلم کالج دھوبی گھاٹ، کٹگھر، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں جب کہ خود بیوی طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے تو شوہر مہر کی معافی پر طلاق دینے کی شرط لگا سکتا ہے، اگر بیوی اس شرط کے ساتھ طلاق لینے پر راضی ہو تو یہ خلع کی شکل ہو جائے گی اور بیوی کو مہر اور نفقہ نہیں ملے گا، البتہ جہیز وغیرہ کا جو سامان ہے، وہ اسے واپس لینے کی حق دار ہو جائے گی۔

ویسقط الخلع فی نکاح صحیح، والمباراۃ: أی الإبراء من الجانبین کل حق لکل منهما علی

---

(۱) شرح الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، مایقبل الاسقاط من الحقوق: ۶۰/۳، ادارۃ القرآن کراتشی

(۲) وصح حطها لکله أو لبعضه عنه". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی حط المهر والابراء منه: ۱۱۳/۳، سعید)

الآخر مما یتعلق بذٰلک النکاح. (تنویر الأبصار)

وفی الشامیة: قوله کل حق شمل المهر، والنفقة. (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الخلع، کراتشی: ۳/۴۵۲، زکریا: ۵/۱۰۴)

بل کل أحد یعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه کله. (شامی، کراتشی: ۳/۱۵۸، زکریا: ۴/۳۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۲۵۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۴/۱۴۲۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۵۶۷-۵۶۷)

جعلی رسید سے مہر کی معافی:

سوال (۱) زید نے ہندہ سے دو سادہ کاغذ پر بجلی کے پنکھے کی رسید کے بہانے دستخط کرائے اور اس کے بعد زید نے حسب منشا مہروں کی معافی کی تحریر کرلی۔ کیا ایسی صورت میں ہندہ مہر لینے کی حق دار ہے کہ نہیں؟

(۲) ہندہ کے اپنے والدین کے پاس قیام کرنے کے دوران زید نے اس کے والد کے پاس آکر سخت سست کہا اور کہا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اور تقریباً دو ماہ بعد بوقت مغرب جب ہندہ کے والد نماز کے لیے گئے ہوئے تھے، زید اور اس کا بھائی بکر چاقو لیے ہوئے تھے، ہندہ کے گھر گھس گئے، ہندہ اور اس کی بہن نماز میں تھی، ان کی والدہ بعد فراغ نماز ذکر میں تھی۔

یہ دونوں گھر کے اندر داخل ہوئے اور سخت برہم ہوئے، نماز ہندہ اور اس کی بہن نے توڑ دی۔ ہندہ ایک کواڑ میں گھس گئی اور اندر سے بند کردیا اور اس کی والدہ کے چلانے پر ایک پڑوسی آواز دیتا ہوا آیا کہ گھبرانا نہیں، میں آرہا ہوں۔ اتنے میں زید اور اس کا بھائی مفرور ہوگئے۔ اس شوروغل سے اس کے والد جلد مسجد سے پہنچ گئے۔ ان حالات میں ہندہ کو اپنی جان خطرہ اور والدین کے بارے میں شدید نقصان کا اندیشہ ہے؛ اس لیے وہ طلاق کی خواہاں ہے۔ کیا یہ مطالبہ جائز ہے؟

(۳) اس واقعہ کے چھ ماہ بعد جب کہ ہندہ کے والد سفر میں تھے، تقریباً گیارہ بجے رات کو زید نے ہندہ کے مکان میں دیوار سے سیڑھی لگا کر داخل ہونے کی کوشش کی تھی، نہ معلوم کس وجہ سے، وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا، مع معاونین واپس چلے گئے۔

(۴) واقعہ مذکورہ کے تقریباً اندرون ہفتہ محلّہ سے ملحقہ دوسرے محلّہ میں زید کے بہت ہی قریبی ایک دوست کا قتل ہوا، جس کا الزام زید پر عائد کیا گیا، جس کی وجہ سے زید مفرور ہے اور مفرور ہونے کی وجہ سے اس کا اور اس کے والد کا کانگی سب سامان قرق ہوچکا ہے۔ کیا ان حالات میں ہندہ کو طلاق کا مطالبہ جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اس فریب کاری سے مہر معاف نہیں ہوا۔(۱)

(۲) اگر ہندہ نا قابل برداشت مظالم سے مجبور ہوکر اپنے والد کے مکان میں آئی، یا پھر شوہر نے بجائے ظلم سے باز آنے اور شریفانہ طور پر آباد کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا تو یہ بھی ظلم بالائے ظلم ہے۔(۲)

(۳،۴) ہندہ کو حق ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے کہ آپ مجھے شریفانہ طور آباد کریں اور ظلم و بے جا تشدد سے باز آجائیں، ورنہ طلاق دے دیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۷۵)

طلاق کے بعد عدالت نے معاف شدہ مہر کے دینے کا فیصلہ سنایا، کیا حکم ہے:

سوال: میں جزائر ندہ کے پورٹ بلیر کا رہنے والا ہوں اور میری شادی بھی پورٹ بلیر میں ہی ہوئی تھی۔ شادی کے وقت جو مہر قرار دیا گیا تھا، وہ پانچ ہزار روپے تھا، حالانکہ میں اس وقت ملازم بھی نہیں تھا اور نہ میری حیثیت اتنی تھی اور نہ اب ہے کہ اس مہر کو ادا کر سکوں؛ لیکن مجھ کو سسرال والوں نے یہ کہا تھا کہ صرف دکھاوے کے لیے اتنا مہر ہوگا اور مابعد میں تمہاری بیوی تمہیں مہر معاف کر دے گی۔ مختصر یہ کہ شادی کے تین چار مہینے کے بعد میری بیوی نے روبرو پنچ کے مجھے مہر معاف کر دیا اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا، جس میں کہ عرضی نویس نے ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر میری بیوی کا دستخط لیا۔ بیوی کا مجھے مہر معاف کرنا اس کے والدین کو ناگوار گزرا اور ایک دن موقع پا کر جب کہ میں سرکاری نوکری پر تھا، میری بیوی کو لے گئے اور بعد تین سال کے پھر میرے پاس بھیجا۔ میں نے اس کی بدچال چلن کی وجہ سے اسے طلاق دے دیا۔ بعد طلاق کے بیوی نے پانچ ہزار روپے مہر کا میرے اوپر دعویٰ کیا، یہ کہتے ہوئے کہ اس کی نابالغی میں میں نے زبردستی مہر معاف کرالیا۔ ثبوت معافی کے لیے میں نے اپنا گواہ پیش کیا۔ انہیں لوگوں کو جو کہ پنچایت میں شامل تھے۔ ان سبھوں نے کہا کہ میری بیوی نے مجھے مہر معاف کر دیا ہے اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا ہے۔ کاغذ میں پیش نہیں

(۱) ولابد فی صحة حطها من الرضا حتی لو كانت مكرهة، لم يصح، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر:۳/۲٦٤،رشيدية)

(۲) قال الله تعالیٰ:﴿ومن يتعد حدود الله فأولٰئک هم الظالمون﴾(سورة البقرة:۲۲۹)

(۳) قال الله تعالیٰ﴿فإمساک بمعروف او تسريح بإحسان ولا يحل لكم أن تأخذوا مما آتيئموهن شيئا إلا ان يخافا ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فیماافتدت به حدود الله﴾(سورة البقرة:۲۲۹)

"ولابأس به عند الحاجة للشقاق بعد الوفاق بما يصلح للمهر". (الدرالمختار)"(قوله:للشقاق): أی لوجود الشقاق هو الاكتلاف والتخاصم ... السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا،جاز الطلاق بالخلع،الخ. (ردالمحتار، كتاب الطلاق،باب الخلع،سعيد)

کرسکا؛ کیوں کہ وہ مجھ سے کھوگیا تھا۔ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی کی عمر جب کہ اس نے مہر معاف کیا تھا، ساڑھے چودہ برس کی تھی اور اس بات کا بھی پورا ثبوت موجود ہے کہ اس نے مہر اپنی خوشی سے معاف کیا ہے اور نا بالغ نہیں تھی اور شرعاً کوئی لکھت پڑھت کی ضرورت نہیں ہے، اس بنا پر مقدمہ خارج کردیا گیا۔

انہوں نے پھر اپیل کی اور اپیلیٹ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی نابالغ تھی اور مہر زبردستی معاف کرالیا گیا ہے اور میرے اوپر ڈگری پانچ ہزار روپے کی دے دی۔ میں نے پھر ہائی کورٹ میں اپیل کیا، جس نے اپنے فیصلے میں یہ لکھا کہ مثل میں سب باتوں کا یعنی بیوی کی بالغی، مہر خوشی سے معاف کرنا اور کاغذ کا لکھا جانے کا پورے طور سے ثابت ہے اور زبردستی مہر معاف کرانے کا اور بیوی کے ۱/۲ ۱۴ برس کے سن میں نابالغ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ صرف بات یہ رہی کہ پانچ ہزار روپے مہر معافی کے لیے کنٹریکٹ ایکٹ (جو کہ ایک انگریزی قانون ہے) کے مطابق پانچ روپے کے کاغذ کی ضرورت تھی اور اس کا رجسٹری ہونا بھی ضروری تھا، اس وجہ سے مہر کا معاف ہونا بالکل باطل ہے اور میرے اوپر ہائی کورٹ نے پانچ ہزار روپے ڈگری دے دی۔ اب چوں کہ ہائی کورٹ کا فیصلہ آخری ہے؛ اس لیے میں کوئی اپیل وغیرہ کونسل میں نہیں کرسکتا، میں اس کی خاطر دہلی بھی گیا تھا اور آپ نے خود اس بات کا فتویٰ بھی دیا کہ شرعاً اس معاملے میں کوئی لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن اب چونکہ آگے کوئی راستہ نہیں ہے؛ اس لیے میں آپ صاحبان سے ملتمس ہوں کہ آپ لوگ میرے مقدمہ کو آگے بھیجنے کا کوئی ذریعہ نکالیں۔

(المستفتی: ۲۱۶، عبدالاحد کلرک چیف کمشنر آفس، پورٹ بلیر، ۵/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰/فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

مہر کی معافی کے لیے شرعاً تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک معاف ہوگیا۔ یہ مطلب نہیں کہ عدالت بھی اسے تسلیم کرلے گی۔ اگر شرعی عدالت میں بھی شوہر معافی مہر کا دعویٰ کرے تو اس کو معافی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ہاں! شرعی عدالت گواہوں کی شہادت جب کہ گواہ معتبر ہوں، قبول کرلیتی ہے۔ (۱) انگریزی عدالت نے اپنے مروجہ قانون کی مطابقت کا مطالبہ کرتی ہے، یہ کام تمام اہل ملک کا ہے کہ وہ مجموعی طاقت سے قانون بدلوائیں اور یہ پاس کرائیں کہ جب معتبر شہادت معافی کی ہو تو عدالت معافی کی ڈگری دے؛ لیکن جب تک قانون نہیں بدلتا، اس وقت تک انگریزی رعایا کو قانون کے مطابق کاروائی کرنی ہوگی، یا قانون شکنی کرنی ہوگی؛ مگر وہ ایک شخص کے کرنے سے مفید نہیں ہوسکتی۔ جمعیۃ علماء (ہند) آپ کے کیس کو کس طرح ہاتھ میں لے سکتی ہے اور کس طرح آگے چلاسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۵/۵-۱۱۶)

---

(۱) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره كنكاح ... رجلان أو رجل وامرأتان. (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ٤٦٥/٥، سعيد) وفي التنوير: شرطها العقل الكامل والضبط والولاية والقدرة على التميز بين المدعى عليه. (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ٦٢/٥، سعيد)

کیا شرم کی وجہ سے مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے:

سوال: زید مرض الموت میں حالت نزع میں مبتلا تھا، اس وقت چند آدمی اس کے پاس جمع تھے، کئی عورتوں نے زید کی زوجہ کو بلایا اور اصرار کیا کہ اپنے شوہر کا دین مہر معاف کردو، زوجہ نے اس وقت لوگوں کی شرم ولحاظ اور عورتوں کے ضد واصرار سے بنا خوشی وبلا رضا مندی کہہ دیا کہ معاف کردیا۔ آیا یہ معاف کردینا قضاءً ودیانۃً معتبر ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۷، محمد حسین، متعلّم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ یکم اگست ۱۹۳۳ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ معافی اگر عورت کو مجبور ومضطر نہ کیا گیا ہوتو معتبر ہوگی، (۱) محض شرم ولحاظ سے کہہ دینا مجبوری نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ (کفایۃ المفتی: ۱۱۲/۵)

میت کے کان میں مہر معاف کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں ایک رواج ہے، جب کسی کے گھر میت ہوجاتی ہے تو اس کی قریبی عورت اور خاندان اور پڑوس کی عورتیں اپنے اپنے گھر سے گیہوں، چاول، دال، آٹا، مرچ وغیرہ میت کے گھر پہونچاتی ہیں اور پھر وہ سارا راشن کسی غریب کو دے دیا جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ کیا طریقہ ہے، اس طرح سے میت کے گھر پر چیزیں پہونچانی درست ہیں؟ اگر درست نہیں تو عوام کو اس سے کس طرح سے منع کریں اور سمجھائیں، ایسے ہی اگر شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی عورت کو دیگر عورتیں مجبور کرتی ہیں کہ اپنے شوہر کے کان میں کہہ دے کہ میں نے مہر معاف کردیا۔ کیا اس طرح مہر معاف کرانے سے مہر معاف ہوجائے گا، یا اس عدم ادائیگی کا وبال شوہر پر رہے گا؟ (المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

میت کے گھر آٹا، گیہوں وغیرہ راشن پہونچانے کے متعلق کسی حدیث وفقہ کی عبارت نظر سے نہیں گزری، یہ عوام کی ایجاد کردہ ہے۔ نیز غریب وفقیر کو صدقہ کرنا فی نفسہ نیک کام ہے؛ مگر جس کو دینا ہے وہ اپنے گھر سے دے سکتا ہے، میت کے گھر لے جانے کی ضرورت نہیں۔

﴿ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (سورة النحل: ۱۲۵) کے طریقہ سے سمجھایا جائے؛ البتہ تیار شدہ کھانا میت کے پسماندگان کے لیے بھیجنا حدیث شریف سے ثابت ہے؛ کیوں کہ وہ لوگ اپنی مشغولیت وغم کی وجہ سے کھانا تیار نہ کرسکیں گے۔

---

(۱) وإن حط عنه من مهرها صح الحط، لأن المهر حقها والحط يلاقيه حالة البقاء. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۹۵/۲، شركة علمية)

ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم، لقوله صلى الله عليه وسلم: اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم مايشغلهم،الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا: ۱٤۸/۳، كراتشي: ۲٤۰/۲،هٰكذا في الهندية، زكريا: ۳٤٤/٥، جديد: ۳۹۸/٥، قاضي خان على الهندية، زكريا:٤۰٥/۳،جديد:۲۹۲/۳)

اورموت کے بعد کان میں مہر معاف کرنے کی بات کسی صحیح روایت، یافقہ کی عبارت میں دیکھنے میں نہیں آئی، ہاں البتہ مہر معاف کردینے سے معاف ہوجاتا ہے۔

إن المرأ يعامل في حق نفسه كما أقربه،الخ. (قواعد الفقه،أشرفي: ۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۲۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۴/۱۴۱۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۷۱-۷۷۳)

شوہر کے انتقال کے بعد مہر معاف کروانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی کے شوہر کا وہ انتقال ہوگیا اور اس نے مہر ادا نہیں کیا تھا تو پڑوس کے لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا مہر معاف کردے، جو اس نے ادا نہیں کیا ہے تو عورت ان کے اصرار کرنے پر معاف کردیتی ہے۔ آیا یہ معاف کرنا اور کہنا صحیح ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: نظام الدین، بھوپالی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شوہر نے اپنی زندگی میں بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، تو شوہر کے انتقال کے بعد ترکہ میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا لازم ہے، پڑوس کے لوگوں کا بیوی پر اصرار کرتے ہوئے یہ کہنا کہ مہر معاف کردے درست نہیں ہے اور عورت مجبور ہوکر شرم وحیاء کی وجہ سے مہر معاف کردے تو یہ معافی معتبر نہیں سمجھی جائے گی؛ بلکہ عورت کا مہر شوہر کے ذمہ علی حالہ باقی رہے گا، شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۵/ ۱۱۱، جدید زکریا: ۵/ ۲۱۱)

ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السابع في الزيادة في المهر، زكريا: ۳۱۳/۱،جديد زكريا: ۳۸۰/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۵۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۷/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۷۰-۷۷۱)

عورت مرگئی اور مہر معاف کرنے، یا نہ کرنے کا پتہ نہیں:

سوال: ہندہ کا زید سے نکاح ہوا اور اس کے بطن سے دولڑکیاں ہوئیں، جو حیات ہیں۔ کچھ عرصہ سے ہندہ بیمار

بھی ہے، جس کی وجہ سے اس کے وارثان کی خواہش سے وہ مع اپنے شوہر ودختران وسامان وجہیز چڑھاوے وغیرہ کے اپنے والدین کے مکان پر سکونت پذیر ہوگئی۔اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ایک روایت کے مطابق ہندہ نے خود، یا اس کی موت کے بعد اس کے وارثان نے زرمہر معاف کردیا،اس صورت میں اس تقسیم وراثت شرعاً کیا ہے؟اوراگر معافی مہر کی تصدیق نہ ہوسکے تو شرعاً کیا حکم ہے؟اوراگرچہ دختران کی تمام کفالت پدر دختران کررہا ہے؛مگر حق پرورش کس کو پہنچتا ہے؟

(المستفتی:۳۳۶،محمد حسین حامد حسین دہلی،۷/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۰/جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

اگر ہندہ نے مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے تو یہ معافی معتبر نہیں۔(۱)ہاں! ہندہ کی وفات کے بعد جن بالغ عاقل وارثوں نے ہندہ کی معافی سے رضامندی ظاہر کردی، یا از خود مہر معاف کردیا تو ان کا حصہ مہر میں سے معاف ہوگیا، نابالغ وارثوں کا حصہ اوران بالغوں کا بھی جو معافی پر رضامندی نہ دیں، بحالہ قائم ہے،(۲) لڑکیوں کی پرورش کا حق نانی کو حاصل ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۱۸/۵)

بیوی کو قسم دلاکر مہر معاف کروانے سے کیا واقعی معاف ہوجاتا ہے:

(الجمعیۃ،مورخہ ۱۸/مئی ۱۹۲۸ء)

سوال: زید اپنی بیوی سے خلوت میں کہتا ہے کہ اگر تم میری ایک بات مان لو تو کہوں، وہ کہتی ہے کہ اگر ماننے کے قابل ہوگی تو مان لوں گی۔وہ یقین دلاتا ہے کہ ماننے کے قابل ہے۔بیوی دریافت کرتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ مان لوں گی۔بیوی طوعاً وکرہاً شوہر کی ناخوشی کے خیال سے قسم کھالیتی ہے بالآخر زید مہر معاف کرنے کے لیے کہتا ہے، چونکہ عورت قسم کھاچکی ہے، پس معاف کردیتی ہے، کیا مہر معاف ہوگیا۔

الجواب

ایسی قسم کھالینے کے بعد بھی منکوحہ مہر معاف نہ کرنے اوراپنی قسم کا کفارہ دے دینے کی گنجائش تھی؛لیکن اگر اس نے اس

(۱) وفی الدرالمختار: وصح حطها لكله أو لبعضه عنه قبل أولا.وفی ردالمحتار: الحط الإسقاط،كما فی المغرب، وأن لا تكون مريضة مرض الموت.(رد المحتار،كتاب النكاح، باب المهر:۱۱۳/۳، سعيد)

(۲) وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك ... لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء.(رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر:۱۰۲/۳، سعيد)

(۳) وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة:۵۴۱/۱، ماجدية)

گنجائش سے فائدہ نہیں اٹھایا اور مہر معاف کر دیا تو مہر معاف ہو گیا۔ (۱) خاوند اگر عورت سے بطیّب خاطر مہر معاف کرانا چاہے تو بغیر کسی قسم کے دباؤ اور ایچ پیچ کے اس سے صاف صاف درخواست کرے کہ اگر تم خوشی سے اپنا مہر معاف کر دو تو شکر گزار ہوں گا۔ اگر وہ اس کے جواب میں معاف کر دے تو خیر، ورنہ اس پر اظہار ناراضی، یا تشدد نہیں کرنا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۱/۵)

دباؤ ڈال کر مہر معاف کرانا:

سوال: شوہر کے انتقال کے بعد میت کی تعزیت میں آئی ہوئی خواتین بیوہ عورت کو مہر معاف کر دینے پر اصرار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کہہ دو میں نے تمہارا مہر معاف کر دیا تو اس طرح لوگوں کے اصرار پر بیوی مہر معاف کر دے تو کیا اس سے مہر معاف ہو جائے گا، جب کہ بیوی نے دل سے مہر معاف نہیں کیا ہے؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

مہر معاف کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا قطعاً جائز نہیں اور اگر دباؤ ڈال کر عورت سے مہر معاف کرا بھی لے تو اس کا اعتبار نہیں، (۲) مہر شوہر کے ذمہ عورت کا دَین ہے، جب شوہر کا انتقال ہو جائے تو شوہر کے ترکہ میں سے پہلے مہر ادا کرنا چاہیے، پھر تمام ورثا کو اس کا حصہ ملنا چاہیے، یہ بہت ہی ظالمانہ رسم ہے، جو بعض جگہ چل پڑی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۸/۴)

جبراً مہر معاف کرانا:

سوال: اگر کوئی عورت جبر واکراہ سے، یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کر دے تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بتقاضائے نص قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیب نفس کا ہونا ضروری ہے، جبر واکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقوله تعالیٰ: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾ (سورة النساء: ٤) (۳) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۲/۴)

---

(۱) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين ... حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ٣٠٣/١، ماجدية)

(۲) مہر معاف نہیں ہوگا: ”لا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن لا تكون مريضة مرض الموت، هكذا في البحر الرائق“. (الفتاوى الهندية: ٣١٣/١)

(۳) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لئے با دلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن: ۲۹۸/۲، سورۃ النساء)

زبردستی دین مہر معاف کروانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکا تھا، جس کا نام اورنگ زیب تھا، اس کی شادی کو تقریباً ڈیڑھ سال ہوئے تھے، اس کا اب انتقال ہوگیا، شادی میں لڑکی کے گھر والوں نے چالیس ہزار روپئے کا سامان دیا تھا، چالیس ہزار میں لڑکی کا جہیز بھی شامل تھا اور لڑکے کے کپڑے وغیرہ سب اس میں شامل تھے اور لڑکی کو کچھ زیورات ان کے گھر والوں نے دیئے تھے (یعنی لڑکی کے گھر والوں نے) اور نکاح میں دین مہر دس ہزار روپئے اور پانچ اشرفی باندھا گیا تھا، اورنگ زیب کے انتقال کے دو گھنٹے بعد لڑکی کے پاس ایک مولانا صاحب گئے اور کچھ عورتیں گئیں، لڑکی سے کہا کہ دین مہر معاف کردو تو اس لڑکی نے دین مہر معاف کردیا۔ اب تین مہینے کے بعد لڑکی کہتی ہے کہ میں نے دین مہر معاف نہیں کیا تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا دین مہر معاف ہوا، یا نہیں؟

(۲) اور چالیس ہزار روپئے بھی مانگ رہی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ اور اگر دیا جائے گا تو کون ادا کرے گا؟

(۳) دوسرے بھائی نے اس کے رہنے کے لیے مکان بھی دلوایا تھا اور کاروبار کے لیے پچیس ہزار روپئے بھی دیئے تھے اور گھر کا ضروری سامان بھی دیا تھا، اورنگ زیب کی والدہ نے بھی کچھ زیورات دیئے تھے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۴) مرحوم کے گھر میں چار مشینیں ہیں ایک سلائی مشین تین کڑھائی مشین اور مرحوم کا بینک میں تقریباً دس ہزار روپیہ ہے تو یہ کس کو ملے گا؟

(۵) اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے چار مہینہ کا حمل بھی گرا دیا، اپنے ماں باپ کے کہنے پر، حالاں کہ یہ لوگ اب بھی اسے رکھنے کے لیے تیار ہیں، حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

(المستفتی: طفیل احمد مہاراشٹری، ایس کے بہلو ممبئی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) اورنگ زیب کے انتقال کے دو تین گھنٹہ کے بعد کچھ عورتیں اور مولانا صاحب کے لڑکی کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اورنگ زیب کا جنازہ روانہ بھی نہیں ہوا ہوگا تو ایسی حالت میں اس طرح لوگوں کا جا کر کے بیوی پر مہر معاف کرنے سے متعلق اصرار کر کے دباؤ ڈالنا اور ایسی حالت میں مجبور ہوکر کے اس کا مہر معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا؛ بلکہ بطیّب خاطر اور خوشی ومرضی سے معاف کرنے سے معاف ہوتا ہے اور یہاں کوئی خوشی اور مرضی نہیں تھی؛ اس لیے مذکورہ صورت میں مہر معاف نہیں ہوا۔

ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السابع في الزيادة في المهر، زكريا: ۱/۳۱۳، جديد: ۱/۳۸۰)

عن أبی حر ة الرقاشی عن عمه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا یحل مال امرءٍ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة بیروت: ۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢، مسند أبی یعلیٰ الموصلی، دارالکتب العلمیة بیروت: ۹۱/۲،رقم: ١٥٦٧، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت: ۲٦٥/۳، المستدرک للحاکم قدیم: ۹۳/۱، جدید مکتبه نزار مصطفیٰ الباز بیروت: ۱۳۷/۱، رقم: ۳۱۸، بالفاظ دیگر جامع الاحادیث رقم: ۲٦٧٥۹، مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/٥، رقم: ۱۱٤٠۱)

(۲)　چالیس ہزارروپئے مانگنے کی بات بظاہر سوال نامہ میں غلط ہے، البتہ ایسا ممکن ہے کہ چالیس ہزار روپئے لے کر جانبین کی مرضی کے مطابق سامان خریدا گیا ہو؛ اس لیے کہ سوال نامہ خود ہی بتا رہا ہے کہ ان روپیوں کے اندر جہیز کا سامان بھی شامل ہے؛ اس لیے اصل واقعہ اور سوال کی حقیقت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ چالیس ہزار روپئے کے مختلف سامان ہیں تو لڑکی کو وہ تمام سامان واپس لینے کا حق ہے؛ لیکن وہ سامان جس حالت میں ہے، اسی حالت میں لینے کا حق ہے پرانے ہوگئے ہوں تو پرانی حالت میں ٹوٹ گئے ہوں تو ٹوٹی ہوئی حالت میں صحیح سالم اور نئے ہیں تو اسی حالت میں الغرض جو سامان جس حالت میں ہے، اسی حالت میں لینے کا حق ہے، چالیس ہزار روپئے نقد مانگنے کا حق نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا﴾(سورة النساء:٥٨)

ومنها وجوب الأداء إلی المالک؛ لأن أ تعالیأمر بأداء الأمانات إلی أهلها، وأهلها مالکها.

(بدائع الصنائع، کتاب الودیعة، فصل واما بیان حال الودیعة، زکریا: ۳۱۳/٥)

وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع و صیرورة المال أمانة فی یده وجوب أدائه عند طلب مالکه. (الفتاویٰ الهندیة،زکریا: ۳۳۸/٤،جدید: ۳٤۹/۱)

وهی أمانة هذا حکمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب. (الدرالمختار مع شامی، کراتشی: ٦٦٦/٥، زکریا: ٤٥٥/۸)

(۳)　اورنگ زیب کے بھائیوں نے اس کو رہنے کے لیے جو گھر دیا تھا اور کاروبار کے لیے پچیس ہزار روپئے اور گھر کا ضروری سامان دیئے تھے، اگر یہ تمام چیزیں امانت کے طور پر دی تھیں تو یہ تمام چیزیں اورنگ زیب کی ملکیت ہیں اور اس کی وفات کے بعد ترکہ میں شامل ہوں گی اور اورنگ زیب کی والدہ نے جو زیورات اپنی بہو کو دیئے تھے، اس میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر عرف میں ساس کی جانب سے بہو کو اس جیسے زیورات کا مالک بنایا جاتا ہے تو عورت اس کی مالک ہوجائے گی اور اگر عاریت اور استعمال کے طور پر دیا تھا تو وہ زیورات عاریت میں شمار ہوں گے، اسے لینے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۱۳۱/۵-۱۳۲/۵، جدید زکریا: ۱۳۰/۵-۱۳۲، فتاوی دارالعلوم: ۳۶۳/۸)

فلو وهب لذی رحم محرم منه نسباً، ولو ذمیًا،أومستأمنا لایرجع. (شامی، کتاب الهبة، باب للرجوع فی الهبة، کراتشی: ۷٠٤/٥، زکریا: ٥۱۲/۸)

بعث إلی امرأة ابنه متاعاً، ثم ادعیٰ أنه بعث أمانة صدق. (التاتارخانیة، زکریا: ۲۱٠/٤، رقم: ٥۹۹۱)

(۴) یہ سارا سامان مشینیں یہ سب کی سب اورنگ زیب کے ترکہ میں شمار ہوں گے اوران کو چار حصہ کر کے ایک حصہ اورنگ زیب کی بیوی کا حق ہے؛ اس لیے کہ اولاد کی عدم موجودگی میں بیوی کو چوتھا حصہ ملتا ہے۔

ويقسم الباقي بعد ذٰلك بين ورثته أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب،أو السنة. (شامی، كتاب الفرائض، كراتشي: ٧٦١/٦، زكريا: ٤٩٧/١٠، السراجي في الميراث: ٥)

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عندم عدم الولد وولد الابن وإن سفل. (السراجي في الميراث: ١٢)

فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد،أو ولد ابن وإن سفل، والربع لها عند عدمها. (تنوير الابصار مع الشامي: ٧٦٩/٦-٧٧٠، زكريا: ٥١٢/١٠)

(۵) بلا عذر شرعی جان بوجھ کر حمل کا گرا دینا گناہ کبیرہ ہے، حمل گرانے میں جن کا مشورہ شامل ہے، بیوی کے ساتھ وہ بھی گنہگار رہوں گے، سب کے اوپر توبہ لازم ہے۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة،النخسة الهندية: ٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۷۹۲۹/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۲/۱۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷/۱۳-۷۷) ☆

عورت نے شرط پر مہر معاف کردیا، شوہر نے شرط پوری نہ کی تو کیا مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے:

سوال: شوہر نے کہا کہ بی بی تو دین مہر معاف کردے، میں نان نفقہ اور تیرے جملہ حقوق بدستور ادا کرتا رہوں گا۔ بی بی نے شروط مذکورہ کے ساتھ مہر معاف کردیا۔ اس کے بعد اب شوہر نان نفقہ سے بھی کوتاہی کرتا ہے؛ بلکہ بالکل نہیں دیتا تو کیا عورت معاف کئے ہوئے دین مہر کی دوبارہ (عدم وجود شرط کی وجہ سے) مستحق ہوگی، یا چونکہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں شرط کا اعتبار نہیں۔ نیز شوہر کو ہبہ کر کے لوٹانا جائز نہیں ہے، معاف کردہ مہر کی مستحق نہیں ہوگی؟

☆ **زبردستی مہر معاف کرانے کا حکم:**

سوال: ایک شخص نے شادی کی اور تیس ہزار روپے مہر مقرر کیا، بعد میں اس نے اپنی بیوی کو دھمکا کر اس سے مہر معاف کرایا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف ہوجاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا، شوہر کے ذمے بدستور مہر کی ادائیگی واجب رہے گی۔

لمافي الدرالمختار(١٤١/٦): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج على الضرب) وإن هددها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه،خانية. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۵/۵-۲۲۶)

الجواب

اگر بی بی نے یہ کہا ہے کہ معاف کیا ہے کہ اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ تم میرے نان ونفقہ میں کوتاہی نہ کرو اور شوہر نے کوتاہی کی تو عورت کو مطالبہ کا حق ہے اور اگر اس نے مطلقاً بغیر ذکر شرط معاف کر دیا تو اب مطالبہ نہیں کرسکتی، اگرچہ خاوند سخت گنہگار رہوگا۔

"ترکت مهرها للزوج على أن يحج بها فلم يحج بها، قال محمد بن مقاتل: إنها تعود بمهرها لأن الرضا بالهبة كان بشرط العوض فإذا انعدم العوض انعدم الرضا والهبة لا تصح بدون الرضا". (شامی: ۵/۵۷۳، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة) (۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۱۱)

باپ لڑکی کا مہر معاف کر دے تو لڑکی مطالبہ کر سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بالغہ بیٹی کی طلاق اس کے مہر کے عوض بلا اجازت و رضا اور موجودگی کے حاصل کرے اور ضامن بھی نہ بنے تو کیا لڑکی اپنا مہر اصول کرنے کی مجاز ہے، آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ظاہراً باپ لڑکی کی طرف سے وکیل ہے، لہٰذا اصول کرنے کی مجاز نہیں تو عرض یہ ہے کہ الدر المختار مع ردالمحتار (۲/۶۱۵) کی مذکورذیل عبارت:

"خلع الأب صغيرته بمالها أو مهرها طلقت في الأصح، كما لو قبلت هي وهي مميزة ولم يلزم المال لأنه تبرع وكذا الكبيرة، الخ، فأن خالعها الأب علٰى مال (مثل المهر) ضامن له صح والمال عليه كالخلع مع الأجنبي فالأب أولٰى بلا سكوت مهر، أي (سواء كان الخلع على المهر أو علٰى ألف) لأنه لهم يدخل تحت ولاية الأب، إنتهٰى". (۲)

ان عبارات میں اور احسن الفتاویٰ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اور جامعۃ الاسلامیہ کراچی سے مسائل مذکورہ کے متعلق حاصل کردہ فتاویٰ میں ظاہری وکالت کا اعتبار نہیں کیا گیا؛ بلکہ لڑکی کے لیے اصول مہر کا استحقاق ثابت کیا گیا ہے، جواب بالصواب سے نوازیں؟

الجواب

"لأنه لم يدخل تحت ولاية الأب، الخ" کی تعلیل سے ظاہر ہے کہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ والد کو اسقاط مہر وغیرہ کا اختیار نہیں۔ پہلے جواب میں جو کچھ لکھا گیا تھا، وہ بصورت وکالت ہے۔ ہمارے عرف وعادت کے لحاظ سے ایسے معاملات میں عموماً لڑکی کی طرف سے کلی تفویض ہوتی ہے اور وکیل کا طے کردہ قبول ومنظور ہوتا ہے، پوری دیانت

---

(۱) رد المحتار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/۷۱۰، سعيد

(۲) الدرالمختار على ردالمحتار، مطلب في خلع الصغيرة: ۳/۴۵۷-۴۵۸، دارالفكر بيروت، انيس

داری سے فیما بینہ وبین اللہ غور کرلیا جائے اور صورت توکیل کی صوری طور پر بھی اگر پائی گئی تھی تو سابقہ فتاویٰ پر عمل کیا جائے، ورنہ دوسرے فتاویٰ پر عمل کیا جائے۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ (خیر الفتاویٰ:۵۳۵/۴-۵۳۶)

ولی صغیرہ کے معاف کردینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ سے نکاح کیا؛لیکن بوجہ نابالغ ہونے کے خلوت وہمبستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکاوے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔زید نے اس کی اس کی ناجائز حرکت سے ناراض ہوکر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلّہ کے پنچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی۔اس پر پنچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے یہ فیصلہ کردیا کہ چوں کہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے؛اس لیے ہم کو آئندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے، لہٰذا طرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ پر اس طرح پر تحریری فارغ خطی ہوگئی کہ زید سے شوہر کا خرچہ معاف کرادیا اور ہندہ کا بھائی ولی، یا ہندہ خواہ بالغ ہوکر کسی کے بہکانے سے زید پر مہر کا دعویٰ کرے تو وہ شرعاً مہر کی مستحق ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اور ایسی نابالغہ کے مہر کے لیے جس سے صرف نکاح ہوا ہو، خلوت اور ہمبستری نہ ہوئی ہو۔شرعاً کیا حکم ہے، مہر کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مسئلہ میں اگر زید نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی؛لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھ دی ہے، اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی، ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے۔

(خَلَعَ الْأَبُ صَغِيرَتَهُ بِمَالِهَا، أَوْ مَهْرِهَا طَلُقَتْ) فِي الْأَصَحِّ، كَمَا لَوْ قَبِلَتْ هِيَ وَهِيَ مُمَيِّزَةٌ وَلَمْ يَلْزَمُ الْمَالُ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ، آه۔۔۔(فَإِنْ خَالَعَهَا) الْأَبُ عَلَى مَالٍ (ضَامِنًا لَهُ) أَيْ مُلْتَزِمًا لَا كَفِيلًا لِعَدَمِ وُجُوبِ الْمَالِ عَلَيْهَا (صَحَّ وَالْمَالُ عَلَيْهِ) كَالْخُلْعِ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ فَالْأَبُ أَوْلَى (بِلَا سُقُوطِ مَهْرٍ) لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْأَبِ. (الدر المختار)

قال الشامی: (قَوْلُهُ: بِلَا سُقُوطِ مَهْرٍ) أَيْ سَوَاءٌ كَانَ الْخُلْعُ عَلَى الْمَهْرِ أَوْ عَلَى أَلْفٍ مَثَلًا، وَلَكِنْ إذَا كَانَ عَلَى الْمَهْرِ فَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ بِهِ عَلَى الزَّوْجِ، وَالزَّوْجُ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْأَبِ لِضَمَانِهِ. (۹۳۷/۲)(۱)

قلت: وههنا لا يرجع الزوج على أخ المرأة لأنه لم يضمن بل أنه ابرأ الزوج من جانب المرأة وهذا لا يدخل فی معنی الضمان. والله أعلم

۵/ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام:۳۵۶/۳)

(۱)　ردالمحتار، مطلب فی خلع الصغیرة: ۴۵۸/۳، انیس

مہر کی معافی کا حق باپ کو نہیں ہے:

سوال: زید اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں چند گواہوں اور اپنے خسر کے سامنے بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور خسر سے دین بخشوالینا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؛(۱) لیکن دین مہر معاف کر دینا اور بخش دینا بیوی کا کام ہے، اس کے باپ کو اس کا اختیار نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۱۳۵۳/۲/۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۰)

عورت کے باپ کا مہر معاف کر دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح محمد عمر کے لڑکے سے کر دیا، نکاح کے وقت اس نے اپنی بیٹی کا مہر معاف کر دیا تھا کہ میں کوئی مہر وغیرہ نہیں لوں گا۔ اب لڑکی بالغہ ہو چکی ہے، جب رخصتی ہوگئی تو لڑکی نے مہر کا مطالبہ کر دیا کہ میرا مہر ادا کرو۔ لڑکے نے کہا آپ کے والد مہر معاف کر چکے ہیں۔ لڑکی نے انکار کر دیا کہ میں مہر ضرور لوں گی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ والد کے مہر معاف کرنے کے بعد لڑکی کا شرعاً مہر کا مطالبہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

حقِ مہر شرعاً عورت کا حق ہے، کوئی دوسرا شخص اس کو معاف نہیں کر سکتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوقت عقد مہر مقرر کیا گیا ہو اور پھر باپ نے اسے معاف کرنا چاہا ہو تو وہی مقرر کردہ مہر لڑکی کو ملے گا اور اگر بوقت عقد بالکل مہر کا تعین ہی نہ ہو اور اسی وقت باپ نے مہر سے دستبرداری کا اظہار کیا ہو تو پھر لڑکی کو مہر مثل ملے گا؛ لیکن دونوں صورتوں میں لڑکی کو مہر بہر حال ملے گا۔ باپ کے معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور لڑکی کو بدستور اپنے مہر کے مطالبہ کا حق رہے گا۔

لمافی البحرالرائق(۲٦٣/٣،باب المهر) :(قوله:وصح حطها) أى حط المرأة من مهرها لان المهر فى حالة البقاء حقها والحط يلاقيه حالة البقاء والحط فى اللغة الإسقاط كما فى المغرب أطلقه فشمل حط الكل أو البعض... وقيد بحطها لان حط أبيها غير صحيح فإن كانت صغيرة فهو باطل وإن كانت كبيرة توقف على إجازتها.

وفى الشامية(١١٣/٣،مطلب فى حط المهر والابراء منه) : (قوله:وصح حطها) الحط الإسقاط

(۱) ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولوتقديراً.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار،كتاب الطلاق: ٥٧٩/٢)

(۲) (وصح حطها)لكله أوبعضه (عنه) قَبل أولا،ويرتد بالرد.(الدرالمختار) الحط الإسقاط ... وقيّد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لوصغيرة ولوكبيرة توقف على إجازتهاولابد من رضاها.(ردالمحتار باب المهر، مطلب فى أحكام الخلوة: ٣٣٨/٢)

کما فی المغرب وقید بحطها لان حط أبیها غیر صحیح لو صغیرة ولو کبیرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۲۴-۲۲۵)

عورت بخوشی مہر معاف کردے تو باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں:

سوال: زید نے اپنی بیوی کا حق مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا، مذکورہ مہر عورت شادی کے دوسال بعد چار گواہوں کے روبرو بخوشی معاف کر چکی ہے، اب دونوں میاں بیوی راضی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں؛ مگر لڑکی کے والد صاحب کہتے ہیں کہ مہر معاف کرنا ٹھیک نہیں؛ بلکہ ادا کرو۔ شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مہر معاف ہو چکا ہے، اب عورت، یا اس کا کوئی ولی مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

"للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها، أو لم یدخل، ولیس لأحدٍ من أولیاء ها أب ولا غیره الإعتراض علیها، کذافی شرح الطحاوی"، آه. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۲۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفی عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۴/۵۳۳)

عورت کے مہر معاف کرنے پر والد کا اعتراض کرنا:

سوال: بکر نے اپنی بیوی کا حق مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا۔ مذکورہ مہر عورت شادی کے دوسال بعد چار گواہوں کے روبرو بخوشی معاف کر چکی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی راضی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں؛ مگر لڑکی کے والد صاحب کہتے ہیں کہ مہر معاف کرنا ٹھیک نہیں؛ بلکہ ادا کرو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجوابــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

وہ پیسے جو شوہر پر بطور مہر کے ادا کرنا ضروری ہوں، اگر شادی کے بعد عورت اپنی صحت میں بخوشی ان تمام، یا بعض کو ساقط کردے تو شوہر ان ساقط شدہ پیسوں کی ادائیگی سے بری ہو جائے گا؛ کیوں کہ مہر خالصتاً عورت کا حق ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا شوہر اس عورت کے مہر سے بری کردینے کی وجہ سے چار ہزار روپے کی ادئیگی سے بری ہے، پس عورت کے والد کو اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

لمافی النهر الفائق (۲/۲۳۶، کتاب النکاح، باب المهر): وصح حطها أی اسقاطها المهر کلا أو بعضا قبل أو لا... قید بحطها لان حط أبیها لو بالغة یتوقف علی اجازتها ولو صغیرة بطل.

وفی الشامیة (۳/۱۱۳، مطلب فی حط المهر والابراء منه): (قوله: وصح حطها) الحط الإسقاط کما فی المغرب وقید بحطها لأن حط أبیها غیر صحیح لو صغیرة ولو کبیرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها... قوله (لکله أو بعضه) قیده فی البدائع بما إذا کان المهر دینا أی دراهم أو دنانیر لان الحط فی الاعیان لا یصح بحر ومعنی عدم صحته أن لها أن تأخذه منه ما دام قائما فلو هلک فی یده سقط المهر عنه لما فی البزازیة أبرأتک عن هذا العبد یبقی العبد ودیعة عنده، آه. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۲۴)

لڑکی کی ماں کا مہر معاف کرنا:

سوال: ہم نے بیوی کے مرض الموت میں کئی بار اس سے دین مہر معاف کرنے کی درخواست کی؛ مگر اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی نہیں، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا اور مہر معاف نہ ہوسکا، لوگوں کے کہنے پر میری ساس نے اپنی لڑکی کی طرف سے معاف کیا۔ یہ معافی شرعاً صحیح ہوئی، یا نہیں؟ اگر نہیں تو مہر سے برأت کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آپ کی اہلیہ نے اپنا مہر معاف نہیں کیا تو ان کا مہر ان کے دوسرے متروکہ کی طرح وارثوں میں تقسیم ہوگا،(۱) ان کے ایک وارث آپ بھی ہیں اور ان کی والدہ بھی ہیں، اگر آپ لکھیں کہ انہوں نے کس کس کو وارث چھوڑا تو ترکہ کی تقسیم کر کے بتادیا جائے گا۔ وارث معاف کردیں گے تو معاف ہوجائے گا، آپ کی ساس نے معاف کردیا تو ان کا حصہ معاف ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۵/۱۰/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

مہر معاف کرنے پر اولیا کا اعتراض کرنا:

سوال: رات کے وقت اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کردیا تھا تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا، یا کامل (مہر)؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں؛ بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہوجاتا ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے؛ اس لیے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندية: للمرأة أن تهب ما لها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لأحد من أوليائها أبّ ولاغيره الاعتراض عليها. (الفتاویٰ الهندية: ۳۱۶/۸، الباب السابع فی المهر الفصل العاشر فی هبة المهر)(۲) (فتاوی حقانیہ:۳۶۶/۴)

عورت مہر معاف کردے تو ولی کو اعتراض کا حق نہیں:

سوال: ایک عورت بعمر تقریباً پندرہ سولہ سال جو کہ عرصہ چار سال سے حائضہ ہے، اپنے شوہر سے طلاق لینا

(۱) ولیس للأب أن یهب مهر ابنته عند عامة العلماء، كذافی البدائع. (الفتاویٰ الهندیه: ۳۱۶/۱)

(۲) قال العلامة الحصكفی: (وصح حطها) لِكُلّهِ او بعضه (عنه) قبل أولا، الخ. قال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه: تحت هٰذه العبارة (وصح حطها) وقيد بحطها لان حط ابيها غير صحيح لو صغيرةٌ ولو كبيرةٌ توقف على أجازتها ولابد من رضاها. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۱۳/۳، باب المهر، مطلب فی حط المهر وللابواء منه)

ومثلهٗ فی الهداية: ۳۰۵/۲، باب المهر)

چاہتی ہے اور مہر عنداللہ معاف کر چکی ہے، مگر باپ عورت کا مہر ادا کرنے کی صورت میں بحیثیت ولی ہونے کے، طلاق نامہ پر تصدیق کرنے کے لیے آمادہ ہے، ورنہ نہیں؟ یا دستخط کرنے کے لیے ایک معقول رقم کا طالب ہوتا ہے۔

(المستفتی: منشی محمد احسان اللہ، باڑہ ہندوراؤ دہلی)

الجواب

عورت بالغہ کو اپنے مہر کے معاف کر دینے کا حق ہے اور جب کہ وہ مہر معاف کر دے تو پھر کسی ولی کو حق نہیں کہ وہ مزاحمت کرے، (۱) اور اسے لازم ہے کہ حق بات کو ظاہر کر دے اور طلاق نامہ کی تصدیق کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح: محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۳/۵)

مہر معاف کرانے کے لیے حیلے کیا کیا ہو سکتے ہیں:

سوال (۱) جو دین مہر شوہر کی حیثیت سے بہت زیادہ مقرر رہا ہو، ایسے دین مہر سے خلاصی کے لیے کیا کوئی حیلہ ہے؟

(۲) اگر بیوی سے اس مہر کے معانی کے کلمات کسی حیلہ سے کسی اجنبی زبان میں کہلا لے، جسے وہ نہیں سمجھتی اور شوہر نے زوجہ کو اس کی اطلاع بھی نہیں دی تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

(۳) اگر بیوی کو اس بات پر راضی کر لے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے اپنا حق مہر اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ سے بخش دیا؛ یعنی میں اللہ کے یہاں نہیں لوں گی، یا فی تا زیست دنیا میں میرا حق رہا، جب کبھی مجھے ضرورت ہوگی، یا میں تم سے کبیدہ ہوں گی تو حاکم عدالت سے نالش کر کے لے سکوں گی۔ غرض معاف کرانے کا عنوان یہ ہوا کہ اگر تا زیست میں نے تم سے مہر نہ لیا اور تم سے خوش رہی تو بعد مرنے کے اپنا حق معاف کیا تو ایسے معاف کرنے کا کوئی اثر ہوگا، یا نہیں؟ اور اس صورت میں مہر معاف ہو جائے گا، یا نہ؟

(۴) کوئی حیلہ ایسا بھی ہے کہ زید کو اس سے نجات ہو؟

(۵) کیا بیوی کے معاف کرنے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا بھی عدم مواخذہ اخروی کے لیے شرط ہے؟

الجواب

(۱) مہر زوجہ کا دین ہے، شوہر کے ذمہ پر، اس بار سے سبکدوشی کی دو ہی صورتیں ہیں: یا یہ کہ شوہر اس دین کو ادا کرے، یا زوجہ سے معاف کرا دے اور کوئی حیلہ معافی کا نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) لـلمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لأحد من أوليائها أب ولا غيره الاعتراض. (الفتاویٰ الهندية: كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل العاشر: ۳۱۶/۱، ماجدية)

(۲) ومن سمى مهراً فما زاد فعليه المسى إن دخل بها أومات عنها. (الهداية،باب فی المهر: ۳۰۴/۲،ظفير)

وإن حطت عنه من مهر ها صح الحط؛لأن المهر بقاء حقها والخط يلاقيه حالة البقاء. (الهداية،باب المهر: ۳۰۵/۱،ظفير)

(۲) اس طریقہ سے مہر ساقط (معاف) نہ ہوگا۔

(۳) درمختار میں ہے:

(كَمَا لَا يَصِحُّ) تَعْلِيقُ الْإِبْرَاءِ عَنِ الدَّيْنِ بِشَرْطٍ مَحْضٍ كَقَوْلِهِ لِمَدْيُونِهِ: إِذَا جَاءَ غَدٌ أَوْ إِنْ مِتَّ بِفَتْحِ التَّاءِ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَوْ إِنْ مِتَّ مِنْ مَرَضِكَ هَذَا أَوْ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا فَأَنْتِ فِي حِلٍّ مِنْ مَهْرِي فَهُوَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّهُ مُخَاطَرَةٌ وَتَعْلِيقٌ ،الخ. (الدر المختار)

وَذَكَرَ شَمْسُ الْإِسْلَامِ: خَوَّفَهَا بِضَرْبٍ حَتَّى تَهَبَ مَهْرَهَا فَإِكْرَاهٌ، إِنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الضَّرْبِ، وَذَكَرَ بَكْرٌ سُقُوطَ الْمَهْرِ ،لَا يُقْبَلُ التَّعْلِيقُ بِالشَّرْطِ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَوْ قَالَتْ لِزَوْجِهَا: إِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الْمَهْرِ لَا يَصِحُّ ،قَالَ لِمَدْيُونِهِ: إِنْ لَمْ أَقْتَضِ مَالِي عَلَيْكَ حَتَّى تَمُوتَ، فَأَنْتِ فِي حِلٍّ فَهُوَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّهُ تَعْلِيقٌ، وَالْبَرَاءَةُ لَا تَحْتَمِلُهُ ،بَزَّازِيَّةٌ. (شامی)(۱)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ صورت مذکورہ سے مہر معاف اور ساقط نہ ہوگا۔

(۴) کوئی حیلہ ایسا معلوم نہیں۔

(۵) مواخذہ اخروی سے بچنے کے لیے اور دیانۃً معاف ہونے کے لیے گواہوں کا موجود ہونا بوقت معافی ضروری نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۵/۸-۲۵۷)

مہر کے جھوٹے مطالبے کی تلقین کرنے والے امام کی اقتدا:

سوال: ایک پیش امام جو نماز عیدین بھی پڑھاتا ہے، اس کا رویہ یہ ہے کہ ایک مسماۃ جو اپنے شوہر سے مہر معاف کرنے کے بعد طلاق لینا چاہتی ہے۔ پیش امام اس کو اپنی بزرگانہ باتوں کے فریب میں لا کر کہتا ہے کہ تم مہر معاف کیوں کرتی ہو؟ سب لوگوں کے سامنے کہہ دو کہ میں نے مہر معاف نہیں کیا۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

(المستفتی: منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندوراؤ دہلی)

الجواب

مہر معاف کر دینے کے بعد مہر کے مطالبے کی تلقین کرنا گناہ کی بات ہے اور امام مذکور کو معافی مہر کا علم ہو اور پھر وہ کہے کہ اپنا مہر طلب کرو تو وہ ظالم اور معین علی الظلم ہے۔(۲) اگر وہ اس گناہ پر اڑا رہے تو فاسق ہوگا اور اس کی امامت بھی مکروہ ہوگی۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ الجواب صحیح: محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۴۴/۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الهبة، مسائل متفرقة: ٧١٦/٤، ظفير

(۲) ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ٢)

(۳) ويكره تنزيها إمامة عبد وإعرابي وفاسق. (الدر المختار) وفي الشامية: وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لامر دينه وإن في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ٥٦٠/١، سعيد)

نا قابل ہمبستری، خنثی اور مجنون کا مہر

جو عورت قابل مجامعت نہ ہو تو بعد طلاق کتنا مہر لازم ہوگا:

سوال (۱) زید کو اپنی بیوی نے دھوکہ دیا کہ میرے ساتھ مرض ہے؛ مگر حقیقت میں مرض نہیں ؛ بلکہ ہجڑا ہے، اس لائق بھی نہیں کہ اس سے ہم بستری کی جائے، اس صورت میں طلاق کے بعد کتنا مہر ادا کرنا ہوگا؟

ہجڑا مرد پر کتنا مہر لازم ہوگا:

(۲) ایک ہجڑے مرد نے شادی کی؛ مگر وہ اس لائق نہیں ہے کہ اپنی بیوی سے ہم بستری کر سکے تو وہ مہر ادا کرے گا، یا نہیں؟ اگر مہر ادا کرے گا تو کتنا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) صورت مسئولہ میں زید کا نکاح ہجڑہ عورت کے ساتھ شرعاً صحیح ومنعقد ہوگیا، البتہ اگر وہ عورت قابل مجامعت نہیں ہے تو ایسی صورت میں خلوت صحیحہ متحقق نہیں ہوئی، طلاق کے بعد زید پر صرف نصف مہر (مسمیٰ) کی ادائیگی لازم ہوگی۔(۱)

”**(والخلوة) ... (بلامانع حسی) ...(وطبعی) ... (وشرعی) ... (و) من الحسی (رتق) بفتحتين التلاحم (وقرن)**“.(الدر المختار: ۳۳۸/۲)

(۲) عنین مرد کا نکاح مذکورہ عورت سے شرعاً صحیح ومنعقد ہوگیا اور ایسی صورت میں خلوت صحیحہ کے بعد مرد پر پورے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔(۲)

”**والمهر يتأكّد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين**“. (الفتاویٰ الهندية: ۳۰۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی: ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۰)

---

(۱) **إن كان أحدهما مريضاً أو صائما في رمضان أو محرما بحج أو نفل أو بعمرة أو كانت حائضاً فليست الخلوة صحيحة حتى لو طلّقها كان لها نصف المهر**.(الهداية: ۳۲۶/۲)

(۲) **وخلوة المجبوب خلوة صحيحة عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، وخلوة العنين والخصي خلوة صحيحة، كذا في الذخيرة**.(الفتاویٰ الهندية: ۳۰۵/۱)

نا قابل مجامعت عورت کا مہر:

سوال: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور ہندہ رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر گئی، جب زید پہلی رات اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں گیا تو دیکھا کہ یہ عورت جماع کے لائق نہیں ہے۔ اس کی شرمگاہ کا سوراخ بالکل تنگ ہے، ہم بستری ممکن نہیں ہے۔ اب وہ اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو بعد طلاق اس پر کتنا مہر لازم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ ہندہ قابل مجامعت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اگر زید اس کو طلاق دے گا تو اس پر نصف مہر لازم ہوگا؛ اس لیے کہ اس صورت میں خلوت صحیحہ متحقق نہیں ہوتی ہے۔ (۱)

"(والخلوة) ....(بلامانع حسی) کمرض لأحدهما یمنع الوطئ (وطبعی) ... (وشرعی) ... (و) من الحسی (رتق) بفتحتین التلاحم (وقرن) بالسکون عظم (وعضل) بفتحتین غدة". (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر ،مطلب فی أحکام الخلوة: ۳۳۸/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۴/۴)

جو بیوی قابل مجامعت نہ ہو، اس کا مہر لازم ہے، یا نہیں:

سوال: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا اور زید ہندہ کے پاس بغرض صحبت تین شب متواتر گیا، معلوم ہوا کہ ہندہ قابل مجامعت نہیں ہے، عضو مخصوص میں برائے نام سوراخ ہے، پیشاب بھی بمشکل تمام ہوتا ہے۔ اب زید کہتا ہے کہ میں اس کو طلاق دوں گا۔ ہندہ اپنا مہر مانگتی ہے۔ اس صورت میں زید کو پورا مہر دینا ہوگیا، یا نصف؟ اس پر ایک شخص مولوی نور محمد نے پورے مہر کا حکم اور فتوی لکھا ہے، جس پر حضرت مفتی صاحب مدظلہ العلی نئے جواب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

أقول وبیده أزمة التحقیق: صورت مسئولہ میں پورا مہر کسی طرح واجب نہیں؛ کیوں کہ فقہانے تصریح کی ہے کہ رتق کی صورت میں خلوۃ صحیحہ متحقق نہیں ہوتی اور رتق کی تفسیر جو فقہانے کی ہے، اس کے نیچے صورت مسئولہ بھی داخل ہوجاتی ہے۔

کما فی الدر المختار: (و)من الحسی (رتق) بفتحتین: التلاحم (وقرن)بالسکون: عظم، الخ.

وفی الشامی: (قوله: عظم) فی البحر عن المغرب: القرن فی الفرج مانع یمنع من سلوک الذکر فیه، الخ. (۳۴۷/۲)(۲)

---

(۱) إن کان أحدهما مریضاً أو صائما فی رمضان أو محرما بحج أو نفل أو بعمرة أو کانت حائضاً فلیست الخلوة صحیحة حتی لو طلَّقها کان لها نصف المهر. (الهدایة: ۳۲۶/۲)

(۲) ردالمحتار، باب المهر: ۴۶۵/۲، مطلب فی أحکام الخلوة

اور بحر الجواہر میں رتق کے یہ معنی لکھتے ہیں:

”رتق بالفتح ضد الفتق من باب نصر، باندھنا رتقاء زنیکہ باوی دخول نہ کر سکے اور اس کی صرف پیشاب کا روزن ہی ہو“۔ (ص:۱۱۴)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ عورت مذکورہ پر عند الفقہاء وکذا عند الاطباء رتقا ہونا صادق آئے گا، لہذا رتقا کے ساتھ خلوت کا جو حکم ہے، وہی اس عورت کی خلوت کا بھی حکم ہوگا؛ یعنی نکاح کو منعقد تسلیم کیا جائے گا اور اگر خلوت کے بعد زوج طلاق دے کر اس کو جدا کرنا چاہے تو نصف مہر دینا پڑے گا۔

كما في الهداية: وإن كان أحدهما مريضا أو صائما في رمضان أو محرما بحج فرض أو نفل أو بعمرة أو كانت حائضا، فليست الخلوة صحيحة، حتى لو طلقها كان لها نصف المهر. (۳۰۶/۲)

خلاصہ یہ کہ رتق وقران کے ہوتے ہوئے خلوت غیر صحیح کو فقہا نے تسلیم کر لیا ہے اور خلوت فاسدہ غیر صحیحہ کے بعد بصورت طلاق نصف مہر واجب ہو جاتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ بھی بصورت طلاق نصف مہر کی مستحق ہے اور مجبوب کے مسئلہ کے ساتھ اس مسئلہ کو کوئی تعلق نہیں ہے؛ اس لیے کہ مجبوب کی صورت میں خلوت کو فقہا نے فاسد نہیں مانا؛ بلکہ اس کو خلوت صحیحہ تسلیم کرتے ہیں، **فإن هذا من ذاك**. فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۰/۸-۳۰۱)

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت قابل جماع نہیں ہے تو مہر واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنا نکاح کیا، مبلغ ۴ر مہر مقرر ہوا اور بعوض نان ونفقہ پانچ سو روپیہ کی اراضی مسماۃ کے نام کر دی، بعد نکاح کے معلوم ہوا کہ یہ عورت قابل وطی واولاد کے نہیں ہے، لہذا وہ شخص اس کو طلاق دینا چاہتا ہے، مہر واجب ہے، یا نہیں؟ اور نان ونفقہ کے عوض جو کچھ دیا گیا، اس کی مالک ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں طلاق دینے سے نصف مہر شوہر لازم ہوگا، (۱) اور نان ونفقہ کے لیے جو کچھ شوہر نے اس عورت کو دے دیا، وہ اس کی مالک ہو گئی، اس کی واپسی اب نہیں ہو سکتی۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۱/۸)

---

(۱) رتقاء وغیرہ عورت سے نکاح جائز ہے، حتی کہ خیار فسخ نکاح بھی نہیں۔

ولا يتخير أحد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشا كجنون وجذام وبرص ورتق وقرن. (الدر المختار)

رتق بالتحريك انسداد مدخل الذكر وقرن كفلس لحم ينبت في مدخل الذكر كالغدوة وقد يكون عظما. (رد المحتار، باب العنين وغيره: ۸۲۲/۲، ظفیر)

اگر ایسی عورت ہو تو خلوت کے باوجود نصف مہر ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں خلوت نہیں ہوتی۔ (دیکھئے: باب المہر: ۴۶۵/۲)

صرف خنثی مشکل سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر یہ صورت ہے تو یہ الگ بات ہے۔ ظفیر

لڑکی جو قابل وطی نہ ہو، اس کا مہر:

سوال: ایک شخص کا نکاح ایک لڑکی سے ہوا؛ مگر لڑکی وطی کے قابل نہیں ہے۔ نکاح ہوا، یا نہیں؟ بعد میں باہم یہ فیصلہ ہوا کہ جو کچھ جہیز لڑکی کا تھا، وہ لڑکی والے کو مل جاوے اور جو زیورات وغیرہ لڑکے والے کے تھے، وہ لڑکے والے کو مل جاویں، چناں چہ لڑکی اپنا جہیز لے گئی اور ہمارا زیور دے گئی، اب اس کو طلاق دی جائے، یا نہیں؟ اور مہر ہم پر کس قدر لازم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نکاح ہوگیا تھا اور بطریق خلع جو فیصلہ ہوگیا، وہ صحیح ہوگیا؛ لیکن اگر خلع وغیرہ کا لفظ نہیں بولا اور طلاق بھی نہیں دی تو نہ مہر معاف ہوا، نہ طلاق پڑی اور جب کہ عورت قابل وطی کے نہ ہو تو اس سے اگر خلوت بھی ہو، تب بعد طلاق کے نصف مہر لازم آتا ہے؛ کیوں کہ وہ خلوۃ صحیحہ نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۱/۸-۳۳۲)

نا قابل جماع عورت کا نکاح ومہر:

سوال: زید نے ایک عورت سے شادی کی، اس عورت کو جب اپنے گھر لایا تو اس میں کوئی علامت عورت ہونے کی نہیں پائی؛ یعنی پستان بالکل نہیں، ایام ماہواری تیس سال کی عمر تک نہیں ہوئے، جائے مخصوص اس طریق پر واقع ہوئی ہے: ''o'' جس سے مجامعت نہیں ہوسکتی اور اس مقام پر ہڈی ہے، جو قابل آپریشن نہیں ہے۔ اب اس عورت کے والدین اس عورت کا علاج کررہے ہیں اور اس کی کوشش ہے کہ جائے مخصوص صحبت کے قابل ہوجائے؛ مگر عرصہ دس ماہ گزرا، آرام نہیں ہوا۔

پھر اگر جائے مخصوص قابل جماع ہوجائے تو مجامعت جائز ہوگی؟ جب کہ ڈاکٹرنی کہتی ہے کہ اس سے اولاد نہ ہوگی۔ جائے مخصوص میں چوں کہ دوا کا استعمال ہورہا ہے، اس کی رگڑ سے کچھ خون آجاتا ہے، جس کا کوئی وقت معین نہیں، کیا وہ دھبہ ایام ماہواری میں شمار ہوسکتا ہے اور اس صورت میں نکاح قائم رہ سکتا ہے اور ایسی جگہ مرد اپنی خواہش پوری کرسکتا ہے؟ اور اس صورت میں عقد جائز ہے یا نہیں؟ اور مہر کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں اگر معاینہ کے بعد وہ عورت مرد کی مجامعت کے قابل ہوجائے تو مرد کو اس سے صحبت درست ہوگی، اولاد ہونے کی توقع ہو، یا نہ ہو۔ نکاح کی غایت جیسے توالد وتناسل ہے، اسی طرح حرام سے بچنا اور عفت سے

---

(۱) والخلوة بلامانع حسي، الخ، ورتق: التلاحم، الخ، وقرن بالسكون: عظم وعفل بفتحتين غدة. (الدرالمختار) في البحر عن المغرب: القرن في الفرج مانع يمنع من سلوك الذكر فيه. (ردالمحتار، باب المهر: ٤٦٥/٢، ظفير)

رہنا بھی ہے اور اس وقت بھی مہر پورا واجب ہوگا اور جو خون آتا ہے، اگر وہ دوا، یا رگڑ وغیرہ کی وجہ سے آتا ہے تو اس کو حیض نہیں کہا جائے گا اور اگر بلا رگڑ ہی آتا ہے اور اقل مدت حیض تک پہونچ جاتا ہے تو اس کو حیض کہا جائے گا اور جب تک معالجہ کے بعد صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کے سات تنہائی خلوت صحیحہ شمار نہ ہوگی، لہذا اگر ایسی حالت میں مرد طلاق دے گا تو پورا مہر واجب نہ ہوگا؛ بلکہ نصف مہر واجب ہوگا۔

"ویجب نصفه (أی نصف المهر) بطلاق قبل وطء أو خلوة". (الدرالمختار: ۲/۲ ۵۱)(۱)

"ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء أو قرناء أو عقلاء أو شعراء، كذا فی التبيين". (الفتاویٰ الهندية: ۲/ ۳۱۵) (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۹/۱/۱۳۵۴ھ۔ الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۳/۱/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۱۰۳-۱۰۴) ☆

---

(۱) الدرالمختار، باب المهر: ۳/ ۱۰۴، سعيد

(۲) الفتاوی الهندية، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی: ۱/ ۳۰۵، رشيدية

☆ نا قابل جماع عورت کا مہر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری لڑکی کی شادی آج سے تقریباً آٹھ ماہ قبل محمد عالم کے ساتھ ہوئی تھی، نکاح کے بعد رخصتی ہوئی، رات جب دونوں ایک جگہ ہوئے تو میری لڑکی حق زوجیت ادا نہ کرسکی؛ کیوں کہ اس کی شرمگاہ بند تھی، اس کے بعد بھی وہ تین بار اپنے شوہر کے پاس گئی؛ لیکن حق زوجیت ادا نہ کرسکی، اب میرے گھر پر ہے اور اس کو طلاق ہو رہی ہے، ان حالات کے مدنظر میری لڑکی کو مہر نکاح لینا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: سراج الدین)

باسمه سبحانه و تعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ لڑکی کی شرمگاہ تنگ ہونے کی وجہ سے وہ قابل مجامعت نہیں ہے اور اس کی ڈاکٹری جانچ بھی ہو چکی ہے اور لڑکی والے بھی اس بات کا اقرار کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان جو تنہائی ہوئی ہے، شرعی طور پر یہ تنہائی معتبر نہیں ہے؛ اس لیے اب اگر طلاق ہو جاتی ہے تو یہ قبل الدخول طلاق کے حکم میں ہے تو ایسی صورت میں شوہر پر صرف نصف مہر ادا کرنا واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا فرزانہ آدھا مہر مانگنے کا حق رکھتی ہے، پورا مہر اس کو نہیں ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۳/ ۲۶۸، جدید ڈابھیل: ۱۲/ ۱۰۳، عزیز الفتاوی: ۱/ ۴۴۰)

وإن طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمىٰ. (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، طبع ديوبند: ۲/ ۳۲۴)

ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء، أو قرناء، أو عفلاء أو شعراء، كذا فی التبيين. (الهندية، زكريا قديم، كتاب النكاح، الباب السابع فی المهر الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة، قديم: ۱/ ۳۰۳، جديد: ۱/ ۳۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۱۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۴/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۲۰-۷۲۱)

رتقا اور عنین کی خلوت سے وجوب مہر کا حکم:

سوال (۱) ہندہ کی عمر ۲۰/۲۲ سال ہے، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خلوت کے قابل نہیں، شرمگاہ بند ہے، بغیر آپریشن کے قابل جماع نہیں، ایسی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا، یا پورا؟

(۲) اس کا نفقہ کس پر واجب ہوگا؟

(۳) اگر شوہر ہی قابل جماع نہ ہو تو پھر نفقہ کس پر ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اگر شرمگاہ کا سوراخ اس قدر تنگ ہو کہ اس میں جماع نہیں کیا جا سکتا، خواہ ہڈی کی وجہ سے، یا غدود کی وجہ سے تو اسی عورت کے ساتھ خلوت کرنے سے پورا مہر لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ نصف مہر لازم ہوگا۔(۱)

(۲) جب کہ وہ شوہر کے مکان پر رہے گی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوگا۔(۲)

(۳) اگر شوہر بھی جماع پر قادر نہیں، خواہ حیض ہونے کی وجہ سے، یا مریض ہونے کی وجہ سے، تب بھی اس کو خلوت سے پورا مہر لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ نصف مہر لازم ہوگا۔

”والخلوة بلامرض أحدهما خلوة كالوطء وأشار بالمرض إلى المانع الحسي وصححه بعدم الفرق بين مرضه ومرضها“. (البحر: ۱۵۳/۳)(۳)

اگر شوہر نامرد ہے تو اس کی خلوت معتبر ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۲/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۰۵-۱۰۶)

رتقا کو طلاق دینے پر نصف مہر لازم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بھائی کی شادی آٹھ ماہ پہلے ہوئی تھی، لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ حق زوجیت ادا کر سکے، اس کی شرمگاہ بند ہے، اس وجہ سے لڑکی حق زوجیت ادا نہیں کر سکتی ہے، ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق اس کا علاج امریکہ میں ہو سکتا ہے، دوران علاج جان کا بھی خطرہ ہے، علاج کے لیے اتنا خرچ نہ لڑکی والے کر سکتے ہیں اور نہ لڑکے والے اور اس مرض کا علم لڑکی والوں کو پہلے سے تھا،

---

(۱) ویجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة، الخ“. (الدر المختار، باب المهر: ۱۰٤/۳، سعید)

(۲) ومفهومه أنها إن كانت في بيته، فلها النفقة ... وحاصله أن المنقول في ظاهر الرواية وجوب النفقة للمريض، سواء كان قبل النقلة أو بعدها، وسواء كان يمكنه جماعها أولا. الخ“. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب النفقة: ۳۰۷/٤-۳۰۸، رشيدية)

(۳) البحر الرائق، باب المهر: ۲٦۷/۳، رشيدية

لڑکے والوں کو دھوکہ دے کر رکھا گیا، یہ پتہ چلا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو دولہن دیکھنا چاہتے تھے، لڑکی سسرال میں تین دن رہ چکی ہے، تینوں مرتبہ حق زوجیت ادا نہ کرسکی۔ اب لڑکی اپنے گھر رک گئی ہے، طلاق کی نوبت آگئی ہے، لڑکی کے والدین مہر کا مطالبہ کررہے ہیں۔ ان حالات میں لڑکے پر مہر ادا کرنا واجب ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد عتیق، بروالان، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جس عورت کی شرم گاہ اس طرح بند ہو کہ حق زوجیت پورا نہ ہوسکے تو جب اس کا شوہر اسے طلاق دے دے تو اس کا نصف مہر شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

كما في الهداية: فليست الخلوة صحيحة حتى لو طلقها كان لها نصف المهر؛ لأن هذه الأشياء موانع. وفي الفتح: ومن فصل الموانع ذكر منها الرتق، والقرن، والعفل. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا: ۳/۳۲۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۶۱۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۴/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۲۱-۲۲)

عورت قابل جماع نہ ہو تو نصف مہر واجب الادا ہوگا:

سوال: زید کی شادی ہوئی اور تخلیہ ہوا؛ مگر اتفاق سے زوجہ میں ایسی خامی پائی گئی کہ مجامعت کے وقت دخول نہیں ہوسکا، باوجود کوشش کے یہ خامی دور نہ ہوسکی۔ عرصہ دراز تک یہ دونوں اسی طرح باہم رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مقررہ مہر بذمہ خاوند واجب الادا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۵۷۸، محمد خاں صاحب، ملک مالوہ، ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۷/جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب ــــــــــــــــــ

اگر عورت ایسی ہے کہ جماع ممکن نہیں؛ یعنی دخول حشفہ بھی نہیں ہوسکتا تو اس کا نصف مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا اور اگر بقدر حشفہ دخول ہوسکے تو پورا مہر لازم ہوگا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۲۶)

نا قابل جماع عورت کے مہر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت کے صرف پیشاب کا ایک سوارخ ہے اور پستان

(۱) ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۴، سعيد) وفي الهندية: ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء أو قرناء أو عقلا أو شعراء. (الفتاوىٰ الهندية، النكاح، البابالسابع، الفصل الثاني: ۱/۳۰۵، ماجدية)

بھی ہے؛ مگر صحبت کے قابل نہیں، تب اس نے اس کو طلاق دے دیا، اب اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے، یا نہ؟

الجواب

جس عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے، جماع کی جگہ نہیں ہے، اس سے خلوت کرنا مؤکد مہر نہیں، لہذا جب اس کو طلاق دے دی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے، مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں۔

قال فی العالمکیریة: ومن الموانع لصحة الخلوة أن تکون المراة رتقاء أو قرناء أو عفلاء أو شعراء، کذا فی التبیین. (۲۴/۲)(۱)

۱۸/محرم ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۵۵/۳)

جو عورت وطی کے قابل نہ ہو، اُسے خلوت کے بعد طلاق دینے سے کتنا مہر واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ہوا، شبِ زفاف میں لڑکی نے کہہ دیا کہ میں تمہاری بیوی بن کر نہیں رہ سکتی، بہن بن کر رہ سکتی ہوں: کیوں کہ میں بیوی بننے کے قابل نہیں ہوں، مگر لڑکے کو یقین نہیں آیا اور اس نے صحبت کی کوشش کی، جس کے بعد وہ سمجھ گیا کہ واقعۃً لڑکی نے صحیح کہا ہے، لڑکی نے ساری حقیقت بتائی کہ اس میں بالکل خواہش نہیں ہے اور اس کی پیشاب کی جگہ میں صرف ایک سوراخ ہے، جس سے وہ صرف پیشاب کر سکتی ہے، اس لڑکی نے شادی سے پہلے والدین کو منع بھی کیا تھا، اُنہوں نے پھر بھی شادی کر دی، فی الحال لڑکی اس کے والدین کے ساتھ ہے اور وہ آنے کو منع کر رہی ہے؛ مگر والدین اپنی عزت بچانے کی غرض سے کہہ رہے ہیں کہ لڑکی بیمار ہے، اس پر آسیب کا اثر ہے، حالاں کہ عاملین کو بھی دکھا چکے ہیں، اُنہوں نے بھی کہہ دیا کہ لڑکی میں ایسے کچھ اَثرات نہیں ہیں۔ اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق کی نوبت آ گئی تو وہ لوگ مہر کا مطالبہ کر رہے ہیں، شرعاً لڑکے پر مہر واجب ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وبالله التوفیق

مسئولہ صورت میں اگر واقعۃً بیوی وطی کے قابل نہیں ہے تو یہ خلوت صحیح نہیں ہوئی، اب اگر شوہر طلاق دے گا تو اس پر صرف آدھا مہر واجب ہوگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ﴾(سورة البقرة: ۲۳۷)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أنه قال فی الرجل: یتزوج المرأة یخلو بها فلا یمسها ثم یطلقها لیس لها إلا نصف الصداق؛ لأن اللّٰه تعالیٰ یقول: ﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة: ۳۰۵/۱، دار الفکر بیروت، انیس

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (البقرة: ۲۳۷)(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصداق،باب الرجل يخلو بامرأته ثم يطلقها قبل المسيس: ۴۱۵/۷،مكة المكرمة)

ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة. (الدر المختار مع الشامي: ۲۳۵/۴،زكريا)

ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء أو قرناء أو عفلاء. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۰۵/۱، كذا في الدر المختار،مطلب في أحكام الخلوة: ۲۵۰/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۲۵/۳/۱۶ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۴۲۵/۸۔۴۲۶)

خنثیٰ عورت کو مہر ملے گا، یا نہیں:

سوال: جب کہ ہندہ کے کوئی علامت مذکر ومؤنث کی نہیں اور نہ پستان،صرف راستہ پیشاب مثل ایک بہت تنگ سوراخ کے ہے،ایسی حالت میں اس کا مہر نصف لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

جب کہ ہندہ خنثیٰ مشکل ہے،جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا،لہذا مہر بھی لازم نہ ہوگا، نہ کل،نہ نصف۔

درمختار میں ہے:

"فخرج الذكر والخنثىٰ المشكل والوثنية لجواز ذكورته،الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۲۰)

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ رہے،اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے:

سوال: بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز رحمٰن بیگ سلمہ کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے،جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی،جب لڑکی بالغ ہوئی،ہم بستری کے لیے اپنے شوہر کے پاس سوئی،شوہر ہمبستری یعنی جماع کے لیے امادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک ہیٹی حائل ہوئی،جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا،دوسرے روز صبح زنانہ شفاخانہ کی لیڈی نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان چھاتیاں ابھری ہیں،مردوں کا سا سینہ صاف ہے۔اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲/سال ہے،عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا،شفا خانہ کے معائنہ کرانے کے بعد بھی،آخر جب عزیزوں نے مجبور کیا،تب صاف صاف بیان کیا،لیڈی ڈاکٹرنی جو انگریزی میم تھی،پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کرو،یہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے،لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جاوے گی تو اس پہلی عورت کا جو نا قابل مرد ہے،اس کا حق اپنے شوہر پر رہے گا، یا نہیں

(۱) الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵۶/۲،ظفير)

أى أن ايراد العقد عليها لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتها له. (ردالمحتار: ۳۵۶/۲،ظفير)

رہے گا؟ مہر پانچ سو روپیہ کا ہے، طلاق ابھی نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی، جب اس پہلی سے نجات ملے گی، دوسری شادی جہاں ہوگی، بات چیت سب طے ہوگئی ہے؛ مگر اس ہی بنا پر اڑی ہوئی رکی ہوئی ہے کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے، یا نہیں؟ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ کا حق اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہوا، یا نا جائز، جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی؟ حدیث سے سب باتوں کے جواب سے شاد فرماویں۔

الجواب

(وَالْخَلْوَةُ)...(بِلا مَانِعٍ حِسِّيٍّ)...(وَطَبْعِيٍّ)...(وَشَرْعِيٍّ)...(وَ)مِنْ الْحِسِّيِّ(رَتَقٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: التَّلاحُمُ (وَقَرْنٌ) بِالسُّكُونِ: عَظْمٌ (وَعَفَلٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: غُدَّةٌ (وَصِغَرٌ) وَلَوْ بِزَوْجٍ (لا يُطَاقُ مَعَهُ الْجِمَاعُ...{كالوطء فيما يجيء أي في ثبوت النسب وتأكد المهر}(٥٥٩/٢)(١)

وفيه أيضاً:(وَتَجِبُ) الْعَشَرَةُ (إنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا وَ) يَجِبُ (الْأَكْثَرُ مِنْهَا إنْ سَمَّى) الْأَكْثَرَ وَيَتَأَكَّدُ (عِنْدَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ صَحَّتْ) مِنْ الزَّوْجِ (أَوْ مَوْتِ أَحَدِهِمَا) أَوْ تَزَوَّجَ ثَانِيًا فِي الْعِدَّةِ...(وَ) يَجِبُ (نِصْفُهُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ) فَلَوْ كَانَ نِكَاحٌ عَلَى مَا قِيمَتُهُ خَمْسَةٌ كَانَ لَهَا نِصْفُهُ وَدِرْهَمَانِ وَنِصْفٌ (وَعَادَ النِّصْفُ إلَى مِلْكِ الزَّوْجِ بِمُجَرَّدِ الطَّلَاقِ إذَا لَمْ يَكُنْ مُسَلَّمًا لَهَا، وَإِنْ) كَانَ (مُسَلَّمًا) لَهَا لَمْ يَبْطُلْ مِلْكُهَا مِنْهُ بَلْ (تَوَقَّفَ) عَوْدُهُ إلَى مِلْكِهِ (عَلَى الْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا)(٥٤٤/٢)(٢)

وفيه أيضاً في باب القسم:(يَجِبُ) ... (أَنْ يَعْدِلَ) ... (فِيهِ) أَيْ فِي الْقَسْمِ بِالتَّسْوِيَةِ فِي الْبَيْتُوتَةِ (وَفِي الْمَلْبُوسِ وَالْمَأْكُولِ) وَالصُّحْبَةِ (لا فِي الْمُجَامَعَةِ) كَالْمَحَبَّةِ بَلْ يُسْتَحَبُّ .وَيَسْقُطُ حَقُّهَا بِمَرَّةٍ وَيَجِبُ دِيَانَةً أَحْيَانًا... (بِلا فَرْقٍ بَيْنَ فَحْلٍ وَخَصِيٍّ وَعِنِّينٍ وَمَجْبُوبٍ وَمَرِيضٍ وَصَحِيحٍ) وَصَبِيٍّ دَخَلَ بِامْرَأَتِهِ وَبَالِغٍ لَمْ يَدْخُلْ، بَحْرٌ بَحْثًا، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَمَرِيضَةٍ وَصَحِيحَةٍ (وَحَائِضٍ وَذَاتِ نِفَاسٍ وَمَجْنُونَةٍ لا تُخَافُ وَرَتْقَاءَ وَقَرْنَاءَ) وَصَغِيرَةٍ يُمْكِنُ وَطْؤُهَا وَمُحْرِمَةٍ وَمُظَاهِرٍ وَمُولًى مِنْهَا وَمُقَابِلَاتِهِنَّ، وَكَذَا مُطَلَّقَةٌ رَجْعِيَّةٌ إنْ قَصَدَ رَجْعَتَهَا وَإِلَّا لَا، بَحْرٌ.(٦٥٥/٢)(٣)

ان عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ:

(۱) اس عورت سے نکاح درست ہو گیا ہے اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر وہ مہر کامل کی مستحق ہوگی، اسی طرح اگر یہ زوجہ مرگئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حق دار(۴) ہوں گے۔

---

(۱) الدر المختار،مطلب في حط المهر والإبراء منه:١١٤/٣،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) الدر المختار،باب المهر:١٠٣/٣-١٠٥،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) الدر المختار،باب القسم بين الزوجات:٢٠٢/٣-٢٠٥،دار الفكر بيروت،انيس

(۴) اوران ورثہ میں شوہر بھی ہے،اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہوجاوے گا۔اشرف علی

(۲)　اور اگر طلاق نہ دی گئی؛ بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری کی طرح نفقہ وسکنی اور شب باشی میں مساوات کی مستحق ہوگی،(۱) اس کا حق ان امور میں دوسری سے کم نہ ہوگا۔ ہاں صرف جماع مساوات کی مستحق نہیں؛ کیوں کہ وہ جماع کے قابل ہی نہیں، اگر قابل بھی ہوتی، جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں، صرف مستحب ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۱/جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۶۹)

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ رہے، اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے:

سوال:　ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر سترہ برس کی ہے، اس کی شادی (ایک شریف نوجوان پردیسی کسی شخص سے کرتے ہیں)، بعد رخصتی شب عروسی کے اول وقت میں جب کہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پند کرنے جاتی ہے تو عورت نہایت شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا، یہ درست ہے، میں اس کو سن کر کیا کروں، میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس، یا وہ میرے پاس آ سکیں، میں مجبور ہوں، زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سا نہیں ہے، قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اس پر اس کی ساس دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے، کہا جاتا ہے کہ شادی کیوں کرائی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بحث بھی ہوئی؛ مگر میرے والد کو ڈانٹا، جو میں نے سنا اور مجھے بھی خاموش کر دیا گیا، میں مجبور تھی، چناں چہ لڑکے کو ہنوز اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا، اس کے والدین کو بلایا گیا، وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر واپس کریں گے، علاج کرایا گیا، چار برس سے ہنوز آرام نہیں ہوا۔ لڑکا حیران ہے، کہتا ہے کہ طلاق ہی دلا دو، میں دوسری جگہ شادی کرلوں، میری عمر ضائع مت کرو، اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر اور ہمارا سامان واپس کردو۔ لڑکا غریب ہے، مجبور ہے، لڑکا کہتا ہے: میرا اس میں کیا قصور ہے؟ کیا مجھے دھوکہ دیا جاوے، محض کسی ناجائز لالچ سے جس کی تم کو خبر تھی، افسوس ہے۔ امید ہے کہ بامہر فتوی مرحمت فرماویں اور چوں کہ حضور سادہ کارڈ پر جواب صادر فرماویں گے، کچھ تفصیل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ سمجھ سکے، حضور کے جواب کا انتظار ہے:

(۱)　یہ کہ ایجاب قبول ہوئے، یا نہیں؟

(۲)　نکاح ہوا، یا نہیں؟

---

(۱)　الْمَرْأَةُ إِذَا كَانَتْ رَتْقَاءَ، أَوْ قَرْنَاءَ، أَوْ صَارَتْ مَجْنُونَةً، أَوْ أَصَابَهَا بَلَاءٌ يَمْنَعُ عَنْ الْجِمَاعِ، أَوْ كَبِرَتْ حَتَّى لَا يُمْكِنُ وَطْؤُهَا بِحُكْمِ كِبَرِهَا كَانَ لَهَا النَّفَقَةُ سَوَاءٌ أَصَابَتْهَا هَذِهِ الْعَوَارِضُ بَعْدَمَا انْتَقَلَتْ إِلَى بَيْتِ الزَّوْجِ، أَوْ قَبْلَ ذَلِكَ إِذَا لَمْ تَكُنْ مَانِعَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ كَذَا فِي الْمُحِيطِ. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول فی نفقة الزوجة: ۱/۵۴٦، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳)　اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا، یانہیں؟ جب کہ یہ عورت اوراس کے ماں باپ کا قصور ہے۔ زیادہ والسلام

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگیا؛ کیوں کہ صحت نکاح کے لیے عورت کا عورت ہونا کافی ہے، قابل جماع ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چوں کہ یہ طلاق قبل از دخول وخلوت صحیحہ ہے؛ اس لیے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہ ہوگا، ہاں نصف مہر واجب ہوگا اور مہر عورت کا حق ہے، جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اگر بیوی مہر کو معاف کردے تو وہ اپنا حق معاف کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۲/رجب ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۳/۲۷۰)

جو عورت مرض کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو، اس کے مہر کا حکم:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کرکے رخصتی کرا کر اپنے مکان میں لایا، جب شب خلوت کو ارادہ مجامعت ومصاحبت کا کیا تو مقامِ دخول کو بالکل ضیق وتنگ ولا معلوم پایا، فی زمانناطبیبہ قابل میم پاس کردہ شدہ سے تجویز وملاحظہ کرایا گیا، میم مذکورہ نے بعد ملاحظہ کے صاف طور سے کہہ دیا کہ یہ عورت فی الحقیقت عورت ہی نہیں ہے؛ بلکہ مخنثہ ہے اور یہ حرج ہرگز وہر آئینہ اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا ہے اور کبھی ہرگز مرد کے لائق ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ پس ایسی صورت میں ہندہ اپنا مہر زید سے پاسکتی ہے، یانہیں؟ اور بر تقدیر اول کس قدر مہر پاسکتی ہے اور بر تقدیر دغا وفریب دیدہ ودانستہ ولی ہندہ نے جو شادی کردی، زید اپنی شادی کا خرچہ پاسکتا ہے، یانہیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب

فی الدرالمختار، باب المهر: "(وَالْخَلْوَةُ) مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ قَوْلُهُ الْآتِي كَالْوَطْءِ (بِلَا مَانِعٍ حِسِّيٍّ) كَمَرَضٍ لِأَحَدِهِمَا يَمْنَعُ الْوَطْءَ (وَطَبْعِيٍّ) كَوُجُودِ ثَالِثٍ عَاقِلٍ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ، وَجَعَلَهُ فِي الْأَسْرَارِ مِنَ الْحِسِّيِّ، وَعَلَيْهِ فَلَيْسَ لِلطَّبْعِيِّ مِثَالٌ مُسْتَقِلٌّ (وَشَرْعِيٍّ) كَإِحْرَامٍ لِفَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ .(وَ) مِنَ الْحِسِّيِّ (رَتَقٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: التَّلَاحُمُ (وَقَرْنٌ) بِالسُّكُونِ: عَظْمٌ (وَعَفَلٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: غُدَّةٌ (وَصِغَرٌ) وَلَوْ بِزَوْجٍ (لَا يُطَاقُ مَعَهُ الْجِمَاعُ".

وفی ردالمحتار: "(قَوْلُهُ عَظْمٌ) فِي الْبَحْرِ عَنِ الْمُغْرِبِ: الْقَرْنُ فِي الْفَرْجِ مَانِعٌ يَمْنَعُ مِنْ سُلُوكِ الذَّكَرِ فِيهِ إِمَّا غُدَّةٌ غَلِيظَةٌ أَوْ لَحْمٌ أَوْ عَظْمٌ وَامْرَأَةٌ رَتْقَاءُ بِهَا ذَلِكَ، آه، وَمُقْتَضَاهُ تَرَادُفُ الْقَرَنِ وَالرَّتْقِ (قَوْلُهُ وَعَفَلٌ) بِالْعَيْنِ الْمُهْمَلَةِ وَالْفَاءِ، وَقَوْلُهُ غُدَّةٌ بِالْغَيْنِ الْمُعْجَمَةِ: أَيْ فِي خَارِجِ الْفَرْجِ .فَفِي الْقَامُوسِ إِنَّهُ شَيْءٌ يَخْرُجُ مِنْ قُبُلِ الْمَرْأَةِ شَبِيهٌ بِالْأُدْرَةِ لِلرِّجَالِ". (۲/۵۵۵)(۱)

(۱)　الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب فی حط المهر والإبراء منه: ۱۱٤/۳، دارالفکر بیروت، انیس

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محض ایسے امراض کے ہونے سے یہ نہیں کہ عورت عورت نہ رہے، البتہ خلوت ایسی عورت کے ساتھ حکم جماع میں نہیں؛ اس لیے اس خلوت سے پورا مہر لازم نہ آوے گا، البتہ اگر اس کو طلاق دے گا تو نصف مہر لازم آوے گا اور اگر زوجین میں سے کوئی مر گیا تو پورا مہر لازم ہوگا۔

۱۶/ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۹۴) (امداد الفتاویٰ جدید:۳۰۸/۲-۳۰۹)

مہر دینے کے بعد عورت خنثی مشکل نکلی تو مہر واپس لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید ہندہ کے ساتھ عقد ہو گیا اور ہندہ کے والیان کو مہر وغیرہ ادا کر دیا، بعدہ بوقت خلوت صحیحہ ہندہ خنثی مشکل ثابت ہوئی۔ آیا زید ہندہ کے والیان سے مہر وغیرہ خرچ شدہ لے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

خنثی مشکل سے نکاح صحیح نہیں ہوتا، درمختار میں اس کی تصریح ہے۔ پس جب کہ نکاح صحیح نہ ہو تو مہر وغیرہ کچھ واجب نہ ہوگا اور شوہر نے جو کچھ دیا، واپس لے سکتا ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۶۰/۸)

نا قابل وطی عورت کو طلاق دینے پر نصف مہر واجب ہوگا:

سوال: ایک عورت سولہ سالہ نے ایک شخص سے نکاح کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ عورت قابل وطی نہیں ہے، اگر مرد عورت کو طلاق دے تو عورت مذکورہ مستحق مہر ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال في الدرالمختار: (ولا يتخير أحدهما) أى الزوجين (بعيب الآخر) فاحشا كجنون وجذام وبرص ورتق وقرن.

وفي الشامي: (ورتق) بالتحريك: إنسداد مدخل الذكر.

ثم قال في الدر المختار: وله شق رتق أمته وكذا زوجته وهل تجبر؟ الظاهر نعم، لأن تسليم الواجب عليها لا يمكنه بدونه، نهر. (شامی، مجتبائی: ۵۹۷/۲) (۲)

اس عبارت فقہی سے معلوم ہوا کہ زوجہ میں عیب مذکور ہونے سے نہ نکاح میں کوئی خلل آیا اور نہ خیار فسخ حاصل ہوا۔ ہاں! زوج کو یہ ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے طلاق دے دے اور مہر ادا کرنا پڑے گا، البتہ بجائے کامل مہر کے نصف مہر ساقط ہو جائے گا، نصف مہر ادا کرنا ہوگا، لقولہ تعالیٰ:

---

(۱) عقد يفيد ملك المتعة أى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعى فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵٦/۲)

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب العنين: ۵۰۱/۳، دارالفكر بيروت، انيس

﴿فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ﴾ (الآية)(۱)

اور چوں کہ عیب مذکور مانع وطی ہے؛ اس لیے خلوت ہوجانے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، لما فی الدر المختار فی ذکر الموانع:

(وَ) مِنَ الْحِسِّيِّ (رَتَقٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: التَّلَاحُمُ، الخ. (۲)

خلاصہ یہ کہ صورت مذکورہ میں نصف مہر واجب ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم (امداد المفتین: ۲/۴۷۱)

خلوت صحیحہ کے بعد شوہر پر پورا مہر واجب ہوجاتا ہے، چاہے شوہر عنین ہو:

سوال: زید کا زینب سے نکاح کئے ہوئے صرف ایک مہینہ کا عرصہ ہوا تھا کہ زینب اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی، جب زید نے زینب کو اس کے گھر جا کر بلایا تو وہ کہتی ہے تو تم مرد نہیں ہو، تم نامرد ہو، تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔ یہ کہتے ہوئے اَڑ کر بیٹھی ہے اور مہر کا دعوی کرتی ہے۔ زید پر نامردی کا جو دھبہ لگایا گیا ہے، اس صورت میں آیا اس پر مہر واجب ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

هو المصوب: زید اپنی عورت سے اگر خلوۃ صحیحہ کر چکا ہے تو گو وہ عنین ہو، اس پر اپنی عورت کا پورا مہر دینا واجب ہے، چناں چہ درمختار کے باب المہر میں لکھا ہے:

(وَالْخَلْوَةُ) ... (بِلَا مَانِعٍ حِسِّيٍّ) ... (وَطَبْعِيٍّ) ... (وَشَرْعِيٍّ) ... (كَالْوَطْءِ) فِيمَا يَجِيءُ (وَلَوْ) كَانَ الزَّوْجُ (مَجْبُوبًا أَوْ عِنِّينًا أَوْ خَصِيًّا) ...(فِي ثُبُوتِ النَّسَبِ) وَلَوْ مِنَ الْمَجْبُوبِ (وَ) فِي (تَأَكُّدِ الْمَهْرِ) الْمُسَمَّى (وَ) مَهْرِ الْمِثْلِ بِلَا تَسْمِيَةٍ وَ (النَّفَقَةِ وَالسُّكْنَى وَالْعِدَّةِ وَحُرْمَةِ نِكَاحِ أُخْتِهَا وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا) فِي عِدَّتِهَا. (۳)

اور شرح الوقایہ کے باب العنین میں لکھا ہے:

ولها كل المهر إن خلابها، انتهى.

ہاں اگر خلوۃ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا، جیسا کہ اسی میں لکھا ہے:

ونصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة صحت، انتهٰى. فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۵۷)

---

(۱) ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷، انیس)

(۲) الدرالمختار: ۳/۱۱٤، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) الدرالمختار، باب المهر: ۳/۱۱۵-۱۱۸، دارالفکر بیروت، انیس

خلوتِ صحیحہ کے بعد نا مرد شوہر کامل مہر دے گا:

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا، جب کہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دیا تھا تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا، یا کامل؟

الجواب

مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں؛ بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے، اس لئے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندية: وخلوة المجبوب خلوةٌ صحيحةٌ عند أبی حنيفة وخلوة العنين والخصّی خلوة صحيحة. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۰۵، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة)(۱)

(فتاوی حقانیہ: ۴/۳۶۷)

شوہر پاگل ہو تو مہر کا مطالبہ کس سے ہو اور کب:

سوال: ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے ہوا، رخصتی سے پہلے وہ شخص پاگل ہو گیا اور گھر سے نکل گیا، جس کو نکلے ہوئے تقریباً چھ سال گزر چکے، اب تک کچھ پتہ اس کی موت و حیات کا معلوم نہیں، لڑکی کے والدین مہر طلب کرتے ہیں، اس صورت میں لڑکے کے ورثہ کے ذمہ مہر واجب ہے تو کس قدر؟ نیز لڑکی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

مہر مؤجل کا حکم شرعاً یہ ہے کہ بعد طلاق، یا موت احد الزوجین اس کا مطالبہ عورت، یا اس کے ورثہ کر سکتے ہیں۔ پس اس صورت میں کہ زوج مفقود الخبر ہے، جب تک اس کی موت کا حکم نہ کیا جاوے، اس وقت تک عورت اور اس کے والدین مطالبہ دین مہر کا نہیں کر سکتے اور مہر اس صورت میں پورا بذمہ شوہر لازم ہے اور اس کی زوجہ چار سال کے بعد عدت وفات 'دس دن چار ماہ' پوری کر کے نکاح ثانی کر سکتی ہے، جیسا کہ امام مالکؒ کا مذہب ہے؛ کیوں کہ دربارہ نکاح حنفیہ نے بھی امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے اور میراث پر فتویٰ نہیں ہے، اس میں نوے برس کی عمر، یا موت اقران وغیرہ پر فتویٰ دیا ہے، یا مفوض الی رای الحاکم ہے۔

---

(۱) قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحمه الله: وإذا خلا المجبوب بامرأته ثمّ طلّقها فلها كمال المهر عند أبی حنيفة رحمه الله، وقال: عليه نصف المهر لأنه اعجز من المريض بخلاف العنين... لأن الحكم ادبر على سلامة إلا له، الخ. (الهداية: ۲/۳۰۶، باب المهر)

ومثلهٗ فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۱۱۷-۱۱۸، باب المهر، مطلب فی أحكام الخلوة

كما في الشامي(قوله: خلافالمالک) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم وأما الميراث فمذهبهما في التقدير بتسعين سنة أو الرجوع إلى رأى الحاكم. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۹۹-۳۰۰)

دیوانہ کی بیوی کیا کرے:

سوال: ہندہ کا شوہر مسلوب الحواس ہوگیا، آیا ہندہ نکاح ثانی کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور ہندہ اپنے شوہر سے طلاق لے سکتی ہے، یا نہیں؟ اور مہر وصول کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور جب کہ شوہر مسلوب الحواس کی جائیداد اس قدر ہے کہ وہ زوجہ کے بار کفالت کی ذمہ داری ہوسکتی ہے تو اس صورت میں زوجہ کو دعویٰ مہر کا حق شرعاً حاصل ہے، یا نہیں۔؟

الجواب

مسلوب الحواس اور دیوانہ کی زوجہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، (۲) اور دیوانہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی، (۳) اور نہ خلع ہوسکتا ہے، مہر اگر مؤجل ہے تو شوہر دیوانہ کے مرنے کے بعد اس کی جائداد سے اس کی زوجہ مہر لے سکتی ہے، فی الحال دعویٰ نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ مہر مؤجل کا مطالبہ طلاق، یا موت کے بعد ہوسکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں طلاق تو ہو نہیں سکتی، لہٰذا بعد موت شوہر دعویٰ مہر کا ہوسکتا ہے۔ (۴) (ہذا کلہ فی کتب الفقہ) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۰۷)

☆ ☆ ☆

(۱) ردالمحتار، كتاب المفقود: ۲/۴۵۶، مطلب في الافتاء بمذهب الإمام مالك في زوجة المفقود

(۲) ولايتخير أحدهما أى الزوجين بعيب الآخر فاحشا لجنون وجذام، الخ. (الدرالمختار على هامش رد المحتار: ۲/۸۲۲، باب العنين وغيره، ظفير)

(۳) لا يقع طلاق المولى على امرأة عبد (إلى قوله) والمجنون. (الدرالمختار: ۲/۲۱۷، ظفير)

(۴) ولو كان المهر مؤجلا (إلى قوله) ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أوبالطلاق وروى عن أبى يوسف ما يؤيد هذاالقول، كذا في البدائع. (عالمگیری کشوری: ۲/۳۳۱، ظفير)

متفرقات مہر کے مسائل

زنا کی اجرت کو مہر بنانا:

سوال: ایک مرد کسی عورت کو اجرت پر لے کر اس سے زنا کرے، اس اجرت کو اس کا مہر ٹھہرائے تو شرعاً اس کو حد لگائی جاوے گی، یا نہیں؟ اور اگر حد کا مستحق نہیں تو معلوم ہوا، یہ فعل جائز ہے، اگر نا جائز ہوتا تو شرعا حد لگائی جاتی۔ کیا یہ متعہ نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

واضح رہے کہ حد شرعاً وہ سزا جو من جانب اللہ مقرر ہو، یہ سزا بعض اوقات شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے؛ یعنی کوڑے لگانا، یا سنگسار کرنا، اس کے ساقط ہونے سے آدمی جرم سے بری نہیں ہوتا؛ بلکہ حکومت مختار ہے کہ وہ جو سزا مناسب سمجھے، جاری کرے، جیسا کہ کوئی بدمعاش آدمی جانور سے بدفعلی کرتا ہے، یا لڑکے سے فعل بد کرتا ہے تو اس صورت میں بھی حد نہیں؛ بلکہ حکومت وقت کو اختیار ہے کہ جو سزا از قسم قید، یا ضرب وغیرہ مناسب سمجھے، دے سکتی ہے تو ایسی سزا کو جو حکومت کے اختیار میں ہوتی ہے، تعزیر کہتے ہیں تو کیا حد واجب نہ ہونے سے آپ لواطت بہیمہ کو جائز کہہ دیں گے، جس طرح یہ دونوں فعل جائز نہیں، ایسے ہی کسی عورت سے زنا پر مستاجری کرانا بھی نا جائز ہے اور متعہ شریعت میں حرام ہے۔

نیز واضح رہے کہ عورت کو زنا پر مستاجری کرنے میں امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک حد لازم ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ سخت گناہ ہے، اس میں حد لازم نہیں ہے؛ لیکن تعزیر ہے؛ یعنی حاکم کے اختیار میں ہے کہ ایسے مرد و عورت کو جو سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے، چناں چہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۱۹/۵) میں یہ تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۲/۲/۴، ۱۳۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۵۳۱/۴)

زنا میں مہر (عقر) کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو کیا وہ عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے، نیز بچہ زنا کرے تو کیا حکم ہے؟ مہر لازم آتا ہے، یا عقر؟ عقر کسے کہتے ہیں؟ از راہِ کرم مسئلے کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر بالغ مرد اور بالغہ عورت زنا کے مرتکب ہوں تو کسی قسم کا مہر، یا عقر لازم نہیں آتا؛ بلکہ حد جاری ہوتی ہے۔ یہ اصول ہے کہ دار الاسلام میں کوئی بھی وطی ہوگی، وہ حد، یا مہر سے خالی نہ ہوگی، نکاح صحیح سے ہو؛ تب تو مہر کامل ادا کرنا

ہوگا، جوکہ عورت کے لیے شرف وعظمت ہے، وطی حرام زنا ہوتو حد جاری ہوگی؛ لیکن اگر وطی حرام میں شبہ آجائے، مثلاً بچہ زنا کرلے، یا عورت پر بچہ اکراہ کرکے جماع کرے تو یہ سب شبہات ہیں، ان کی بنا پر حد ساقط ہوجائے گی اور عقر لازم آئے گا۔ عقر سے مراد آزاد عورت کا مہر مثل ہے اور باندی کا عقر اس کی قیمت کا دسواں حصہ اگر کنواری ہو اور بیسواں حصہ اگر ثیبہ ہو۔ الغرض عقر کی تحدید میں مہر کا دخل ہے اور وطی حرام میں شبہ ہو تو حد نہیں؛ لیکن عقر آئے گا۔

لما فی التاتار خانية (٣٦٣/٦): وإذا زنی صبی بصبية فلا حدّ عليهما وعليه المهر ولو أقر الصبی بذلک لا يلزمه شیء با قراره ولو زنی صبی بامرأ ة حرة بالغة فاذهب عذر تها ا لصبی وهی مكرهة فإنه يضمن المهر بخلاف ما إذا كانت مطاوعة.

وفی الهندية (٣٢٥/١): وتفسير العقر الواجب بالوطء فی بعض المواضع وتقديره، قال الشيخ الإمام نجم الدين: سألت القاضی الإمام الإسبيجابی عن ذلک بالفتوی؟ فكتب هو العقر أنه ينظر بكم تستأجر للزنا لو كان حلالا، يجب ذلک القدر كذا نقل عن مشايخنا، كذا فی الخلاصة، وفی الحجة: روی عن أبی حنيفة رحمه الله تعالی قال: تفسير العقر، هو ما يتزوج به مثلها وعليه الفتوی، كذا فی التتارخانية.

وفی الدرالمختار (١٦٠/٣): الوطء فی دار الإسلام لا يخلو عن حد أو مهر. وفی الشامية تحته: وكذا لو زنی بثيب وهی نائمة فلا حد عليه ولا عقر أو بكر بالغة دعته إلی نفسها وأزال عذرتها وعليه المهر لو مكرهة أوصغيرة أو أمة.

وفيه أيضا (١٠٠/٣): العقر هو مهر مثلها فی الجمال أی ما يرغب به فی مثلها جمالا فقط.

وفی الموسوعة الفقهية (٢٦٢/٣٠): العقر بضم ما تعطاه المر اة علی وطء الشبهة... وفی الاصطلاح نقل ابن عابدين عن الجوهرة: أن العقر فی الحرائر مهر المثل، وفی الإماء عشر القيمة، لو بكراً، ونصف العشر لو ثيباً. (نجم الفتاویٰ: ۲۰۷/۵، ۲۰۸)

مزنیہ سے نکاح کیا، پھر طلاق دی تو مہر کتنا ملے گا:

سوال: زید نے زینب کے ساتھ زنا کیا، جب لڑکا پیٹ میں پیدا ہوا تو زینب کا نکاح زید کے ساتھ پڑھا دیا، بعد تین روز کے ہمبستر ہوکر تین طلاق دے دی۔ زینب کو پورا مہر ملے گا، یا نصف؟

الجواب

اس صورت میں زینب کا نکاح زید کے ساتھ صحیح ہوگیا تھا، (۱) اور صحبت کے بعد طلاق دینے سے پورا مہر زینب کا زید کے ذمہ لازم اور واجب الاداء ہوگیا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۲۰-۳۲۱)

---

(۱) صح نكاح حبلی من زنا، الخ، ثم لو نكح الزانی حل له وطؤها. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، فصل فی المحرمات: ٤٠١/٢، ظفير)

(۲) وتجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر منها إن سمی الأكثر ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٥٤/٢، ظفير)

مطلقہ مزنیہ کے مہر کا حکم:

سوال: اگر عورت شوہر کی نافرمان ہو، یا زنا وغیرہ صادر ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینے پر مہر لازم آئے گا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے سے مہر دینا واجب اور لازم ہو جاتا ہے، اگر چہ عورت نافرمان ہو، یا اس سے زنا کا صدور ہوا ہو، وہ طلاق کے بعد بہر حال اپنے مہر کی مستحق ہے۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٢٤): ﴿وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾

وفى صحيح البخارى (كتاب الطلاق باب صداق الملاعنة : ٨٠٠/٢): عن سعيد بن جبير، قال: قلت لابن عمر: رجل قذف امرأته، فقال: فرق النبى صلى الله عليه وسلم بين أخوى بنى العجلان، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، فقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، ففرق بينهما، قال أيوب: فقال لى عمرو بن دينار: إن فى الحديث شيئا لا أراك تحدثه؟ قال: قال الرجل مالى؟ قال: قيل: لا مال لك، إن كنت صادقا فقد دخلت بها، وإن كنت كاذبا فهو أبعد منك.

وفى الشامية (١٠٢/٣، كتاب النكاح، باب المهر) : (ويتأكد) أى الواجب من العشرة أو الاكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه... قال فى البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع، آه. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۶/۵)

بدکار عورت کا مہر:

سوال: زید کی بیوی ایک بدچلن اور بدکار عورت ہے، متعدد گواہوں کی عینی شہادت سے اس کی آوارگی اور بدکاری ثابت ہو چکی ہے، اس کو ایک غیر مرد سے ناجائز تعلق بھی ہے۔ اس صورت میں اس کو طلاق دینے اور ادائیگی دین مہر کی کیا نوعیت ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

زید کو اختیار ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دے؛(۱) لیکن اس کے مہر کی ادائیگی زید پر واجب ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۱۰/۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ لِي امْرَأَةً لا تَرُدُّ يَدَ لامِسٍ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَطَلِّقْهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، قَالَ: فَأَمْسِكْهَا إِذَنْ. (مسند الشافعى ترتيب السنجر، باب إنكار لون الولد، رقم الحديث: ١٢٠٦، انيس)

(۲) وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعدذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعدتأكده لايحتمل السقوط إلا بالإبراء. (ردالمحتار: ٣٣٠/٢)

زانیہ عورت اپنے شوہر سے مہر پانے کی مستحق ہے:

سوال: ایک عورت نے کسی مرد سے زنا کیا، چند آدمیوں نے دونوں کو ایک چار پائی پر دیکھا اور عورت نے اقرار کیا اور زانی مرد بھی زنا کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زانی عورت مہر لینے کی حق دار ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۳۸۹ محمد عمر محمد ظفر، گوڑ گاؤں، ۸/ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۶/ اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب

اس صورت میں بھی شوہر کو مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۲/۵)

بدکار بیوی مہر کی مستحق ہوگی:

سوال: زید کی بیوی ہندہ بدکار ہے، جس کا اظہار ہندہ کے والد اور ہندہ کی بستی کے چند لوگوں نے بھی کیا۔ اس صورت میں ہندہ اپنے شوہر سے دین مہر پانے کی مستحق ہے، یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

بیوی اگر چہ بدکار ہو؛ لیکن شوہر کے ذمہ اس کا مہر واجب ہوتا ہے؛ اس لیے شوہر کو اس کا مہر دینا ہوگا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۵/۸/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

کسی کی عورت اگر اعلانیہ زنا کرتی ہو تو مہر کی مستحق ہے، یا نہیں:

سوال: خالد نے رحیبہ سے ڈھائی سو روپے مہر مؤجل کے ساتھ نکاح کیا۔ چند برس دونوں نے خوش اسلوبی سے باہم زندگی بسر کی۔ کچھ دنوں کے بعد بمقتضائے ضرورت کسب معیشت خالد کو سفر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ادھر مخفی طور سے رحیبہ نے اپنے شیشہ عصمت کو سنگ سفاحت سے توڑنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ بے محابا مطلق العنان ہو کر اعلانیہ برسر بازار بام نشیمن ہو کر سفاحت وزنا کاری کو اپنا پیشہ بنالیا۔ بے چارہ خالد دو برس سے متنفر ہو کر اس سے منقطع التعلق ہو کر اس تردد وفکر میں ہے کہ اگر لفظ طلاق کا اس کو کہتا ہوں تو دین مہر کا معاملہ پیش آتا ہے اور نہیں کہتا ہوں تو خلاف شریعت ہوتا ہے اور ایسی حالت میں ایسی باغیہ طاغیہ کو مہر کا روپیہ ادا کرنا ہرگز ہمت گوارا نہیں کرتی؛ اس لیے استفتاء

---

(۱) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل، لا يسقط منه شئ بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۳۰۳/۱، ماجدية)

(۲) وإذا تأكّد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكّده لايحتمل السقوط إلا بالإبراء. (ردالمحتارباب المهر: ۳۳۰/۲)

کرتا ہوں، اگر خالد اس کو طلاق دے تو ایسی عورت کو از روئے شرع شریف کے مہر کا روپیہ بھی ادا کرنا ہوگا اور ادا نہ کرنے سے خالد عنداللہ ماخوذ ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۴۳۷، امام مسجد (ضلع پٹنہ) ۲۴؍ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس فسق وفجور کی وجہ سے اس کا حق مہر ساقط نہیں ہوا۔(۱) مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے اور ایسی صورت میں طلاق دے دینا بہتر ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۳/۵-۱۳۴)

بیوی کو غیر کا حمل ہو جائے تو بھی وہ مستحق مہر ہوگی:

سوال: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی؛ مگر ہندہ کو حمل کسی غیر مرد سے ہوگیا۔ پس ہندہ نے بلاکسی جبر وتشدد از خود اپنی زبان سے اقرار کیا، زید از خود ہندہ کے اقرار پر طلاق دینا چاہتا ہے، دریں صورت اگر زید نے طلاق دے دی تو ہندہ اپنے مہر کی مستحق ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں ہندہ اپنا مہر پانے کی مستحق ہوگی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۴/۱۰/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

اگر کسی عورت کو بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہو تو کیا پھر بھی وہ مہر پائے گی:

سوال: اول عشرہ جمادی الثانی میں مسماۃ ہندہ کا عقد مسمی بکر کے ساتھ ہوا، تقریباً دو ماہ تک مسماۃ مذکورہ اپنے شوہر کے پاس رہی، عشر سویم ماہ ذی قعدہ میں مسماۃ مذکورہ لڑکا پیدا ہوا؛ مگر ضعیف القویٰ جو زندہ ہے، ایسی حالت میں مسماۃ مذکورہ مہر کا حق رکھتی ہے، یا نہیں؟ اور بچہ کے پرورش شوہر کے ذمہ ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ﴿واتوا النساء صدقاتهن نحلة﴾ (سورة النساء: ٤)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين ... لا يسقط منه شئ بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ٣٠٣/١، ماجدية)

(۲) ويجب لو فات الامساك بمعروف. (الدرالمختار، كتاب الطلاق: ٢٢٩/٣، سعيد)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي امْرَأَةً لا تَرُدُّ يَدَ لامِسٍ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَطَلِّقْهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، قَالَ: فَأَمْسِكْهَا إِذَنْ. (مسند الشافعي ترتيب السنجر، باب إنكار لون الولد، رقم الحديث: ١٢٠٦، انيس)

(۳) وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. (ردالمحتار باب المهر: ٣٣٠/٢)

الجواب

جب کہ ہندہ سے بکر نے خلوت وصحبت کی ہے تو مہرا پورا بذمہ بکر لازم ہوگیا؛ کیوں کہ نکاح اس صورت میں صحیح ہوگیا ہے اور اصل یہ ہے کہ مہر مجرد نکاح سے لازم ہوجاتا ہے؛ لیکن احتمال سقوط رہتا ہے، جب شوہر نے وطی کرلی، یا خلوت صحیحہ پائی گئی تو کل مہر واجب الادا ہوجاتا ہے۔

ردالمختار میں ہے:

وَأَفَادَ أَنَّ الْمَهْرَ وَجَبَ بِنَفْسِ الْعَقْدِ لَكِنْ مَعَ احْتِمَالِ سُقُوطِهِ بِرِدَّتِهَا أَوْ تَقْبِيلِهَا ابْنَهُ أَوْ تَنَصُّفِهِ بِطَلَاقِهَا قَبْلَ الدُّخُولِ، وَإِنَّمَا يَتَأَكَّدُ لُزُومُ تَمَامِهِ بِالْوَطْءِ وَنَحْوِهِ.(۱)

فَلَوْ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ، لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ، وَلَا يَرِثُ مِنْهُ.(۲)

اور بچہ چوں کہ وقت نکاح سے چھ مہینہ سے کم میں پیدا ہوا ہے؛ اس لیے بکر سے نسب اس کا ثابت نہیں ہے اور نہ بکر کے ذمہ اس کی پرورش وغیرہ کا حق ہے۔

درمختار میں ہے: وأقلها ستة أشهر إجماعا، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۹/۸-۲۷۰)

فاحشہ عورت جو شوہر کے گھر سے بھاگ جائے، مہر پائے گی، یا نہیں:

سوال: ایک عورت بعمر ۲۰ر سالہ جس کے ماں باپ کو بخوبی علم تھا کہ یہ بدچلن ہوگئی، اسی بدچلنی کی وجہ سے وہ دوایک مرتبہ گھر سے بھی بھاگی، اس بدنامی کے مٹانے کی غرض سے اس کا نکاح ایک ناواقف شخص سے بمہر پانچ سو روپیہ کے کردیا، وہ عورت خاوند کے گھر آئی، وہاں وہ چند ماہ رہی، چوں کہ اس کے ماموں کے ساتھ اس کا کچھ تعلق مشاہد ہوا، خاوند کے گھر آنے پر بھی اس کا ماموں اس کے پاس آتا جاتا رہا، خاوند نے اس وجہ سے اس کی روک ٹوک نہیں کی کہ یہ اس کا ماموں ہے، حالاں کہ یہ اس کا سوتیلا ماموں تھا؛ مگر کسی کو بھی اس بات کا گمان نہ ہوسکا، لہٰذا اس کا آنا جانا نہیں روکا گیا۔ اس عرصہ میں اس کی نوکری کسی دوسری جگہ کی ہوگئی، تب اس عورت نے اپنا تمام زیور اور گھر میں جس قدر زیور اور تھا مع کپڑے وغیرہ کے لے کر آدھی رات کو وہاں سے بھاگی اور اپنے ماموں کے پاس چلی گئی، راستہ میں اس کا ایک چچا بھی ملازم تھا، وہاں نہیں اتری اور نہ اپنے ماں باپ کے پاس گئی، بعد تجسس بسیار کے پتہ ملنے پر چند آدمی وہاں گئے تو دیکھا۔ دراصل وہ ماموں کے پاس تھی، وہاں سوائے اس کے ماموں کے اور کوئی نہ تھا، چناں چہ اس کا باپ اس کو اپنے گھر لے آیا۔ کیا ایسی عورت مہر پانے کی مستحق ہے، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار، باب المهر: ۲/ ٤٥٤، ظفير

(۲) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/ ٤٠١، ظفير

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار، فصل في ثبوت النسب: ۲/ ۸۵۷، ظفير

الجواب

اس صورت میں وہ مہر پانے کی مستحق ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۸/۸-۲۷۹)

زنا کی وجہ سے مہر ساقط ہوتا ہے، یا نہیں اور زانیہ بیوی کو معاف کر دینا کیسا ہے:

سوال: ایک عورت منکوحہ شوہر دار نے زنا کیا، آیا بوجہ زنا کاری کے دین مہر ساقط ہو گیا، یا بذمہ شوہر باقی رہا؟ اگر اس عورت زانیہ کے اس خطا کو اس کا شوہر معاف کر دے تو مواخذہ قیامت اس پر رہے گا، یا نہیں؟

الجواب

زنا کی وجہ سے اس کا مہر ساقط اور باطل نہیں ہوا، پورا مہر بذمہ شوہر لازم ہے اور زنا کاری اللہ کا گنہ کا ہے، توبہ کرنے سے اور استغفار کرنے سے معاف اور ساقط ہو جاتا ہے اور شوہر کی بھی خیانت اور حق تلفی ہے، وہ شوہر کے معاف کرنے سے معاف ہوتی ہے؛ لیکن شوہر کے معاف کر دینے سے اللہ کا گنہ معاف نہیں ہوا، وہ توبہ سے معاف ہوتا ہے اور جب صدق دل سے اللہ سے توبہ کر لی اور وہ توبہ قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے زنا کا گنہ معاف فرما دیا تو وہ معاف ہو گیا، شوہر معاف کرے، یا نہ کرے۔ ہاں جو بے حرمتی اور خیانت شوہر کی ہوئی، اس کا مطالبہ شوہر کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ شوہر کے معاف کرنے سے ساقط ہوتا ہے اور شوہر سے بھی معاف کرا سکتی ہے، مثلاً یہ کہے کہ جو میں نے تمہاری خطا کی ہو اور قصور کیا ہو، وہ معاف کر دو، اگر وہ معاف کر دے تو جو شوہر کی حق تلفی ہوئی تھی، وہ معاف ہو جاوے گی۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۸۳/۸-۲۸۴)

شادی سے قبل زنا کرانے والی عورت کا مہر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری شادی کو چار مہینے ہو گئے، مجھے لوگوں نے دھوکہ دے کر شادی کروادی، شادی سے پہلے اس لڑکی کا تعلق کسی دوسرے شخص سے تھا، جوان سے کئی بار ہمبستری کر چکا ہے، اس کا پتہ مجھے پہلی رات میں ہو چکا ہے کہ اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا ہے، پھر بھی مجھ پر بیس ہزار روپیہ کا مہر مقرر کر دیا گیا۔ کیا مجھ پر مہر دینا واجب ہے، یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ شادی کے بعد بھی اس نے اپنی اولاد کو زائل کر دیا۔　　(المستفتی: محمد عظیم، جامع مسجد، وارثی نگر، گلی نمبر ۴، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــ وباللہ التوفیق

جب شادی ہو کر بیوی کے ساتھ باضابطہ ہمبستری ہو چکی ہے، تو پورے مہر کی ادائیگی شوہر کے اوپر لازم ہو گئی،

(۱) زنا کا وبال اور گناہ اس عورت پر ہے؛ مگر چوں کہ وہ شوہر کے پاس رہ چکی ہے؛ اس لیے اس کا پورا شوہر پر واجب الادا ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين. (الفتاویٰ الهندية، كشوري، باب المهر: ۳۱۴/۲، ظفير)

چاہے شادی سے پہلے بیوی کا پردہ بکارت العیاذ باللہ بدکاری کے ذریعہ سے ختم ہو چکا ہو؛ اس لیے کہ پورا مہر ادا کرنا جو واجب ہوتا ہے، وہ پردۂ بکارت کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ ہمبستری کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں شوہر نے بیوی کے ساتھ باضابطہ ہمبستری کر لی ہے؛ اس لیے شوہر طلاق دے گا تو پورے مہر ۲۰/ ہزار روپئے کی ادائیگی لازم ہے۔

ولو شرط البكارة فوجدها ثيباً لزمه الكل؛ لأن المهر إنما شرع لمجرد الاستمتاع دون البكارة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراتشي: ۱۲٦/۳، زكريا: ۲٦٦/٤)

ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء، أوخلوة صحت من الزوج.

وفي الشامية: إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (الدرالمختار مع الشامي، كراتشي: ۱۰۲/۳، زكريا: ۲۳۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۸۳۲۳/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۴/۲۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۹۵-۶۹۶)

بدچلنی کی وجہ سے طلاق میں بھی مہر واجب ہے:

سوال: جو عورت بدچلن ہو اور بدچلنی کی وجہ سے اس کا خاوند طلاق دے دیوے تو مہر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر طلاق بعد دخول، یا خلوت کے دی گئی تو پورا مہر شوہر کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے، (۱) اور شوہر کی طرف سے جو کچھ شادی میں خرچ ہوا، وہ مہر میں نہیں شمار ہوگا اور جو زیور عورت کو دیا گیا، اس میں اگر نیت مہر میں دینے کی کی گئی اور عورت کی ملک کر دیا گیا، وہ البتہ مہر میں شامل ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۱/۸)

بدچلنی کی وجہ سے اگر طلاق دی جائے تو بھی مہر واجب الادا ہوگا:

سوال: اگر زوجہ کا چال چلن مشتبہ ہو، بصورت ثبوت بدچلنی طلاق دینے پر خاوند پر مہر کی ادائیگی واجب ہوگی، یا نہیں؟ اگر زوجہ شوہر کو مجبور کرے کہ وہ اس کو طلاق دے دے تو اس صورت میں شوہر مہر ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۸۸: عبدالقادر خان، موری دروازہ دہلی، ۷/ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

اگر خاوند طلاق دے گا تو مہر ادا کرنا ہوگا، خواہ طلاق دینے کی وجہ بدچلنی کا شبہ ہو، یا بدچلنی کا ثبوت ہو، (یعنی وہ

---

(۱) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة وموت أحد الزوجين. (الفتاویٰ الهندية، نول كشوري، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل الثاني: ۳۱٤/۲، ظفير)

(وَأَمَّا) بَيَانُ مَا يَتَأَكَّدُ بِهِ الْمَهْرُ فَالْمَهْرُ يَتَأَكَّدُ بِأَحَدِ مَعَانٍ ثَلَاثَةٍ: الدُّخُولُ وَالْخَلْوَةُ الصَّحِيحَةُ وَمَوْتُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ، سَوَاءٌ كَانَ مُسَمًّى أَوْ مَهْرَ الْمِثْلِ حَتَّى لَا يَسْقُطَ شَيْءٌ مِنْهُ بَعْدَ ذَلِكَ إلَّا بِالْإِبْرَاءِ مِنْ صَاحِبِ الْحَقِّ. (بدائع الصنائع، فصل في ما يَتَأَكَّدُ بِهِ الْمَهْرُ: ۲۹۱/۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

ثبوت جس پر لعان ہوکر تفریق کرادی جائے) زوجہ کے مجبور کرنے سے خاوند مجبور نہیں ہوجاتا، اگر وہ طلاق دے گا تو اختیاری طور پر دے گا اور اس صورت میں بھی مہر ادا کرنا ہوگا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۳/۵)

زنا کی وجہ سے بیوی کو طلاق دی تو وہ مہر کی مستحق ہوگی، یا نہیں:

سوال: زید اپنی عورت زانیہ کو طلاق دیتا ہے، یہ عورت بعد طلاق کے مہر کی مستحق ہوگی، یا نہ؟

الجواب

اگر صحبت، یا خلوت ہو چکی ہے تو وہ عورت بعد طلاق کے کل مہر پائے کی مستحق ہے،(۲) اور اگر صحبت اور خلوت نہیں ہوئی ہے تو نصف۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۵/۸)

بد اطواری کی وجہ سے طلاق دی جائے تو بھی مہر دینا ہوگا:

سوال: زید کا عقد سلمہ کے ساتھ بمعاوضہ زر مہر ایک سو پچھتر روپیہ سکہ عثمانیہ باندھا گیا، سلمہ نے بعد عقد ایک سال تک اپنے منہ پر نقاب رکھا، ہر وقت ہم بستری اور خدمت گزاری سے ناراض رہتی تھی، (اس کے) بعد نقاب اٹھ گیا اس کے، ساتھ ہی فحش کلامی و نافرمانی خاوند کے ساتھ کی، زید نے ایسی حرکات سے تنگ آ کر خورا کی ماہانہ دے کر اس کی والدہ کے پاس روانہ کر دیا اور زر مہر ماہانہ حسب آمدنی ادا کرنا چاہتا ہے؛ مگر اس کی والدہ زر مہر متفرق حاصل کرنے سے روکتی ہے کہ یکمشت دیا جائے، زید میں یکمشت ادا کرنے کی قدرت نہیں ہے، ایسی عورت کے ساتھ کیا کیا جائے، کیا نان ونفقہ زید کے ذمہ واجب الادا ہے؟ بد اخلاقی و نافرمانی سے تنگ آ کر طلاق دی جائے تو زر مہر کیا عائد ہوگا؟ سلمہ ماہانہ زر مہر کے حاصل کرنے میں دریغ کرتی ہے۔ اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب

مہر اگر مؤجل ہے؛ یعنی فی الحال دینا مہر قرار نہ پایا تھا تو اس کے وصول کا وقت فقہا نے طلاق، یا موت لکھی ہے، قبل طلاق عورت مطالبہ نہیں کرسکتی،(۳) اور اگر مہر معجّل ہے تو عورت فی الحال اس کا مطالبہ کرسکتی ہے؛ لیکن جب کہ شوہر

(۱) والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين الا يسقط منه شئ بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثانی: ۳۰۳/۱، ماجدية)

(۲) ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفير)

(۳) ويتأكد المهر عند وطء أوخلوة، الخ. (الدرالمختار)

وإذا تأكد المهر بماذكر، لايسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لايحتمل السقوط إلا بالابراء. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲)

یکمشت دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو بہ اقساط ادا کیا جاوے گا اور جو عورت شوہر کے مکان سے بلا اس کی اجازت کے ازراہ نافرمانی چلی جاوے، اس کا نفقہ ساقط ہے؛ مگر صورت مسئولہ میں چوں کہ خود شوہر نے اس کو بوجہ اس کی بداخلاقی کے اس کی والدہ کے پاس بھیجا ہے تو اس صورت میں نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۲۲-۳۲۳)

چار ماہ کے حاملہ سے عقد نکاح، مہر وغیرہ کے مسائل:

سوال: زید کا نکاح نجمہ کے ساتھ ہوا، عقد کے دو ماہ بعد معلوم ہوا کہ نجمہ حاملہ ہے، لیڈیز ڈاکٹر کے معائنہ سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ اس وقت نجمہ کو چھ ماہ کا حمل ہے؛ یعنی بوقت عقد نجمہ کو چار ماہ کا حمل تھا۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (کامل) کتب خانہ امدادیہ دیوبند، حصہ سوم و چہارم کے کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، (۲) امداد المفتین، ص:۱۲۸، سوال نمبر:۲۳۷،۴۷،۳۷ (۳) کے مطابق زید کا نکاح نجمہ کے ساتھ ہوگیا، لیکن زید کو نجمہ سے وضع حمل تک وطی نہ کرنی چاہیے، لہٰذا دریافت امور یہ ہیں:

حاملہ منکوحہ سے وطی اور مہر:

سوال (۱) زید نے اس بات کے ظاہر ہونے سے قبل نجمہ سے وطی کی اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس بات کے ظاہر ہونے کے بعد بھی وطی کی۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) زید نجمہ کو اپنے نکاح میں نہیں رکھنا چاہتا ہے، کیا اس صورت میں مہر ہوگا، جب کہ نجمہ کے حاملہ ہوتے ہوئے یہ نکاح پڑھایا گیا؟

مہر قسطوار بھی دیا جا سکتا ہے:

(۳) مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا، اس وقت زید کی حالت ایسی نہیں ہے کہ ایک مشت ادا کر سکے۔ اس کے لیے کیا جائز ہے؟

---

(۱) فتجب النفقة للزوجة بنكاح صحيح، الخ، على زوجها، الخ، ولو هي في بيت أبيها إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة، به يفتى، وكذا طالبها ولم تمنع. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب النفقة: ۸۸۶/۲-۸۸۹، ظفير)

(۲) حاملہ عن الزنا کا نکاح درست ہے، خواہ اس سے ہے جس کا حمل ہے، یا دوسرے شخص سے؛ لیکن اگر دوسرے شخص سے نکاح ہو تو نکاح صحیح ہوگا؛ لیکن جب تک وضع حمل نہ ہو، صحبت و جماع کرنا درست نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب النکاح، تیسرا باب، عنوان: حاملہ سے نکاح کرنا درست ہے، خواہ حمل دوسرے کا ہو۔ (۱۴۲/۷، دارالاشاعت کراچی)

(۳) حاملہ من الزنا کا نکاح بحالت حمل جائز ہے اور جس کا حمل ہے اگر نکاح اسی سے ہوا ہے تو اس کو وضع حمل سے پہلے وطی کرنا بھی جائز ہے، البتہ اگر زانی سے نکاح ہوا ہے تو مرد کو تا وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے: "وصح نكاح حبلى من زنا، الخ، وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع لئلا يسقى ماؤه زرع غيره (فروع) لو نكحها الزاني حل له وطؤها إتفاقا". والله اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند یعنی امداد المفتین، کتاب النکاح، فصل فی الانکحۃ الصحیحۃ والفاسدۃ، حاملہ عن الزنا کا نکاح، ص:۴۳۷/۷، دارالاشاعت کراچی)

جو کچھ زوجہ کو دیا مہر وغیرہ بعد طلاق واپسی کا حق نہیں:

(۴) عقد میں کپڑے، زیورات اور دوسرے اخراجات جو نجمہ کے والدین کے مطالبہ کے مطابق زید نے دیئے تھے، اس کے متعلق اب کیا حکم ہے، جب کہ اس وقت نجمہ کے والدین کو غلطی کی وجہ سے یہ پریشانی اور ذلت اٹھانی پڑی ہے؟

منکوحہ کے حمل کا علم ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوا:

(۵) کیا اب یہ نکاح فسخ ہو گیا؟

زانیہ حاملہ کو طلاق:

(۶) کیا وضع حملہ سے قبل زید نجمہ کو تین طلاق دے سکتا ہے؟ کتاب نور الہدایہ، ص:۷/ ترجمہ اردو شرح وقایہ جلد نمبر ۲، مطبوعہ جدیدی کانپور کے بعد کتاب النکاح، ص:۸ پر تحریر ہے کہ (ص) ''اور جائز ہے، نکاح اس عورت سے جو حاملہ ہوئی زنا سے (ف) اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہے اور یہ اختلاف اس میں ہے کہ نکاح کرے اس سے غیر زانی اور جو زانی خود نکاح کرے تو بالاتفاق صحیح ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے''۔

مزنیہ حاملہ کو طلاق کے بعد کیا مہر کا حق ہے:

(۷) شرح وقایہ کی مندرجہ بالا عبارت کے پیش نظر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا حکم ہے؟

(۸) اگر نکاح فاسد ہے تو مہر کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) زید توبہ واستغفار کرے۔(۱)

---

(۱) حبلی عن الغیر ہونے کی صورت میں وضع حمل تک وطی درست نہیں، جب وطی کر لی تو ارتکاب معصیت کی وجہ سے توبہ واستغفار ضروری ہے۔

''واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على القور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة،الخ''.(شرح النووی على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة:۳۵٤/۲، قديمی)

وكذا فی روح المعانی تحت آية:﴿ياأيها الذين آمنوا توبوا آمنوا إلى الله توبة نصوحا﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربی بيروت)

وقال الله تعالىٰ:﴿وتوبوا إلىٰ الله جميعا أية المؤمنون لعلكم تفلحون﴾(سورة النور: ۳۱)

وقال الله تعالىٰ:﴿ياأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾ (سورة التحريم:۸)

قال العلامة الآلوسی عليه رحمة الباری:''التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور:أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزما جازما على أن لايعود إلى مثلهاأبدا ... وعبارة المازری:اتفقوا على ان التوبة من جميع المعاصی واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولايجوزتأخيرها سواء كانت المعصية صغيرة او كبيرة''.(تفسير روح المعانی،سورة التحريم:۱۵۸/۲۸ـ۱۵۹،دارإحياء التراث العربی)

(۲) مہر پورا واجب ہے۔(۱)

(۳) بیوی کی رضامندی سے قسط وار بھی ادا کرنے کی اجازت ہے۔(۲)

(۴) جو اشیاء بطور تملیک دے چکا ہے، اس کی واپسی کا کوئی حق نہیں اور جو کچھ اس سلسلہ میں خرچ کر چکا ہے، اس کو بھی واپس لے سکتا۔(۳)

(۵) سوال میں درج کردہ حالات سے نکاح فسخ نہیں ہوا۔(۴)

(۶) طلاق دے گا تو واقع ہو جائے گی۔(۵)

(۷) نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ سے جو مسئلہ ہدایہ کے حوالہ سے تحریر کردہ ہے، آپ نے نقل کیا وہ صحیح ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ نہیں ہے؛ بلکہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہے، جیسا کہ آپ نے خود بھی نقل کیا ہے۔اس اختلاف کے باوجود وہ بیوی بھی سب کے نزدیک نفقہ کی مستحق ہے، جب کہ شوہر اس سے وطی کر چکا ہے اور اس کے حمل کا حال معلوم ہونے کے بعد بھی وطی کر چکا ہے اور مہر بھی لازم ہے۔نکاح فاسد میں وطی سے پہلے حکم مرتب نہیں ہوتا، وطی کے بعد اس پر نکاح کا وہی حکم مرتب ہوتا ہے، جو نکاح صحیح پر مرتب

---

(۱) خلوۃ صحیحہ ہونے کی وجہ سے مہر پورا ادا کرنا واجب ہے۔

"ثم راٰه منقولا عن الخصاف أن الخلوة لم تقم مقام الوطء إلا فی حق تكمیل المهر ووجوب العدة ... (قوله: وفی تأكد المهر):أی فی خلوة النكاح الصحيح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب فی أحكام الخلوة:۱۱۸/۳، سعید)

(۲) وإن بینوا قدر المعجل، يعجل ذلک معجلا، ولا يقدر بالربع ولا بالخمس، وإنما ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور فی العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من هذا المهر،فيجعل ذلک معجلا،ولايقدر بالربع ولا بالخمس، وإنما ينظر إلى المتعارف وإن شرطوا فی العقد تعجيل كل المهر، يعجل الكل معجلا، ويترک العرف، الخ". (الفتاویٰ الهندية، باب المهر، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها مهرها، الخ: ۳۱۸/۱،رشيدية)

قال الحصكفی رحمه اللّٰه:"إن لم يوجل او يعجل كله، فكما شرط؛ لان الصريح يفوق الدلالة". (الدر المختار،مطلبفی منع الزوجة نفسها بقيض المهر:۱۴۴/۳،سعيد)

(۳) وإذا بعث الزوج إلٰی أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلک إذا بعث إليها علی جهة التمليک، كذا فی الفصول العمادية.(الفتاویٰ الهندية:الفصل السادس عشرفی جهاز البنت: ۳۲۷/۱،رشيدية)

(۴) نکاح دو وجوہ سے فسخ نہیں ہوا: پہلی وجہ یہ ہے کہ حبلی من الزنا سے نکاح درست ہے، اگرچہ وضع حمل عن الغیر تک وطی درست نہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح لفظ مخصوص (طلاق وغیرہ) کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

"وصح نكاح حبلی من زنا لاحبلی من غيره، وإن حرم وطؤها وداوعيه حتی تضع". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات:۴۸/۳۔۴۹،سعيد)

"الطلاق ... رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص". (الدرالمختار،كتاب الطلاق:۲۲۶/۳۔۲۲۷،سعيد)

(۵) "وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع". (الفتاویٰ الهندية: ۳۴۹/۱،كتاب الطلاق، رشيدية)

ہوتا ہے؛ یعنی مہر لازم ہوتا ہے۔(۱) بیوی کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوتا ہے،(۲) اولاد پیدا ہونے پر نسب ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کے اندر تصریح ہے۔(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر (فتویٰ ہونے کے باوجود) زید کے لیے یہ سہولت نہیں کہ مہر ساقط ہو جائے۔(۴)

(۸) وطی کر لینے کی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مہر لازم ہوگا، اتنی بات ضروری ہے کہ اگر مہر مثل اس کا چار ہزار سے کم ہے تو چار ہزار لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ مہر مثل لازم ہوگا۔ اگر مہر مثل چار ہزار، یا اس سے

---

(۱) ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد، هو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود بالوطء فی القبل".(الدرالمختار،کتاب النکاح، باب المهر:۱۳۱/۳-۱۳۲)

"وإذا فرق القاضی بین الزوجین فی النکاح الفاسد قبل الدخول فلا مهر لها ... فإن دخلبها فلها مهر مثلها ولا یزاد علی المسمی عندنا".(الهدایة، کتاب النکاح، باب المهر:۳۳۲/۲،شرکة علمیة ملتان)

"إذا وقع النکاح فاسدا ، فرق القاضی بین الزوج والمرأة ... وإن کان قد دخل بها، فلها الاقل مما سمی لها، ومن مهر مثلها".(الفتاویٰ الهندیة: ۳۳۰/۱، الباب الثامن فی النکاه الفاسد، رشیدیة)

(۲) مصنف علام کا نکاح فاسد میں نفقہ اور سکنیٰ واجب قرار دینا محل تردد ہے؛ کیوں کہ تقریباً اکثر کتب متداولہ میں نکاح فاسد میں نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب کی نفی کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"قال: ولا نفقة فی النکاح الفاسد ولافی العدة من العدة منه".(الفتاویٰ الهندیة: ۳۳۰/۱،الباب الثامن فی النکاح الفاسد وأحکامه، رشیدیة)

"فتجب (النفقة) للزوج بنکاح صحیح ".(الدرالمختار)

"قوله:بنکاح صحیح فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد، لانعدام سبب الوجوب ، وهو حق الحبس الثابت للزوج علیها بالنکاح، وکذا فی عدته".(ردالمحتار، باب النفقات،مطلب: اللفظ جامد ومشتق، سعید)

"وأجمعا أن فی النکاح بغیر شهود تستحق النفقة،کذا فی الخلاصة".(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطلاق، الباب السابع فی النفقات،الفصل الأول فی نفقة الزوج: ۵٤۷/۱،رشیدیة)

(۳) ویثبت الولد المولود فی النکاح الفاسد، وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه اللّٰه تعالٰی.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب النکاح،الباب الثامن فی النکاح الفاسد وأحکامه: ۳۳۰/۱،رشیدیة)

"فظاهر أنهما لایحدان وأن النسب یثبت فیه والعده إن دخل، بحر".(ردالمحتار،کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد:۱۳۱/۳،سعید)

وإذا فرق القاضٰ بین الزوجین فی النکاح الفاسد ... ویثبت نسبب ولدها؛ لأن النسب یحتاط فی مثباته إحیاء للولد، فیترتب علی الثابت من وجه وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ، وعلیه الفتویٰ".(الهدایة، کتاب النکاح، باب المهر: ۳۳۲/۲-۳۳۳،مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(۴) وإن تزوج حبلی من زنا، جاز النکاح، ولا یطأها هتی تضع حملها، وهذا عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی، قال أبویوسف:النکاح فاسد، وإن کان الحمل ثابت النسب، الخ".(الهدایة، فصل فی بیان المحرمات: ۳۱۲/۲،مکتبه شرکة علمیة ملتان)

زیادہ ہے تو چار ہزار لازم ہوگا، چوں کہ فتویٰ اس قول پر نہیں؛ اس لیے اس قول سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں، پورے مہر کی ادائیگی لازم ہے، فتاویٰ عالمگیری میں نکاح فاسد کے احکام مذکور ہیں۔ (۱)

تنبیہ: زید کو یہ معلوم ہونے پر کہ بیوی غیر سے حاملہ ہے، اس سے وطی کر چکا ہے اور کوئی کراہت نہیں کی اور اس کی عزت وشرافت نے اس کو بخوشی گارہ کرلیا تو اب طلاق دے کر کیوں یہ سب پریشانیاں اپنے سر مول لے رہا ہے، کسی نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ اگر نکاح میں آنے کے بعد بھی کسی کی بیوی ایسے جرم کا ارتکاب کرے، تب بھی اس کو طلاق دینا واجب نہیں ہے، اگر طلاق دے گا، مہر ساقط نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے:

”لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة“. (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۰۷-۱۱۴)

شبِ زفاف میں دوسرے بھائی کی بیوی سے صحبت کرلی، مہر کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دو سگے بھائی دونوں کی شادی ایک ساتھ ہوئی اور سہاگ رات منانے کے لیے دونوں بھائیوں کو الگ الگ گھر دیا گیا، دھوکہ سے بڑے بھائی کی بیوی چھوٹے بھائی کے پاس اور چھوٹے بھائی کی بیوی بڑے بھائی کے پاس پہنچ گئی اور باضابطہ سہاگ رات منائی گئی، سہاگ رات منانے کے بعد پتہ چلا کہ یہ میری بیوی نہیں ہے، پھر بعد میں اپنی اپنی بیوی کو لے کر رہنے لگے، شناخت ہونے کے بعد دونوں کے نکاح میں کچھ اثر ہوا، یا نہیں؟ اور رات کی ملاقاتیں ہونے سے گنہگار ہوئے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب دونوں بھائیوں کے لیے علاحدہ علاحدہ گھر متعین کردیا گیا، پھر دھوکہ سے بیوی میں تبدیلی ہوگئی اور دونوں بھائیوں نے اپنے گمان کے مطابق شبِ زفاف بھی منالی تو اُمید ہے کہ وہ گنہ گار نہ ہوں گے اور نکاح پر بھی کوئی اثر نہیں پڑا، البتہ دونوں بھائیوں پر ایک دوسرے کی بیوی کو مہر مثل دینا واجب ہوگیا اور دونوں لڑکیوں پر بھی عدت واجب ہوگئی؛ لیکن جب دونوں بھائی عدت کے اندر ہی اپنی بیوی کو لے کر رہنے لگے تو اس کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، لہٰذا خداوندِ قدوس سے توبہ کریں، اللہ مغفرت کرنے والا ہے۔

---

(۱) وإذا وقع النكاح فاسدا ... وإن كان قد دخل بها، فلها الاقل مما سمى لها ومن مهو مثلها من كان ثمة مسمى، وإن لم يكن ثمة فلها مهر المثل ... ويثبت نسب الولد المولود فى النكاح الفاسد، وتعتبر مدة السب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ .... وفى رواية (عن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ) يثبت النسب ويجب المهر والعدة، الخ“. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثامن فى النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيدية)

(۲) الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۴۲۷

عن إبراهيم قال: من وطء فرجًا بجهالة درء عنه الحدّ وضمن العقر. (سنن سعيد بن منصور،باب الرجل يتزوج المرأة فيدخل عليها ومعها نساء، فوقع على امرأة منهن: ۲٤۹/۱،رقم: ۱۰۱۳)

لا بأجنبية زفت، وقيل: هي زوجتك أي لا يحد ... وعليه مهر بذٰلک قضى على رضى الله عنه وبالعدة؛ لأن الوطء في دار الإسلام لا يخلو عن الحدأو المهر وقد سقط الحدّ فتعين المهر وهو مهر المثل. (البحر الرائق ،كتاب الحدود: ٥/١٤، كوئٹه)

لوزفت إليه غير امرأته فوطئها لزمه مهر مثلها. (البحر الرائق،باب المهر: ۱۷۳/۳، کوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۹/۱۴۱۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۲۴/۸۔۴۲۵)

بیوی کے مرنے کے بعد مہر کا روپیہ وارثوں کو دیا جائے، یا خیرات کر دیا جائے:

سوال: زید کی بیوی ہندہ کے مہر پچاس روپیہ باندھے گئے تھے، وہ بیوی مرگئی، اب زید چاہتا ہے کہ مہر اول ادا کر دوں، بیوی نے کچھ اولاد نہیں چھوڑی، صرف ماں باپ ہیں، اب وہ مہر کا روپیہ وارثوں کو دے، یا خیرات کر دے اور مصرف خیرات عمدہ کیا ہے؟

الجواب

جومہر ہندہ کا بذمہ شوہر ہے، اس میں نصف شوہر کو پہونچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا۔(۱) زید کو اپنے حصہ کا اختیار ہے کہ خیرات کر دے، والدین کا حصہ ان کو دینا چاہیے، یا وہ اجازت دیں تو خیرات کر دینا درست ہے۔عمدہ مصرف صدقہ کے محتاج ومساکین ہیں،(۲) باقی حسب موقع جس کام کی ضرورت ہو، اس میں صرف کرے، باختلاف اوقات مختلف مصارف بہتر ہوتے ہیں۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۷/۸)

مرنے والی عورتوں کا مہر اس کی اولاد لے سکتی ہے:

سوال: شخصے متوفی سہ عورت داشت وآں ہر سہ عورت قبل از وے متوفی شدند واخیر رامہر ادا ساخت، الحال اولاد کبار باقی ہر دو زوجہ می خوہند کہ مہر امہات خود استخراج کردہ شود، آیا مہر آں دو زوجہ ادا کردہ شود، یا نہ؟

الجواب

دریں صورت مہر ہر دو زوجہ متوفیہ ادا کردہ شود و ہر چہ حصہ اولاد شان باشد بادشان دادہ شود۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۴/۸)

---

(۱) وأما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد وولد الإبن وان سفل. (السراجی، ص: ۱۳، ظفير)

(۲) ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (سورة التوبة: ٦٠، انيس)

(۳) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، مصرى، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثانى: ۲۸٤/۱، ظفير)

بیوی کے مرنے کے بعد اس کے مہر کا مستحق کون ہوتا ہے:

سوال: ایک شخص کی زوجہ فوت ہوئی اور مہر نہ دیا گیا اور نہ معاف ہوا تھا، اب مہر کی ادائیگی کس صورت سے ہوسکتی ہے؟ مسجد وغیرہ کے کام میں یہ روپیہ صرف ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

زوجہ کا مہر اگر ادا نہ ہوا تھا اور وہ انتقال کر گئی تو اس کے مرنے کے بعد ہو، مہر اس کے ورثہ کو پہنچتا ہے، اان وارثوں میں شوہر بھی ہے، اگر کچھ اولاد متوفیہ کے نہ تھی تو نصف شوہر کو پہنچا اور نصف باقی ورثہ ذوی الفروض، یا عصبات، یا ذوی الارحام کو جو بھی کوئی ان میں دور نزدیک کا قرابت دار موجود ہو، اس کو دیا جائے، اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر تمام مہر شوہر کو ملے گا، اس کو اختیار ہے، وہ جہاں چاہے صرف کرے، خواہ اپنے صرف میں لاوے، یا مسجد وغیرہ میں صرف کرے؛ لیکن بموجودگی دیگر ورثہ کے شوہر کو ان کے حصہ میں کچھ تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے؛ بلکہ ان کا حصہ انہی کو دینا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۲۵۷-۲۵۸)

بیوی کے مرنے کے بعد مہر کا حق دار کون ہے:

سوال: زید کی زوجہ فوت ہوگئی ہے، زید اپنی فوت شدہ زوجہ کا مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا ہے، ادا کرتا ہے تو زرمہر کا حق دار کون ہے؟

(المستفتی: ۹۸۰: عبدالوحید صاحب (ضلع بلندشہر) ۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۶/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

زید کی متوفیہ بیوی کا مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا تھا، اس میں سے زید کا حصہ ساقط ہوگیا، اگر متوفیہ لاولد ہو تو زید کا حصہ ۱/۲ یعنی نصف ہے اور صاحب اولاد ہو تو زید کا حصہ ۱/۴ یعنی ایک چوتھائی ہے اور باقی متوفیہ کے دوسرے وارثوں کو ملے گا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۲۲)

بیوی کے انتقال کے بعد مہر کا حق دار کون ہے:

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ، مورخہ ۲۲/مئی ۱۹۲۷ء)

سوال (۱) سائل کی بیوی کی موت اچانک ہوجانے سے مرحومہ اپنے شوہر کو مہر نہ بخش سکی۔اس کے انتقال کو دو برس

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: سراجی، باب ذوی الفروض

(۲) وأما للزوج فحالتين: النصف عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. (السراجی: ٦، سعید)

ہوئے، مرحومہ کی چار لڑکیاں موجود ہیں، بڑی لڑکی کی شادی کردی گئی ہے، وہ رقم مہر کس کا حق ہے؟

بیوی طلاق کے ڈر سے مہر نہیں لیتی تو کیا شوہر اس پر لینے کے لیے جبر کرسکتا ہے:

(۲) شوہر اپنی بیوی کو مہر زندگی میں دینا چاہے؛ مگر بیوی لینے سے انکار کرے، جس پر شوہر سختی کرے؛ تاکہ کسی صورت سے بیوی مہر لینے پر راضی ہوجائے، چاہے بعد میں امانۃً پھر واپس کردے، یا نہیں تو مہر معاف کردے، لہٰذا کیا بیوی کو بخوب طلاق مہر نہ لینے سے شوہر کو اس پر جبر کرنا زیبا ہے؟

الجواب

(۱) مرحومہ کے وارث اگر صرف شوہر اور چار لڑکیاں ہیں اور کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے مہر اور ترکہ میں سے ایک چوتھائی شوہر کا حق ہے،(۱) اور باقی چاروں لڑکیوں کو بحصہ مساوی ملے گا۔ پس مہر میں سے فی روپیہ بارہ آنے فی لڑکی تین آنے کے حساب سے دے دیا جائے اور اگر مرحومہ کے والدین، یا اور وارث بھی ہوں تو دوبارہ دریافت کیجئے۔ (۲)

(۲) شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کا مہر ادا کردے، یا اس سے بخوشی معاف کرالے؛ تاکہ حق سے سبک دوش ہو۔ (کفایۃ المفتی: ۱۳۹/۵-۱۴۰)

بیوی مرجائے تو مہر دین لازم ہے، یا نہیں؟ اور وہ کس کو ملے گا:

سوال: ہندہ زوجہ زید اچانک بغیر دین مہر معاف کے فوت ہوگئی تو اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) ہندہ کے مذکورہ بالا صورت پر فوت ہوجانے سے زید دین مہر ہندہ سے سبک دوش ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اور دین مہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

(۲) اگر زید بلا ادا کرنے دین مہر کے سبک دوش نہ ہوسکتا ہو تو دین مہر ہندہ کے ورثا کو دیوے، یا فقرا پر تقسیم کردے؟

(۳) از روئے شریعت ہندہ کے ورثا اس کے میکہ والے ہیں، یا سسرال والے، یا اس کی اولاد؟

(۴) اگر ہندہ کے دین مہر پانے کی مستحق اس کی اولاد ہی ہے تو زید کا مال تو آگے ہی تو ان کا ہے؟

الجواب

(۱) سبک دوش نہیں ہوتا اور دین مہر اس کے ذمہ مثل تمام دیون کے باقی رہتا ہے، کوئی وجہ ساقط ہونے کی نہیں۔ (۳)

(۱) ﴿فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين ... حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع، الفصل السادس عشر: ۳۲۷/۱، ماجدية)

(۳) شوہر مہر ادا کردیتا، یا بیوی معاف کردیتی، یہاں ان دونوں صورتوں میں کوئی صورت پائی نہیں گئی، باقی موت سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے۔ وتجب العشرة إن سماها أودونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء أوخلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما، الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفير)

(۲)　ہندہ کے ورثہ کو ملنا چاہیے۔(۱)

(۳)　جب کہ ہندہ کے اولاد ہے تو ایک ربع (چوتھائی) اس کے شوہر کا ہے اور باقی اس کی اولاد وغیرہ کا۔

(۴)　پھر اگر ہے تو یہ دلیل، اولاد کے نہ وارث ہونے کی کیوں ہوئی، علاوہ ازیں یہ کہنا کہ زید کا مال کا تو آگے ہی ان کا ہیم درست نہیں، بے شک اولاد بھی زید کے مال وارث ہے؛ لیکن یہ ضروری نہیں کہ سوالات اولاد کے اور کسی کا کوئی حق اس میں نہ ہو، اگر دوسرے ورثہ ہوں گے، ان کا حق بھی اس میں نکلے گا اور یہ سب کچھ زید کی موت کے بعد ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۰/۸-۲۷۱) ☆

عورت کے انتقال کے بعد بھی مہر کی ادائیگی واجب ہے:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اوران کے شوہر کے ذمہ ابھی مہر باقی ہے اور عورت نے مرتے وقت کچھ کہا بھی نہیں تو اس صورت میں اس عورت کے مہر کو کیا کیا جائے گا؟　　(المستفتی: عبدالکریم، محلّہ: کٹگھر، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر عورت نے بصراحت دین مہر معاف نہیں کیا ہے تو موت کے بعد ورثا کے درمیان بقدر حصص وراثت تقسیم ہوگی اور خود شوہر بھی وارثین میں داخل ہے، اگر عورت کی کوئی اولاد نہ ہو، تو شوہر کو نصف ملے گا، بقیہ نصف دوسرے ورثا کے درمیان تقسیم ہوگا اور اگر عورت کی اولاد موجود ہے تو شوہر کو ایک چوتھائی ملے گا بقیہ تین چوتھائی دوسرے ورثاء کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۲۵۸/۸)

---

(۱)　اگر بال بچہ ہے تو ایک چوتھائی، ورنہ نصف شوہر کا ہوگا، بقیہ دوسرے ورثہ کو پہنچے گا، وہ ادا کردے، یا ان سے معاف کرالے۔

☆　**بیوی کے انتقال کے بعد مہر کس کو ملے گا:**

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت انتقال کرگئی، اس عورت کے شوہر نے مہر ادا نہیں کئے، وہ ادا کرنا چاہتا ہے، اس عورت کے بچے بھی ہیں، اب اس عورت کے بھائی مہر ادا کرنے سے متعلق زور دے رہے ہیں تو وہ مہر کس کو دینا چاہئے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر مذکورہ عورت کی اولاد میں سے کوئی لڑکا بھی ہے تو عورت کا بھائی عورت کے ترکہ کے کسی جز کا بھی حق دار نہ ہوگا، البتہ مہر کو ۴/ سہام میں تقسیم کرکے ایک خود شوہر کو ملے گا اور بقیہ بچوں کو ملیں گے۔

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني، أو لهم بالميراث جزء الميت أي البنون. (السراجی: ۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۸۵۸/۳۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۲/۲۵ھ۔(فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۴/۱۳)

وأما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد، وولد الابن وإن سفل والربع مع الولد وولد الابن وإن سفل، الخ. (السراجی: ۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۷۸۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍۶۸۵)

متوفی بیوی کا مہر کس طرح ادا کریں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، جس کے مہر مبلغ ۲۵؍ہزار کے لکھے ہوئے ہیں، جن کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی موجود ہیں، اب اس کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ (المستفتی: سرتاج احمد، نئی آبادی، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر بیوی کی کوئی اولاد نہیں ہے تو بیوی کا مہر اور جہیز کا سامان سب چھ سہام میں تقسیم ہوکر ۳؍سہام شوہر کو ملیں گے اور ۲؍سہام باپ کو اور ایک سہام ماں کو ملے گا۔ نیز پورا مہر ادا کرنا لازم ہے، مگر پورے میں سے نصف خود شوہر کو ملے گا۔

زوج وأبوين للزوج النصف، وللأم ثلث ما بقى فيكون المسئلة من ستة. (السراجی: ۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۴۷۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍۶۸۵-۶۸۶)

بیوی کا مہر اس کے ترکے میں شامل کرنا ہوگا:

سوال: مفتی صاحب! ایک شخص کے پاس اس کی بیوی کا مہر ہے؛ یعنی اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا اور بیوی نے معاف بھی نہیں کیا اور بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اب اس مہر کو صدقہ کیا جائے، یا وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر چونکہ عورت کا حق اور اس کی ملکیت ہے، لہٰذا یہ مہر اس کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کیا جائے گا۔

لما في البناية (۲۶۵/٤): وان علم أن المرأة ماتت أولا يسقط من المهر قدر نصيب الزوج من التركة لأنه ورث دينا على نفسه.

وفي الهندية (۳۲۱/۱): إذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرا ثبت ذلك بالبينة أو بتصادق الورثة فلورثتها أن يأخذوا ذلك من ميراث الزوج... ولو اتفقت الورثة على عدم تسمية المهر في العقد يقضى بمهر المثل على قول صاحبيه وعليه الفتوى، كذا في جواهر الإخلاطي. (نجم الفتاویٰ: ۵؍۲۲۰)

مہر وصول کرنے سے قبل عورت کا انتقال ہوجائے:

سوال: میری چھوٹی بہن کی شادی کو ابھی ۲؍سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کا حق مہر پچاس

ہزار روپے تھا، نہ اس کے شوہر نے اس کا حق مہر دیا، نہ معاف کروایا، نہ ہماری بہن نے معاف کیا۔ برائے مہربانی آپ بتائیں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے اور ہم لوگ کیا کریں، نیز مہر کی رقم لینے کے بعد اس کا مستحق کون ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر عورت کا حق ہے اور تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے شوہر پر اس کی ادائیگی واجب ہوجاتی ہے۔

(۱) شوہر اپنی بیوی سے ہمبستری کرے۔

(۲) خلوت صحیحہ ہوجائے۔

(۳) ان دونوں (میاں و بیوی) میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے۔

صورت مسئولہ میں آپ کی بہن نے اپنا حق مہر وصول بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی معاف کیا تھا لہٰذا اس (مہر) کی ادائیگی ان کے شوہر پر واجب ہے اور یہ مہر آپ کی بہن کا ترکہ شمار ہوگا۔ ان (مرحومہ) کی تجہیز و تکفین اور اگر کسی کا ان پر قرضہ ہو تو اسے ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی غیر وارث کے لیے انہوں نے وصیت کی ہو تو اسے بقیہ مہر کی رقم کے تہائی سے ادا کرنے کے بعد مرحومہ کے وارثوں میں اس مہر کی رقم کو شرعی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٢٤): ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾

وفی الهندية (٣٠٣/١ـ٣٠٤): الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا فی البدائع.

وفی الشامية (١٠٢/٣): وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه... قال فی البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع، اه. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۰/۵ـ۲۲۱)

زوجین کی موت کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ کار:

سوال: مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) بغیر مہر کے نکاح ہوجاتا ہے، یا مہر نکاح کے لیے شرط ہے؟

(۲) مہر معاف کرنے سے معاف اور ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے، یا ذمہ میں باقی رہتا ہے؟

(۳) اگر کوئی مہر مؤجل مقرر کرے اور اس کی مدت متعین نہ کی گئی ہو تو ایسے مہر کی مدت فرقت ہے، خواہ فرقت موت کے سبب ہو، یا طلاق کے ذریعہ۔ اگر فرقت موت کے ذریعہ ہو تو آدمی مہر کس طرح ادا کرے گا اور کس کو ادا کرے گا، جب کہ لڑکی کو تو اس کا حق ملا نہیں اور اس صورت میں آدمی ظالم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

(۱) اگر نکاح کے وقت نہ مہر کا ذکر کیا گیا اور نہ ہی مہر مقرر کیا گیا تو بھی نکاح درست ہو جاتا ہے، البتہ نکاح کے بعد مہر مثل ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) مہر عورت کا حق ہے، اگر وہ بغیر کسی جبر کے دل سے معاف کردے تو شوہر کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔

(۳) وہ مہر مؤجل کہ جس میں مدت مقرر نہیں کی گئی تو اس کی حد فرقت ہے، فرقت یا تو طلاق سے ہوگی، یا موت سے۔ موت کے بسبب فرقت میں شوہر پر لازم ہے کہ وہ عورت کے ترکہ میں مہر کی رقم شامل کردے، پھر جب ترکہ تقسیم ہوگا تو دیگر ورثا کی طرح شوہر کو بھی وراثت میں اس کے شرعی حصے (نصف یا ربع) کے تناسب سے حصہ ملے گا۔ اس صورت میں شوہر ظالم نہ ہوگا اور اگر فرقت کا سبب شوہر کی موت ہے تو اگر اس نے اتنا مال ترکہ میں چھوڑا ہے کہ جس سے مہر ادا کیا جا سکے تو شوہر کے ورثاء پر لازم ہے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ عورت کو مہر ادا کریں اور اگر شوہر نے اتنا مال نہیں چھوڑا کہ جس سے مہر ادا ہو سکے تو شوہر ظالم ہوگا اور اس پر مہر ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

لمافي الهندية (۳۲۱/۱): أما إذا علم أنها ماتت أولا فيسقط منه نصيب الزوج، كذا في فتح القدير ... ولو أبرأت زوجها من مهرها أو وهبته إياه ثم ماتت بعد مدة فقالت الورثة أبرأته في مرض موتها وأنكر الزوج فالقول قوله كذا في التبيين.

وفي الدرالمختار (۱۱۳/۳) كتاب النكاح: (وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أو لا.

وفي الرد تحته: مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لان حط أبيها غير صحيح... ولو اختلف مع ورثتها فالقول للزوج أنه كان في الصحة لانه ينكر المهر خلاصة ولو وهبته في مرضها فمات قبلها فلا دعوى لها بل لورثتها بعد موتها وتمام الفروع في البحر.

وفي الدرالمختار (۱۵۰/۳): (وموت أحدهما كحياتهما في الحكم) أصلا وقدرا لعدم سقوطه بموت أحدهما (وبعد موتهما ففي القدر القول لورثته). (نجم الفتاویٰ: ۲۲۱/۵-۲۲۲) ☆

☆ **شوہر کی موت کی صورت میں مہر کا حکم:**

سوال: میرا نکاح ایک سال قبل احمد بن نذیر سے ہوا تھا، ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ احمد کا انتقال ہو گیا۔ اب احمد کے والد صاحب کہتے ہیں، چوں کہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی؛ اس لیے آپ کو مہر نہیں ملے گا اور میراث میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ آپ حضرات شرعی مسئلہ بتائیں کہ مجھے مہر ملے گا، یا نہیں؟ اگر ملے گا تو نصف مہر ملے گا، یا پورا اور میراث میں میرا کتنا حصہ بنے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

احمد کے والد کا یہ کہنا کہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی، اس وجہ سے نہ آپ کو مہر ملے گا اور نہ میراث یہ غلط ہے۔ مہر کا رخصتی سے کوئی تعلق نہیں۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی کو پورا مہر ملے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو مہر بھی پورا ملے گا اور میراث میں سے شرعی (یعنی چوتھا) حصہ بھی ملے گا۔ ==

بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا مہر کو خیرات کرنا:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کا مہر بیس ہزار روپے رکھا، بیوی کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اس کی بیوی کا انتقال ہوگیا، کوئی اولاد وغیرہ بھی نہیں ہے۔ اب شوہر یہ چاہتا ہے کہ اس کے مہر کی رقم خیرات کردے، جب کہ بیوی کے ماں باپ کہتے ہیں کہ مہر کی رقم ہمیں دیدو۔ اب آپ بتائیں کہ مہر کی رقم کا کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی رقم ورثا کو ان کے حصص کے مطابق دینی ضروری ہے، شوہر کے لیے ورثا کی مرضی اور اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں، البتہ مہر کا اتنا حصہ جو شوہر کو بطورِ وراثت ملنا ہے، وہ حصہ صدقہ کرسکتا ہے۔

لمافی الهندية (۳۰۳/۱): الفصل الثانی فیما یتأكد به المهر والمتعة والمهر یتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء كان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا فی البدائع.

وفی الدر المختار (۷۷۰/۶): (والربع للزوج)... (مع أحدهما) أی الولد أو ولد الابن (والنصف له عند عدمهما) فللزوج حالتان النصف والربع. (نجم الفتاویٰ: ۲۲۲/۵-۲۲۳)

لڑکی کے مرنے کے بعد باپ مہر کا دعویٰ کرسکتا ہے:

سوال: باپ لڑکی کے مرنے کے بعد دعویٰ مہر کا کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

بقدر اپنے حصہ کے باپ مہر کا دعویٰ شوہر سے کرسکتا ہے، اسی طرح شوہر اپنا حصہ عورت کے ترکہ سے لے سکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۱/۸)

ان گواہوں کے بیان سے گیارہ ہزار ثابت ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: والدہ مرحومہ کا مہر گیارہ ہزار گیارہ اشرفی کا ہے، نکاح کو عرصہ ۴۵ سال کا ہوا، چناں چہ ان دونوں کے

== لمافی القرآن الكريم (الأحزاب: ۵۰): ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ. وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾

وفی الهندية (۳۰۳/۱): الفصل الثانی فیما یتأكد به المهر والمتعة والمهر یتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء كان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا فی البدائع.

وفی الدر المختار (۱۰۲/۳): (وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها و) یجب (الاكثر منها إن سمی) الاكثر ویتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أوموت أحدهما). (نجم الفتاویٰ: ۲۲۲/۵)

انتقال کے بعد عاجز نے جائداد والد پر دعویٰ مہر کیا،ثبوت مہر میں بوقت نکاح جولوگ گواہ تھے،ان میں سے قاضی عبدالرحمٰن صاحب نے گیارہ ہزار دس اشرفی کا مہر بیان گیا اور قمرالدین خان نے ہزاروں روپیہ اور دس اشرفی کا مہر بیان کیا اور بخشی بیگم نے گیارہ ہزار دس اشرفی بیان کی اور دو گواہ میرے والد کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ گیارہ ہزار میرا نکاح ہوا تھا،اسی قدر میرے لڑکے کا مہر باندھو،اس صورت میں میری والدہ کا مہر گیارہ ہزار ہونا ثابت ہوتا ہے، یانہیں؟ جب کہ حکیم صاحب دس ہزار، یا گیارہ ہزار تردید کے ساتھ بیان کر چکے ہیں؟

الجواب

وقت نکاح کے گواہوں میں سے ایک گواہ قاضی عبدالرحمٰن کا بیان گیارہ ہزار دس اشرفی کا ہے اور ایک عورت بخشی بیگم کا بیان اس کے مثل ہے اور قمرالدین خاں کا بیان ہزاروں روپیہ اور دس اشرفی کا ہے، جو کہ مطابق دعویٰ کے نہیں ہے اور دس ہزار، یا گیارہ، الخ، بیان کرنا بھی بوجہ تردید کے مطابق سابق کے نہیں، پس یہ بیانات مثبت گیارہ ہزار روپیہ دس اشرفی کے شرعاً نہیں ہیں، البتہ اقرار والد نذیر احمد کا جو بدیں الفاظ ہوا کہ جس قدر میرا مہر تھا، اسی قدر میری دختر کا ہوگا تو اگر اس موقع پر گیارہ ہزار، الخ، کی تصریح ہوگئی ہے اور اس اقرار کے سننے والے دو گواہ عادل موجود ہیں تو گیارہ ہزار، الخ، مہر ثابت ہوسکتا ہے؛ (۱) مگر پہلے خود حکیم صاحب تردید کے ساتھ دس ہزار، یا گیارہ ہزار بیان کر چکے ہیں،لہذا اس سے بھی گیارہ ہزار، الخ، کا ثبوت نہیں ہوسکتا ،پس ایسے نزاع کی حالت میں مہر مثل سے فیصلہ ہوتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۳/۸-۳۴۴)

لڑکی کے مرنے کے بعد باپ اس کا مہر لے سکتا ہے، یانہیں:

سوال: لڑکی کے مرجانے کے بعد اس کے والدین کو اس کے مہر لینے کا حق ہے، یانہ؟

الجواب

لڑکی اگر لاولد مرجاوے اور اپنا شوہر اور والدین چھوڑے تو اس کے مہر اور تمام ترکہ میں سے بعد ادائے حقوق مقدم علی المیراث نصف اس کے شوہر کو اور نصف والدین کو پہنچتا ہے۔

کما قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ولکم نصف ماترک أزواجکم إن لم یکن لھن ولد﴾ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۷/۸)

(۱) ونصابها (أی الشهادة) لغيرها من الحقوق،الخ،رجلان،الخ، أورجل وامرأتان. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٤/٥١٥،ظفير)

(۲) وإن اختلفا فی المهر ففی أصله،الخ،يجب مهر المثل. (الدرالمختار)

قال فی الفتح: الإختلاف فی المهر إما فی قدره أو فی أصله وكل منهما إما فی حال الحياة أوبعد موتهما أوموت أحدهما. (ردالمحتار،باب المهر: ٢/٤٩٦،ظفير)

(۳) سورة النساء: ١٢،ظفير

لڑکی والے کا بوقت نکاح روپیہ لینا اور اسے مہر میں شمار کرنا کیسا ہے:

سوال: بوقت نکاح علاوہ تعیین دین مہر کے لڑکی والا لڑکے کے والے سے کچھ لے لیتا ہے۔ یہ لینا جائز ہے، یا نہ؟ اور دین مہر میں شمار ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسی رقم کو فقہا نے رشوت قرار دیا ہے اور واجب الرد لکھا ہے۔ (کما فی الدر المختار) (۱) اور جب کہ مہر کا نام نہیں لیا تو وہ مہر میں شمار نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۴/۸)

عورت کے انتقال کے بعد اس کا مہر کیسے ادا کیا جائے:

سوال: جس عورت کا خاوند سفر میں ہو اور وہ عورت انتقال کر جاوے اور مہر ادا نہ ہوا ہو تو مہر کیوں کر ادا ہو؟

الجواب

بقدر حصہ دیگر ورثا عورت کے وارثوں کو مہر ادا کر دیا جاوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۵/۸)

جو روپیہ نکاح کے نام پر لیا گیا، وہ رشوت ہے، مہر میں محسوب نہ ہوگا:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے اس کے باپ کو کچھ روپیہ دے کر اپنے لڑکے کا نکاح کیا، کچھ روز بعد عورت کا شوہر مر گیا، پھر اس کے شوہر متوفی کے باپ نے دوسرے شخص سے وہ روپیہ واپس لے کر اس عورت کا نکاح کرا دیا، ایسی صورت میں وہ روپیہ جو شوہر ثانی کی طرف سے دیا گیا، اس کے مہر میں محسوب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

وہ روپیہ رشوت ہے، شوہر کے باپ کو وہ روپیہ لینا درست نہیں ہے، واپس کرنا چاہیے اور مہر میں وہ روپیہ بدون تصریح اس کے کہ یہ روپیہ مہر کا ہے، محسوب نہیں ہوسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۲/۸)

بیوی نقد رقم اور سامان لے کر چلی گئی تو وہ مہر میں محسوب ہوگا:

سوال: ظہیر الدین کی بیوی بغیر اجازت واذن ظہیر الدین نقد روپئے، زیورات حتیٰ کہ دوسرے کی امانت کو لے کر اپنے پہلے شوہر کے لڑکے کے ساتھ چلی گئی، اگر ان سارے روپیوں اور زیورات کا تخمینہ لگایا جائے تو دین مہر سے بھی

---

(۱) أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۳/۲ ۰ ۵، ظفیر)

(۲) اگر بچے نہیں ہیں تو عورت کے نصف مہر کا حق دار خود شوہر ہوگا اور بقیہ نصف کے عورت کے بقیہ ورثا ہوں گے اور اگر بچے ہیں تو شوہر کو اس بیوی کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا اور بقیہ تین چوتھائی اس کے بچے اور اس کے والدین کو۔ واللہ اعلم، ظفیر

زیادہ رقم ہوجاتی ہے۔ایسی حالت میں اگر ظہیر الدین طلاق دے دے تو دین مہر دینا ہوگا، یا ان رقم میں محسوب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسروقہ چیزیں مہر میں محسوب ہوں گی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/۴۰)

نفقہ واجبہ کے ذریعہ ادائے مہر کی نیت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ہوا اور مہر میں ۱۵/ ہزار روپیہ مقرر ہوا؛ لیکن زید کی حالت خستہ ہونے کی وجہ سے وہ مہر ادا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ نیز زید کو اتنی قوت حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بیس روپیہ روزانہ گزارے کے لئے دے سکتا ہے؛ لیکن وہ چالیس روپیہ روزانہ کے حساب سے مانگتی ہے، اسی طرح وہ سال میں تین جوڑے کپڑے اور جوتی وغیرہ کا مطالبہ کرتی ہے، جو کہ قوت سے زائد ہے تو ایسی صورت میں ان چیزوں کو لیتے ہوئے ادائیگی مہر کی نیت کرلے، تو درست ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد خالد حسین، بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

کپڑا جوتا اور بیوی کے گزارے کے لیے دی جانے والی رقوم میں جو کہ شوہر پر شرعاً واجب ہے، ادائیگی مہر کی نیت کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مہر کی ادائیگی مستقل طور پر ہونا ضروری ہے، جس کا عورت کو بھی علم ہونا لازم ہے۔

وذكر فقيه أبو الليث أن القول قوله في متاع لم يكن واجباً على الزوج كالخف والملاءة ونحوه، وفي متاع كان واجباً عليه كالخمار، والدرع، ومتاع كالخف ليل، فليس له أين يحتسب من المهر. كذا في المحيط السرخسي. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر،الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر، زكريا: ۱/۳۲۲، جديد: ۱/۳۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۱۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۷۴۱)

بیٹی کی حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا:

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے۔کیا ایسا کرنا شرعا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس

(۱) فتاویٰ دارالعلوم جدید: ۸/۳۱۵

قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

قال ابن عابدين: وفيها قبض الأب المهر وهي بالغة أو لا وجهزها أو قبض مكان المهر عيناً ليس لها أن لاتجيز لأن ولاية قبض المهر إلى الآباء وكذا التصرف فيها. (رد المحتار: ۵۰۸/۲، باب المهر قبيل باب النكاح الرقيق) (۱) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۴/۴)

بیوی شوہر سے ترکہ پائے گی:

سوال: زوجہ بعد وصول کرنے مہر کے ملکیت شوہر سے حصہ وصول کرنے کی مستحق ہے، یا نہ؟

الجواب

بعد حاصل کرنے مہر کے، اگر زوج فوت ہو جاوے تو زوجہ کو حصہ پہنچے گا اور قبل الفوت نفقہ وکسوہ (کھانا خرچہ اور لباس) کے سوا استحقاق نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۷/۸)

کیا مہر میراث میں داخل ہے:

سوال: کیا مہر بھی میراث میں داخل ہے؟

الجواب

میراث میں بھی داخل ہے، اگر اولاد نہیں تو خاوند کا حصہ نصف مہر وغیرہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۸/۸)

بیماری کے اخراجات مہر میں محسوب ہوں گے، یا نہیں:

سوال: عورت منکوحہ کی بیماری ودیگر ضروریات میں جو روپیہ صرف ہو، وہ مہر میں محسوب ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ اخراجات بدون رضامندی عورت مہر میں محسوب نہیں ہو سکتے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۸/۸)

زندگی میں بیوی کو دیا ہوا مال مہر میں وضع کر سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: زید لا ولد فوت ہوا، اپنی میں اپنی منکوحہ کو کچھ مال دے دیا ہو تو اس مال کو اس عورت کے مہر میں وضع کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۳/۸، مسائل واحکام مہر)

(۲) **اعلم أن المذهب المصحح الذي عليه الفتوى وجوب النفقة للمريضة قبل النقلة أوبعد ها أمكنه جماعها أو لا، معها زوجها أو لا، حيث لم تمنع نفسها إذا طلب نقلتها فلا فرق حينئذ بينها وبين الصحيحة لوجود التمكن من الاستمتاع، كما في الحائض والنفساء، الخ. (ردالمحتار، باب النفقة: ۸۹۲/۲، ظفير)**

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ھو الموفق للصواب: زید نے اپنی زندگی میں اپنی عورت کو جو مال دیا ہے، اگر مہر کے عوض دیا ہے اور اس کی سند تحریراً، یا معتبر گواہوں سے موجود ہے تو اس کا مہر ادا ہوگیا، ورنہ اس کو دیا ہوا مال اس کے لیے ہبہ ہوگا، اس کو مہر میں وضع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ رجوع ہبہ کے موانع میں سے ایک واہب کا مرنا بھی ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

أما العوارض المانعة من الرجوع فأنواع:... ومنها: موت الواهب، كذا في البدائع، انتهٰى. (۱) واللہ اعلم بالصواب

ضیاء الدین محمد کان اللہ۔ الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۸۹)

نکاح سے قبل خرچ کی گئی رقم کو مہر کہنا:

سوال: مفتی صاحب! ایک شخص ایک عورت پر شادی سے قبل خرچہ کرتا ہے اور جب نکاح کا وقت آتا ہے تو وہ نکاح کی تقریب میں کہتا ہے کہ اس عورت کا حق مہر وہی پیسہ ہے، جو میں نے شادی سے پہلے اسے کھلایا تھا اور مزید کوئی حق مہر نہیں تو کیا اس طرح شادی سے قبل کیا گیا خرچہ حق مہر بن سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر کو نکاح سے قبل ادا کرنا بھی جائز ہے؛ لیکن صراحۃً ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ جو رقم میں دے رہا ہوں، یہ مہر ہے اور اگر صراحت نہ کی ہو تو پھر عرف پر مدار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں مختلف مواقع پر نکاح سے قبل بھیجی گئی رقوم عموماً ہدیہ ہی ہوتی ہیں، اس کو مہر نہیں سمجھا جاتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص نے نکاح سے قبل خرچہ کرتے وقت یہ تصریح کی ہو کہ یہ مہر ہے، تب تو وہ مہر بن سکتا ہے، وگرنہ وہ رقم بطورِ ہدیہ کے ہوگی، اسے مہر قرار نہیں دیا جاسکتا، بوقتِ نکاح دوبارہ تقرر مہر ضروری ہوگا۔

لمافي القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفيه أيضاً (النساء: ٢٤): ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾

وفي الشامية (١٥٣/٣): (قوله: لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح: والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة؛ لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه... قال في النهر: وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضا في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف، آه، قلت: ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أومن دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضاً. (نجم الفتاویٰ: ۱۹۵/۵-۱۹۶)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس في الرجوع في الهبة: ٣٨٦/٤، انيس

رخصتی کے وقت بیوی کو دیئے گئے زیور کا حکم:

سوال: سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عاصمہ بنت سید عابد علی سے نکاح کیا اور عقد نکاح کے وقت فریقین کی رضامندی سے پچاس ہزار (50000) حق مہر طے ہوا، جو کہ نکاح فارم میں درج کر دیا گیا۔ رخصتی کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ بیگم کو زیور چڑھایا جو کہ عام طور پر شادی کے موقع پر چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ کو حق مہر ادا نہیں کیا جو کہ پچاس ہزار روپے رقم طے تھی اور پھر کچھ سال بعد تین طلاقیں دے کر اپنی اہلیہ عاصمہ کو اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا۔ اب بعد از طلاق عامر علی سے حق مہر کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو عامر علی نے کہا کہ جو میں نے زیور عاصمہ کو چڑھایا تھا، بعد نکاح کے وہی زیور مہر کے عوض ہے، جب کہ عامر علی نے زیور چڑھاتے وقت نہ تو اس کی نیت کی کہ یہ حق مہر کے عوض ہے، نہ اس کا تذکرہ اپنی اہلیہ عاصمہ سے کیا اور نہ اس کے گھر والوں سے اور نہ نکاح فارم میں اس کی وضاحت کی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے عامر علی حق مہر کے ادا کرنے سے بری ہو جائیں گے اور کیا وہ چڑھایا ہوا زیور شرعاً حق مہر کے عوض میں شمار کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ طلاق کے بعد عامر کہتے ہیں کہ میں نے تو اس وقت؛ یعنی زیور چڑھاتے وقت حق مہر کی نیت کی تھی، جب کہ اس سے پہلے خود واضح کر چکے تھے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی، سو انہوں نے اب اپنا بیان بدل لیا ہے۔ آپ تمام باتوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا تھا، وہی حق مہر شمار کیا جائے گا۔ رخصتی کے وقت جو زیور چڑھایا گیا ہے، اس کو حق مہر میں شمار نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ جب عامر علی نے الگ سے مہر کی رقم مقرر کر دی تھی اور زیور دیتے وقت بھی اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ بطور مہر کے ہے تو طلاق کے بعد ان کا یہ کہنا کہ ''زیور بطورِ مہر کے تھے'' معتبر نہیں؛ کیوں کہ آج کل عام طور پر رخصتی کے وقت جو زیور دیئے جاتے ہیں، وہ بطور ہدیہ ہوتے ہیں، جب تک وضاحت نہ کر دی جائے کہ یہ بطور حق مہر کے ہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں سید عامر علی پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

لمافي الهندية (۳۲۳/۱): وفي مجموع النوازل بعث إلى امرأ أيام العيد دراهم فقال عيدى أو قال سيم شكر ثم ادعى أنه من المهر لا يصدق كذا في المحيط.

وفي الشامية (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلک ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الاعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلک تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضاً. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۰۲-۲۰۳)

شوہر نے جو زیورات دیئے، وہ مہر میں محسوب ہوں گے، یا نہیں:

سوال: ہندہ کا انتقال ہوگیا، اس نے باپ بھائی شوہر چھوڑا اور زیورات جس میں کچھ خود اس نے بنائے تھے، کچھ شوہر نے بنوائے تھے، کیا وہ زیور جو شوہر نے بنوایا تھا، اب دین مہر میں قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور دین مہر میں کس کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جو زیور شوہر نے ہندہ کو دیا ہو، وہ ہندہ کا مال ہے، اب اس کا شمار دین مہر میں نہیں کیا جا سکتا، (۱) ہندہ کے کل متروکات اور دین مہر میں (جو شوہر کے ذمہ واجب الادا ہو) نصف خود شوہر کو ملے گا اور نصف باقی ہندہ کے باپ کو ملے گا، (۲) بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۳/۴/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۰)

کیا کپڑے اور زیور مہر میں شمار ہوں گے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۲۰/جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: اگر ہم اپنی بی بی کو ایک سال میں دو جوڑے کپڑے سے زیادہ پہنائیں اور دل میں نیت کرلیں کہ بی بی کے مہر میں دیتے ہیں اور بی بی کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور زیور بھی جو اس کو پہنائیں، مہر تصور کرلیں تو درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

کپڑا تو بیوی کو مہر کے علاوہ خاوند کی طرف سے ملنا چاہیے؛ اس لیے یہ کپڑا مہر میں محسوب نہیں ہوگا۔ (۴) ہاں دیتے وقت تصریح کردی جائے اور بیوی منظور کرلے تو مہر میں محسوب ہو سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۴۲)

---

(۱) (ولو بعث إلى امرأته شيأً ولم يذكر جهة عندالدفع غير) جهة (المهر) كقوله لشمع أوحناء ثم قال إنه من المهر لم يقبل، قنية، لوقوعه هدية فلاينقلب مهراً. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب فيما أرسله إلى الزوجة: ۲/۳٦۳)

(۲) أما للزوج فحالتان النصف عندعدم الولد وولدلابن وإن سفل. (السراجى: ۱۱)

أما للأب فأحوال ثلاث ... والتعصيب المحض وذلک عدم الولد وولدالابن وإن سفل. (السراجى: ۱۰)

(۳) وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل و بالأب بالاتفاق. (السراجى: ۱۷)

(۴) النفقة هى لغة ما ينفقه الإنسان على عياله وشرعًا هى الطعام والكسوة والكسنى للزوجة بنكاح صحيح على زوجها، لأنّها جزاء الاحتباس. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۷۲، سعيد)

زیورات جوشوہر نے دیئے، وہ مہر میں محسوب ہوں گے، یانہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کوطلاق دی، پس مہر مقرر شدہ میں زیورات از وقت نکاح تاوقت طلاق شمار ہوں گے، یانہیں؟

الجواب

اگرشوہر نے مہر میں حساب کرکے زیور دیا ہےتووہ مہر میں محسوب ہوگا اوراگر ہدیۃً وہبۃً دیا ہےتومہر میں شمار نہ ہوگا اور اگر محض عاریۃً دیا تھاتووہ زیورشوہر کی ملک ہے، اگروہ چاہے، مہر میں محسوب کرسکتا ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۹/۸)

بیوی کودیئے ہوئے سامان میں سالوں بعدمہر کی نیت کرنے کاحکم:

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری شادی کونوسال سے کچھ زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، جب میں نے شادی کی تھی تو مہر فاطمی کے عوض شادی کی تھی، اس وقت مہر کچھ نہیں دیا تھا؛ لیکن بہت ساراسامان میں نے اپنی بیوی کودے دیا تھا، اس وقت کچھ نیت نہیں کی تھی، اب میں نیت کرتا ہوں کہ جو کچھ دیا تھا، وہی مہر کے بدلہ میں ہوجائے تو کیاوہی کافی ہے، یاالگ سے دینا پڑے گا، حالاں کہ اب میرے پاس مہر کے بقدر پیسہ نہیں ہیں؛ کیوں کہ میں اس وقت ایک ملازم ہوں۔

(المستفتی: نوید حسین، کالا پیادہ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب وبالله التوفيق

جوسامان آپ نے بغیر مہر کی نیت کے دیا ہےاوراب نوسال کے بعدان سامانوں کے بارے میں جوبغیر مہر کی نیت کے دیئے ہیں اورنہ ہی بیوی کواس سلسلہ میں بتلایا ہے کہ شادی کے بعدمہر دیتے رہے ہیں، مہر کی نیت کرنے سے مہر ادا نہ ہوگا؛ بلکہ مہر کا قرضہ بدستورلازم رہے گا اور جب شادی کے وقت مہر فاطمی طے ہوا ہے تو جس وقت ادا کیا جائے گا، اس وقت کے بازار کی قیمت کا اعتبار کر کے مہرادا کرنا لازم ہوگا اورمہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلوتیس گرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلمازفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، زكريا: ۳۲۷/۱، جديد زكريا: ۳۹۳/۱)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء. (الدرالمختار)

(۱) لوبعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهته عند الدفع غير جهة المهر فقالت هوأى المبعوث هدية وقال:هومن المهر أومن الكسوة أوعارية فالقول له بيمنه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۴۹۹/۲، ظفير)

وفی الشامیة: یعتبر یوم الأداء وهو الأصح. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، کراتشی: ۲۸۶/۲، زکریا: ۲۱۱/۳، الدر المنتقی، دارالکتب العلمیة بیروت: ۳۰۱/۱، البحر الرائق، کوئٹہ: ۲۲۱/۲، زکریا: ۳۶۸/۲، جدید زکریا: ۳۹۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۷۹/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۵/۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۷۴۵/۱۳-۷۴۶)

تنخواہ دیتے وقت شوہر نے کیا جو رقم خرچ سے بچ جاوے، وہ مہر میں محسوب ہوگی، کیا حکم ہے:

سوال: زید اپنی زوجہ کو بارہ سال سے اپنی پوری تنخواہ دیتا ہے، جو گھر کے خرچ سے بہت زائد ہے اور زوجہ زید نے اس میں سے ایک معتد بہ رقم پس انداز کرلی ہے، پانچ سال تک زید نے باقی ماندہ رقم کے متعلق کچھ نہیں کہا؛ لیکن پانچ سال بعد زید نے اپنی زوجہ سے یہ کہہ دیا کہ جو رقم تمہارے نفقہ اور ایک بچہ کے نفقہ اور میرے خرچ سے زائد ہو، وہ مہر میں شمار ہوگی اس صورت میں باقی ماندہ رقم مہر میں شمار ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں مابقی رقم مہر میں محسوب ہوگی، لتصریح الزوج بہ اور رقم نفقہ حسب عرف متعین ہوجاوے گی۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۰/۸)

بیوی کے علاج میں مہر کا روپیہ:

سوال: نعیم الحق کی بیوی کا مہر دو ہزار روپیہ ہے، بیوی کو ئی ٹی بی کا مرض ہے تو نعیم الحق کا جو روپیہ بیوی کے علاج میں خرچ ہوا، وہ مہر میں محسوب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا کہ تمہارا علاج تمہارے مہر کے روپیہ سے کردوں اور اس نے اجازت دے دی، تب تو مہر صورِ مسئولہ میں شوہر کے ذمہ باقی نہیں رہا، ورنہ جتنا روپیہ خرچ کیا، وہ تبرع اور احسان تھا، جواب مہر میں محسوب نہ ہوگا۔

کما لایلزمها مداواتها، آه: أی إتیانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبیب ولا الفصد، آه". (رد المحتار: ۶۴۶/۲)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۹۶/۱۲-۹۷)

مہر اپنے والد کے قرض میں وصول کرنا:

سوال: دوران نکاح بات چیت کے وقت لڑکی کے والد نے گیارہ سو پچاس روپے بطور قرض لیے تھے، وہ

(۱) ردالمحتار، باب النفقة، مطلب: لا تجب علی الأب نفقة زوجة ابنه الصغیر: ۵۷۳/۳، سعید

روپئے مہر میں کسی شکل سے ادا ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ مہر مبلغ ایک ہزار روپئے ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

لڑکی کے والد نے جو روپیہ لڑکے سے قرض لیا ہے، اس کو مہر میں شمار کر لینا درست ہے، جب کہ اس پر لڑکی راضی ہو کہ شوہر کو مہر سے بری کرتی ہے اور مہر اپنے والد سے وصول کرے گی۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۲۳/ ۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۲۳/ ۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۱۰۲-۱۰۳)

ساس کے قرضے سے بیوی کا مہر منہا کرنا:

سوال: میری شادی میں جو مہر طے ہوا تھا، وہ میں بیوی کو ادا نہیں کر پایا اور بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا؛ لیکن میری ساس پر میرا قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں مہر کی رقم اس قرض سے منہا کر دوں، کیا اس طرح بیوی کا مہر ادا ہو جائے گا؟ از راہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

قرضہ میں مہر کی ادائیگی نہیں ہو سکتی، نیز آپ کا یہ کہنا کہ ''ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا'' یہ درست نہیں۔ مہر صرف بیوی کا حق تھا اور بیوی کے مرجانے کی صورت میں بیوی کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثہ کو بقدر حصص مہر میں سے بھی رقم ملے گی، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیے کہ مرحومہ کے مہر کی رقم کو ان کے ترکہ میں شامل کر دیں اور اگر مرحومہ کی کوئی اولاد نہ ہو تو آپ کو اس مہر سے نصف یعنی آدھا ملے گا اور اگر اولاد ہو تو پھر ایک چوتھائی حصہ اس مہر میں آپ کا (بطورِ میراث) ہے، بقیہ رقم دیگر ورثہ پر ان کے حصوں کی بقدر تقسیم ہوگی اور ساس کا قرضہ، ساس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ اپنا قرضہ ان سے وصول کریں۔ یہ مہر کی رقم اب تمام ورثہ کا حق ہے، اسے قرضے میں منہا کرنا جائز نہیں۔

لمافي القرآن الكريم (النجم:۳۸): ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾

وفي الدر المختار(۳/ ۱۰۹،باب المهر): (وكذا يجب... إن وطء) الزوج (أو مات عنها)الخ.

وفي الرد تحته:(قوله إن وطء الزوج) أي ولو حكما نهر أي بالخلوة الصحيحة فإنها كالوطء في تاكد المهر كما سيأتي (قوله أو مات عنها) قال في البحر: لو قال أو مات احدهما لكان أولى لان موتها كموته،كما في التبين.

---

(۱) وإذا زوج ابنه الصغير امرأة ضمن عنه المهر ، وكان ذلك في صحته ، جاز إذا قبلت المرأة الضمان ... ثم للمرأة أن تطالب الولي بالمهر، وليس لها أن تطالب الزوج،الخ''.(الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل الرابع عشرفي ضمان المهر: ۱/ ۳۲۶،رشيدية)

وفيه أيضاً (۵۹۷/۲،باب الحج عن الغير) **: وأما قوله عليه الصلاة والسلام:لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلي أحد عن أحد، فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب، كما في البحر.** (نجم الفتاویٰ:۵/۲۰۱-۲۰۲)

ساس کا بیٹی کے دین مہر کو داماد کے قرضہ میں مجری کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئی اس کی والدہ نے اس کی بہوکو شہر میں رکھنے سے انکار کیا، خود سب لوگ شہر میں رہتے تھے، بہوکو کرولہ پر بھیجنے کو کہا اور کہا کہ اگر شہر میں رکھنا ہوتو کہیں دوسری جگہ انتظام کرلو، چناں چہ سسرال والوں نے داماد کو اپنے یہاں رکھا تو داماد نے ٹین وغیرہ ڈال کر رہنا شروع کر دیا، پھر داماد نے کہا: میں اس پر لینٹر ڈال کر اسے اچھا بنانا چاہتا ہوں، ساس نے منع کیا، پھر چار پانچ ہزار خرچہ کی اجازت دی؛ مگر جب اس نے بنایا تو تیرہ ہزار کا حساب ساس پر، یا مکان پر آ گیا، ساس پہلے ہی زیادہ مکان میں لگانے سے منع کر رہی تھی؛ مگر داماد ہونے کے ناطے تیرہ ہزار کا کاغذ پر اقرار کرلیا اور تین ہزار روپیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوئے دے دیا، دس بقایا لکھ دیئے، اس کے داماد نے ایک ماہ بعد لڑکی کو تین بار طلاق دے دی تو اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ دس ہزار کا داماد کا جو مطالبہ ہے، وہ اپنی بیوی کا حساب مہر وغیرہ کا ہے، اس میں انہوں نے مجریٰ کر دیا کہ تم اپنی بیٹی کو دے دو، ساس کا کہنا ہے کہ آٹھ سال کا میرا کرایہ ملنا چاہیے؛ کیوں کہ اب میرا ان کا رشتہ ختم ہو گیا تو داماد کو دس ہزار ملنا چاہیے، یا ساس کو کرایہ ملنا چاہیے؟

(المستفتی: زوجہ حکیم اکرام الٰہی)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب مکان میں اس کا دس ہزار روپیہ باقی ہے اور مکان ساس کے قبضہ میں ہے اور دس ہزار روپیہ داماد کا حق ہے تو دین مہر اس میں سے ساس کے توسط سے بیوی کو منتقل کرنا درست ہے، یا داماد کو دس ہزار ادا کر دے، پھر داماد بیوی کو مہر میں ادا کر دے اور تعمیرات کا مسئلہ ایسا ہے کہ شروع میں کم معلوم ہوتا ہے، بعد میں خرچ بڑھتا جاتا ہے، لہٰذا جب ساس نے شروع میں اجازت دی ہے، پھر درمیان میں خرچ بڑھتا جا رہا تھا، اس وقت نہ روکنا اجازت ہے۔

أمور المسلمين على السراد، حتى يظهر غيره. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند:۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۵۰۹/۳۳)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۱/۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ:۱۳/۷۵۱-۷۵۲)

اگر بیمار شوہر کا مال لے کر بھاگ جائے تو وہ مہر میں وضع کیا جائے گا، یا نہیں:

سوال: میری دوسری بیوی میری عدم موجودگی میں میری بغیر اجازت اپنے بہنوئی کے ساتھ بہ نیت فعل بدفرار

ہوگئی اور اپنے ہمراہ مال وزیور جس میں میری لڑکی کا بھی زیور تھا، جو تقریباً پندرہ سو کا تھا، لے گئی اور اس کا مہر ایک ہزار کا ہے تو اس صورت میں وہ مہر کی دعوے دار ہوسکتی ہے، یا مہر ادا ہوگیا؟

الجواب

اگر عورت اقرار کرے مال واسباب شوہر کے لے جانے کا اور اس کو مہر میں محسوب کرے تو محسوب ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۴/۸-۳۱۵)

لڑکی کی رضامندی کے بغیر ولی کا مہر خرچ کرنا کیسا ہے:

سوال: ولی لڑکی کے مہر میں سے بلا رضامندی لڑکی کے تصرف کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ولی کو بلا رضامندی اختیار نہیں ہے، اگر باپ، یا دادا ولی ہے اور لڑکی نابالغہ ہے تو مہر بحفاظت رکھے اور اگر بالغہ ہے تو اس کو سپرد کردے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۸/۸)

خلع کے لیے جو روپیہ غیر نے عورت کے حکم سے اس کے شوہر کو دیا تھا، وہ شخص عورت سے وہ روپیہ وصول کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: عمر نے زید سے ایک سو ساٹھ روپیہ ہندہ کے امر سے جو لیا تھا، رقم لے کر اپنی زوجہ ہندہ کو تین طلاق پر مطلقہ کیا، زید نے روپیہ بکر کے واسطے دیا تھا کہ ہندہ کی عدت گزر جاوے گی تو بکر سے نکاح کراؤں گا، بکر عدت ہندہ کے اندر فوت ہوگیا، نہ عدت پوری ہوئی، نہ نکاح ہوا، زید اپنا ایک سو ساٹھ روپیہ ہندہ، یا اس کے والد سے طلب کرتا ہے، ہندہ انکار کرتی ہے، اپنے خرچہ ومہر ونسب کا دعویٰ کرتی ہے۔ آیا زید اپنی رقم واپس لے سکتا ہے، یا نہیں؟ اور ہندہ کا دعویٰ بھی چل سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہندہ کے امر سے جو روپیہ زید نے عمر کو طلاق دینے کی غرض سے دیا تو زید اس روپیہ کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے اور طلاق علی المال میں صحیح قول کے موافق عورت کا مہر ساقط نہیں ہوتا، البتہ نفقہ گزشتہ ومفروضہ ساقط ہوجاتا ہے۔

درمختار میں ہے:

(ویسقط الخلع) ... (والمباراۃ) ... (کل حق) ثابت وقتهما (لکل منهما علی الآخر)، الخ.

(قوله: کل حق): شمل المهر والنفقة المفروضة والماضية، الخ. (ردالمحتار)(۲)

(۱) لقوله عزوجل: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى اهلها﴾ (الآية) (سورة النساء: ۵۸، ظفير)

(۲) ردالمحتار، باب الخلع: ۲/ ۷۷۷-۷۷۸، ظفير

(وقیل:الطلاق علی مال) مسقط للمهر (كالخلع والمعتمد لا).(الدرالمختار)

وفي الشامي:..بأن النفقة المقضى بها تسقط بطلاق واطلقوه فشمل الطلاق بمال وغيره.(۱)

وفي ردالمحتار للشامي:وإن أرسله بأن قال:على الف،أو على هذا العبد، فإن قبلت لزمها تسليمه أو قيمته إن عجزت.(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۳۴۷-۳۴۸)

مہر دینے کے باوجود عورت کے نام جائداد لکھ دی،شوہر اسے واپس لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور مہر ادا کر دیا اور اس عورت کے نام کچھ جائیداد نان ونفقہ میں تحریر کر دی تو بعد طلاق وادائیگی مہر کے وہ عورت مستحق نان ونفقہ کی شرعاً رہے گی، یا نہیں؟ اور وہ جائیداد واپس لے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

طلاق کے بعد اگر زوجین اور جائیداد دی ہے تو وہ بطور ہبہ عورت کی مملوک ہوگی ،اب زبردستی اور قانونی طور سے شوہر واپس نہیں لے سکتا، رضامندی سے واپس ہو جائے تو بکراہت لینا جائز ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۳۵۳)

جائداد بعد موت کسے ملے گی:

سوال: اگر عورت مذکورہ شوہر کی حیات میں فوت ہو جائے تو وہ جائداد اس کے شوہر کو ملنا چاہیے، یا اولاد کو؟

الجواب

طلاق اور عدت گزرنے کے بعد اگر زوجہ فوت ہوئی ہے تو شوہر کو اس کی میراث سے کچھ نہ ملے گا اور دیگر ورثاء شرعی کو میراث پہنچے گی۔فقط

کتبہ الفقیر اصغر حسین (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸/۳۵۳)

ایک ثلث مہر کے خیرات کی وصیت جائز ہے، یا نہیں:

سوال: عورت نے موت سے ۳۶/ گھنٹے پہلے وصیت کی کہ اس کے مہر کا ایک ثلث بمد خیرات دیا جاوے، وصیت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

شرعی حیثیت سے اس کے مہر کا جو حصہ شوہر کے ذمہ ثابت ہو،اس کی ثلث میں وصیت جاری ہوگی ، بقیہ روپیہ ورثا پر

(۱) ردالمحتار،قبيل مطلب فى الخلع على نفقة الولد:۲/۷۸۰،ظفير

(۲) ردالمحتار،مطلب فى خلع غير الرشيدة:۲/۷۸۰،ظفير

تقسیم ہوگا، جس میں اس کا شوہر بھی شامل ہے؛ لیکن اگر اس کی پچھلی معافی اور شوہر کی ادائیگی ثابت ہوجائے تو یہ وصیت کالعدم ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۴/۸-۳۵۵)

مہر کے عوض اولاد دینا:

سوال: میری بیوی کا کہنا ہے کہ دین مہر کے عوض اسے اپنا بیٹا دے دوں تو وہ مہر معاف ہوجائے گا تو کیا میں دین مہر کی رقم کے عوض اپنا بیٹا اسے دے دوں تو مہر معاف ہوجائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مہر میں اولاد کو دینا شرعاً ناجائز اور لغو ہے، مہر مال سے ہوتا ہے، نہ کہ اولاد سے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ (سورة النساء: ٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴)

بچہ مہر کے طور پر بیوی کو دینا جائز نہیں:

سوال: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، جب زوجہ مطلقہ نے مہر طلب کیا تو زید نے کہا کہ میرے پاس تو مہر نہیں ہے، میں تجھ کو اپنے بچے مہر میں دیتا ہوں اور وہ بچے اسی عورت سے ہیں اور ابھی نابالغ ہیں، لہٰذا کتب معتبرہ سے جواب دیجئے کہ اپنے مہر میں دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بچوں کو مہر میں دینا ناجائز ہے؛ کیوں کہ انسان کا بچہ ایک آزاد انسان ہے اور آزاد انسان مال نہیں ہے، (۱) لہٰذا اس کے ساتھ مہر کا مبادلہ صحیح نہیں، بچے کی پرورش کا حق والدہ کو ہے اور بعد ختم مدت حضانت والد بچے کو لے سکتا ہے، عورت کا مہر مرد کے ذمہ واجب الادا ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۰/۵)

لڑکیاں مہر کا عوض نہیں ہوسکتیں:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو بیوی نے برضا ورغبت اپنے مہر میں اپنے خاوند سے دونوں لڑکیاں

---

(۱) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله تعالى: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة، رجل اعطى بي ثم غدر ورجل باع حراً فأكل ثمنه. (الحديث) (الصحيح البخاري، كتاب البيوع، باب اثم من باع حراً: ٢٩٧/١، قديمي)

(۲) وتجب عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما أو تزوج ثانيا في العدة. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ١٩٢/٣، سعيد)

طلب کرلیں، جواسی خاوند سے تھیں۔زید نے بخوشی دونوں لڑکیاں مہر کی ادائیگی کے طور پر اپنی مطلقہ بیوی کے حوالے کردیں۔واضح ہو کہ زید سے اگر مہر بصورت نقد طلب کیا جاتا تو وہ بھی ادا ہوسکتا تھا۔

الجواب

لڑکیاں مہر کے بدلے فروخت نہیں ہوسکتیں۔(۱) زوجہ اپنا مہر لے سکتی ہے، یا معاف کرسکتی ہے۔(۲)لڑکیوں کا حق پرورش کے لیے ہے؛(۳)لیکن نکاح کی ولایت بہرصورت باپ کے لیے قائم رہے گی۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۳۸/۵)☆

(۱) عن أبی هريرة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: قال اللّٰه تعالیٰ: ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل اعطی به ثم غدر ورجل باع حرا فأكل ثمنه ورجل استاجر أجيراً فاستوفی منه ولم يعط أجره.(صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب اثم من باع حراً: ۲۹۷/۱، قديمی)

(۲) والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين ... حتی لا يسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق.(الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح الباب السابع: ۳۰۳/۱، ماجدية)

(۳) حق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم.(التفاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، فی الحضانة: ۵٤۱/۱، ماجدية)

(۴) وولی المرأة فی تزويجها أبوها وهو أولی الأولياء ثم الجد.(خلاصة الفتاوی، كتاب النكاح، الفصل الثامن،: ۱۸/۲،بيروت)

☆ **مہر میں بچی کو دینا:**

سوال: مفتی صاحب! عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بیوی سے عمر کی ایک بچی ہے،مہر پچاس ہزار روپے مقرر ہوا تھا،عمر نے طلاق نامہ میں لکھا کہ میں مہر میں یہی بچی بیوی کو دیتا ہوں۔کیا یہ درست ہے اور وہ بچی مہر بن جائے گی؟

الجواب　بعون الملك الوهاب

مہر میں ایسی چیز دینا ضروری ہے، جو کہ مال ہو، بچی چوں کہ مال نہیں ہے، لہٰذا مہر نہیں بن سکتی اور خاوند کا طلاق نامہ میں بچی کو مہر ٹھہرانا درست نہیں؛ بلکہ جو پچاس ہزار مقرر کیا گیا تھا، وہی ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی التفسير المظهری(۶۷/۲):فائدة:هذه الآية تقتضی أن المهر لا بد أن يكون مالا لان الحلّ مقيّد بالابتغاء بالاموال والمنافع المعلومة ملحق بالاموال شرعا.

وفی الهندية (۳۰۲/۱،الباب السابع فی المهر):المهر انما يصح بكل ماهو مال متقوم.

(و فی ص:۳۰۳،الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمی أومهر المثل حتی لا يسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالإبراء.

وفی ردالمحتار(۱۰۰/۳،باب المهر):ثم عرف المهر فی العناية بأنه اسم للمال الذی يجب فی عقد النكاح علی الزوج فی مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد... ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء.(نجم الفتاویٰ:۲۰۶/۵-۲۰۷)

مہر جو مرض کی حالت میں واجب ہوا ہو، اس پر حالت صحت کو قرضے کو مقدم نہیں کر سکتے:

سوال: زید فالج کے مرض میں گرفتار تھا، اسی حالت میں اس نے ہندہ سے نکاح کرلیا، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ فالج کی وجہ سے زید مرگیا ہے، یا کشتہ کھانے کی وجہ سے، یا دونوں مرضوں سے اتنا ضرور ہے کہ مرنے کے وقت تک فالج کا اثر باقی تھا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا مہر جو قرضہ ہے، وہ تندرستی اور صحت کے قرضے کے ساتھ ساتھ ادا کیا جائے، یا صحت کا قرضہ ہندہ کے مہر پر مقدم ہے؟ اور اگر صحت کا قرضہ ادا کیا جائے اور ترکہ میں سے کچھ باقی نہ بچے تو ہندہ کا مہر کس طرح ادا ہوگا؟

الجواب

مرض کا وہ دین مؤخر ہوتا ہے، جس کا سبب معلوم نہ ہو اور صرف اقرار مریض اس کے ثبوت کی دلیل ہو۔ نکاح اور اس میں مہر کا تقرر معلوم و معین ہے، اس دین مہر کا ثبوت صرف اقرار مریض سے نہیں ہے، لہٰذا یہ دین اور دین صحت ایک درجے کے ہیں، ان میں تقدم و تاخر نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۳/۵)

رضاعی بھائی بہن میں شادی ہوگی تو مہر لازم ہے، یا نہیں:

سوال: زید اور فاطمہ نے ایک تیسری عورت کا جو اجنبیہ ہے، دودھ پیا، زید و فاطمہ کے اولیا نے دونوں کا باہم عقد کردیا۔ یہ عقد صحیح ہے، یا نہیں؟ بہر حال مہر منکوحہ موطوءۃ کا ناکح پر لازم ہے، یا نہ؟

الجواب

نکاح ان دونوں رضیعین (دودھ پینے والوں) کا باہم درست نہیں ہے، ان میں تفریق ہونی چاہیے اور بصورت وطی مہر لازم ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۲۱/۸-۳۲۲)

ایسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی بہن ہو اور لاعلمی میں ان کا نکاح ہوگیا ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں مختلف الاوقات یکے بادیگرے مسماۃ ہندہ کا دودھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تمیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل اور احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہوگیا اور بلوغیت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان

---

(۱) ودين الصحة مطلقًا وما لزمه في مرضه بسبب معروف بينة أو بمعاينة قاض قدم على ما اقر به في مرض موته ولو المقر به الوديعة والسبب ليس بتبرع كنكاح مشاهد. (الدر المختار، كتاب الاقرار، باب اقرار المريض: ٦١١/٥، سعيد)

(۲) فيحرم منه أى بسببه مايحرم من النسب، رواه الشيخان. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الرضاع: ٥٥٧/٢، ظفير) ويجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطء لابغيره. (الدر المختار، باب المهر: ٤٨١/٢-٤٨٢، ظفير)

تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے، بعدازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور بہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا پایۂ ثبوت سے درجہ یقین کو پہونچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی اور تحریری اطلاع اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی، اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے، یا جان سے مارڈالئے، تب بھی میں زید کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی، زید نے بھی ثبوت رضاعت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینہ گزرے ہوں گے کہ قضاء الٰہی سے زید کا انتقال ہوگیا، چوں کہ زید صاحب جائداد تھا؛ اس لیے طمع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثتاً و بالعوض دین مہر کے دعوے دار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ (ساجدہ) زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثتاً ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہوسکتی ہے؟

الجواب

ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی تو مستحق ہے، اگر زید سے ہمبستری ہو چکی ہے؛ مگر میراث کی مستحق نہیں اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں، ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عموماً جو مہر باندھا جاتا ہو، اس میں ساجدہ کی حیثیت وصورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورت کا مہر کتنا ہوا کرتا ہے، وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے۔ اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا، اگر کم ہے تو کم ملے گا، اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ نہ ملے گا۔

قال في الدر: "(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذى فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود، آه.

قال الشامي: ومثله تزوج الأختين معاً ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة، آه. (۵۷۴/۲)(۱)

قلت: ونكاح المحارم عدّه بعضهم في الباطل، ولكن قال الشامي: والحاصل أنه لا فرق بينهما(أى الفاسد والباطل) **في غير العدة، آه.** (۷۵۷/۲)(۲)

علىٰ أن هذا لنكاح لعله بشبهة لأن الزوجين إنما تيقنا بالرضاع بينهما بعد بلوغهما بزمان، كما يظهر من السوال، فيكون الوطى وطيا بشبهة والموطؤة بشبهة تستحق مهر المثل كما صرحوا به، وأما حرمان الميراث فلما صرح به في الدر (۷۴۵/۲): **(ويستحق الإرث) ولو لمصحف، به يفتى، وقيل: لا يورث، ... بأحد ثلاثة (برحم ونكاح) صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل إجماعاً، آه، والله تعالىٰ أعلم**

۷/ شعبان ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۳۶۲/۳)

(۱،۲) ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۱/۳، دارالفكر بيروت، انيس

اپنے لڑکے کی بیوی کو دودھ پلا دیا، اب وہ مہر کی مستحق ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عورت نے اپنے لڑکے کی زوجہ صغیرہ ڈیڑھ سالہ کو دودھ پلا دیا، اس صورت میں اگر نکاح باطل ہوا تو مہر کا لین دین ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ——————————

اس صورت میں زوجین کے درمیان حرمت قائم ہوگئی اور نکاح فسخ ہوگیا اور شوہر کے ذمہ نصف مہر واجب ہے، اگر پورا مہر ادا کر چکا ہو تو نصف واپس لے سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

”**ولو أن رجلا تزوج صغيرة، فجاء ت أم الزوج من النسب أو من الرضاع، فارضعت حرمت عليه ويجب لها عليه نصف المهر، الخ.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۱/۸-۳۵۲)

منکوحۃ الغیر سے لاعلمی میں نکاح ہوا تو مہر واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: فریدہ خاتون بنت عبدالستار مرحوم سے میں نے دس سال قبل نکاح کیا تھا، نکاح سے قبل مجھے معلوم نہیں تھا کہ فریدہ خاتون کے شوہر سابق محمد انس نے اس کو طلاق نہیں دی ہے۔ ہم دونوں ساتھ رہے، نکاح کے دو سال بعد معلوم ہوا کہ فریدہ خاتون کے شوہر محمد انس نے اس کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی فریدہ خاتون نے قاضی شریعت سے اپنا نکاح فسخ کرایا تھا، یہ نکاح لاعلمی میں ہوا۔ اب دریافت یہ ہے کہ مذکورہ نکاح شرعاً جائز و درست ہوا، یا نہیں؟ اور فریدہ خاتون میری بیوی ہوئی، یا نہیں؟ اگر نہیں تو میرے اوپر کن کن چیزوں کی ادائیگی لازم وضروری ہے؟

الجواب —————— وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ فریدہ خاتون کے پہلے شوہر محمد انس نے اس کو طلاق نہیں دی تھی اور نہ ہی فریدہ خاتون نے قاضی شریعت سے شرعی اصول وضابطہ کے مطابق نکاح فسخ کروایا تھا تو ایسی صورت میں فریدہ خاتون سے آپ کا نکاح شرعاً صحیح ومنعقد نہیں ہوا اور وہ آپ کی بیوی نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ منکوحۃ الغیر سے نکاح حرام ہے، البتہ چوں کہ بوقت نکاح آپ کو شوہر اول محمد انس سے طلاق لینے اور نہ لینے سے متعلق کوئی علم نہیں تھا، آپ نے لاعلمی میں نکاح کیا؛ اس لیے یہ نکاح گرچہ منکوحۃ الغیر سے ہے، پھر بھی فاسد ہے اور نکاح فاسد میں دخول سے مہر بھی واجب ہوتا ہے اور عدت بھی واجب ہوتی ہے، لہٰذا بوقت نکاح جو بھی مہر طے ہوا تھا، کل مہر کی ادائیگی اور تمام سامان جہیز کی واپسی لازم ہے۔

(ويجب مهر المثل فى نكاح فاسد) ... (بالوطء) ... (وتجب العدة) بعدالوطء. (الدرالمختار)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (ردالمحتار، مطلب فى النكاح الفاسد: ۲/۳۵۰)

---

(۱) الفتاوى الهندية، مصرى، كتاب الرضاعة: ۱/۳٤٥، ظفير

واضح رہے کہ فریدہ خاتون سے چوں کہ آپ کا نکاح شرعاً صحیح ومنعقد نہیں ہوا اور وہ آپ کی بیوی نہیں ہوئی؛ بلکہ اب بھی وہ اپنے سابق شوہر محمد انس ہی کی بیوی ہے؛ اس لیے آپ اس سے فوراً علاحدگی اختیار کریں اور اس دوران جو غلطی ہوئی، اس کے لیے دونوں پوری ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۳؍جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴؍)

نکاح فاسد میں عورت کے لیے مہر کا حکم:

سوال: اگر مرد وعورت کے درمیان نکاح فاسد ہوا ہو تو کیا عورت کے لیے مرد پر مہر لازم ہے، یا نہیں؟ اور کن صورتوں میں لازم ہے اور کن صورتوں میں نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ مدلل جواب دیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر کسی مرد وعورت کے درمیان نکاح فاسد ہو گیا ہو تو عورت کے لیے مرد پر دخول سے پہلے مہر واجب نہیں ہے اور دخول کے بعد مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہو، وہ واجب ہے۔

لمافي الهندية (۲۷۷/۱): ولو علم القاضی بذلک یفرق بینهما فإن فارقها قبل الدخول لا یثبت شیء من الاحکام وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ویجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة.

وفی الشامیة (۱۳۲/۳، مطلب فی النکاح الفاسد) (قوله: فی نکاح فاسد) وحکم الدخول فی النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الأقل من المسمی ومن مهر المثل. (نجم الفتاویٰ:۱۶۲/۵، ۱۶۳)

مرزائی شوہر سے فسخ نکاح کے بعد عدت ومہر کا کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ اور خالدہ نے اپنے اپنے شوہروں سے جو مرزائی تھے، فسخ نکاح کر لیا، اس وجہ سے کہ وہ کافر اور مرتد ہیں۔ کیا فی الواقع علماء کا ایسا فتویٰ ہے اور مہر وعدت ووراثت کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الواقع مرزائیوں کے بارے میں ایسا ہی فتویٰ ہے، ان کا کافر ومرتد ہونا متفق علیہ ہو گیا ہے، لہذا کوئی عورت سنیہ مسلمہ ان کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، علاحدگی ضروری ہے اور مہر اور عدالت لازم ہے اور وراثت ثابت نہ ہوگی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۸/۸-۲۹۹)

---

(۱) **(ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد) ... (و)یثبت (لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر عن صاحبه دخل بها أولا) ... (وتجب العدة بعدالوطء) ... (من وقت التفریق) ... (ویثبت النسب).(الدرالمختار)(قوله: ویثبت النسب)اماالإرث فلا یثبت فیه.(ردالمحتار، باب المهر: ۴۸۱/۲-۴۹۴، ظفیر)**

عقد نکاح کے وقت سے ہی شوہر کا ارادہ مہر دینے کا نہ تھا تو نکاح صحیح ہوگا، یا نہیں:

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر سے کئی برس بعد اپنا مہر مانگا، شوہر نے جواب دیا کہ جب میرا عقد تمہارے ساتھ ہوا تھا، اس وقت بھی میری نیت میں خلل تھا کہ مہر نہیں دوں گا اور اب بھی میری یہی نیت ہے کہ تمہارا مہر نہیں دوں گا، خواہ تم معاف کرو، یا نہ کرو۔ عورت بھی مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ فرمایئے یہ نکاح جائز ہوا، یا ناجائز۔ عورت کئی بچے بھی اپنے شوہر سے جن چکی ہے۔

(المستفتی: ۱۳۳۷، مستری صادق علی صاحب (بلند شہر) ۲۴ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰/ نومبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

عورت نے اپنے خاوند سے مہر کا مطالبہ کیا تو اس کا مطالبہ بجا ہے۔ خاوند کا یہ کہنا کہ میری نیت مہر دینے کی نہیں تھی اور میں مہر نہیں دوں گا، غلط ہے اور اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا، ہاں خاوند گنہگار رہوگا، (۱) اور اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۴/۵)

جو شخص بیوی کو مہر نہ دے اور نہ نیت ادا کی ہو تو اس کی اولاد کو ولد الحرام کہہ سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے، جو محض ایک برادری کی رسم کے لحاظ سے ہو، اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے، مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے، کون دیتا کون لیتا ہے، اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولد الزنا کہے، یا سمجھے، گناہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس شخص کی اولاد کو ولد الزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے، اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

(امداد الاحکام: ۳۶۵/۳)

عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لاسکتی ہے:

سوال: زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا، مہر کا روپیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے، اب وہ مہر کا روپیہ خیرات

---

(۱) حدثنا عبد الله ... قال سمعت صهيب بن سنان يحدث قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل اصدق امرأة صداقًا والله يعلم انه لا يريد ادائها إليه فعرفها بالله واستحل فرجعها بالباطل لقى الله يوم يلقاه وهو زان. (مسند الإمام أحمد: ۳۳۲/٤، دار صادر بيروت)

(۲) وتجب العشرة إن سماها أو دونها يجب الأكثر إن سمى الأكثر ويتاكد عند وطء أو خلوة صحت من الروح أو موت أحدهما. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

کردیوے، یا کسی مسجد، یا مدرسہ وغیرہا میں صرف کردیوے تو جائز ہے، یا نہیں؟ علاوہ اس کے مہر کا روپیہ کام میں لانا چاہیے؟

الجواب

اس کی ملک ہے، اس کو پورا اختیار ہے، جو چاہے کرے۔

تنبیہ: اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہے اور اگر حج کے لیے کافی نہ ہو، یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوۃ ادا کرتی رہے، یا شوہر کے دے دے، یا ارحام وغیرہ پر صدقہ، یا ہدیہ صرف کردے، خواہ خیرات کردے ہر طرح اختیار ہے۔

۱۵/ رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳/ ۳۷۵)

لڑکی کے ولی کو مہر لے کر خرچ کرنا اور مہر سے زیادہ روپیہ لینا کیسا ہے:

سوال: اولیاء مخطوبہ کو خاطب سے مہر کے سوا اور کچھ لینا اور مہر لے کر اس میں تصرف مالکانہ کرنا اور دعوت وغیرہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اولیاء مخطوبہ کو زر مہر سے کچھ لے کر اس میں تصرف بے جا کرنا جیسا کہ مذکور ہے؛ یعنی اس کو دعوت اقرباء وغیرہم میں صرف کرنا اور ضائع کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بعض اولیاء کو اگر چہ مہر کا لینا بعض احوال میں درست ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے لیے اس مہر کو لیوے، نہ یہ کہ تصرف بے جا اس میں کرے کہ اضاعت مال صغیر وصغیرہ باپ دادا کو بھی درست نہیں ہے اور غیر مہر سے کچھ لینا زوج وغیرہ سے اس کو فقہا نے رشوت سے تعبیر فرمایا ہے اور عبارات مذکور فی السوال سے اس کی اجازت نہیں نکلتی کہ مہر لے کر اس کو بے موقع رسومات نکاح میں صرف کرے۔(۱)

فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/ ۲۵۱-۲۵۲)

نکاح سے پہلے جو رقم منکوحہ کے باپ کو دی ہے، اس کو مہر میں محسوب کرنے کا حکم:

سوال: مہر بتیس روپیہ آٹھ آنہ کا مقرر ہے اور زوجہ کے والدین نے سترہ نقد بری کے نام سے لیے، یعنی اس شرط پر کہ مہر کے ان ہی روپیوں سے لڑکی کی لاگ لپیٹ کردیویں گے، مثلاً کپڑا وغیرہ؛ مگر انہوں نے کسی کو، یا اپنی لڑکی کو ایک کپڑا تک نہیں دیا، دیگر زیور جو کچھ چڑھایا تھا، اس کا مالک زوجہ کو، یا اس کے والدین کو نہیں بنایا تھا، چوں کہ زوجہ نابالغ ہے اور اس کا والد شریر آدمی ہے اور خود طلاق کا خواہاں ہے، سو اب مہر میں وہ سترہ روپیہ اور زیور جو زوجہ کے پاس ہے، ادا ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) ومن السحت ما یأخذ الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن به، مجتبی. (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۵/ ۳۷۴، ظفیر)

الجواب

اگر خلوت صحیحہ اس منکوحہ ہوئی اور تفسیر خلوت صحیحہ کی اگر نہ معلوم ہو، دریافت کرلی جائے تو اس صورت میں طلاق دینے سے نصف مہر لازم ہے، یعنی سولہ روپیہ چار آنہ اور یہ حق اس زوجہ کا ہے؛ لیکن جب تک وہ نابالغہ ہے، اس کے باپ ہی کو اس پر قبضہ کرنے کا حق ہے اور باپ نے جو کچھ لیا ہے، نقد، یا زیور اس لڑکی کو نصف مہر میں دے دو، اگر وہ دے دے، تب تو مہر ادا ہوجاوے گا اور اگر وہ اس لڑکی کو نہ دے تو مہر ادا نہ ہوگا؛ بلکہ جب وہ لڑکی بالغ ہوگی، بذمہ شوہر واجب ہوگا کہ اس کا مہر ادا کرے اور جو کچھ اس کے باپ کو دیا تھا، اس کا مطالبہ اس کے باپ سے کرے، البتہ وہ لڑکی بعد بلوغ کے اور وہ باپ اب اس پر رضامند ہوجاویں کہ وہ باپ اس لڑکی کو اس کا مہر اس رقم میں سے ادا کرے گا، جو باپ نے شوہر سے لی ہے تو حوالہ کے طور پر شوہر سبک دوش ہوجاوے گا۔

۱۲/ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید:۲/۲۱۱)

بعض جگہ لڑکی والا جو روپیہ لیتا ہے، وہ مہر ہوگا، یا نہیں:

سوال: بعض دیار میں عرف ہے کہ دولہن والے دولہا سے قبل از عقد، یا بعد از عقد کچھ روپیہ لیکر براتیوں اور دیگر خویش واقربا کو کھلاتے ہیں، بعض اس کو دین مہر میں محسوب کرتے ہیں، سو اس میں جو لوگ مہر سے علاحدہ محسوب کرتے ہیں، اس کو رشوت کہنا حسب روایت درمختار ممکن ہے۔

فی الدر المختار: أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة، آه. (۱)

مگر جو لوگ مہر میں محسوب کرتے ہیں، ان کے لیے گنجائش معلوم ہوتی ہے، اگر وہ باپ، یا دادا ہے۔

فی الشامية (ص: ۵۷۱): قبض الأب مهرها وهی بالغة، أو لا، وجهزها، أو قبض مكان المهر عينا ليس لها أن لا تجيز لأن ولاية قبض المهر إلى الاباء وكذا التصرف فيه، آه. (۲)

وفيها (ص: ۵۷۱) ففی الهندية: للأب والجد والقاضی قبض صداق البكر صغيرة كانت أو كبيرة إلا إذا نهته وهی بالغة صح النهی وليس لغيرهم ذلک والوصی يملک ذلک علی الصغيرة والثيب البالغة حق القبض لها دون غيرها، آه. (۳)

اس میں حضور والا کیا رائے ہے؟ امداد الفتاویٰ، جلد دوم، ص: ۲۸ میں علی الاطلاق منع تحریر فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ ارشاد حضور کا ہوگا، وہی بالراس والعین ہے۔ امید کہ حضور اگر تکلیف نہ ہو، مختصر تحریر فرماویں، کافی ہے۔

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۱۵۶، دار الفکر بیروت، وكذا فی الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر: ۱/۳۲۷، ماجدية

(۲،۳) ردالمحتار، مطلب لأبی الصغيرة المطالبة بالمهر: ۳/۱۶۱، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب

مہر ظاہر ہے کہ باپ کا حق نہیں، پھر اس رقم کا مہر میں محسوب کرنا اس میں ضرور تفصیل ہوگی، وہ یہ کہ اگر منکوحہ بالغ ہے تو باپ کے قبض اور تصرف دونوں میں اذن اس کا شرط ہوگا، خواہ صراحۃً، یا دلالۃً، چنانچہ روایت مذکورہ سوال میں "إلا إذا نهته" اس کی صریح دلیل ہے۔ باقی دوسری روایت میں جو ہے: "ليس لها أن لا تجبز" مراد اس عدم اجازت بعد القبض ہے؛ یعنی بعد قبض اب کے اگر منکوحہ شوہر سے مطالبہ کرنے لگے اور کہے کہ میں اس قبض کو جائز نہیں رکھتی تو اس کو یہ حق نہیں؛ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اذن متعارف ہو اور اس کو جو دلیل ہے "لأن ولاية قبض المهر" إلىٰ آخره وہ بھی مقید ہے اذن متعارف ہوا اور اس کی جو دلیل ہے لان ولاية قبض المهر الیٰ آخره وہ بھی مقید ہے اذن متعارف کے ساتھ، چناں چہ نہی صریح کے بعد ولایت قبض نہ ہونا اس کی صریح دلیل ہے، یہ تو بلوغ کی صورت میں ہے اور اگر وہ نابالغہ ہے تو پھر باپ کے قبض وتصرف میں وہی شرائط ہیں، جو اس نابالغہ کے دوسرے اموال میں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے براتیوں کو کھلانا جائز نہیں، **فكذا امن المهر**.

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ (النور، ص: ۸، محرم ۱۳۵۲ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/ ۲۱۲)

قبض بودن تخلیہ صاحب حق:

سوال: ایک عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے اور نہ خاوند کو معاف کرتی ہے، ایسی حالت میں مرد کیوں کر سبک دوش ہوسکتا ہے؟

الجواب

اس کے سامنے کہہ کر ایسی طرح رکھ دے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور وہاں سے ہٹ جاوے، سبک دوش ہوجاوے گا، پھر اگر وہ عورت نہ اٹھاوے گی اور کوئی اور اٹھاوے گا تو وہ روپیہ اس عورت کا ضائع ہو جاوے گا، شوہر سبک دوش ہوجاوے گا اور اگر پھر شوہر نے اٹھالیا تو شوہر کے پاس امانت رہے گا، اس میں تصرف شوہر کو جائز نہ ہوگا۔

(تتمہ ثانیہ، ص: ۱۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/ ۳۲۳)

نکاح فاسد میں قبل وطی تفریق ہوجائے تو نہ مہر لازم ہے، نہ عدت:

سوال: زید نے ہندہ سے نکاح کیا تھا۔ ہندہ چار سال ممتد مرض میں مبتلا رہ کر بالکل صاحب فراش ہوگئی۔ اس اثنا میں اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے تندرست ہونے اور جینے کی امید نہیں ہے۔ تم میری بھتیجی سے نکاح کرلو، زید نے ہندہ کے قول کے مطابق اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہا، تب اہل جماعت نے کہا کہ پھوپھی نکاح میں ہوتے ہوئے بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، تم ہندہ کو طلاق دے کر چاہو تو اس کی بھتیجی سے نکاح کرلو، اہل جماعت کے

اس کہنے پر زید نے ہندہ کو طلاق دے کر دس دن کے بعد اس کی بھتیجی سے نکاح کرلیا۔ اس نکاح کے دو تین مہینے بعد ہندہ انتقال کرگئی، پھر اہل جماعت نے کہا کہ ہندہ کی عدت گزرنے سے پہلے یہ نکاح ہوا ہے اور یہ حرام ہے؛ اس لیے زید کو درہ مارنا چاہیے۔ اب تک ہندہ کی بھتیجی نابالغہ ہے اور زید کی اس سے ہمبستری نہیں ہوئی ہے۔ پس اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ زید اگر اس کو چھوڑ دینا چاہے تو طلاق کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ زید پر اس کا مہر دینا لازم ہے، یا نہیں؟ اہل جماعت زید کے درہ مارنے کو جو کہتے ہیں، کیا یہ لازم ہے؟

الجواب

هو الموفق للصواب: بے شک اہل جماعت کا یہ قول کہ ہندہ کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بھتیجی سے نکاح حرام ہے، صحیح ہے؛ لیکن زید کے درے مارنے کو جو کہتے ہیں، وہ غلط ہے۔ ہاں اگر زید نے یہ جان کر کیا ہے کہ عدت میں نکاح کرنا حرام ہے تو اس کو چاہیے کہ توبہ کرے، مذکور نکاح فاسد ہے۔ پس اگر زید اس کو اپنے نکاح ہی میں رکھ لینا چاہے تو پھر سے تجدید نکاح کرلے اور اگر علاحدگی چاہے تو طلاق کی ضرورت نہیں، زید نے جب اس سے ہمبستری نہیں کی تو نہ مہر لازم ہے، نہ عدت، چناں چہ درمختار میں ہے:

(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود (بالوطي) ... (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها ... (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه دخل بها أو لا) ... (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق. (۱)

ردالمحتار میں تحت قول (**كشهود**) کے لکھا ہے:

ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ... وفي المحيط: تزوج ذمي مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسداً، آه، فظاهره أنهما لايحدان، انتهٰى ملخصا. (۲)

ضیاء الدین محمد کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح: محمد عبدالجبار عفی عنہ۔ الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۸۳)

نکاح فاسد، یا موقوف میں وطی، یا خلوت ہوجانے پر مہر کا حکم:

سوال: کسی صغیرہ، یا نابالغہ کا نکاح اس کے ولی اقرب کے بغیر اجازت ولی غیر اقرب دے دے، بعدہ ولی اقرب جو اس موضع میں موجود تھا، اس کو اس نکاح کی مطلقاً خبر نہ تھی اور نہ وہ اس مجلس نکاح میں حاضر تھا، بعد اطلاع نکاح اعتراض کرے اور اپنی نارضامندی کے باعث چند روز کے بعد اس نکاح کو فسخ کردے، پس اگر اس درمیان میں وطی، یا خلوت پائی جائے، درآنحالیکہ صغیرہ مانند توطاء مثلها کے ہے اور ناکح ایک مرد نوجوان عاقل و بالغ تو بعد

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۱-۱۳۳، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۱، دارالفكر بيروت، انيس

فسخ نکاح شوہر پر ادائے مہر واجب ہوگا، یا نہیں؟ اور صغیرہ کا ولی مہر کا مطالبہ زوج سے کرسکتا ہے، یا نہیں؟

اگر زوج ادائے مہر سے انکار کرے، بالکل مہر دینے پر راضی نہ ہوتو ولی بعض مہر پر فیصلہ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور ولی کو اس قسم کا تصرف در مال صغیرہ جائز ہے، یا نہیں؟

اگر اس موقع میں زوج وطی کا انکار کرے اور عورت اقرار کرے تو کس کا قول معتبر سمجھا جائے گا، ناکح نے وقت نکاح ہبۃً یا عادۃً از قسم زیورات ولباس منکوحہ کو دیا تھا، جس کو وہ اس وقت؛ یعنی قبل از ادائے دین مہر واپس مانگے تو یہ چیز واپس کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

ان سب صورتوں میں از روئے شرع کیا احکام ہیں، جواب مدلل بعبارات فقہیہ ارشاد فرمائیں؟

الجواب

قال الشامی فی النكاح الفاسد:وحكم الدخول فی النكاح الموقوف كالدخول فی الفاسد فسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن المهر المثل،الخ. (شامی،مجتبائی:۳۵۰/۲)

وأيضا فی الشامية فی موضع آخر:المراهق إذا تزوج بلا إذن وليه امرأة (إلى قوله) وعليه المهر لو مكرهة أو صغيرة ولو بأمرها،الخ. (شامی،مجتبائی:۳۶۹/۲)

قال فی الدرالمختار:وصح حطها لكله يعنی المهر أوبعضه عنه،انتهٰی.

قال الشامی:وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف على إجازتها ولابد من رضاها،الخ. (شامی،باب المهر:۳۳۸/۲)

وقال فی الدر المختار:ولو افترقا، فقالت:بعد الدخول،وقال الزوج: قبل الدخول، فالقول قولها لانكار ها سقوط نصف المهر.(۱)

صورت مسئولہ میں جو نکاح ولی ابعد نے بغیر اجازت ولی اقرب کے کیا ہے، یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف تھا اور جب ولی اقرب نے خبر پا کر اس کو فسخ کرا دیا تو یہ نکاح فسخ اور باطل ہوگیا۔ (کذا فی الدر المختار من باب الولی)

اور اس موقوف پر اجازت ولی اقرب ہونے کی حالت میں جو خاوند نے وطی، یا خلوت صحیحہ کر لی تو اس سے خاوند کے ذمہ مہر واجب ہوگیا؛ مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس عورت کا مہر بوقت عقد کیا مقرر کیا گیا تھا، اس کا مہر مثل کیا ہے، ان دونوں میں سے جو کم ہو، وہ واجب ہوگا، اگر مہر مثل کم ہوتو وہ اور اگر مہر مقررہ کم ہوتو وہ؛ لیکن بہر صورت جونسا واجب ہوگا، پورا واجب ہوگا، تصنیف نہ ہوگی، جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۱) سے ثابت ہوا اور لڑکی کے والد کو مطالبہ مہر کا حق نہیں، جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۲) سے ثابت ہوا؛ لیکن لڑکی کے والد واجب الادا سے کم دینے کا حق نہیں، جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۳) سے ظاہر ہوا۔

---

(۱) الدرالمختار،مطلب فی حط المهر والإبراء منه:۱۲۱/۳،دارالفكر بيروت،انيس

اور اگر خاوند وطی کا منکر ہے تو اگر خلوت صحیحہ کا اقرار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ خلوت کا حکم بھی اس بارے میں مثل وطی ہے، لہٰذا کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔

مہر کامل بتفصیل مذکور واجب ہوگا اور اگر خاوند خلوت کا بھی منکر ہے تو اس بارے میں لڑکی کا قول حلف کے ساتھ اعتبار کرلیا جائے گا، جیسا کہ عبارت نمبر (۴) سے ثابت ہوا اور اگر جو اشیاء خاوند نے اس لڑکی کو دی تھی، اس میں اپنے اپنے ملک کا رواج معتبر ہے، اگر یہ رواج ہے کہ یہ چیزیں بطور مہر معجّل کے عورت کی ملک میں کردی جاتی ہیں، یا ویسے ہی ہدیۃً دی جاتی ہیں تو لڑکی کی ملک ہوگئی، اس کا واپس کرنا جائز نہیں اور اگر رواج یہ ہے کہ یہ چیزیں بطور عاریت کے عورت کے استعمال میں رکھی جاتی ہیں، مالک ان کا خاوند ہی سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ خاوند کی ملک ہے، ان کو بوقت تفریق خاوند واپس لے سکتا ہے، ہمارے یہاں کا عرف ورواج بھی عاریت کی صورت کا ہے، آپ اپنے رواج کے موافق فیصلہ کرسکتے ہیں۔(والدليل على ما قلنا ما صرح به في الد ر المختار والشامية في كتاب الهبة)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بندہ شفیع غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد رسول خان عفا عنہ۔ الجواب صحیح صواب بلا ریب: نبیہ حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح صواب: بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ۔ (امداد المفتین: ۴۷۶/۲)

مطلقہ کے لیے تاحیات خورد پوش کا وعدہ ادائے مہر کا عوض نہیں:

سوال: عبدالصمد نے اپنی زوجہ کو یہ لکھا کہ میں اپنی بی بی ظفر النساء پر ایک طلاق بائن دیتا ہوں کہ اور اقرار کرتا ہوں کہ جب تک میری زندگی ہے، بعوض دین مہر کے خورو پوش کا ہمیشہ ذمہ دار رہوں گا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ طلاق نامہ صحیح ہے۔ مسماۃ ظفر النساء پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور تاحیات خورو پوش کے ذمہ دار رہنے کو جو عوض مہر قرار دیا ہے، اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ پورے مہر کے بدلے میں خورو پوش کی کفالت کرتا ہوں تو یہ جائز نہیں؛ کیوں کہ مہر معین ہے اور خورو پوش کی مقدار اور قیمت غیر معین، نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ مسماۃ کی آئندہ عمر کتنی ہے، غرض غیر معین مہر معین کا عوض نہیں بن سکتا اور اگر یہ مراد ہے کہ مہر میں سے خورو پوش دیتا رہوں گا اور حساب کرکے جو باقی رہے گا، وہ بعد وفات مسماۃ کے ان کے ورثہ کو ادا کردوں گا تو جائز ہے اور مسماۃ کے ورثہ کو حق ہوگا کہ بعد وفات مسماۃ کل خورو پوش کی قیمت کا حساب کرکے باقی روپیہ خاوند سے وصول کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر سن ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۴۶۹/۲)

خاوند کے انتقال کے بعد زوجہ کا یہ کہنا کہ فلاں مکان خاوند نے مہر میں دے دیا تھا:

سوال: اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے انتقال کے بعد یہ کہے کہ فلاں مکان میرے خاوند نے میرے مہر میں

دے دیا تھا اور کوئی بیع نامہ، یا کوئی تحریر مکان کے متعلق اس کے خاوند کی طرف سے نہ ہو تو اس عورت کا قول مکان کے متعلق شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر خاوند کے باقی ورثا اس کو تسلیم کریں تو معتبر ہوگا، ورنہ شہادت کے بغیر معتبر نہ ہوگا، ہاں اگر اس نے شہادت شرعیہ پیش کردی تو ورثہ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور شہادت نہ ہونے کی صورت میں خاص مکان کی مالک زوجہ نہ ہوگی؛ لیکن اس کو حق ہوگا کہ خاوند کے ورثہ پر دعویٰ کرے کہ میرا مہر ادا کردیا، مکان اس کے عوض میں مجھے دے دو۔ واللہ تعالی اعلم

۱۱رشعبان ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۲/۶۷۴)

نکاح کے وقت بیوی کو دیا گیا زیور، مہر میں شامل نہیں:

سوال: اور جو زیور عندالنکاح زوجہ کو دیتے ہیں، وہ مہر میں داخل ہے، یا احساناو ہبۃً دیتے ہیں، اگر مہر میں داخل نہیں اور بطور احسان اور ہبہ ہے تو زوجہ مالک ہوتی ہے، یا نہ؟ اور زوج کو لوٹانے کا اختیار ہے، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اور مہر وہ ہے جو وقت نکاح کے مقرر ہوتا ہے، اگر اس زیور کو مہر میں تصریح کر کے دیوے تو مہر میں مجرا ہووے گا، ورنہ حسب عرف اپنے دیار کے، یہ زیور خارج مہر سے ہو کر، یا ملک زوج کی اور عاریت ٹھہرے گا، اگر ایسا عرف وہاں کا ہے۔ "المعروف کالمشروط، کذا فی کتب الفقه. (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۱۷۵-۱۷۴) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۸۴)

جو زیور بیوی کی ملکیت نہیں کیا تھا، وہ شوہر کا ہے:

سوال: زید نے اپنے باپ کی مرضی سے اپنی عورت کو دوسو روپیہ کا زیور بنوادیا تھا؛ مگر ملکِ عورت نہیں کیا تھا، ہاں بنوایا اس کے نام سے اور زید اپنے باپ کے شامل رہتا تھا، علاحدہ نہیں ہوا تھا اور زیور زید اور اس کے باپ کی کمائی سے تیار ہوا تھا، پس اس زیور میں کچھ عورت کو حصہ پہنچے گا، یا نہیں؟ زیور شادی زید کے تین چار برس بعد تیار ہوا؟

الجواب

زیور اگرچہ عورت کے پہننے کو بنایا؛ مگر چوں کہ ملک عورت کی نہ کیا تھا تو زیور واپس زید کو ملے گا، البتہ زید پر نفقہ عدت کا دینا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۱۲۰، ۱۲۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۸۴)

---

(۱) العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، باب الخيارات: ۱/۲۵۷، دار المعرفة بيروت، انيس

جوڑے کی رقم اور مہر:

سوال: میری شادی والدین کی مرضی سے ہوئی، میرے والدین نے جوڑے کی رقم دس ہزار روپے لی ہے، بات چیت کے دوران میرے خسر صاحب نے فرمایا کہ جوڑے کی رقم دس ہزار لے رہے ہیں تو مہر بھی اتنا ہی باندھا جائے، اب میں جوڑے کی رقم واپس کرنا چاہتا ہوں تو کیا اب بھی دس ہزار رقم بہ طور مہر ادا کرنا ہوگا؟

(احمد بھائی، عاشور خانہ، تاڑبن)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جوڑے کی جو رقم آپ نے، یا آپ کے والدین نے حاصل کی، وہ قطعاً گناہ اور حرام ہے اور جلد سے جلد اس کا واپس کر دینا واجب ہے، فقہا کی تصریحات سے بھی یہی روشنی ملتی ہے۔

" ولو أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده ؛ لأنه رشوة " (۱)

مہر کی رقم دس ہزار روپے کچھ زیادہ نہیں ہے اور وہ تو بہر حال آپ پر ادا کرنا واجب ہے؛ اس لیے جوڑے کی رقم واپس کرنے کی وجہ سے مہر کی رقم میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی، آپ مہر بھی ادا کر دیں اور جوڑے کی رقم بھی واپس کر دیں اور اپنے والدین کو سمجھائیں کہ جو گناہ انہوں نے ناجائز رقم کا مطالبہ کر کے کیا ہے، اس کے لیے اللہ سے مغفرت کے طلب گار ہوں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۳/۴-۳۹۴)

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم:

سوال: شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ روپیہ وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد، یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

شادی سے پہلے لڑکی کے والدین، یا دوسرے اولیا کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی، یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے، ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

قال الحصكفي: أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة. (الدر المختار على صدر ردالمحتار: ۱۵٦/۳، آخر باب المهر) (۲) (فتاوی حقانیہ: ۳۷۰/۴)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۲۷/۱

(۲) قال في الهندية: ولو اَخَذَ اَهْلَ المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لانه رشوة. (الفتاویٰ الهندية: ۳۳۷/۱، الفصل السادس عشر في جهاز البنت)

ومثلهٗ في البحر الرائق: ۱۸٦/۳-۱۸۷، باب المهر

مہر کے سلسلے میں عرب وعجم کا حکم یکساں ہے، یا الگ الگ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عرب میں لڑکے کی شادی ہوتی ہے، لڑکے والا ایک اچھی رقم لڑکی والوں کو مہر کے نام پر دیتا ہے، کیا یہ دین میں ہے؟ اگر ہے تو ہمارے ملک میں ایسا کیوں نہیں ہوتا، یا ہمارے ملک میں اسلامی قانون کچھ اور ہے؟

(المستفتی: دلشاد حسین، پیرغیب، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

شریعت کا حکم عرب اور عجم ہر جگہ کے لیے یکساں ہے، مہر کی ادائیگی لڑکے کے اوپر ہر حال میں لازم ہوتی ہے، چاہے مہر کو اودھار کردے، یا چاہے نکاح کے وقت مکمل ادا کردے، ان دونوں شکلوں میں پہلے ادا کرنے والی شکل زیادہ بہتر ہے، عرب میں پہلے ہی مہر کی ادائیگی کردینے کا دستور ہے اور یہی شریعت میں زیادہ افضل اور پسندیدہ ہے اور ہمارے ہندوستان میں مہر کی ادائیگی میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے۔ پہلے، یا فوری کرنے کا دستور بہت ہی کم ہے؛ بلکہ عام طور پر شوہر اپنی بیوی کا مقروض رہتا ہے اور اگر ادائیگی پر قدرت ہوجانے کے باوجود مہر کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے تو یہ شوہر کی طرف سے ایک قسم کی غفلت ہے، جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ نیز جو لوگ ادائیگی پر قدرت ہوتے ہوئے عمر کی آخری مدت تک پہنچ جاتے ہیں اور ادا نہیں کرتے ہیں، یا حیلہ بہانہ کرکے اور دباؤ ڈال کر کے بیوی سے معاف کروالیتے ہیں، ایسے لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔

هو حكم العقد فإن المهر يجب بالعقد أو بالتسمية. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية بيروت: ۱/۵۰۸)

أقوال: لا أدرى لم خص مهر المثل بالذكر والحال أن وجوب المهر مطلقاً مسمىٰ كان أو مهر المثل من أحكام النكاح، فكان الأولىٰ هو الإجراء على العموم. (الكفاية مع فتح القدير، زكريا: ۳/۳۰٤)

قال الكاساني: لو لم يجب المهر بنفس العقد لايبالي الزوج عن إزالة هذا الملك بأدنى خشونة تحدث بينهما؛ لأنه لا يشق عليه إزالته لما لم يخف لزوم المهر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح، ولان مصالح النكاح ومقاصده لاتحصل إلا بالموافقة ولا تحصل الموافقةإليها إلا إذا كانت المرأة عزيزة مكرمة عند الزوج، ولا عزة إلا بانسداد طريق الوصول إلا بمال له خطر عنده. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۹/۳۵۲،۳۵۳)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير السبب الشرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير زكريا: ۶/۱۰۶، كراتشي: ٤/۶۱،الهندية، كتاب الحدود، الباب السابع فى حد القذف والتعزير زكريا: ۲/۱۶۷،جديد زكريا: ۱/۱۸۸)

لیس لأحد أن یأخذ مال غیر بلا سبب شرعی. (شرح المجلة، رستم باز مکتبة اتحاد بک دپو: ۱/۹۲، رقم المادة: ۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷؍رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۱۰۹۰/۴۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/۶/۱۴۳۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۳۸۔۶۴۰)

مہر سے متعلق چند سوالات وجوابات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شریعت کے مطابق کتنے طرح کے مہر باندھے جاتے ہیں؟ نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ موجودہ وقت کے حساب سے چاندی کی قیمت سے مہر فاطمی اور شرع پیغمبری کی رقم کتنی بنتی ہے؟

(۲) مہر کی رقم ادا کرنا چاہے تو کس مقام پر ادا کرنی ہوگی اور کتنی رقم ادا کرنی ہوگی؟

(المستفتی: نبی جان سیفی، محلّہ گوئیاں باغ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شریعت کے مطابق مہر باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کی حیثیت کے مطابق مہر باندھا جائے، جس کو شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکے اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو تیس گرام ۹۰۰؍ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائیگی کے وقت میں صرافہ سے معلوم کرلیں اور مہر کی ادائیگی کا مقام وہی ہے، جہاں پر بیوی موجود ہو اور اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہے، جس دن مہر ادا کیا جائے، مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت سے ثابت نہیں ہے، عوام میں اس نام سے ایک مہر مشہور ہے، بعض علاقوں میں اس سے مراد اقل مہر ہوتا ہے اور بعض جگہ اس سے مہر فاطمی مراد لیتے ہیں؛ اس لیے اس کی کوئی خاص مقدار ہم متعین کر کے بیان نہیں کر سکتے؛ بلکہ مہر باندھنے والے اسی وقت اپنی مراد ظاہر کر دیا کریں کہ اس سے کون سا مہر مراد لیتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۲۹)

ویعتبر قیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء.

وتحته فی الشامیة: وفی المحیط یعتبر یوم الاداء بالإجماع وهو الأصح، ویقوم فی البلد الذی المال فیه. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، کراتشی: ۲/۲۸۶، زکریا: ۳/۲۱۱، الدر المنتقی، دار الکتب العلمیة بیروت: ۱/۳۰۱، البحر الرائق، کوئٹہ: ۲/۲۱، زکریا: ۲/۳۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۰۳/۳۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۴۳۔۶۴۴)

مہر سے متعلق سوالات وجوابات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر رواج ہے

کہ ناکح امیر ہو، یا غریب، معزز قسم کا آدمی ہو، یا عام آدمی، اسی طرح منکوحہ کسی رئیس گھرانہ کی لڑکی ہو، یا غریب ومتوسط گھرانے کی فرد ہو، بوقت نکاح مہر کی تعیین میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں کا مہر یکساں ہوتا ہے، مثلاً ۲۲/ ہزار روپیہ مہر کا ماحول چل رہا ہے تو امیر وغریب دونوں طرح کی لڑکیوں کا مہر رواج کے تحت ایک ہی متعین کیا جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مہر کی رقم شرعاً یکساں ہے، یا اس میں حیثیت کے مطابق تفاوت وفرق ہے؟ اگر فرق ہے تو مہر کی تعیین کے وقت لڑکی کی مالی حیثیت کا اعتبار ہوگا، یا لڑکے کی حیثیت ملحوظ رکھی جائے گی؟

(۲) ہندوستانی روپیہ کی شکل میں اقل مہر اور مہر فاطمی کی تعیین فرمائیں، اسی کے ساتھ مہروں کی زیادتی پسند کرنے کے ماحول میں مہر فاطمی متعین کرنا کیسا ہے؟ رسم ورواج کے مطابق مہر کی تعیین بہتر ہے، یا مہر فاطمی؟

(۳) مہر کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ مہر دینا تو ہے نہیں یہ تو صرف ایک رسمی چیز ہے، لہٰذا جتنا بھی متعین ہوجائے، کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اگر دیا بھی تو عند الطلاق وہ بھی پنچایت کم تعداد میں فیصلہ کردے گی۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ عند النکاح مہر کے متعلق یہ خیال کرنا کیسا ہے؟ نیز شرعی طور پر اس کا کیا حکم ہے؟ تحقیقی وتفصیلی جواب سے نوازیں۔ (المستفتی: مولوی ریاض الحسن، مدرسہ ارشاد العلوم، ٹانڈہ)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) تمام لوگوں کے لیے مہر کی ایک خاص مقدار متعین کرکے اسی پر پابندی کرنا جائز نہیں ہے، ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہر کی مقدار متعین کرسکتا ہے، اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ نیز شوہر ہی مہر ادا کرنے والا ہے؛ اس لیے اسی کی حیثیت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۲۴۶/۱۳، جدید ڈابھیل: ۳۴/۱۲)

(۲) مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے، موجودہ زمانہ میں گراموں کے حساب سے ۳۰/ گرام ۶۱۸/ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت خود صرافہ سے معلوم کرلیجئے اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو ۳۰/ گرام، ۹۰۰/ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بھی صراف سے معلوم کرلیجئے، کتنے روپئے بنتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۲۹)

نیز اگر حیثیت ہو تو مہر فاطمی مقرر کرنا بھی بہتر ہے؛ لیکن اگر کوئی غریب ہے تو اس کے لیے کم سے کم بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۲۴۶/۱۳، جدید ڈابھیل: ۳۴/۱۲)

(۳) اگر مقرر کرتے وقت مہر ادا کرنے کی نیت نہیں رہی ہو، تب بھی مہر لازم ہوجاتا ہے، غلط نیت کا گناہ اس کے سر پر ہوگا؛ مگر ادا کرنا ہر حال میں لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳۰۲/۸)

وما يفعله بعض أهل الجفاء، والخيلاء، والرياء من تكثير المهر للرياء، والفخر وهم لايقصدون أخذه من الزوج وهو ينوي أن لا يعطيهم إياه؛ فهذه منكر قبيح مخالف للسنة خارج عن الشريعة، الخ. (فتاوى ابن تيمية: ۱۹۳/۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۷/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۱۲۴/۳۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۴۴/۱۳-۶۴۵)

مہر کی ادائیگی میں تاخیر کرنے، یا نہ دینے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مہر ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا ادا ہی نہ کرے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جواب کی مفصل و عام فہم زبان میں وضاحت فرمائی جائے، نوازش ہوگی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

(المستفتی: حاجی صداقت حسین، ٹمبر مرچنٹ، اصالت پورہ، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے بعد اصل حکم یہ ہے کہ جلد از جلد عورت کا مہر ادا کردیا جائے، مہر کی ادائیگی میں شوہر کو کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، مہر نہ دینے کا ارادہ رکھنے والا شخص سخت گنہگار رہوگا۔ احادیث میں ایسے شخص کے بارے میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿آتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ آتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾ (سورة النساء: ٤)

عن عائشة، "نحلة" قالت: واجبة. (الدرالمنثور، دارالكتب العلمية بيروت: ٢١٢/٢)

ولما كان الصداق عطية من اللّٰه تعالىٰ على النساء صارت فريضة وحقا لهن على الأزواج. (تفسير مظهري، زكريا: ٢٢١/٢)

عن زيد بن أسلم قال: سمعته يقول: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من نكح امرأة وهو يريد أن يذهب بمهرها، فهو عند اللّٰه زان يوم القيٰمة. (مصنف ابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن بيروت: ٤٠٦/٩، رقم: ١٧٦٩٩، الدر المنثور: ٢١٢/٢، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية، بيروت: ١٣٢/٤، المعجم الاوسط، دار الفكر بيروت: ٥٠١/١، رقم: ١٨٥١، مصنف عبد الرزاق، رقم: ١٤٤٣)

عن عائشة وأم سلمة قالتا: ليس شيء أشد من مهر امرأة، أو أجر أجير. (مصنف ابن أبي شيبة، موسسه علوم القرآن بيروت: ٤٠٦/٩، رقم: ١٧٧٠٠، الدر المنثور: ٢١٢/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۴/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۲/۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۹/۱۳-۶۸۰)

کیا مہر کی ادائیگی کے بعد بیوی میکہ نہیں جاسکتی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نقد مہر دینے کے بعد بیوی اپنے میکہ میں نہیں رہ سکتی، اگر رات کوئی اور دو چار رات دن رکنا ہوتو خاوند کے ساتھ رک سکتی ہے، ورنہ خاوند کے ساتھ جانا اور واپس آنا ضروری ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہر پورا نہ دیا جائے، اگر پورا مہر دیا جائے تو بیوی اپنے میکہ میں نہیں جانے کو پائے گی۔ آیا یہ صحیح ہے، یہ نہیں؟ (المستفتی: عبدالصمد، رامپور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نقد مہر دینے کے بعد شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی اپنے میکہ میں نہیں جاسکتی، البتہ اگر شوہر نے اجازت دے دی تو جانے کی اجازت ہے، پھر بھی زیادہ دن تک نہ رہے زیادہ دن رہنے سے جانبین سے فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱۷۲/۲)

فإن فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة، خصوصاً إذا کانت شابة، والزوج من ذوی الهیئات. (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا: ۳۵۸/٤، کوئٹه: ۲۰۸/٤، دارالفکر بیروت: ۳۹۸/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۸۳۷/۳۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۲/۱۳-۶۸۳)

کیا مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم کا بھی مطالبہ درست ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کچھ لوگ بوقت نکاح لڑکی والوں سے جہیز کے ساتھ جوڑے کی رقم بھی لیتے ہیں، پھر اگر کسی وجہ سے زوجین کے درمیان علاحدگی ہوجائے تو لڑکی والے اپنے ساز وسامان کے ساتھ جوڑے کی رقم بھی واپس لے لیتے ہیں؛ لیکن اگر علاحدگی کے بعد شوہر کا انتقال ہوجائے تو لڑکی والوں کو یہ حق رہے گا کہ وہ شوہر کے ترکہ سے جوڑے کی رقم کا مطالبہ کرے؟ جیسا کہ مہر کے مطالبہ کا حق رہتا ہے اور کیا اس کو بھی قرض کے زمرے میں شامل کر کے بعد ادائیگی قرض ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی؟

(المستفتی: محمد رضوان، امداد العلوم، حیدرآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر جوڑے کی رقم سے مراد وہ رقم ہے، جو دولہے کا جوڑا بنانے کے لیے بھیجی گئی ہے اور اس رقم سے دولہے کا جوڑا بنا دیا گیا ہے اور جوڑا بنا کر اس نے پہن لیا ہے تو ایسی صورت میں وہ رقم لڑکی کے شوہر کے لیے بطور تحفہ ہے؛ اس لیے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا علاحدگی کے موقع پر نہ اس کا مطالبہ شوہر سے درست ہوگا اور نہ شوہر کی موت کے بعد اس کے ترکہ سے لینے کا حق ہوگا۔

بعثت الصهرة إلی بیت الختن ثیاباً لارجوع لها بعده ولو قائمة، ثم سئل، فقال لها الرجوع لو قائماً. قال الزاهدی: والتوفیق أن البعث الاول قبل الزفاف، ثم حصل اللزفاف، فهو کالهبة بشرط العوض وقد حصل فلا ترجع، والثانی بعد اللزفاف فترجع،الخ. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراتشی: ۱۵۵/۳، زکریا: ۳۰٦/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۱۴/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۸۳/۱۳-۶۸۴)

کیا مہر میں دیئے گئے مکان کو بیوی فروخت کرسکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حافظ عبد الباری نے ہندوستان میں شادی کی، ہندوستان میں ہی پیدائش ہوئی، اُنہوں نے نکاح میں اپنی بیوی جعفری کوایک مکان مہر میں دیا، ۱۹۴۷ء میں یہ دونوں میاں بیوی پاکستان چلے گئے، اب یہاں پر موجود مکان ان کی بیوی جعفری بیچنا چاہتی ہیں، ان کی دونندیں، ان کی دواولادیں ان کومکان بیچنے پراعتراض کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں مکان مہر میں ذریات کے رہنے کے لیے دیا جاتا ہے، بیچنے کے لیے نہیں دیا جاتا ہے، قانونی اعتبار سے بھی دونوں بہنیں اُن کے پاکستان چلے جانے کے بعد مالک ہوجاتی ہیں، دونوں بہنیں مزید یہ بھی کہتی ہیں کہ بھابھی اور ہمارے بھائی کے پاس پاکستان میں سب کچھ ہے، ہم یہاں ضرورت مند ہیں، لہٰذا یہ مکان آپ ہماری ذریت کودیں، یا ہم دونوں بہنوں کو دیں؟ شریعت کے حکم کے ساتھ ساتھ اُن کا اخلاقی فرض کیا ہے؟ وہ بھی تحریر فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

حافظ عبدالباری نے اپنی بیوی کو جوحصۂ مکان مہر کے عوض میں دیا ہے، وہ بیوی اس کی تنہا مالک ہے اوراس کے پاکستان چلے جانے کے باوجود مکان سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہے تو اپنی ملکیت کا مکان فروخت کرکے اُس کی رقم اپنے استعمال میں لاسکتی ہے، کسی شخص کواُسے روکنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر وہ بلاکسی دباؤ کے اپنی رضامندی سے مکان کی فروخت سے باز رہے اور اور مکان کواپنی نندوں کے استعمال میں رہنے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں؛ بلکہ یہ ایک خوش خلقی کی بات ہوگی۔

ثم المهر واجب شرعًا، وقال الشافعي: ما يجوز أن يكون ثمنًا في البيع يجوز أن يكون مهرًا لها؛ لأنه حقها. (الهداية) **(قوله:حقها): شرعه اللّٰه تعالىٰ لها؛ صيانة لبعضها عن الابتذال مجانًا.** (العناية:۲۰۵/۳،مع الهداية،باب المهر:۳۵/۳، مكتبة البشرىٰ كراتشي)

ونفذ عتق المرأة في الكل، وكذا بيعها وهبتها لبقاء ملكها في الكل،الخ. (البحرالرائق:۱۴۴/۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۱/۸/۱۴۲۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۴۱۱/۸-۴۱۲)

مہر اور دیگر گفٹ عورت کا حق ہیں:

سوال: میرے ایک بھائی کا انتقال ہوا۔مرحوم کی اہلیہ کے پاس ایک جہیز کا سامان ہے اور دوسرا وہ ہے، جو اس کے مرحوم شوہر نے کچھ استعمال کے لیے لاکر دیا تھا اور کچھ سامان ہمارے گھر والوں نے دیا تھا، اسی طرح مہر بھی دیا گیا تھا تو اب مندرجہ بالا سامانوں کا کیا کیا جائے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مرحوم کی اہلیہ (بیوہ) کے پاس جو جہیز ہے اور دیگر سامان جو کہ آپ (سسرال والوں) نے اور جو مرحوم نے بطور مہر دیا تھا، وہ سب اس کا ہوگا، اگر وہ اپنے ساتھ یہ سب لے جانا چاہے تو چوں کہ یہ اس کا حق ہے، لہٰذا لے جاسکتی ہے اور اگر اپنی رضامندی سے سب، یا کچھ سامان اپنے سسرال میں چھوڑ کر جانا چاہتی ہے تو اس کی بھی اجازت ہے؛ مگر طیب نفس کا ضرور خیال رکھا جائے، نیز یہ کہ مرحوم نے جو سامان گھر میں استعمال کے لیے لاکر دیا تھا اور بوقت انتقال مرحوم کی ملکیت میں تھا تو وہ بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگا، لہٰذا مرحوم کے ترکہ میں سے بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا، اگر بوقت انتقال مرحوم کی اولاد موجود ہو، وگرنہ ربع (چوتھائی حصہ) ملے گا۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٢٤): ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾(الآية)

وفی عمدة القاری (١٤٨/١٣، باب هبة الرجل لامرأته والمرأة لزوجها): أی هذا باب فی بيان حكم هبة الرجل لامرأته وحكم هبة المرأة لزوجها وحكمها أنه يجوز فإذا جاز هل لأحدهما أن يرجع على الآخر فلا يجوز.

وفی الدرالمختار (١٥٦/٣): (جهز ابنته ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية وقالت: هو تمليک، أو قال الزوج ذلک بعد موتها ليرث منه وقال الأب) أو ورثته بعد موته (عارية ف) المعتمد أن (القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية و) أما (إن مشتركا) كمصر والشام (فالقول للأب). وفی الرد تحته: مطلب فی دعوى الاب أن الجهاز عارية: والعادة الفاشية الغالبة فی أشراف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجهاز تمليكا سوى ما يكون على الزوجة ليلة الزفاف من الحلي والثياب فإن الكثير منه أو الاكثر عارية. (نجم الفتاویٰ: ۱۶۹/۵)

شوہر کا بیوی سے مہر واپس لے کر ادا نہ کرنا:

سوال: ایک لڑکی کا مہر جو کہ سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا (مثلاً ۳، یا ۴ رتولہ سونا) شوہر نے زیورات کی شکل میں بیوی کو ادا کر دیا، چند دن بعد اس لڑکی کی ساس اور اس کے شوہر نے وہ زیورات اُس سے لے لیے اور شوہر نے کہا کہ میں تمہیں بعد میں ادا کردوں گا۔ اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان کچھ اَن بن پیدا ہوگئی تو بیوی سسرال چھوڑ کر ماں باپ کے گھر چلی گئی اور لڑکی نے ان زیورات کا مطالبہ کر دیا۔ شوہر نے کہا کہ میں تمہیں نہ تو طلاق دوں گا اور نہ ہی وہ زیورات دوں گا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شوہر پر اُن زیورات کا لوٹانا ضروری ہے؟ بیوی کا فی الفور طلاق سے پہلے زیورات کا مطالبہ کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جب مذکورہ لڑکی کا مہر جو کے سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا، زیورات کی صورت میں ادا کر دیا گیا تو اب یہ زیورات

لڑکی کی ملکیت ہوگئے اور جب یہ زیورات اس لڑکی سے شوہر نے یہ کہہ کر واپس لے لیے کہ میں تجھے بعد میں دیدوں گا تو اب شوہر کے ذمہ یہ دین (قرض) ہوگیا اور شرعاً لڑکی کے فی الفور مطالبہ پر ان زیورات کا لوٹانا شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

لمافی القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفي الشامية (٣٠٢/٥): الدين الصحيح ما لا يسقط إلا بالاداء أو الإبراء.

وفي الفقه الإسلامي وأدلته (٦٧٥٩/٩): الاول مجرد العقد الصحيح: وقد يسقط كله أو نصفه ما لم يتأكد بالدخول أو بالموت، أو بالخلوة عند الحنفية والحنابلة.

الثاني الدخول الحقيقي: كما في حالة الوطء بشبهة، أو في الزواج الفاسد .ولا يسقط حينئذ إلا بالاداء أو بالإبراء. (نجم الفتاویٰ: ۲۰۳/۵)

لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کے لیے اس کا مہر استعمال کرنا:

سوال: مفتی صاحب! گزشتہ سال میں تبلیغ کے سلسلے میں چار ماہ کے لیے گیا، ایک جگہ ہماری تشکیل ہوئی تو مسجد کے امیر صاحب کے بیٹے کی شادی ہورہی تھی، انہوں نے ہم کو بھی دعوت دی اور دورانِ دعوت ہم کو وہاں کے رواج کے بارے میں پتہ چلا کہ وہاں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی کو جو مہر دیتا ہے تو لڑکی کا جو بھی ولی ہوتا ہے، وہ اس مہر میں سے لڑکی کے لیے زیورات وغیرہ بنواتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ بعض اولیا یہ بھی کرتے ہیں کہ لڑکی کے مہر میں سے لڑکے کیلئے انگوٹھی، یا گھڑی وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکے کے گھر والوں کے لیے بھی اسی مہر میں سے کپڑے وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکی کی اگرچہ صراحتاً تو اجازت نہیں ہوتی؛ مگر چونکہ وہاں کا رواج ہے تو دلالۃً گویا کہ لڑکی بھی راضی ہے؛ کیوں کہ لڑکی اپنے بڑوں کے رواج کے آگے کچھ نہیں بولتی تو اب میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ کیا شریعت میں یہ طریقہ کہ لڑکی کے مہر سے لڑکے اور ان کے گھر والوں کو چیزیں دینا جائز ہے، یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مہر کے متعلق اصل حکم یہ ہے کہ مہر کی مستحق لڑکی ہوگی، اولیا کا اس میں کوئی حق نہیں ہے؛ تاہم اگر بالغہ لڑکی ولی کو مہر پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدے تو ولی کے لیے قبضہ کرنا درست ہے اور اسی طرح اگر لڑکی ولی کو مہر میں تصرف کرنے کی اجازت دے دے، یا ولی کے تصرف کرنے پر دل سے راضی ہو تو ولی کے لیے اس طرح کا تصرف کرنا درست ہے اور اگر لڑکی نے تصرف کی اجازت نہیں دی اور ولی کے اس طرح کے تصرف کو دل سے قبول نہیں کرتی تو ولی کے لیے لڑکی کے مہر میں کسی قسم کا کوئی تصرف کرنا درست نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ دوسرے کے مال میں بغیر اُس کی اجازت اور دلی

رضامندی کے کسی قسم کا تصرف کرے، لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی چوں کہ رواج اور بڑوں کی وجہ سے خاموش ہے، لڑکی کی اجازت اور رضامندی دل سے نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لیے ولی کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی لڑکی بالکل دل سے راضی ہوکر مہر میں تصرف کی اجازت دے دے تو یہ تصرف جائز ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ٤): ﴿وَآتُواالنِّسَائَصَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

وفی أحکام القرآن للجصاص (۵۸/۲): **قال قتادة فی هذه الآیة ما طابت به نفسها من غیره کره فهو حلال وقال علقمة لامرأته أطعمینی من الهنیء والمریء فتضمنت الآیة معانی منها أن المهر لها وهی المستحقة له لا حق للولی فیه ومنها أن علی الزوج أن یعطیها بطیبة من نفسه ومنها جواز هبتها المهر للزوج والإباحة للزوج فی أخذه بقوله تعالی﴿فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَرِيئاً﴾**

وفی مشکاة المصابیح (ص: ۲۵۵): **وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا تظلموا ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه.** (رواه البیهقی فی شعب الإیمان والدارقطنی فی المجتبیٰ)

وفی الشامیة (۱٤۱/۳): **وولایة قبض المهر له بحکم الأبوة لا باعتبار أنه عاقد ولذا لا یملک قبضه بعد بلوغها وإذا نهته بخلاف البیع وتمامه فی الفتح.** (نجم الفتاویٰ:۲۰۵/۵-۲۰٦)

کیا عورت کے منہ کا بدبودار ہونا خلوت صحیحہ سے مانع ہے:

سوال: ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی رات کو جب ہمبستری کے لیے قریب ہوا تو اس کے منہ سے گندی بُو آرہی تھی، اس نے وطی نہیں کی، فوراً اس کو طلاق دے دی۔ اس پر مہر لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ بعون الملک الوهاب

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دینے سے کامل مہر لازم آتا ہے۔ صورت مسئولہ میں عورت کی طرف سے ایسا کوئی عذر نہیں پایا گیا، جو ہمبستری سے مانع ہو، عورت نے ہمبستری کی قدرت بھی دے دی، پھر اس کے بعد صرف بُو کی وجہ سے ہمبستری نہ کرنا، یہ خلوت صحیحہ کے لیے مانع نہیں، چناں چہ اس صورت میں خلوت صحیحہ پائی گئی ہے، لہٰذا اس کے بعد طلاق دینے سے شوہر پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

لمافی القدوری (ص: ۱۷۷): **واذا خلا الزوج بامرأته ولیس هناک مانع من الوطی ثم طلقها فلها کمال مهرها.**

وفی الهندیة (۳۰۳/۱): **الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء کان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلک إلا بالإبراء.**

وفیه أیضاً(ص: ٣٠٤): والخلوة الصحیحة أن یجتمعا فی مکان لیس هناک مانع یمنعه من الوطء حسا أو شرعا أو طبعا کذا فی فتاوی قاضی خان ... أما المرض فالمراد به ما یمنع الجماع أو یلحق به ضرر.

وفی الشامیة (١٠٤/٣): إذا طلقها الزوج بعد الخلوة الصحیحة لوجوب المهر کاملا علی الزوج. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۵/۵-۲۱۶)

متعہ کیا ہے اور کب واجب ہوتا ہے:

سوال: متعہ کیا ہے اور یہ کب واجب ہوتا ہے؟ جواب مع الدلیل تحریر فرمائیں۔

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

متعہ تین کپڑے ہیں: قمیص، چادر اور دوپٹہ اور یہ اس وقت واجب ہوتا ہے، جب کہ مہر متعین نہ ہو اور شوہر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دے دے۔

(المتعة ثلاثة أثواب) قمیص وملحفة ومقنعة ... متعة (واجبة) وهی للمطلّقة قبل الدخول ولم یسمّ لها مهراً. (الفتاویٰ الهندیة: ٣٠٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی، قاسمی، ۱۰/۵/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

مہر متعین نہ ہو اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی جائے تو متعہ واجب ہوگا:

سوال: ایک شخص کی شادی فاطمہ سے ہوئی، بوقت ایجاب وقبول مہر کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ فاطمہ اپنے میکہ ہی میں رہی، شوہر اور بیوی کے درمیان کبھی یکجائی نہیں ہوئی، نکاح کے ایک سال بعد کسی رنجش کی بنا پر شخص مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسی صورت میں اس پر کتنا مہر لازم ہوگا؟

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں جب کہ مہر متعین نہیں ہوا تھا اور شوہر مذکور نے خلوت صحیحہ سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسی صورت میں اس پر متعہ واجب ہے۔

متعة واجبة وهی للمطلّقة قبل الدخول ولم یسمّ لها مهراً. (الفتاویٰ الهندیة: ٣٠٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۴/۱۱/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

مہر بیوی کا ترکہ قرار پا کر اس کے وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا:

سوال: ایک شخص کی بیوی کا انتقال اس کی عدم موجودگی میں ہوگیا، دین مہر معاف نہیں ہوسکا، وہ شخص ادا کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اگر بیوی کے والدین معاف کردیں تو معاف ہوجائے گا، یا نہیں؟ اور اگر دیا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بیوی کا مہر اس کے وارثوں کو ملتا ہے،(۱) جس میں شوہر بھی اس کا وارث ہے۔ دوسرے وارثوں سے وہ معاف کرائے تو معاف ہوجائے گا، اگر عورت نے شوہر اور ماں باپ کو چھوڑا ہے تو اس کے ترکہ کو چھ سہام میں تقسیم کرکے تین سہام شوہر کو، ایک سہام ماں کو اور دو سہام باپ کو ملیں گے،(۲) ہر شخص اپنے ترکہ کو جس مصرف میں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۶/۱۰/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

نکاح سے قبل مہر کا مطالبہ:

سوال: بالغہ قبل نکاح کے دین مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے اور لے سکتی ہے؟ اور نابالغہ کا باپ دین مہر قبل نکاح لے کر کچھ شادی میں اس کے خرچ کرے اور کچھ اپنے مصرف میں لائے تو جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح سے قبل عورت بالغہ، یا نابالغہ کے ولی کو مطالبۂ مہر کا حق نہیں ہے۔(۳) نکاح کے بعد بالغہ کو مطالبۂ مہر کا حق ہے اور اس کا لینا جائز و درست ہے، اس طرح نابالغہ کا ولی بھی مہر کا مطالبہ کرسکتا ہے اور لے سکتا ہے۔(۴) ولی اگر نابالغہ کا مال خرچ کردے تو اس کو بلوغ کے بعد مطالبہ کا حق رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۰/۳/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/)

اولیا کا قبل نکاح، یا بوقت نکاح مہر لینا کیسا ہے:

سوال: بعض آدمی لڑکے، یا ورثاء لڑکے لڑکی کا مہر قبل از نکاح، یا بوقت نکاح لیتے ہیں اور اپنی حوائج میں صرف

---

(۱) اس لیے کہ مہر بیوی کی ملک ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین کو ملے گا۔
إن المهر ملك المرأة وحقها. (بدائع الصنائع:۱۴۵۶/۳)

(۲) أما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل. (السراجی:۱۱)
أما للأم فأحوال ثلاث ... ثلث ما بقی بعد فرض أحدالزوجين. (السراجی:۱۸)
أما الأب فله أحوال ثلاث ... التعصيب المحض وذلك عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل. (السراجی:۱۰)

(۳) اس لیے کہ مہر نکاح کے بعد شوہر پر لازم ہوتا ہے نہ کہ نکاح سے قبل؛ لأن المهر قد وجب بنفس العقد. (بدائع الصنائع، فصل بيان ما يتأكد به المهر:۱۴۶۰/۳)

(۴) (ولها منعه من الوطئ) ودواعيه ... (لأخذمابين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر مايعجل لمثلها عرفا) به يفتىٰ ... إلا التأجيل لطلاق أوموت. (الدرالمختار:۳۵۸/۲-۳۵۹)
(قوله: ولهامنعه، الخ) وكذا الولی الصغيرة المنع المذكور حتى يقبض مهرها. (ردالمحتار:۳۵۸/۲)

کرتے ہیں اور دلیل جواز حدیث " أنت ومالک لأبیک" (۱) پیش کرتے ہیں اور قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی لڑکی کے مہر میں بکریاں چروائی تھیں تو یہ دلیلیں اموال اولاد کے جواز کے لیے درست ہیں، یا نہ؟

الجواب

لڑکی کے باپ کو مہر لینا درست ہے؛ لیکن اپنے صرف میں نہ لاوے اور اگر اپنے صرف میں لایا تو اس کو لڑکی کو دینا ہوگا۔

لأب الصغيرة المطالبة بالمهر. (الدرالمختار)(۲)

وفی الشامی: والصغيرة غير قيد، ففی الهندية: للاب والجد والقاضی قبض صداق البكر صغيرة كانت أو كبيرة إلا إذا نهته وهی بالغة صح النهی، الخ. (۳)

اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں یہ تحقیق ہے کہ اگر چہ فقہا نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر باپ کی بکریاں چرانے کی خدمت کو مہر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہے اور مہر مثل لازم ہے۔

ومقتضاه وجوب مهر المثل فی خدمة وليها وعدم لزوم الخدمة وكذا فی مثل قصة شعيب عليه الصلاة والسلام. (۴)

مگر شامی میں کہا ہے کہ اس صورت میں باپ کے ذمہ اس خدمت کی قیمت لڑکی کو دینا لازم ہے۔

درمختار میں ہے:

ومفاده صحة تزوجها على أن يخدم سيدها أو وليها كقصة شعيب عليه السلام مع موسى عليه الصلاة والسلام. (۵)

اور شامی میں ہے:

ومفاده صحة الاستدلال بها على الجواز فی رعی غنم الأب. (۶)

قال الرحمتی: والظاهر وأن وليها يضمن لها حينئذ قيمة الخدمة. (۷) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۰/۸)

---

(۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أَبِي اجْتَاحَ مَالِي، فَقَالَ: أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ، فَكُلُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ. سنن ابن ماجة، باب ما للرجل من مال ولده، رقم الحديث: ۲۲۹۲، انیس)

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر، مطلب لأبی الصغيرة المطالبة بالمهر: ۵۰۸/۲، ظفير

(۳) ردالمحتار باب ايضا مطلب لأبی الصغيرة المطالبة بالمهر: ۵۰۸/۲، ظفير

(۴) ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۸/۲، ظفير

(۵) الدرالمختار على هامش ردالمحتار باب المهر: ۴۵۸/۲، ظفير

(۶) ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۹/۲، ظفير

(۷) ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۸/۲، ظفير

دس درہم کی مقدار تولہ اور پیسوں کے حساب سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مہر دس دراہم ہیں؛ لیکن دریں زمانہ مہر میں دراہم کا رواج نہیں تو دس دراہم کے لیے تولے کتنے ہوں گے، یا اگر پیسوں سے ادائیگی مہر کی جائے تو کتنی رقم دس دراہم کے برابر ہوگی؟

(المستفتی: فرید احمد، ممبئی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دس درہم کا وزن موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۳۰؍گرام ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۳؍تولہ ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل:۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۶۲۸/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۵۱/۱۳۔۶۵۲) ☆

☆ **دورحاضر کے اوزان کے اعتبار سے دس درہم کی مقدار:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دین مہر نکاح میں کم سے کم کتنا باندھنا چاہیے، دس درہم مہر کا آج کے دور کے اعتبار سے کتنا روپیہ بنتا ہے؟ اگر بغیر مہر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو کتنا مہر ادا کرنا پڑے گا؟ مہر کا باندھنا نکاح میں شرعی طور پر کیا درجہ رکھتا ہے۔

”لا مهر أقل من عشر دراهم“ کا مطلب کیا ہے؟ شرع محمدی مہر کتنا کہلائے گا؟ مہر فاطمی کا کتنا روپیہ بنتا ہے؟

(المستفتی: قطب الدین قاسمی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دس درہم کی مقدار اوزان کے حساب سے ۳۰؍گرام ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلیجئے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل:۱۲۹)

(۱) مہر کا باندھنا نکاح میں شرعی طور پر لازم اور واجب ہے کم سے کم اتنا باندھنا لازم ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے، اگر مہر باندھا نہیں ہے تو مہر مثل لازم ہوگا۔

(۲) مہر شرعی محمدی کی کوئی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے، اگر اس سے عوام مہر فاطمی مراد لیتے ہیں تو اس سے مہر فاطمی لازم ہوگا اور اگر اقل مہر مراد لیتے ہیں تو اس سے اقل مہر لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل:۱۲۹)

(۳) مہر فاطمی ۱۲؍ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱؍تولہ ۳؍ماشہ چاندی ہے، گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰؍گرام ۹۹۰؍ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل:۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۰۹۹/۳۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۵۲/۱۳۔۶۵۳)

دو دینار سرخ مہر قرار دینا:

سوال (۱) مہر میں دو دینار سرخ سلطانی باندھنا کیسا ہے؟

اشرفی کا وزن:

(۲) اشرفی کی قیمت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) مہر میں دینار سرخ وغیرہ باندھنا درست ہے؛ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ مروجہ سکہ باندھا جائے؛ تاکہ عندالاداء نزاع نہ ہو۔(۱)

(۲) دینار سرخ اور اشرفی کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے، یہی وزن مثقال کا ہے۔ قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندنظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۴۰)

سکہ رائج الوقت اور دینار سرخ کی قیمت:

سوال: زید نے بوقت نکاح اپنی بیوی ہندہ کے تختہ سیاہ نامہ میں مہر مؤجل نوسو روپئے سکہ رائج الوقت اور دس دینا شرعی اور دو دینار سرخ لکھوا کر ایجاب وقبول کیا۔اب ہندہ اپنے شوہر سے مہر کا مطالبہ کررہی ہے۔ براہ کرم بتائیں کہ سکہ رائج الوقت کی کیا تعریف ہے؟ ایک دینار شرعی کی ہندوستانی سکہ کے لحاظ سے کیا قیمت ہوگی؟ اور یہ دینار سرخ کی ہندوستانی سکہ کے لحاظ سے کیا قیمت ہوگی؟ دینار شرعی اور دینار سرخ کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جس وقت نکاح ہوا تھا، اس وقت جو روپیہ رائج تھا، وہ نوسو روپیہ سکہ رائج الوقت سے مراد ہے۔ دینار شرعی سے ساڑھے چار ماشہ سونا مراد ہے۔(۲)

---

(۱) لأن الجهالة مفضية إلى المنازعة ... وإن كانت مختلفة المالية والرواج معا، فالبيع صحيح، ويصرف إلى الزوج للوجه الذى تقدم من وجوب العمل بالعرف والعادة". (فتح القدير، كتاب البيوع: ٦/٢٦٣-٢٦٤، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) والمثقال هو الدينار عشرون قيراطا، والدرهم أربعة عشر قيراطا، والقيراط خمس شعيرات، كذا فى التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث فى زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول: ١/١٧٩، رشيدية)

مثقال بالکسر نام وزنے ست کہ چہار ونیم ماشہ باشند"۔ (غیاث اللغات، باب المیم مع الثاء، ص:۴۵۲، سعید)

دینار سرخ اشرفی کو کہتے ہیں، جس کا وزن دس ماشہ سونا تھا، جس وقت مہر ادا کرنا ہو، اس وقت بازار میں سونے کے وزن مذکور کی قیمت دریافت کرلی جائے؛ کیوں کہ یہ قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/۲/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱/۱۲) ☆

اشرفی، دینار و درہم کیا ہیں:

سوال: عام طور پر لوگ مہر میں اشرفی، دینار و درہم متعین کرتے ہیں تو یہ اشرفی، دینار و درہم کیا ہیں اور مہر کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اشرفی سونا کی ہوتی ہے، جس کا وزن دس ماشہ ہوتا ہے۔ (۱) دینار بھی سونا کا ایک سکہ تھا، جو کسی زمانے میں رائج تھا اور اس کا وزن ساڑھے چار ماشہ تھا، درہم تین ماشہ ۱ ۱/۵ رتی چاندی کا ایک سکہ ہوتا ہے۔ (۲) اگر مہر دین میں اشرفی، یا دینار و درہم مقرر کئے جائیں تو دس ماشہ، یا ساڑھے چار ماشہ سونا اور تین ماشہ ۱ ۱/۵ رتی چاندی ادا کئے جائیں، یا بوقت ادائیگی ان کے جتنے روپئے ہوں، وہ روپئے ادا کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۱۲/۴/۱۳۹۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

☆ سرخ دینار کیا ہے:

سوال: ہمارے یہاں روپئے کے ساتھ دینار سرخ دین مہر میں طے کئے جانے کا دستور ہے تو یہ دینار سرخ کیا ہے؟ اور ہندوستانی زر مبادلہ میں اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

''دینار'' سونے کے ایک سکہ کا نام ہے، (مصباح اللغات: ۲۵۲) جو کسی زمانہ میں رائج تھا، سونا کے رنگ کی رعایت سے اس کو ''دینار سرخ'' بھی کہہ دیتے ہیں، ایک دینار کا وزن ساڑھے چار ماشہ (۶/آنہ بھر) ہے۔ (جواہر الفقہ: ۴۲۴/۱) ایک دینار کے عوض مذکورہ وزن کے برابر سونا، یا بوقت ادا بازار میں جو اس کی قیمت ہو، وہ ادا کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم، ۱۶/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/)

دینارِ شرعی اور دینارِ سرخ:

سوال: میری بیوی کا مہر پانچ ہزار روپے اور دو دینار شرعی اور دو دینارِ سرخ ہے، یہ کتنی رقم ہوئی؟ جو مجھے اپنی بیوی کو ادا کرنی چاہیے، کیا میں کچھ رقم ادا کر کے کچھ معاف کرا سکتا ہوں؟ (ناصر علی، بنجارہ ہلز، حیدر آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

دکن کے مطبوعہ نکاح نامہ میں ایک دینار شرعی کو ۳/گرام سونا اور ایک دینار سرخ کو ایک تولہ؛ یعنی ۱۲/گرام سونا مانا گیا ہے؛ اس لیے ان دیناروں کی یہی قیمت سمجھی جائے گی۔ پس آپ کے ذمہ پانچ ہزار روپیہ اور ۳۰/گرام سونا آپ کی بیوی کا ہے، سونے کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ادائیگی کے وقت قیمت معلوم کر کے ادا کر دیں، بہتر یہی ہے کہ آپ پورا مہر ادا کریں، اگر اس کی استطاعت نہ ہو اور بیوی اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اس کی گنجائش ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۷/۴)

(۱) لغات کشوری: ۲۵ (۲) جواہر الفقہ: ۴۲۴/۱

چارسومثقال چاندی کا وزن:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی عرفانہ پروین کا مہر شرع پیغمبری؛ یعنی چارسومثقال نقرہ (چاندی) معجّل قرار پائی ہے، موجودہ دور کے حساب سے کتنے وزن کی چاندی ہوگی۔

(المستفتی: محمد خورشید، تمبا کو والان، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

۴۰۰ر مثقال چاندی کا وزن گراموں کے حساب سے ایک کیلو ۷۴۹ رگرام ۶۰۰ رملی گرام ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۷۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۷۹/۱۳)

دینارسرخ کی قیمت جب مختلف ہے تو فیصلہ کیا ہوگا:

سوال: ہندہ کا مہر پانچ سو دینار سرخ قرار پایا تھا اور دینار سرخ کا وزن اور قیمت مختلف فیہ ہے، اقل درجہ دینار سرخ کتنے ماشہ کا اور سکہ کلدار مروجہ سے کتنے روپیہ کا ہوتا ہے؟ اور اکثر درجہ کیا ہے؟ اور قول مفتی بہ اس بارے میں کیا ہے؟ اور دینار کس چیز کا ہوتا ہے؟

الجوابــــــــــــــــــــــــ

دینار اور مثقال ایک چیز ہے اور وزن مثقال اور دینار کا ساڑھے چار ماشہ ہے اور یہ سونے کا ہوتا ہے، پس سونا اگر اٹھائیس روپیہ کا ایک تولہ آتا ہو، جیسا کہ اس وقت نرخ ہے تو ایک دینار ۱۰ر بٹے آٹھ کا ہوگا۔ غیاث اللغات میں ہے کہ مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ (۱) فقط (اس وقت ۱۳۸۷ ہجری میں سونا پونے دوسو روپیہ تک بکتا ہے؛ اس لیے اس زمانہ میں دینار کی قیمت بہت بڑھ جائے گی، ہر زمانہ میں سونے کی جو قیمت ہوگی، اسی نرخ سے قیمت لگے گی۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۴/۸)

---

(۱) والمثقال هو الدينار عشرون قيراطا والدرهم أربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات، كذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، مصرى، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱۶۷/۱، ظفير)

المثقال: في الانكليزية Weight، في الفرنسية Poids، بالكسر لغة ما يوزن به قليلا كان أو كثيرا، وعرفا ما يكون موزونه قطعة ذهب مقدّر بعشرين قيراطا، وظاهر كلام الجوهرى أنّه معناه لغة والقيراط خمس شعيرات متوسّطة غير مقشورة مقطوعة ما امتدت من طرفيها، فالمثقال مائة شعيرة وهذا على رأى المتأخّرين وسنجة أهل الحجاز وأكثر البلاد، وأمّا على رأى المتقدّمين وسنجة أهل سمرقند فالمثقال ستة دوانق والدانق أربع طسوجات والطسوج حبّتان والحبّة شعيرتان، فالمثقال شعيرة وتسعة عشر قيراطا، فالتفاوت بين القولين أربع شعيرات، كذا في جامع الرموز في كتاب الزكاة، وفي البرجندى أنّ الدينار وهو المثقال مائة شعيرة عند أهل الشرع، ==

مہر میں جب اشرفی ہوتو اشرفی سے کون اشرفی مراد ہوگی:

سوال: ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوااورایک سوایک روپیہ اورایک سوایک اشرفی سکہ رائج الوقت مہر قرار پایا،اشرفی کی قیمت رہتی ہےتواب ہندہ کومہرکس حساب سے دیا جائے گا؟

الجواب

بحکم ''المعروف کالمشروط'' مہر میں وہ اشرفی مراد ہوگی،جواس وقت؛یعنی بوقت نکاح مروج تھی اور اگر مختلف قیمت کی اشرفیاں اس وقت مروج تھیں توجس اشرفی کا زیادہ رواج ہو،وہ مراد ہوگی اوراگر یہ معلوم نہیں کہ اس وقت اشرفی کس قیمت کی زیادہ مروج تھی توجوکچھ عورت کہتی ہےاوراس کا مکذب کوئی نہیں ہےتواسی کےقول کےموافق اسی اشرفی سےحساب مہر کا کیاجاوےگا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۷۶/۸)

سکہ رائج الوقت مہر میں چاندی کے روپے وصول کرنا:

سوال: حافظ محمد عرفان کے نکاح کے وقت قاضی نے سکہ رائج الوقت کی قید کے ساتھ ساڑھے بتیس روپیہ مہر متعین کیا تھا۔اب حافظ صاحب نے آٹھ سال کی مدت طویلہ اورخلوت صحیحہ کے بعداپنی بیوی کوطلاق دےدی ہے، طلاق کے بعدوہ عورت ایک سال تک اپنے والد کے گھر پر رہی ہے،اس کے بعد پانچ ماہ کے لیے اپنے شوہر حافظ صاحب کے گھر آگئی،ان پانچ ماہ میں بلاکسی تعلق کے انہوں نے نان ونفقہ برداشت کیا۔اب اس کے گھر والے اس مطالبہ پر بضد ہیں کہ ہم دوسال کا نان ونفقہ لیں گےاوراس کےساتھ ساڑھے بتیس روپیہ چاندی کے لیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ ادائیگی مہر کے لیے چاندی کے روپئے دیناضروری ہیں،یا سکہ رائج الوقت سے ہی کام چل جائے گا؟

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ صاحب مذکور کے ذمہ سے ان کی وہ ذمہ داری جوطلاق کے بعد ایام عدت میں ہونی چاہیے تھی؛یعنی نان ونفقہ وغیرہ اس عورت کا پانچ ماہ مع نان ونفقہ کے رہنا شوہر کی ذمہ داری کوختم کردے گا،یانہیں؟

== وهو المتعارف في وزن أهل هراة في هذا الزمان، وإلى هذا الاصطلاح ذهب من قال إنّ المثقال عشرون قيراطا والقيراط خمس شعيرات، وكلّ عشرة دراهم سبعة مثاقيل ويسمّى هذا وزن سبعة .فكلّ درهم نصف مثقال وخمسة، وهو سبعون شعيرة وستة وتسعون شعيرة عند الحساب، وعليه أهل سمرقند،والشعيرة ست خردلات، والخردلة اثنا عشر فلسا، والفلس ست فتيلات، والفتيلة ست نقيرات، والنقيرة ثمانية قطميرات، والقطمير اثنا عشر ذرّة،انتهى،قيل: وقد يقسم الطسوج إلى ثلاثة أقسام يسمّى كلّ قسم حبّة .وبعضهم يقسم الدينار إلى ستين قسما يسمّى كلّ قسم حبّة، فالحبّة على هذا سدس العشر،وفي بحر الجواهر المثقال بحساب الدراهم درهم وثلاثة أسباع درهم، وبحساب الطساسيج أربعة وعشرون طسوجا، وبحساب الشعيرة ستة وتسعون شعيرة، والمثاقيل الجمع ،انتهى..(كشاف اصلاحات الفنون والعلوم، حرف الميم: ١٤٤٩/٢،مكتبة لبنان،انيس)

جب کہ دوسال بعد عورت شوہر کے وہاں پہونچی، یا ان کے مطالبہ کے موافق دوسال کے نان ونفقہ کا شوہر ذمہ دار ہوگا، یا صرف تین ماہ دس دن کا ذمہ دار ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اب سے سات آٹھ سال قبل چاندی کا روپیہ رائج نہیں تھا، لہٰذا ساڑھے بتیس روپئے چاندی کے وصول کرنے کا حق نہیں۔(۱) طلاق کے بعد نفقہ عدت شوہر پر واجب ہوتا ہے۔(۲) مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔(۳) دوسال کا نفقہ طلب کرنا غلط اور ناحق ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد وہ اجنبیہ ہوگئی ہے، اب اس کے ساتھ رہنے کا حق نہیں رہا اور کوئی نفقہ بھی واجب نہیں رہا، اب اگر خدانخواستہ وہ ان کے ساتھ بغیر پردہ کے رہتی ہے تو ناجائز اور گناہ ہے، اس کو الگ کردیں۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۴۱-۴۳)

مہر میں اشرفی طے کرکے رائج الوقت سکے کے حساب سے اُس کی قیمت ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری شادی ۱۹۳۸ء میں حاجی عبدالرحمٰن خاں سے ہوئی تھی، ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے؛ اس لیے میرے شوہر نے مکان مسجد کے نام وقف

(۱) (ینصرف مطلقه إلی غالب نقد البلد) بلد العقد،مجمع الفتاویٰ، لأنه المتعارف، الخ". (الدر المختار، کتاب البیوع،مطلب یعتبر الثمن فی مکان العقد وزمنه: ٥٣٦/٤،سعید)

(۲) المعتدة عن الطلاق تستحق النفقه والسکنی، کان الطلاق رجعیا أو بائنا أوثلاثا، حاملا کانت المرأة او لم تکن، کذا فی فتاویٰ قاضی خان". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطلاق،الباب الساطع عشر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة: ٥٥٧/١،رشیدیة)

(۳) قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾(سورة البقرة:٢٢٨)

عده الحر ة المدخولة التی تحیض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء: أی حیض، لقوله تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب العدة: ٤٦٤/١،دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) ثم إن وقعت الفرقة بطلاق بائن أوثلث، لابد من سترة بینهما، ثم لاباس؛لأنه معترف بالحرمة إلا أن یکون فاسقا یخاف علیها منه ، فحینئذ تخرج؛لأنه عذر، ولاتخرج عما انتقلت إلیه، والاولیٰ ان یخرج هو ویترکها، وإن جعلا بینهما امرأة ثقة تقدر علی الحیلولة فحسن .وإن ضاق علیهما المنزل فلتخرج، والاولیٰ خروجه". (الهدایة، کتاب الطلاق، باب العدة ، فصل فی الحداد: ٤٢٩/٢،شرکت علمیة ملتان)

"(قوله: لابد من سترة بینهما)یعنی إذا لم یکن إلا بیت واحد کی لا تقع الخلوة بالأجنبیة، وکذا هذا فی الوفاة إذا کان من ورثته من لیس بمحرم لها، ثم لا بأس بالمساکنة بعد اتخاذ الحجاب اکتفاء بالحائل، وإنما اکتفی به، لان یعتقد الحرمة فلا یقدم علی المحرم، إلا أن یکون فاسقا فحینئذ تخرج؛ لانه عذر". (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب العدة فصل فی الحداد: ٣٤٥/٤،مصطفی البابی الحلبی مصر)

کر کے اپنے بھتیجہ کے لڑکے کو متولی بنادیا ہے اور چار روپیہ مہینہ کرایہ قائم کیا اور اپنا کاروبار بھی اپنے بھتیجہ کے نام کردیا ہے، اس وقت میری عمر تقریباً ۷۰/سال اور میرے شوہر کی عمر ۹۰/سال ہے، میرے مہر کے ایک ہزار روپیہ اور پانچ اشرفیاں ہیں، جو کہ ۱۹۳۸ء میں لکھی گئی تھیں، کیا میں وہ لے سکتی ہوں، اشرفی کا وزن ۱۱/گرام ۶۰۰/ملی گرام ہے اور ریٹ ۴۶۵۰/روپیہ کا دس گرام ہے، ایک ہزار روپیہ جو کہ ۱۹۳۱ء میں لکھے گئے تھے، اب ان کی کتنی قیمت بنی، ۱۹۳۸ء میں چاندی کا سکہ چلتا تھا اور مہر میں سکہ رائج الوقت لکھا ہوا نہیں ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو زمین آپ کے شوہر نے وقف کردی، اس میں آپ کا کوئی حصہ وراثت نہیں ہے اور ۱۹۳۸ء میں مہر میں جو ایک ہزار روپیہ متعین ہوئے ہیں، وہ اس زمانہ کے رائج شدہ روپیوں کے حساب سے واجب الادا ہوں گے؛ یعنی یا تو وہی سکے مہر میں دئے جائیں، یا جو قیمت اُن چاندی کے سکوں کی اس وقت بازار میں ہو وہ ادا کی جائے۔

ومن أطلق الثمن في البيع كان على غالب نقد البلد؛ لأنه المتعارف. (الهداية: ۴/۳)

اسی طرح پانچ اشرفی سونے کا جو وزن اس وقت ہے، وہ بنفسہ دیا جائے، یا اس کی موجودہ قیمت روپیوں میں ادا کی جائے، سوال میں درج ایک اشرفی کے وزن ۱۱/گرام ۶۰۰/ملی گرام کے اعتبار سے ۵/اشرفیوں کا وزن کل ۵۸/گرام ہوتا ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۶/۱۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۵/۸-۴۰۶)

مہر میں مذکور دینار سے مراد رائج الوقت دینار ہے:

سوال: نکاح میں جو مہر کے لیے یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ بالعوض دو دینار سرخ اور پانچ سو ٹکے دونوں لفظوں سے دو رقم مراد ہیں، یا ایک؟ دینار کتنی رقم ہوتی ہے؟ اور ٹکہ دو پیسے کو کہا جاتا ہے، یا جو کچا پیسہ جس کو منصوری کہتے ہیں، جو اکثر دیہات میں شادیوں میں بہت خرچ ہوتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

دو دینار سرخ کی قیمت تیس روپے ہے؛ کیوں کہ دینار اشرفی کو کہتے ہیں اور اشرفی سے مراد وہی اشرفی ہوگی، جو رائج ہو اور ٹکے سے مراد ہوں گے، وہ دو پیسے جن کا رواج ہو، اگر دیہات میں ٹکا ذکر کیا جائے اور وہاں صرف منصوری پیسے چلتے ہوں تو اس جگہ دو منصوری کا ٹکہ مراد ہوگا اور اگر وہاں منصوری اور ڈبل پیسہ دونوں چلتے ہوں تو جس پیسے کا رواج زیادہ ہو، اس کا ٹکہ مراد ہوگا۔ (۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۱/۵)

(۱) وإن كانت مختلفة المالية والرواج معاً فالبيع صحيح ويصرف إلى الاروج للوجه الذى تقدم من وجوب العمل بالعرف والعادة. (فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۶۴/۶، مصر)

اگر بیوی مہر کی رقم پر قبضہ کرتی تو اس کی زکوٰۃ کس پر ہوگی:

سوال: زید کی زوجہ کا پانچ سو روپیہ دین مہر ہے، وہ ادا کرنا چاہتا ہے؛ مگر زوجہ اس کو ایک رسمی چیز سمجھ کر اس کو اپنے قبضہ میں نہیں کرتی ہے، نہ اپنے کو اس کا مالک سمجھتی ہے اور زید کے پاس پانچ سو روپیہ نقد موجود ہے۔ اب اس روپے کا زکوٰۃ کیوں کر ادا کیا جائے۔ زید تو اس وجہ سے اس کی زکوٰۃ نہیں دیتا کہ میں بیوی کے دین مہر کا مقروض ہوں اور بیوی اس وجہ سے نہیں دیتی کہ اپنے کو مالک نہیں سمجھتی ہے؟

الجواب

جب کہ زید کا ارادہ مہر ادا کرنے کا ہے تو زید کے ذمہ اس روپے کی زکوٰۃ نہیں ہے، زوجہ کو چاہیے کہ روپیہ وصول کر کے خود زکوٰۃ ادا کرے،(۱) یا خاوند کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے۔ (کفایۃ المفتی: ۱۴۰/۵-۱۴۱)

شوہر کی جائداد میں تصرف کرنے اور ترکہ لینے سے مہر ساقط ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے انتقال کیا اور ایک زوجہ مسماۃ ہندہ اور ایک دختر کے چھوڑا اور زید پر اس کی زوجہ ہندہ کا دین مہر بھی تھا؛ لیکن اتنا مال نقد و زیور و جائداد صحرائی و سکنائی کی قسم سے ترکہ میں چھوڑ گیا، جو ہندہ کے دین مہر سے بدر جہا زائد تھا، ہندہ اپنی حیات میں تمام مالیت پر قابض و متصرف رہی اور بیع و ہبہ ہر قسم کا تصرف کرتی رہی اور مقدار مہر سے کہیں زیادہ خرچ کر چکی، بالآخر اس نے بقیہ جائداد کو اپنی دختر فاطمہ کے نام کر دیا اور آٹھواں حصہ جو اس کا شرعی حصہ تھا، اپنے نام رہنے دیا، قضاء الٰہی سے دختر فاطمہ کا بھی انتقال ہو گیا اور اس نے اپنے شوہر اور اپنی خالہ خدیجہ کو چھوڑا، اب ہندہ مذکورہ کی ہمشیرہ؛ یعنی خدیجہ اپنی ہمشیرہ ہندہ کے دین مہر کا دعویٰ کرتی ہے، فریق اول کہتا ہے کہ جب وہ اپنی حیات میں زید کی جملہ مالیت پر منفرداً مالک رہ کر دین مہر سے کہیں زیادہ خرچ کر چکی اور جو باقی رہی، اس کو باستثناء آٹھواں حصہ اپنی دختر فاطمہ کے نام کر چکی؛ اس لیے دین مہر میں سے جو خدیجہ نصف سہام اپنا چاہتی ہے، نہیں مل سکتا۔ ہاں، آٹھویں حصہ میں نصف بحیثیت ہمشیرہ ہونے کے مل سکتا ہے۔ اس صورت میں دعویٰ خدیجہ کا ہندہ کے دین مہر کی بابت صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

تصرف ہندہ کا ترکہ مشترکہ میں چوں کہ بحیثیت وصول دین مہر نہیں ہوا ہے؛ بلکہ ممکن ہے کہ یہ تصرف اس نے اپنی دختر

(۱) (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فوراً بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة)فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم، (و)عند بقض (مأتين منه لبرها)أى من بدل مال لغير تجارة ... (و)عند قبض (مائتين مع حولان الحول بعده)أى بعد القبض (من) دين ضعيف وهو (بدل غير مال) كمهر،الخ.(الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۳۰۶/۲، سعيد)

کے اور اپنے حصہ شرعی کی حیثیت سے کئے ہوں؛ اس لیے دعویٰ خدیجہ کا نصف دین مہر کا اور نصف حصہ شرعیہ ہندہ میں صحیح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ ہندہ نے دین مہر وصول کر کے تصرفات مذکورہ اسی مقدار دین مہر میں کئے ہیں، اس وقت تک یہ متعین نہ ہوگا کہ ہندہ نے اپنا دین مہر وصول پالیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۵/۸)

مہر لازم ہونے کے بعد کبھی ساقط ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو عدالت میں کہا کہ وہ زانیہ ہے، جس پر عورت نے عدالت دیوانی میں طلاق لعان کا دعویٰ کر دیا اور عدالت نے باضابطہ عورت کو حکم دے دیا کہ تم کو طلاق ہوگئی تو اس صورت میں عورت مذکور مہر پانے کی مستحق ہے، یا نہیں؟ سید امیر علی صاحب نے جو شرع محمدی لکھی ہے، اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مہر خلوت صحیحہ سے جب واجب ہوجاتا ہے تو بعد ازاں وہ عورت کے کسی فعل سے معدوم نہیں ہونا چاہیے، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

صحیح یہی کہ جب خلوۃ صحیحہ کے بعد پورا مہر لازم ہوجاتا ہے تو پھر وہ عورت کے کسی فعل سے ساقط نہیں ہوتا، درمختار وغیرہا کتب فقہ میں ایسا ہی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۵/۸-۳۳۶)

نشوز سے مہر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: یہاں پر ایک لڑکی اپنے شوہر کے مکان سے بلا اجازت میکہ چلی گئی ہے، لڑکی کے سسر کا کہنا ہے کہ لڑکی جھگڑالو ہے اور نافرمان ہے، بلا اجازت میکہ چلی گئی ہے؛ اس لیے مہر کے حاصل کرنے حق نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں لڑکی والوں کا کہنا ہے کہ لڑکی بلا اجازت نہیں گئی ہے؛ بلکہ اپنے سسر وغیرہ کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے آئی ہے، ہم لڑکی کو شوہر کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں اور شوہر بھی اس سے راضی ہے؛ مگر سسر لڑکی کو پسند نہیں کرتے، یہ لوگ نہ لڑکی کو رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکی پر ظلم وزیادتی ہے، یا نہیں؟ اور مہر واجب الاداقرار پاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نفس مہر تو محض نکاح سے لازم ہوجاتا ہے، پھر شوہر بیوی جب تنہائی میں جمع ہوجائیں تو مہر مؤکد اور پختہ ہوجاتا ہے،(۲) اگر بیوی نافرمانی کرے اور شوہر کو ستائے تو وہ گنہگار ہوگی، نالائق کہلائے گی۔ اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اس

---

(۱) وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها، لأن البدل بعد تأكده لايحتمل السقوط. (ردالمحتار، باب المهر: ۴۵۴/۲، ظفير)

(۲) "ويتأكد عند وطء أو خلوه صحت من الزوج أو موت أحدهما". (الدر المختار)

"(قوله: ويتأكد): أى الواجب من العشرة أو الأكثر، وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

کے مکان سے اپنے والد وغیرہ کے گھر چلی جائے تو وہ نفقہ خرچہ کی مستحق نہیں ہوگی،(۱) جب تک شوہر کے مکان پر واپس نہ آجائے؛ لیکن مہر ساقط نہیں ہوگا،(۲) وہ اس کا حق لازم ہے، اگر شوہر ادا نہیں کرے گا تو وہ ظالم ہوگا، آخرت میں اس کی پکڑ ہوگی،(۳) اگر بالفرض بغیر شوہر کی اجازت کے چلی بھی گئی تھی اور اب واپس آنا چاہتی ہے تو شوہر کو اس کے روکنے کا حق نہیں، جب شوہر رضامند ہے، رکھنا چاہتا ہے تو سسر کو ہرگز انکار نہیں کرنا چاہیے، یہ غلط طریقہ ہے، لڑکی اپنی غلطی کی معافی مانگ لے، آئندہ بلا اجازت میکہ نہ جائے، شوہر اور سسر کو چاہیے کہ معاف کردیں، نرمی اور اخلاق سے پیش آئیں، ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، اگر شوہر نہیں رکھنا چاہتا اور نباہ کی گنجائش نہیں رہی تو شوہر طلاق دے دے،(۴) اور مہر ادا کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱؍۴؍۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱؍۴؍۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۷۶-۷۷)

عورت اگر خاوند کے ہاں نہ جائے تو بھی مہر ساقط نہیں ہوگا:

سوال: زید نے مسماۃ عاصمہ سے نکاح کیا، اس سے دو بچے تولد ہوئے، بعد چار برس کے اس کے والدین نے مسماۃ عاصمہ کو ورغلایا اور زید کے ساتھ بھیجنے سے انکار کردیا۔ زید نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے مسماۃ عاصمہ اور اس کے والدین پر ڈگری ہوئی اور عدالت نے مسماۃ کو ہدایت کی کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ جاؤ؛ مگر وہ اپنے والدین کے کہنے سے نہیں گئی۔ اس صورت میں وہ زید سے اپنا مہر لینے کی حق دار ہے، یا نہیں؟ جب کہ اس کا خاوند لے جانے کو تیار ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ۶۰، چاند خاں (مہر) ۲۱؍ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

مہر تو اس کا خاوند کے ذمے ہے، اس بات سے مہر ساقط نہیں ہوا،(۵) البتہ نفقہ خاوند سے اس وقت تک لینے کی حق دار نہیں، جب تک کہ خاوند کے مکان پر نہ آجائے۔(۶) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۵/ ۱۱۲)

---

(۱) ولا نفقة لناشزة: أي عاصية ... خرجت الناشزة من بيته خروجا حقيقيا أو حكميا بغير حق". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقية: ۱/ ۴۸۸، دار إحياء التراث العرابى بيروت)

(۲) والمهر بتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك إلا بالابراء". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل الثانى: ۱/ ۳۰۳، سعيد)

(۳) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شئ، فليحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنا تأخذ من سيئا ت صاحبه ، فحمل عليه". (رواه البخارى) (مشكاة المصابيح ، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمى)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسريح بإحسان﴾. سورة البقرة: ۲۲۹)

(۵) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى ==

عورت سے اس خیال پر نکاح کیا کہ با کرہ ہے، حالاں کہ وہ ثیبہ ہے، کیا مہر ساقط ہوگا:

سوال: اہل اسلام میں شرفا میں کنواری لڑکیوں میں نکاح طے کرنے کے سلسلہ میں یہ بات پنہاں رہتی ہے کہ لڑکی با کرہ ہے، چناں چہ مہر طے ہو جانے کے بعد شرعی بالغ لڑکا جس کی عمر ستائیس برس کی اور شرعی بالغ لڑکی جس کی عمر تیئیس برس کی ہے، لڑکا مع اس طے شدہ مہر کے نکاح قبول کرتے وقت اس نیت سے لڑکی کو زوجیت میں قبول کرتا ہے کہ وہ با کرہ ہے، اگر بعد نکاح کے لڑکی غیر با کرہ ثابت ہو؛ یعنی قبل از نکاح وہ زانیہ رہی ہو تو شوہر کو شرعاً طلاق دینا ضروری ہے، یا نہیں؟ ایسی کون سی حالتیں ہیں کہ شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیتے وقت مہر سے بالکل بری ہو جاتا ہے؟

(المستفتی: ۴۹۹، سید اقبال احمد علی گڑھ، ۲۲/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵/جون ۱۹۳۵ء)

الجواب

صورت سوال میں تو اس کی بھی تصریح نہیں ہے کہ عقد کے وقت بکارت کی شرط کر کے مہر مقرر کیا تھا اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر بکارت کی شرط کر کے بھی مہر مثل مقرر کیا ہو اور عورت غیر با کرہ ہو، جب بھی تمام مہر لازم ہوتا ہے۔

”ولو شرط البكارة فوجد ثيبًا لزمه الكل“.(۱)

اور وجہ یہ ہے کہ بکارت بھی گر پڑنے، یا کسی چوٹ کے صدمے سے بھی زائل ہو جاتی ہے تو اس بات کی تحقیق ناممکن ہے کہ زوال بکارت کا سبب کوئی غیر اختیاری فعل ہے، یا اختیاری۔ نیز مہر کا تقرر جواز استمتاع کے لیے ہے، وہ بہر حال حاصل ہے، محض لڑکی کو ثیبہ پانے پر طلاق دے دینا مستحسن نہیں ہے؛ کیوں کہ ثیبہ ہونے میں اس کا قصور وار نہ ہونا ممکن ہے اور طلاق دے دینے میں ادائے مہر لازم ہوگا اور خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔(۲) مہر سے برأت کی صورت لڑکی کی رضا مندی سے خلع کرنے کی ہے اور بس۔ (بیوی کے معاف کرنے سے بھی بری ہو جاتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۱۹/۵)

== أومهر المثل لا يسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ۳۰۳/۱، ماجدية)

(۲) وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الأول: ۵۷۵/۱، ماجدية)

حاشية صفحه هذا:

(۱) الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۲۶/۳، سعيد

(۲) والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ۳۰۳/۱، ماجدية)

(۳) كما في الدر: وإذ تأكد المهر بما ذكر .... لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

لڑکی کے وارثوں کے اقرار نامے کی خلاف ورزی سے لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا:

سوال: ایک لڑکی جس کی عمر ۱۱ر سال ہے، وہ لڑکی اپنی سسرال؛ یعنی خاوند کے مکان پر عرصہ ایک سال تک بخوشی جاتی آتی رہی، لڑکی کے وارث بوجہ خراب ہونے کے اس کی آمد ورفت میں ایک سال کے اندر جھگڑے ڈال چکے اور لڑکی کو ایسی تعلیم دی گئی، جس کی وجہ سے لڑکی اپنی سسرال سے تین بار فرار ہوکر چلی گئی۔ لڑکی کے خاوند وخسر نے لڑکی کے ایسے قصوروں کو معاف کرتے ہوئے سہ بارہ رکھ لیا۔ لڑکی کے وارث وعزیز واقربا کی آمد ورفت برابر روزمرہ جاری رہی لے جانے کے واسطے کہا گیا تو لڑکی کے خسر نے لڑکی کے وارث حقیقی؛ یعنی والدہ سے یہ کہا کہ ایک تحریر اس قسم کی لکھ دو کہ ہمیشہ کبھی کسی حالت میں بھیجنے اور رخصت کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر لڑکی کے اس کی سسرال میں بھیجنے، یا پہنچانے میں رکاوٹ کی جائے تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت اور ناجائز ہوجائیں گے، جس کے وصول کرنے کے ہم اور ہمارے کل ورثا کبھی حق دار نہ ہوں گے۔ لڑکی کی والدہ نے یہ اقرار نامہ تحریر ایک بارہ آنے کے اسٹامپ پر لکھ دیا ہے، جس پر اہل محلّہ جملہ چار شخص معزز بطور گواہی اور دونوں طرف کے ذمہ دار بھیجنے اور لانے کے لکھے گئے اور بعد تحریر اقرار نامہ میں لکھ دیا ہے کہ اگر لڑکی کو ہم اس کی سسرال بھیجنے میں رکاوٹ کریں تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت وناجائز ہوجائیں گے کہ جس کے وصول کرنے میں ہم حق دار نہیں ہوں گے۔ تم لڑکی کو بھیج دو؛ لیکن لڑکی کے وارثان وغیرہ خلاف تحریر واقرار نامہ ہذا لڑکی کو بھیجتے نہیں، جب کہ مسماۃ یعنی لڑکی کی والدہ خلاف تحریر اقرار نامہ ہذا میں تو ایسی حالت میں کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت وناجائز ہوئے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۸۸۱، اکرام حسین پوسٹ مین تاج گنج، آگرہ، ۵ر شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اس اقرار نامہ سے لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا، اگر چہ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہو؛ کیوں کہ اقرار نامہ وارثوں نے لکھا ہے اور لڑکی کا مہر ساقط کرنے کا انہیں حق نہیں۔ (۱) ہاں اگر لڑکی بلا وجہ خاوند کے گھر نہیں آئی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، جب تک کہ شوہر کے گھر نہ آئے، نفقہ کی مستحق نہ ہوگی اور اگر اس کا نہ آنا کسی معقول اور جائز شکایت پر مبنی ہو تو نفقہ بھی لے سکتی ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۹/۵)

---

(۱) ولیس للأب أن یھب مھر ابنته عند عامة العلماء، كذا فی البدائع. (الفتاویٰ الهندیة، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل العاشر: ۳۱۶/۱، ماجدیة)

(۲) لا نفقة لأحد عشر: مرتدة ... وخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب النفقة: ۵۷۵/۳-۵۷۶، سعید)

سقوط مہر کے متعلق بیان القرآن کی ایک عبارت کی تشریح:

سوال: آپ کے مترجم قرآن عظیم کے ﴿والمحصنٰت﴾ کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت، یا خلوت نہیں ہوئی، (یعنی اگر صحبت، یا خلوت صحیحہ سے پہلے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ (دلاور حسین، کملائی) اور مرد چھوڑ دے تو نصف مہر لازم ہوگا، یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہیکہ اگر عورت ایسا کام کرے، جس سے نکاح ٹوٹ جاوے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آوے گا، اس سے کفو مراد ہے، یا اور کچھ ہے؟

الجواب

عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت مرتد ہوجاوے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں، مثلاً: کافر مرد وعورت کا نکاح ہوا تھا، مرد مسلمان ہوگیا اور عورت نے اسلام سے انکار کردیا، یا عورت نے خاوند کے بیٹے سے بشہوت تقبیل کی، یا رضاعی کا تحقق ہوا، (یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہوا اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہوگیا اور دونوں حرام ہوگئیں، کمافی العالمگیریۃ (۲/۵۰): ''**وإذا تزوج الرجل صغيرة وكبيرة فارضعت الكبيرة الصغيرة حرمتا على الزوج، ثم إن لم يدخل بالكبيرة، فلا مهر لها، الخ**''. (۱) یا خیار بلوغ وعتق کی حالت میں عورت نے نکاح فسخ کردیا، یا کفو نہ ہونے کے سبب، کمافی العالمگیریۃ (۲/۲۳):

''**وإن جاءت الفرقة من جهتها فلا تجب (أى المتعة) كردتها وإبائها الإسلام وتقبيلها ابن الزوج بشهوة والرضاع وخيار البلوغ وخيار العتق وعدم الكفاءة (إلى أن قال) وكل موضع لا تجب المتعة فيه عند عدم التسمية، لا نصف المسمٰى عند وجودها، كذا فى التبيين.** (۲)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ (امداد الاحکام: ۳/۳۷۶)

استحقاق مہر درحالت نشوز زن وحکم واپسی جہیز از شوہر:

سوال: کیا بلا حصول طلاق من جانب خاوند بی بی، یا اس کا ولی ایسی صورت، یا کسی حالت میں کہ بی بی خود، یا ولی اس کا عدم موجودگی وبلا اجازت شوہر وعدم رضامندی ان اشخاص کے کہے، جن کی حفاظت میں ہے، بجبر چلی جاوے، یا اپنے مکان پر لے جاوے، مستحق پانے دین مہر واپسی اسباب جہیز کے شوہر سے ہوسکتے ہیں؟

الجواب

مہر مثل دیگر دیون کے شوہر پر دین لازم ہے اور دین نشوز سے ساقط نہیں ہوتا تو اگر عورت بلا اجازت شوہر اپنے

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۵، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانى فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۱/۳۰۴، دارالفكر بيروت، انيس

والدین کے گھر چلی گئی، بوجہ نافرمانی کے گنہ گار ہوئی؛ لیکن مہر کا استحقاق باطل نہیں ہوا اور اسباب جہیز کا واپس کرنا یہ بات عزت کے متعلق ہے، اگر عرفاً جہیز کو دختر کے ملک کرتے ہوں تو وہ اسباب اس کا مملوک ہے، اپنی چیز کی واپسی کا اختیار ہے اور اگر عرفاً شوہر کی ملک کرتے ہوں تو واپس کرنا عورت کو تو جائز نہیں اور ولی کا واپس کرنا رجوع فی الہبہ ہے، جو اس کا حکم ہے، وہی اس کا جو شرائط وموانع اس کے ہیں وہی اس کے اور واپس کرنا مکروہ ہوگا (اور) جو عرفاً دونوں کا مملوک کرتے ہوں تو شیئ مشترک ہے، بغیر تقسیم (۱) واپسی درست نہیں۔ فقط

۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (امداد: ۳/۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۹۲)

عورت بے اجازت ماں کے گھر چلی گئی تو اس سے مہر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید نے شادی کی عرصہ دو سال کے بعد زید کی اجازت کے بغیر عورت اپنے ماں کے گھر چلی گئی تو مذکورہ عورت کا مہر دینا زید پر لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب

ھو المصوب: جس مجلس میں عقد نکاح ہوا، اسی مجلس میں زید پر اپنی منکوحہ کا آدھا مہر دینا لازم ہوگیا اور جب خلوۃ صحیحہ اس سے کرلی تو پوری مہر کی ادائیگی اس پر لازم ہوگئی، پھر وہ عورت چاہے کچھ کرے، مہر کا وہ قرض ادا کئے بغیر، یا بخشائے بغیر اس کی گردن پر سے ساقط نہیں ہوتا۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۵۴)

تجھے خلع دیا ہے، سے سقوط مہر کا حکم:

سوال: اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے خلع دیا ہے؛ مگر عوض خلع ذکر نہیں کیا اور عورت اس کو قبول کرلے تو کیا اس سے مہر ساقط ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب

خلع سے چوں کہ میاں بیوی کے حقوق ساقط ہوجاتے ہیں، اب اگر عورت نے اپنا مہر وصول نہ کیا ہو تو خلع قبول کرلینے سے اس کا حق مہر شوہر کے ذمے سے ساقط ہوجائے گا اور اگر وصول کیا ہو تو اس خلع کے عوض کچھ لازم نہ ہوا اور نہ عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہے؛ اس لیے کہ سوال میں بدلہ خلع مذکور نہیں۔

وفی الهندية: وإذا خالعها على مال مسمى معروف سوى الصداق فإن كانت المرأة مدخولا بها والمهر مقبوضا فإنها تسلم إلى الزوج بدل الخلع ولا يتبع أحدهما صاحبه بعد الطلاق

---

(۱) البتہ تقسیم یا تہایو یعنی باری باری سے منتفع ہونے کا مطالبہ جائز ہے۔ منہ

(۲) ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (سورة البَقَرة: ۲۳۷، انیس)

بشيء وإن كان المهر غير مقبوض فالمرأة تسلم إلى الزوج بدل الخلع ولا ترجع على الزوج بشيء من المهر. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۴۹۸، الباب الثامن فی الخلع، الخ)(۱)(فتاوی حقانیہ:۴/۳۶۷)

جب کسی نے دو بیوی کی تو ان دونوں کی اولاد الگ الگ مہر وصول کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: مسماۃ کنیز رابعہ زوجہ مولوی محمد شفیع فوت ہوئی، چند اولاد بالغہ چھوڑی، بعد ایک سال کے محمد شفیع نے دوسری شادی مسماۃ فقیلن سے کی، اس سے بھی چند اولاد ہوئی، جس وقت محمد شفیع فوت ہوئے، اس وقت زوجہ ثانیہ اور ایک بالغ لڑکا موجود تھا، اب دونوں بیبیوں کی اولاد والد مرحوم کی اشیاء منقولہ وغیر منقولہ سے دین مہر لینا چاہتی ہے، یہ تو سہل تھا کہ دونوں نصف نصف بحصہ رسد تقسیم کرلیں؛ لیکن ہر ایک وارث پوری تعداد مہر کی لینا چاہتا ہے، جس کی دلیل بھی ہر ایک فریق بیان کرتا ہے، وارثان کنیز رابعہ کہتے ہیں کہ جس وقت ہماری والدہ فوت ہوئی، ہم کو دین مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگیا اور ہم اس کے مالک ہوگئے، اگرچہ ہم نے والد کے ادب سے مطالبہ نہیں کیا اور اس وقت ہمارے سوا اور کوئی وارث نہ تھا، لہذا ہم کو کل دین مہر ملنا چاہیے۔

وارثان بی بی فقیلن کہتے ہیں کہ جب پہلی بی بی کی اولاد نے بیس برس تک مطالبہ دین مہر کا نہیں کیا تو اب ان کو حق دین مہر کے مطالبہ کا نہیں رہا، لہذا ہم کو پورا دین مہر ملنا چاہیے۔ شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ پہلا اور پچھلا قرض برابر ہے اور دائن مقدم و دائن مؤخر کا حق برابر ہے، اس میں کسی کو ترجیح نہیں ہے اور یہ بھی حکم شرعی ہے کہ کوئی دائن جب تک اپنا دین مدیون سے وصول کرکے اپنے قبضہ میں نہ لاوے، اس وقت تک وہ مالک نہیں ہوتا اور یہ بھی مسئلہ شرعیہ ہے کہ شادی سے دائن کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

كما في الشامي: أن الحق لايسقط بتقادم الزمان. (۲)

بعد اس تمہید کے فیصلہ شرعیہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں ہر دو زوجہ کا دین مہر برابر ہے، ترکہ متوفی میں سے اول دونوں کا مہر ادا کیا جاوے گا اور باقی ماندہ ورثہ پر حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جاوے گا اور اگر ترکہ دونوں مہروں کا کافی نہ ہو تو دونوں کو بقدر حصہ تقسیم کیا جاوے گا، مثلاً اگر مقدار دین مہر ہر دو زوجہ مختلف ہے تو زیادہ والی کو زیادہ اور کم والی کو کم حساب کے موافق دیا جاوے گا اور تساوی مہر کی صورت میں دونوں کو برابر دیا جائے گا؛ لیکن کنیز رابعہ کے مہر میں سے

---

(۱) **قال العلامة قاضي خان: وأمّا حكم المهر فان كانت المرأة مدخولة فقد قبضت المهر يلزمها البدل ولايرجع اَحدهما علىٰ صاحبه بشئ في قولهم.** (فتاویٰ قاضي خان: ۲/۲۵۶، باب الخلع)

ومثلهٗ في خلاصة الفتاویٰ: ۲/۱۰۱، الفصل الثالث في الخلع

(۲) دیکھئے: **الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، كتاب الشهادات، ص: ۲۱۴، ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ، مطلب هل يبقى النهي بعد موت السلطان: ۵/۷۲۰، ط: سعيد، ظفير**

ایک چہارم اس کے شوہر کو پہنچا، جو کہ بعد شوہر کی وفات کے ان وارثوں کو حسب حصص ملے گا، جو کہ بوقت وفات شوہر موجود تھے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۴۲-۳۴۳)

عورت نے مہر لے کر زیور بنوالیا اور مطالبہ باقی رکھا، اب اس کے مرنے کے بعد کیا حکم ہے:

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر سے مہر طلب کیا، شوہر نے مہر ادا کر دیا؛ مگر مہر دینے کے وقت کوئی گواہ نہ کیا، عورت نے مہر کا روپیہ لے کر زیور بنوا کر پہن لیا اور اپنے شوہر سے کہا کہ مہر دے دے۔ شوہر نے کہا کہ میں مہر دے چکا ہوں، عورت نے کہا کہ اس کا تو میں نے زیور بنالیا اور وہ زیور تیرے ہی گھر میں ہے، مجھ کو اس سے کیا نفع ہوا، مجھ کو دوبارہ مہر دے؛ مگر شوہر نے دوبارہ مہر نہیں دیا، عورت کا انتقال ہو گیا تو شوہر کے ذمہ مہر باقی ہے، یا نہیں؟ اگر باقی ہے تو کس کو دے؟

الجواب

اگر عورت کے ورثہ ادائے مہر کو تسلیم نہیں کرتے اور شوہر کے پاس دو گواہ عادل موجود نہیں ہیں تو مہر بذمہ شوہر لازم ہے، پس اگر عورت لاولد رہی ہے تو نصف مہر شوہر کو پہنچ گیا اور نصف دیگر ورثہ کو پہنچا، شوہر ان کو نصف مہر دے دے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۴۷)

عورت نے مہر نہیں لیا، روپیہ تجارت میں لگا دیا گیا، اب عورت مع نفع مہر لے سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر شرعاً اس عورت کے مہر ادا نہیں ہوئے اور نقدی میں سے اس کو مہر لینے کا حق ہے اور نقدی تجارت میں لگا دی اور اس میں نفع ونقصان سب کچھ ہوا، آج عورت اپنا مہر مع منافع مانگتی ہے، عورت کو منافع لینے کا حق ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں عورت صرف اپنا مہر ورثہ سے لے سکتی ہے، وہ مہر ورثہ کے ذمہ دین ہے، لہذا عورت اصل مہر لے سکتی ہے، اس کے نفع کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۴۷)

انیس روپے ماہانہ والا مہر کتنا مقرر کرے:

سوال: جس شخص کو انیس روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو، بوقت عقد زیادہ سے زیادہ کس قدر مہر بندھ سکتا ہے؟

الجواب

مہر کی ادنیٰ مقدار دس درہم شرعی ہے، جس کے پونے تین روپے کے قریب ہوتے ہیں اور زیادہ کی کچھ حد شریعت سے مقرر نہیں کی گئی۔

---

(۱) وأماللزوج فحالتان: النصف عندعدم الولد وولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد، الخ.(السراجی،ص:۱۳،انیس)

کما قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ہزار ہا روپیہ بھی مہر ہوسکتا ہے؛ لیکن بہتر یہ کہ مہر بہت زیادہ اور حیثیت سے زیادہ مقرر نہ کیا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر پانچ سو درہم؛ یعنی قریب سوا سو روپیہ کے ہوا ہے، پس مناسب اور مستحب طریقہ یہی ہے کہ مہر زیادہ نہ بڑھایا جاوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۰/۸)

لڑکی کا باپ مہر مانگتا ہے اور رخصتی نہیں کرتا اور سو روپیہ اوپر سے لیا، کیا حکم ہے:

سوال: میرا خسر میری بیوی کو نہیں بھیجتا، ایک مرتبہ ایک سو روپیہ طلب کئے تھے کہ سو روپیہ دے دو، پھر بھیج دوں گا؛ لیکن روپیہ لے کر بھی نہیں بھیجا اور روپیہ مجھ کو واپس نہیں دیتا اور مہروں کا دعویٰ کرتا ہے، کیا مہر دیئے جائیں گے، جب کہ وہ میری بیوی کو نہیں بھیجتا اور ان کے یہاں پردہ قطعی نہیں ہے، ایسی صورت میں ان کی امامت درست ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

اگر مہر مؤجل ہیں تو عورت قبل طلاق اور قبل موت شوہر سے وصول نہیں کرسکتی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: يصح، وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت". (۳)

اور جو مبلغ سو روپیہ آپ نے اپنے خسر کو دیئے تھے، ان کو وصول کرسکتے ہیں اور جس شخص کے گھر کی عورتیں بے پردہ ہوتی ہیں اور پھرتی ہیں، اگر وہ ان کو منع نہیں کرتا تو امامت اس کی مکروہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۲/۸)

مہر کو بطور نفقہ ادا کرنا:

سوال: بکر نے عرصہ پونے چار سال کا ہوا، اپنا نکاح ایک بیوہ سے کیا، بعوض مبلغ ۱۱۰۰/روپیہ اور طے ہوا کہ ایک دختر جس کی عمر ۱۱/سال ہے، عنقریب شادی ہوکر اپنے خاوند کے یہاں چلی جاوے گی، دوسرا لڑکا جس کی عمر ۷/سال ہے، اپنے ماموں کے ہمراہ اور ہے گا، تیسرا لڑکا جس کی عمر ۳/سال ہے بیوہ کے ہمراہ رہے گا۔

بعد نکاح بیوہ نے اپنے ہر سہ بچوں کو اپنے ہمراہ رکھا اور سب کا خرچہ شوہر ثانی کے ذمہ رہا۔ ۶، ۷/ماہ گزرنے پر بیوہ نے

---

(۱) سورۃ النساء: ۲۰، ظفیر

(۲) پونے تین روپے کم سے کم مہر ۱۳۴۷ھ کی بات ہے، اب ۱۳۹۱ھ میں اکیس روپے سے کم نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لیے چاندی سات روپے تولہ ہے اور دس درہم کا وزن ۳۵/ماشہ چاندی ہے، ہر زمانہ میں اس کی جو قیمت ہوگی، وہی کم سے کم مہر کی مقدار قرار پائے گی، اسی طرح پانچ سو درہم کی قیمت اس دور میں سوا سو کے بجائے لگ بھگ سوا نو سو روپے ہوگی؛ اس لیے کہ پانچ سو درہم کا وزن ایک سو اکتیس تولہ چاندی ہے، اس کی جو قیمت ہوگی، سکہ رائج الوقت میں وہی حساب میں آئے گا۔ واللہ اعلم

(۳) الفتاویٰ الهندية، مصري، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر: ۳۱۸/۱، ظفير

اپنی دختر کا عقد موجودہ شوہر کے لڑکے سے، جو کہ بکر کی پہلی بیوی کے بطن سے ہے، بلا رضامندیٔ شوہر کردیا، جس کا کفیل بھی بکر کو ہونا پڑا، ایک سال تک بکر نے جملہ اخراجات برداشت کیے؛ مگر جب بکر مجبور ہوگیا کہ اس کی عورت کے اخراجات اس کی آمدنی سے ڈیوڑھے ہوجاتے ہیں، (۱) تو بکر نے اپنی کل آمدنی تعدادی مبلغ ۵۸/روپیہ ۲/فروری ۱۹۳۳ء عورت کے ہاتھ میں یہ کہہ کر (کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اس قدر نقد روپیہ نہیں، جو ایک دم مہر ادا کروں) مہر میں ادا کردیا اور یہ کہا کہ خواہ اس رقم کو تم اپنی اولاد پر صرف کرو، یا جو چاہو کرو، اس کے چند گواہ بھی موجود ہیں۔

عورت نے ہر ماہ تنخواہ لینا شروع کردی، اس دوران میں کئی مرتبہ بکر نے عورت کے گوش گزار کردیا کہ یہ روپیہ تمہارے مہر میں سے ادا ہورہا ہے۔ اس طرح ۳/ستمبر ۱۹۳۴ء تک اپنی کل آمدنی مبلغ ۱۱۰۰/روپیہ مہر میں ادا کردیا، لہذا اس صورت میں مہر ادا ہوا، یا نہیں؟ (اکبر علی، محافظ امانت شمالی ڈویزن لکھنؤ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نفقہ عورت کا اور جس کا اس کے ذمہ ہے، اس کے علاوہ ہے، جو کچھ شوہر نے اس کو دیا ہے، اس کو مہر میں محسوب موافق عمل کرتی رہی تو رقم مذکورہ اگر نفقہ واجبہ کے علاوہ عورت کے پاس پہونچ تو مہر ادا ہوچکا اور ۶۰/روپے زائد پہونچے، اگر نفقہ واجبہ بھی اسی میں ہے تو اس کو منہا کیا جائے گا اور بقیہ رقم کو مہر میں شمار کیا جائے گا، (۲) جتنا مہر شوہر کے ذمہ بچے گا، عورت کو اس مطالبہ کا حق ہے۔ (۳) فقط

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

اور بکر کے لڑکے کا نکاح اگر وہ نابالغ ہے تو بکر کی اجازت پر موقوف ہے، بکر اجازت دے گا تو نافذ ہوگا، ورنہ نہیں، بشرطیکہ لڑکی کا کوئی ولیٔ اقرب ماں کے علاوہ نہ ہو، اگر کوئی اور بھی ولی لڑکی کا موجود ہے تو اس کی بھی اجازت ضروری ہے، (۴) جب کہ لڑکی نابالغہ ہو، اگر لڑکی بالغہ ہے تو خود اس کی اجازت کافی ہے۔ (۵)

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۸/۳/۱۳۵۳ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر سہارنپور ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۸۷-۸۸)

---

(۱) ڈیوڑھا لیکھا برابر ہونا (ا۔محاورہ) حساب بے باق ہونا''۔ (فیروز اللغات، بحث ڈ۔ی، ص: فیروز سنز، لاہور)

(۲) جب شوہر نے کہا کہ یہ روپیہ تمہارے مہر سے ادا ہورہا ہے اور عورت نے اس کے قول کو رد نہیں کیا تو اب مہر ادا ہوگیا، لتصریح الزوج بہ''۔ (فتاویٰ العلوم دیوبند، الفصل السابع فی المہر: ۸/۲۲۳، ۲۲۴، امدادیہ ملتان)

(۳) وترجع بباقي المهر، ذكره ابن الكمال". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب فيما برسله إلى الزوجة: ۳/۱۵۲، سعيد)

(۴) "وهو [أي الولي] شرط نكاه صغير ومجنون ورفيق الخ)". (الدر المختار، باب الولي: ۳/۵۵، سعيد)

"فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب، توقف على اجارته الخ". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۸۱، سعيد)

(۵) ومنها رضاالمرأة إذا كانت بالغة، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاویٰ الهندية، الباب الاول: ۱/۲۶۹، رشيدية)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه)

بغیر وجوب کے ادا کردہ نفقہ کو مہر میں شمار کرنا:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو بنیت نفقہ (دس روپے) دیا، پھر معلوم ہوا کہ اس پر واجب نہیں تھا تو کیا زید مہر میں محسوب کرسکتا ہے؟ یا دوبارہ قبضہ ضروری ہے؟ یا اس کو لینے کا حق نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ جزئیہ بالتصریح نظر سے نہیں گزرا؛ لیکن ایک دوسرا جزئیہ نقل کرتا ہوں، جو کہ اس کی نظیر بن سکتا ہے، اس کے ذریعہ سے صورت مسئولہ کا حکم بھی معلوم ہوجائے گا، وہ یہ کہ اگر کسی نے پیشگی نفقہ دے دیا اور عورت بعد میں مستحق نفقہ نہیں رہی تو اس کی واپسی کا حق نہیں۔

''ولاترد النفقة والكسوة المعجلة بموت، أو طلاق عجلها الزوج، أو أبوه ولو قائمة، به بفتى، آه''. (الدر المختار)

''ووجهه أنها صلة لزوجته ولا رجوع فيما يهبه لزوجته، آه''. (ردالمحتار: ۲/۱۰۲)(۱)

واپس لینا تو ظاہر ہے کہ رجوع ہے اور مہر میں محسوب کرنا بھی رجوع کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/۴/۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۴/۱۳۶۱ھ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۸۸-۸۹)

مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم، یا سامان کی واپسی کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ تین طلاق واقع ہوئی تو کیا مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم، یا سامان وغیرہ حاصل کرنے کا حق بیوی کو حاصل ہے، یا نہیں؟ امید کہ تفصیلا جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔ (ذوالفقار علی بیگ، مدرس رامنا پیٹھ، نلگنڈہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مہر ونفقہ عدت کی ادائیگی واجب ہے، زوجہ کے تمام سامان مجوزہ کی واپسی بھی ضروری ہے،---- جوڑے کی رقم جو شوہر کو دی گئی ہے، وہ ہبہ نہیں ہے؛ بلکہ فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رشوت کے حکم میں ہے؛ اس لیے اس کی واپسی بھی ضروری ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۹۹)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، باب النفقة، مطلب: لا تصير النفقة دينا إلا بالقضاء او الرضا: ۳/۵۹۶، سعيد

(۲) ''وإذا طلق الرجل امرأته، فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان أو بائنا''. (الهداية: ۲/۴۴۳، ردالمحتار: ۳/۷۲۶، ط: پاكستان)

''أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة'' (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۳۶۶، ط: نعمانية)

مہر کا جہیز کے بدلے تبادلہ کرنا:

سوال: مفتی صاحب! لڑکے کے گھر والوں نے مہر کی رقم کا جہیز کے سامان کے ساتھ تبادلہ کرلیا؛ یعنی لڑکی والوں سے کہا کہ آپ جہیز کا سامان لڑکی کو نہ دیں اور اس کے بدلے میں مہر کی رقم کو ساقط سمجھ لیں تو آیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اگر ایسا کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عقدِ نکاح کی وجہ سے شوہر کے ذمے بیوی کے لیے مہر کی ادائیگی شرعاً واجب ہوتی ہے اور بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے، یہاں تک کہ بیوی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اگر مہر معجّل ہو تو جب تک شوہر مہر ادا نہیں کرتا، اس کے پاس جانے سے انکار کردے، بخلاف جہیز کے، جہیز لڑکی کے گھر والوں پر شرعاً واجب نہیں اور نہ ہی شوہر کا جہیز کے ساتھ کسی قسم کا حق متعلق ہوتا ہے؛ بلکہ یہ تو لڑکی کے والدین وغیرہ اپنی صواب دید اور خوشی سے اپنی بیٹی کے لیے کرتے ہیں اور لڑکی کو دینے کے بعد اس پر ملکیت لڑکی کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ شوہر کے لیے اس کی اجازت کے بغیر جہیز میں تصرف جائز نہیں، لہٰذا شوہر کے گھر والوں، یا شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ جہیز کے عوض جس سے ان کا کوئی حق ہی متعلق نہیں مہر کے ساقط ہونے کا مطالبہ کریں؛ لیکن اگر کسی نے مذکورہ طریقہ پر مہر کے سقوط کی شرط لگا کر نکاح کرلیا تو مہر ساقط نہ ہوگا؛ بلکہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

لمافي الهندية (۳۰٤/۱): وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أومات عنها.

وفيه أيضاً (۳۰۸/۱): ولو قال تزوجتک على أن تعطيني هذا الثوب لها مهر المثل ولا يلزمها الثوب.

وفيه أيضاً (۳۱۷/۱): الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل في المهر وما يتعلق بهما: في كل موضع دخل بها أوصحت الخلوة وتأكد كل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذلک عنده... وقبل تسليم النفس لها ذلک بالإجماع.

وفي الدرالمختار (۱۰۲/۳): (وتجب) العشرة (إن سماها... ويتأكد (عند وطء أوخلوة صحت) من الزوج. وفي الردتحته: (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الاكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أوتقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.

وفي الدر المختار (۱۰۸/۳): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا (أو نفى إن وطيء) الزوج.

وفي الردتحته: (قوله: فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر... قال في البحر ومن صور ذلک ما إذا تزوجها على ألف على أن ترد إليه ألفا... (قوله: أو نفى) بأن تزوجها على أن لا مهر لها، ط. (نجم الفتاویٰ: ۲۱۳/۵)

مطلقہ عورت کو متعہ (کپڑے کا جوڑا) دینا:

سوال: بشریٰ کا نکاح آج سے ۲؍سال قبل ہوا۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہوگئی۔ کیا لڑکے کے ذمے کچھ سامان دینا شرعاً ضروری ہے؟ بشریٰ کے نکاح میں مہر متعین نہ تھا بلکہ بعد میں متعین کر لینے کا ارادہ تھا؛ لیکن طلاق ہی ہوگئی۔ ازراہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

طلاق شدہ لڑکی کی چار صورتیں ہیں:

(۱) لڑکی سے ہمبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو۔

(۲) لڑکی سے ہمبستری نہ کی گئی ہو؛ لیکن اس کا مہر متعین ہو۔

(۳) لڑکی سے ہمبستری کی گئی ہو؛ لیکن اس کا مہر متعین نہ ہو۔

(۴) لڑکی سے ہمبستری کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین ہو۔

ان چار قسم کی مطلقات میں سے صرف پہلی (یعنی جس سے ہمبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو) کو متعہ دینا واجب ہے، باقی تینوں کے لیے متعہ مستحب ہے۔

متعہ کتنا دینا ہوگا؟ علامہ حصکفیؒ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

وهى درع وخمار وملحفة.

وقال ابن عابدين تحتها: قال فخر الإسلام هذا فى ديارهم، أما فى ديارنا فيزاد على هذا إزار. (ردالمحتار: ۱۱۰/۳)(۱)

(متعہ میں ایک قمیص، دوپٹہ اور ایک اوڑھنی شامل ہے۔)

(علامہ ابن عابدین شامیہ میں رقمطراز ہیں کہ امام فخر الاسلام نے فرمایا: یہ تین چیزیں ان کے عرف میں تھیں ہمارے ہاں ازار بھی دینا ہوگی۔)

---

(۱) والمتعة إن طلقها قبل الوطء، وهى درع، وخمار، وملحفة. (النهر الفائق، باب المهر: ۲۳۳/۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

وأما المتعة فالوسط منها ثلاثة أثواب، درع، وخمار، وملحفة على نحو ما يلزم فى النفقة على الموسع قدره وعلى المقتر قدره. (النتف فى الفتاوىٰ للسغدى، المتعة: ۲۹۸/۱، مؤسسة الرسالة بيروت، انيس)

(قوله: والمتعة ثلاثة أثواب من كسوة مثلها، وهى درع وخمار وملحفة، وهذا التقدير مروى عن عائشة وابن عباس) قلت: أخرجه البيهقى عن ابن عباس، والله أعلم. (نصب الراية، باب المهر: ۲۰۱/۳، مؤسسة الريان/سنن البيهقى، باب التفويض: ۲۴۴/۷، انيس)

ازار سے مراد تہبند ہوتا ہے؛ لیکن ہمارے عرف میں پاجامہ، یا شلوار وغیرہ مراد ہوگا۔ الغرض متعہ میں ایک مکمل جوڑا مع اوڑھنی (برقعہ، یا اتنی بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) دینا ہوگی۔ صورت مسئولہ میں بشریٰ کو چونکہ قبل از وطی طلاق ہوئی ہے، نیز اس کا مہر بھی متعین نہیں لہذا لڑکے کے لیے بشریٰ کو متعہ کا جوڑا دینا واجب ہے۔

وفی الهداية (ص: ٣٢٦): **قال وتستحب المتعة لكل مطلقة إلا لمطلقة واحدة وهي التي طلقها الزوج قبل الدخول بها وقد سمى لها مهرا.**

و فی الشامية(١١١/٣): **قوله(فالمطلقات أربع) أی مطلقة قبل الوطء أو بعده سمى لها أو لا فالمطلقة قبله إن لم يسم لها فمتعتها واجبة وإن سمى فغير واجبة ولا مستحبة أيضاً على ما هنا و المطلقة بعده متعتها مستحبة سمى لها أو لا.**

وفيه أيضا(١١١/٣): **قوله (وتعتبر المتعة بحالهما) أی فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب أوفقيرين فالأدنى أو مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاف وفی الفتح إنه الأشبه بالفقه.** (نجم الفتاویٰ:۵/۲۵۴-۲۵۵)

☆ ☆ ☆

تلک وجہیز وغیرہ کے مسائل

حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز کا سامان لیا تھا، یا نہیں:

سوال: تواریخ حبیب الٰہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں حضرت علیؓ سے زرہ فروخت کرا کے جہیز میں صرف کیا۔(۱) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ سے لے کر جہیز وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب

احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے روپیہ لے کر سامان جہیز اس لیے کیا ہو کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہ ہو، بہرحال اس کو جواز میں کچھ کلام نہیں، والدین دختر اگر شوہر سے ہی سامان جہیز کرادیویں، یا اس سے لے کر سامان نکاح مرتب کریں، کچھ مضائقہ نہیں، فقہا جس کو منع فرماتے ہیں، وہ یہ ہے کہ شوہر وغیرہ سے روپیہ لے کر خود رکھیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۱/۸)

شادی کے لیے قومی قوانین:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہماری قوم کے لوگوں نے ذیل کے قوانین پاس کئے ہیں، آیا شریعت مطہرہ میں جائز ہے، یا نہیں؟ لڑکی کی شادی کریں تو لڑکے والے سے تین سو پچاس روپیہ کا زیور لینا چاہیے اور یہ زیور مہر سے علاوہ اور زیور کا حق خاوند کا ہے، اس سے زیادہ زیور لڑکی والے لیویں اور لڑکے والے دیویں تو ان دونوں کا جرمانہ کیا جاتا ہے اور جرمانہ نہ دیویں تو اس کے ساتھ سب قوم کے آدمی ترک موالات کرتے ہیں، اس بات میں چند سوالات ہیں، شریعت کا کیا حکم ہے:

---

(۱) تواریخ حبیب الٰہ، از: مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (متوفی: ۱۲۷۹ھ)، فصل چوتھی نکاح حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں، ص: ۶۷، مطبع نول کشور لکھنؤ، انیس

(۲) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی سلسلہ کی تمام روایتوں کے سامنے رکھنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ نے زرہ مہر میں دے دی تھی، گھر میں کوئی سامان نہیں تھا، خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے وہ سامان نہیں کر سکتے تھے؛ اس لیے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم آئے، اس سے ضروری سامان لے لو، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان: **فبعتها من عثمان بن عفان بأربع مأة وثمانين درهما ثم إن عثمان رد الدرع إلى علي وجاء بالدرع والدراهم إلى المصطفٰى صلى الله عليه وسلم فدعا لعثمان بدعوات، كما في رواية.** (الزرقاني شرح المواهب اللدنية: ۳/۲) آگے علامہ زرقانی نے بھی لکھا ہے: **يشبه أن العقد وقع على الدرع وأنه صلى الله عليه وسلم اعطاها عليا لالبيعها وآتاه بثمنها.** (الزرقاني شرح المواهب اللدنية: ۶/۲)

(۱) تین سو پچاس سے زائد کا زیور لیویں تو اس کا جرمانہ کرنا شریعت میں جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی آدمی جرمانہ نہ دیوے تو لوگ اس کے ساتھ ترکِ موالات کرتے ہیں اور لین دین اور جمیع کاروبار اس کے ساتھ بند کرتے ہیں اور شادی دعوت وغیرہ تقریبات میں شرکت نہیں کرتے، اس سے ترکِ موالات کا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) جماعت کے اخراجات کے لیے ہر سال ہماری قوم کے مکان پر چار آنہ فیس ادا کرنا لازم کیا ہے اور فیس نہ دینے پر مناسب سزا دینے کا حق صدر صاحب کو ہے، آیا لازمی وفرضی فیس کا لینا شریعت سے جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) کسی شخص کو کسی زیور کے لیے مجبور کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس کی اور زوجہ کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور کسی جرم پر مال کا جرمانہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

”**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، آه**“. (بحر: ۴۱/۵)(۱)

(۲) جب جرمانہ کرنا ہی ناجائز تو جرمانہ ادا نہ کرنے پر ترکِ موالات بھی ناجائز ہے، خلافِ شرع کام کی وجہ سے ترکِ موالات درست ہے۔(۲)

(۳) یہ فیس بظاہر قوم کی اصلاح کے لیے ایک چندہ ہے، بہتر صورت ہے کہ سب مل کر قوم کی اصلاح کریں، خرابیوں، بری رسموں اور آپس کے جھگڑوں کو اٹھا کر اتحاد واتفاق سے شریعت کے موافق زندگی بسر کریں، اس کام کے لیے چندہ دینا اور لینا درست ہے (بشرطیکہ وہ صحیح مصرف پر صرف ہو)؛ لیکن کسی پر جبر کرنا اور زبردستی چندہ لینا جائز نہیں، اگر کوئی شخص اس اصلاحی جماعت میں شریک نہیں ہونا چاہتا؛ بلکہ علاحدہ رہنا چاہتا ہے تو اس سے جبراً وصول نہ کیا جائے، (۳) اگر یہ چندہ صحیح مصرف پر شریعت کے موافق صرف نہیں ہوتا تو اس کا لینا اور دینا ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاعنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۴/۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم جمادی الأولی ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۵/۱۱)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه

وعند أبي يوسف رحمه الله يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة: لا يجوز ... أذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۲) قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقتله، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز ذلک... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرا لأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق. (مرقاة المفاتيح، کتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر الخ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رقم الحديث: ۵۰۲۷، رشيديه)

(۳) ”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“. (رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدار قطني في المجتبیٰ) (مشکاة المصابيح، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

زیادتِ مہر، جہیز اور بھات وغیرہ مٹانے کے لئے کمیٹی کی بعض تجاویز:

سوال: مسلم چھیپی ایسوسی ایشن ضلع بجنور نے اپنی ایک سماجی تنظیم بنائی ہے، جس میں انہوں نے اپنی شادیوں میں زیور، کپڑا، رسم منگنی اور رخصتی وغیرہ کے اخراجات میں کمی کی ہے، وہیں مہر، جہیز پر بھی پابندی عائد کردی ہے۔

(۱) نکاح کے لیے طے کیا ہے کہ نکاح صرف مہر فاطمی پر ہوگا، پانچ برتن سے زائد نہیں دے سکتا، نقدا کاون روپیہ سے زائد نہیں دے سکتا، اس کے علاوہ سلائی مشین، گھڑی، سائیکل، پلنگ، پیڑھا اگر توفیق ہو تو دے سکتا ہے، کیا یہ پابندی شرعاً جائز ہے؟ اس پر عمل کرنے والے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

(۲) بھات اور دسیاری(۱) کی رسم کو سابق رواج کے مطابق رکھا گیا ہے۔ کیا یہ رسم شرعاً جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اقتصادی، معاشی، معاشرتی سدھار کے لیے قوم پوتوجہ کرنا اور انتظام کرنا بہت مناسب ہے؛ تاکہ غلط طریقے اور غلط اخراجات بندہ کر صحیح طریق پر سنت کے مطابق نکاح کی تقریب انجام پائے۔ مہر کی مقدار شریعت نے کم سے کم دس درہم تجویز کی ہے، جو تقریباً ۳رتولہ چاندی ہے،(۲) زیادہ کی مقدار مقرر نہیں کی؛ لیکن اتنی بڑی مقدار تجویز کر دینا جو شوہر کے قابو سے بالکل باہر ہو جائے اور ادا کرنے کی کبھی بھی نوبت نہ آئے، بہت غلط طریقہ ہے، اس کی ممانعت آئی ہے،(۳) اسی طرح جہیز کی ایسی پابندی کہ قرض لے کر دیا جائے اور وہ بھی سودی، جس کی وجہ سے بسا اوقات زمین، مکان، زیور پر آفت آ جاتی ہے، یہ سب غلط طریقہ ہے؛ مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہوتی اور سب کے لیے ایک حد بھی تجویز نہیں کی جاسکتی؛ تاہم جو لوگ مہر فاطمی کی رعایت سنت سمجھ کریں گے، وہ مستحق اجر وثواب ہوں گے۔ اگر وقتِ نکاح جہیز نہ دیا جائے، یا برادری کی تنظیم کے موافق دیا جائے، زیادہ نہ دیا جائے تو اس صورت میں تنظیم بھی برقرار رہے گی اور بعد میں جو کچھ دل چاہے لڑکی کو دیتے رہیں، اس میں رکاوٹ نہیں ہوگی، اپنی لڑکی کو کبھی کبھی کچھ دینا منع نہیں۔(۴)

---

(۱) بھات: جو سامان بطور امداد بھائی کی طرف سے بہن کے ہاں کسی تقریب میں بھیجا جائے“۔ (فیروز اللغات، ص:۲۲۹، فیروز سنز، لاہور)
دسیاری: امداد مدد، بچاؤ، حفاظت، قوت، طاقت“۔ (فیروز اللغات، ص:۶۲۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: ”سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: ”ولا مهر أقل من عشرة“. (إعلاء السنن، باب: لا مهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن کراتشی)

(۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه: ”ألا لا تغالوا اصدقة النساء ... ماعلمت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم نکح شیئاً من نسائه ولا أنکح شیئاً من بناته علی أکثر من ثنتی عشرة أو قیة“، هذا حدیث حسن صحیح. (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی مهور النساء: ۲۱۱/۱، سعید/وسنن أبی داؤد، باب الصداق: ۲۹٤/۱، إمدادیه ملتان)

(۴) ”عن علی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: جهز رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فاطمة خمیل و قربة ووسادة حشوها إذخر الفرش“. (سنن النسائی، کتاب النکاح، باب جهاز الرجل ابنته: ۹۲/۲، قدیمی کتب خانه)

(۲) بھات وغیرہ کی رسم غیر شرعی ہے،(۱) اس کو بند کیا جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۰/۷/۱۳۹۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۵۸)

جہیز کا صحیح معنی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) ہمارے یہاں لڑکی کی شادی کے موقع پر لڑکی کے ساتھ کچھ سامان بطور جہیز دیا جاتا ہے اور واضح رہے کہ یہ بغیر مطالبہ کے دیا جاتا ہے، شریعت کی رو سے یہ عمل کیسا ہے؟ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

(۲) اگر لڑکے والے لڑکی والوں سے مطالبہ کے طور پر جہیز لیں تو شرعاً اس کا ثبوت ہے؟ یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) اور لڑکی والے اس جہیز کی بنا پر جب لڑکی اس دنیا میں آتی ہے، تب ہی سے جیون بیمہ کرا دیتے ہیں؛ تاکہ شادی کے وقت یہ پیسہ کام دے اور لڑکی کی شادی بہتر طریقہ سے ہو جائے تو کیا لڑکی والوں کا ایسا جیون بیمہ کرانا صحیح ہے؟

(۴) جہیز کے بغیر شادی ہوتی ہی نہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، تو ہم غرباء اس وقت کیا کریں؟

(المستفتی: محمد عمران لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) شادی کے موقع پر لڑکی کے گھر والوں کا کچھ سامان بطور جہیز دینے کی گنجائش ہے، جب کہ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ بھی نہیں پایا جا رہا ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم:۸/۳۶۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی جہیز دینے کا سلسلہ رہا ہے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ... ولا ينكحان إلا ولهما مال. (مسند أحمد: ۳/۳۵۲، رقم:۱۴۸۵۸، سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية: ۲/۴۰۰،دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱،سنن الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، النسخة الهندية:۲/۲۹، دارالسلام، رقم:۲۰۹۲)

(۲) لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا ناجائز اور حرام ہے، نیز ایسا مطالبہ کرنا نہایت گھٹیا پن اور کمینہ پن کی بات ہے، جو جہیز کی وجہ سے کسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فقیر بنا دیتے ہیں۔

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (متفق عليه)(مشكاة المصابيح،باب الإعتصام بالكتاب والسنة ،الفصل الأول،ص:۲۷،قديمي)

(۲) قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده،فإن لم يستطع فبلسانه،فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان ". (الصحيح لمسلم ،كتاب الإيمان ، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱،قديمي)

أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ یقول: سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من تزوج امرأۃ لعزھا لم یزدہ اللّٰہ إلا ذلا، ومن تزوجھا لمالھا لم یزد اللّٰہ إلا فقرا. (الحدیث)(المعجم الأوسط، دار الفکر: ۱۸/۲، رقم: ۲۳٤۲)

(۳) جہیز دینا شرعاً جائز ہے، فرض اور واجب نہیں ہے کہ لڑکی کا جیون بیمہ (جو کہ حرام ہے) کرا کر سود کی رقم سے جہیز دیں، جیون بیمہ کرانا تین وجوہ کی بنا پر حرام ہے:

[۱] اس میں جمع شدہ رقم پر بطور سود زائد رقم ملتی ہے، جو حقیقتاً ربا اور سود میں داخل ہے اور ربا کی حرمت آیات قرآنیہ واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾(سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

[۲] جیون بیمہ اپنی صورت وشکل کے اعتبار سے جوا اور قمار ہے اور جوے کی قطعی حرمت قرآنی دلائل سے ثابت ہے۔

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ﴾(المائدۃ: ۹۰)

[۳] انسان کی جان اور اعضا اشیاء غیر متقومہ ہیں اور شئ غیر متقوم کا کوئی عوض نہیں ہوا کرتا ہے اور اگر بالفرض عوض مقرر کیا جائے تو وہ عوض نہیں ہوتا؛ بلکہ صورۃً رشوت ہوتی ہے اور رشوت بھی بحکم خبر حرام اور باعث عذاب ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی. (الحدیث) (أبوداؤد، باب فی کراھیۃ الرشوۃ، النسخۃ الھندیۃ: ٤٨/٢، دارالسلام، رقم: ٣٥٨٠، سنن الترمذی، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، النسخۃ الھندیۃ: ٥٩/٢، دارالسلام، رقم: ١٣٣٧)

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر جہیز کے لیے جیون بیمہ کرانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر: ۱/۱۳۳، امداد الفتاوی: ۳/۱۶۱)

(۴) جہیز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ضروریات زندگی کے تمام سامان جہیز میں دئے جائیں؛ بلکہ ایک چارپائی، ایک دیگچی اور چند برتن دے کر بھی اپنی بیٹی کو رخصت کیا جا سکتا ہے اور یہی اس کا جہیز ہے اور اتنا تو ہر مزدور اور غریب سے غریب تر آدمی بھی کر سکتے ہیں، غربا کو مالداروں کی طرح ہزار ہا روپیوں کا سامان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے اور غربا نے خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری ڈال رکھی ہے کہ ہم بھی مالداروں کی طرح جہیز دیں گے، اسی وجہ سے معاشرہ میں خرابی آئی ہے، غربا اپنی لڑکی ایسے لوگوں کے یہاں نہ دیں، جو جہیز کا مطالبہ کرتے ہوں، غربا صفائی سے کہہ دیا کریں کہ ہم لڑکی دے سکتے ہیں، جہیز نہیں دے سکتے ہیں، آپ نے سوال میں لکھا ہے کہ غربا کیا کریں؟ تو وہ ایسا ہی کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۶۶۳۶/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۴/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز دینے کا ثبوت ہے، یانہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے موقع پر بہن بہنوئی وغیرہ کو بطور خوشی پیسے، یا جوڑا وغیرہ دینا جائز ہے، یانہیں؟ اور جہیز کا ثبوت ہے، یانہیں؟

(المستفتی: عبدالرحمٰن)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وبالله التوفيق

لڑکی کی شادی کے موقع پر گھر والوں کا اپنی لڑکی کو بطور جہیز کچھ سامان اپنی وسعت کے بقدر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ لڑکے، یا گھر والوں کی جانب سے جہیز کا مطالبہ انسانی اخلاق اور شریعت دونوں اعتبار سے مذموم اور ناجائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہیز کی وجہ سے شادی کرے، اللہ اس کو فقیر بنا دیتا ہے۔

عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جئنا امرأة من الأنصار فى الأسواق (إلى) فوالله لا تنكحان أبدا إلا ولهما مال. (سنن أبى داؤد، الفرائض، باب ماجاء فى الصلب، النسخة الهندية: ۲/ ۴۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱، سنن الترمذى، باب ماجاء فى ميراث البنات، النسخة الهندية: ۲/ ۲۹،دارالسلام، رقم: ۲۰۹۲، مسند أحمد بن حنبل: ۳/ ۳۵۲،رقم: ۱۴۴۵۸)

أنس بن مالك رضى الله عنه يقول: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد الله إلا فقرا. (الحديث) (المعجم الأوسط، دارالفكر: ۲/ ۱۸،رقم: ۲۳۴۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت: ۴/ ۲۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍ ۷۶۹۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۱/۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز کی شرعی حیثیت:

سوال: جناب مفتی صاحب! آج کل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے تو کیا واقعی ایک لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے، یانہیں؟

الجواب ———

ایک باپ جب اپنی بیٹی کے لئے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا؛ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

عن عليٍّ رضى الله عنه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما زوّجه فاطمة بعث معها

بخميلة ووسادة أُدمٍ حشوها ليف ورحائين وسقائين. (الحديث)(الإصابة: ٣٩٧/٤)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور دو چکیاں اور دو مشکیں بھیجی تھیں)۔ (امداد الاحکام: ۳۷۱/۲، باب المہر)

عن عَليٍّ رضي الله عنه قال: جهّز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خَمِيْل وقِربة ووسادة حشوها اذخر. (سنن النسائي: ۹۲/۲، جهاز الرجل ابنته) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۵/۴)

جہیز کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جہیز کی شرعی حیثیت، نیز کون سی چیز کا مالک کون ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکی والے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت ضروریاتِ زندگی کا جو سامان دیتے ہیں، وہ شرعاً مباح ہے اور جو سامان لڑکی کو جہیز میں دیا جاتا ہے وہ اس کی ملکیت ہے، شوہر کا اُس میں کوئی حق نہیں ہے؛ البتہ لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اور اُس پر اِصرار کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (کفایت المفتی: ۱۳۱/۵، امداد الاحکام: ۳۷۱/۳)

عن علي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوّجه فاطمة بعث معها بخميلة ووسادة أدم حشوها ليف ورحائين وسقاء ين. (الإصابة: ٢٦٧/٨، البداية والنهاية: ٣٤٦/٣، شعب الإيمان للبيهقي: ٣١٧/٧)

جهّز ابنته بجهاز وسلّمها ذٰلک ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذٰلک في صحته؛ بل تختص به وبه يفتي. (تنوير الأبصار على الدر المختار، باب المهر: ٣٠٦/٤، زكريا)

المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية. (رد المحتار: ٣٠٩/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۲/۲۶ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۲/۸)

جہیز کی شرعی حیثیت:

سوال: مفتی صاحب! شادی کے موقع پر دلہن کو دیئے جانے والے جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے اور بعض جگہ جو جہیز دیا جاتا ہے، اس کی خوب نمائش ہوتی ہے اور پھر لڑکے والوں کے حوالے کیا جاتا ہے، یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ نیز بعض لوگ اس کے خلاف اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ بیٹی کو شادی کا جوڑا تک نہیں دیتے ان کا عمل کیسا ہے؟ ازراہِ کرم خوب وضاحت اور تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی کے موقع پر لڑکی کو بقدرِ ضرورت معمولی سا سامان دینا ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک عدد چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ عطا فرمایا تھا؛ لیکن آج کل جو جہیز کی مروّجہ صورت ہے، جس کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیاں تا دمِ آخر اپنے گھروں پر بیٹھنے پر مجبور ہیں اور لڑکے والے بڑھ چڑھ کر جہیز کے سامان میں زیادتی کا مطالبہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بسا اوقات والدین کو مجبوراً سودی قرضے لینے پڑتے ہیں، جن کو ادا کرنے کے لیے ان کی زندگیاں گزر جاتی ہیں، نیز بعض بسے بسائے گھر اس مروجہ جہیز کی وجہ سے اجڑ گئے۔ لڑکی اپنے گھر سے لڑکے والوں کے مطالبے کے مطابق جہیز نہ لاسکی، اس پر ان کی طرف سے طعن وتشنیع اور گرے پڑے جملے زندگیوں میں دراڑ ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ جہیز کی اس مروّجہ صورت اور اس نمود ونمائش وغیرہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ اس میں درج ذیل مفاسد واضح ہیں۔

(۱) لڑکیوں کا بے نکاحی زندگی گزارنے کا سبب بننا۔

(۲) لڑکی کے والدین کا اس جہیز کے لیے سودی قرضے لینا۔

(۳) لڑکے والوں کا ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جو قطعاً ان کا حق نہیں؛ بلکہ جہیز تو لڑکی کی مِلکیت ہوتی ہے۔

(۴) جہیز نہ ملنے، یا کم ملنے پر لڑکے والوں کا طعن وتشنیع کرنا۔

(۵) جہیز میں ضرورت سے زیادہ اشیاء فقط نمود ونمائش کے لیے دینا جس میں ریا کاری اور اسراف دونوں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض مفاسد تو صریح حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ ایک مباح امر (لڑکی کا ہدیۃً رخصتی کے وقت بطورِ جہیز کچھ سامان دینا) کے لیے اتنے حرام امور کا ارتکاب جائز نہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ معاشرے میں پھیلے اس ناسور کو لگام دے اور اس میں پائے جانے والے غلو کا خاتمہ کرے، البتہ اگر یہ مفاسد نہ پائے جاتے ہوں اور لڑکی کا والد اپنی خوشی سے لڑکی کو بقدرِ ضرورت بغیر کسی اسراف، نمود ونمائش اور سودی قرضے لیے کچھ سامان دے دیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ نیز لڑکے کو بھی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سامان قبول کر لینا چاہیے، البتہ اگر لڑکی والے وہی مروّجہ مفاسد والے جہیز دینے پر مصر ہوں تو لڑکا انکار کرسکتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کو بقدرِ ضرورت بغیر اسراف، نمود ونمائش اور سودی قرضے کے کچھ سامان دینا جائز ہے، (نیز اس کی جگہ نقد پیسے، یا کوئی زمین وغیرہ بھی دی جاسکتی ہے، جو بعد میں بھی زوجین کے کام آسکے گی)، البتہ جہیز کی مروّجہ صورت اور لڑکے والوں کا مطالبہ کرنا اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ یہ ایک منکر عمل ہے۔ اصحابِ استطاعت حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ اگر دلی رضامندی سے بھی بغیر مفاسد مذکورہ کے اپنی بیٹی کو ضرورت سے زیادہ

سامان بطورِ جہیز دینا چاہ رہے ہوں تو وہ اس عمل سے باز رہیں اور اجتناب کریں؛ کیوں کہ ان کا یہ عمل (جہیز میں زیادتی) معاشرے میں اسے معیار بنائے گا اور پھر غریب کو بھی ان اشیاء کا التزام کرنا پڑے گا، البتہ بقدرِ ضرورت حسبِ استطاعت کچھ سامان دے دینے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ بقدرِ ضرورت کچھ سامان حسبِ استطاعت دینا بھی چاہیے؛ کیوں کہ شریعت نے بیٹیوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے معاملے کی تلقین کی ہے اور اظہارِ محبت کے لیے دے دینا چاہیے، بالکل نہ دینا بھی مروّت کے خلاف ہے۔

لمافي سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللّٰه عنه قال جهز رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفی الشامیة (۵۸٤/۳): (قوله: وفی البحر الخ) وعبارته والحاصل أن المرأة لیس علیها إلا تسلیم نفسها فی بیته وعلیه لها جمیع ما یکفیها بحسب حالها من أکل وشرب ولبس وفرش. (نجم الفتاویٰ: ۲۳۵/۵ـ۲۳۶)

شریعت میں جہیز کا تصور اور حکومت کا جہیز پر پابندی لگانا:

سوال: مفتی صاحب! شریعت میں جہیز کا کیا تصور ہے؟ کیا شریعت نے اس کی کوئی مقدار لڑکی کے مالدار اور تنگ دست ہونے کے اعتبار سے مقرر کی ہے؟ کیا حکومت کو جہیز پر پابندی لگانے کا اختیار ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعتِ مقدسہ میں بقدرِ ضرورت رخصتی کے وقت لڑکی کو معمولی سامان دینا (بطورِ جہیز) ثابت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے وقت معمولی سامان دیا تھا، جس میں ایک چادر ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ شامل تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں جہانوں کے سرکار کی بیٹی فاطمۃ الزہراء کو رخصتی کے وقت کتنا سامان بطورِ جہیز دیا گیا اور آج کل ہمارے معاشرے میں جہیز کی کیا صورت ہے؟

ہمارے معاشرے میں موجود مروّجہ جہیز اور اس کے لیے لاکھوں کے سامان کا اکٹھا کرنا، نیز نمود و نمائش سودی قرضوں کا لینا وغیرہ اس سب کا شریعت میں کوئی جواز نہیں، نہ شریعت میں ایسے کسی جہیز کا کوئی تصور ہے۔ قرونِ اولیٰ کی کسی شادی میں جہیز کا یہ اہتمام نہیں ملتا؛ بلکہ وہاں انتہائی سادگی سے لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس وقت شادی کرنا آسان تھا اور معاشرے میں عفت و پاکدامنی عام تھی اور آج ہم نے یہ بے جا التزامات اور ان میں موجود خرابیوں کے باوجود ان سب کو سینے سے چمٹایا ہوا ہے اور اس کے بے شمار مفاسد بھگت رہے ہیں، جن میں سے ایک بہت بڑا مفسدہ یہ ہے کہ لڑکیاں بغیر شادی کے زندگیاں گزار رہی ہیں، جو کہ معاشرے میں بے راہ روی کو پھیلا رہا ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال جہیز کی مقدار سے متعلق ہے، اس سے متعلق عرض ہے کہ جہیز حقیقتاً ایک ہدیہ اور تحفہ ہے اور بقدر استطاعت ہدیہ دینے والے کی مرضی ہوتی ہے، جتنا ہدیہ دے دے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بقدرِ ضرورت اپنی استطاعت کے مطابق جتنا بھی سامان دے دیا جائے، یہ جائز ہے، البتہ استطاعت سے باہر سودی قرضے لینا، یا ضرورت سے زائد اشیاء لڑکی کو دینا یہ سب اسراف اور ناجائز امور ہیں، ان کی قطعاً اجازت نہیں، بقدرِ ضرورت کچھ سامان لڑکی کے ساتھ کر دینا چاہیے؛ لیکن اس سے زیادہ سامان مہیا کرنا درست نہیں۔

(۳) جہیز دینا ایک مباح امر تھا؛ لیکن ہمارے معاشرے میں اس میں ایسے التزامات پائے جاتے ہیں، جن میں سے بعض تو صریح حرام ہیں۔ بعض مفاسد درج ذیل ہیں:

اوّلاً: جہیز کے لیے سودی قرضے لینا۔

ثانیاً: نمود ونمائش کرنا جو کہ ریا کاری ہے۔

ثالثاً: جہیز نہ لانے پر لڑکی پر طعن وتشنیع کرنا۔

رابعاً: اس مروّجہ جہیز کی وجہ سے سینکڑوں بچیوں کے نکاح میں رکاوٹ اور معاشرے میں پھیلتے فحاشی کے ذرائع۔

خامساً: جہیز کے سامان میں ضرورت سے زیادہ سامان کا مہیا کرنا اسراف ہے۔

سادساً: لڑکی والوں سے طیب خاطر کے بغیر سامان لینا جو کہ حرام ہے۔

سابعاً: لڑکے والوں کا ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جوان کا حق ہی نہیں؛ کیوں کہ جہیز تو لڑکی کا باپ لڑکی کو دیتا ہے اور وہ لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے۔

ان مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حکومت جہیز کی مخصوص مقدار سے زیادہ پر پابندی لگا دیتی ہے تو یہ جائز ہے؛ بلکہ ان مفاسد کے سدّ باب کے لیے انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت کی ایسی پابندی کی اطاعت واجب ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۵۹): ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ (الآیة)

وفی أحکام القرآن للجصاص (۲/۲۱۱): فثبت أن أولی الأمر فی زمان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کانوا أمراء وقد کان علی المولی علیهم طاعتهم ما لم یأمروهم بمعصیة وکذلک حکمهم بعد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی لزوم اتباعهم وطاعتهم مالم تکن معصیة.

وفی الشامیة (۳/۵۸۵): وأما ما ذکره صاحب النهر هناک عن البزازیة من أن الصحیح أنه لا یرجع علی الأب بشیء لأن المال فی النکاح غیر مقصود اه فهو مبنی علی أن ذلک المعجل أدرک فی العقد بدلیل التعلیل بأن المال وهو الجهاز غیر مقصود فی النکاح لأن المهر یجعل بدلا عن البضع وحده. (نجم الفتاویٰ: ۵/۲۳۶-۲۳۷)

جہیز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دیگر بناتِ طیبات کو شادی میں جہیز کا سامان دیا تھا؟ مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ فروخت کر کے اُس کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں صرف کیا تھا، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ سے روپیہ وغیرہ لے کر جہیز میں صرف کر سکتے ہیں؟ اِس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———————— وباللّٰه التوفيق

اگر کوئی باپ بخوشی اپنی لڑکی کو شادی کے وقت کچھ سامان دے تو یہ ممنوع نہیں ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عقد نکاح کے وقت کچھ سامان دینا اسی قبیل سے تھا اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صاحبزادیوں کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کچھ دینے کا انتظام کیا تھا، چناں چہ روایت ہے کہ جب بدر کے موقع پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر گرفتار ہوئے، جو اس وقت اسلام نہ لائے تھے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کی رہائی کے لیے وہ ہار بھیجا تھا، جو نکاح کے موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عطا کیا تھا، اِس سے نفسِ نکاح میں والدین کی طرف سے بیٹی کو سامان دینے کی تائید ہوتی ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: لما بعث أهل مكة فی فداء أسراء هم بعثت زينب فی فداء أبی العاص بمال وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها لها علی أبی العاص قالت لما رآها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم رق لها رقة شديدة، وقال: إن رأيتم أن تطلقوا لها عليها وتردوا أسيرها الذی لها، فقالوا نعم! وكان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أخذ عليه أو وعده أن يخلی سبيل زينب إليه وبعث رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم زيد بن حارثة ورجلا من الأنصار، فقال كونا ببطن يا جج حتیٰ تمر بكما زينب فتصحباها حتی تأتيا بها. (سنن أبی داؤد: ۳۶۷/۲)

اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی سلسلہ کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی زرہ مہر میں دے دی تھی، گھر میں کوئی سامان نہیں تھا، خود سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے وہ سامان مہیا نہیں فرما سکتے تھے، اس لیے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کر دو اور اس سے جو رقم آئے، اس سے ضروری سامان لے لو۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے:

فبعتها من عثمان بن عفان بأربع مائة وثمانين درهمًا، ثم إن عثمان رد الدرع إلی علی رضی اللّٰه عنه فجاء بالدرع والدراهم إلی المصطفی صلی اللّٰه عليه وسلم فدعا لعثمان رضی اللّٰه عنه بدعوات كما فی رواية. (زرقانی شرح مواهب لدنية: ۲۸/۳)

وقال الزرقاني: يشبه أن العقد وقع على الدرع وأنه صلى الله عليه وسلم أعطاها عليا ليبيعها وأتاه بثمنها. (زرقاني شرح مواهب لدنية: ٦/٢، فتاویٰ دارالعلوم: ۳۶۲/۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۲/۲۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۴/۸-۴۳۶)

جہیز کا لینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جہیز کے متعلق یہ ہے کہ جہیز کا لینا اور دینا درست ہے، یا نہیں؟ اگر سنت کے موافق جہیز لیا جائے اور دیا جائے تو اُس کی مقدار کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکی والے اگر اپنی بچی کو شادی کے موقع پر اپنی حیثیت کے مطابق رسم ورواج کی رعایت رکھے بغیر بلا کسی جبر ودباؤ کے اپنی خوشی سے جو چاہیں دیں، شرعاً اِس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، ممانعت اُس صورت میں ہے، جب کہ جہیز کے نام پر لڑکے والوں کی طرف سے صراحۃً، یا دلالۃً لڑکی والوں کو زبردستی جہیز ادا کرنے پر مجبور کیا جائے، جیسا کہ عام رواج ہو گیا ہے، اُس کی شرعاً قطعاً اجازت نہیں؛ بلکہ کھلا ہوا جبر وظلم ہے، جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔

قال الإمام المرغيناني: الصحيح أنه لا يرجع على أب المرأة بشيء؛ لأن المال في النكاح غير مقصود. (الفتاویٰ الهندية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱)

لو زفت إليه بلا جهاز يليق به، فله مطالبة الأب بالنقد، قنية، وزاد في البحر عن المبتغىٰ: إلا إذا سكت طويلاً، فلا خصومة له؛ لكن في النهر عن البزازية: الصحيح أن لا يرجع على الأب بشيء؛ لأن المال في النكاح غير مقصود، تزوجها وأعطاها ثلاثة آلاف دينار الدستيمان وهي بنت موسر، ولم يعط لها الأب جهازًا، أفتى الإمام جمال الدين وصاحب المحيط بأن له مطالبة الجهاز من الأب على قدر العرف والعادة وطلب الدستيمان، قال: وهٰذا اختيار الأئمة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۸/۳، كراتشي: ۳۱۰/٤، زكريا، بزازية على الهندية: ۱۵۰/٤، البحر الرائق، باب المهر: ۱۸٦/۳، كوئٹه)

من تزوج لمالها لم يزده الله إلا فقراً. (مجمع الزوائد: ۲۰٤/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۳/۱۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۳/۸-۴۳۴)

شادی کے موقع پر جہیز دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں لڑکی والے جو لڑکے والوں کو جہیز کی شکل میں اور نقدی کی صورت میں دیتے ہیں، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر

جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ فروخت کروا کر دیا تھا، کیا یہ درست ہے؟

(المستفتی: سید اشرف علی شیر کوٹ، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کے موقع پر اگر لڑکی والے بغیر دباؤ کے اپنی خوشی سے لڑکے والوں کو جہیز میں کچھ سامان دے دیں تو یہ درست ہے اور روایتوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر. (سنن النسائي، النكاح، جهاز الرجل ابنته، النسخة الهندية: ۷۷/۲، دارالسلام، رقم: ۳۳۸۶، مسند أحمد بن حنبل: ۸٤/۱، رقم: ٦٤۳، ۷۱۵، ۸۱۹، ۸۳۸، ۸۵۳، المستدرك، كتاب النكاح، قديم: ۱۸۵/۲، مكتبه نزار مصطفى الباز: ۱۰٤۱/۳، رقم: ۲۷۵۵)

اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز کا سامان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ فروخت کرا کے دیا تھا؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے عطا فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت مہر میں دلوائی تھی، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھی۔

ما جاء بك الله لك حاجة، فسكت، فقال: لعلك جئت تخطب فاطمة، فقلت: نعم، فقال: وهل عندك من شيء تستحلها به، فقلت: لا، والله يا رسول الله! فقال: ما فعلت درع سلحتكها فوالذي نفس علي بيده أنها لحطمية ما قيمتها أربع مائة درهم، فقلت عندي، فقال: قد زوجتكها فابعث إليها بها، فاستحلها بها، فإن كانت لصداق فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم. (حياة الصحابة: ۳۲۷/۳، كذا في البداية دارالفكر بيروت: ۳٤٦/۳، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب ما يستحب من القصد في الصداق، دارالفكر: ۱۱/۹، رقم: ۱٤۷۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹ر شعبان ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۸/۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز وغیرہ دینے کا حکم:

سوال: بعد سلام مسنون دیگر ممالک کی مجھے خبر نہیں؛ مگر ہندوستان میں عام طور پر رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادیانہ کپڑے دیئے جاتے ہیں، میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں، کپڑے دینے کے لیے لوگ بہت کچھ اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں۔ کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے، جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں؟ جناب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں، ان کی

بنات طیبات کی شادیاں ہوئیں، کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لیے دیئے تھے؟ حضرات صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی؟ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمہ دین متین کے زمانے میں یہ رسم ورواج تھا، یانہیں تھا؟ تو کب سے رواج ہوا؟ شادیوں میں شادیانہ کپڑے لیے دیئے جائیں، یانہیں؟ جو حکم شرعی ہو، مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہ راست سے وقف فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

باپ کا اپنی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا ہے۔(۱) اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے، حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطها شيئا،قال:ما عندی ما اعطيها،قال:فأين درعک الحطمية.(الحديث)(۲)

وفی حديث الواهبة نفسها لرسول الله صلی الله عليه وسلم ولم يكن له فيها غرض، فقام رجل وقال:زوجنيها يا رسول الله إن لم يكن لک بها حاجة، فقال:هل عندک ما تعطيها،قال: لا إلا إزاری،قال: فالتمس شيئا ولو خا تما من الحديد.(الحديث كلاهما صحيح)(۳)

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو کچھ دینا چاہیے، یہ عورت کا حق ہے۔

(۱) قلت:ذكر الحافظ حديث جهاز ها وكذا حديث علی اعطها ورعک الحطمية فی ترجمة فاطمة من الإصابة. (۱۵۸/۸-۱۵۹)ظفر)

(۲) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الطَّالَقَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَعْطِهَا شَيْئًا، قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ، قَالَ: أَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟(سنن أبی داؤد،باب فی الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها،رقم الحديث: ۲۱۲۵،سنن النسائی،باب تحفة الخلوة،رقم الحديث:۳۳۷۵،انيس)

(۳) أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، يَقُولُ: إِنِّي لَفِي الْقَوْمِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ، فَرَأْ فِيهَا رَأْيَكَ، فَسَكَتَ، فَلَمْ يُجِبْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ، ثُمَّ قَامَتْ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ، فَرَأْ فِيهَا رَأْيَكَ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: زَوِّجْنِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ:هَلْ مَعَكَ شَيْءٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ:اذْهَبْ فَاطْلُبْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، فَذَهَبَ فَطَلَبَ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: لَمْ أَجِدْ شَيْئًا، وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، قَالَ:هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا، قَالَ:قَدْ أَنْكَحْتُكَهَا عَلَى مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.(سنن النسائی،باب الكلام الذی ينعقد به النكاح،رقم الحديث: ۳۲۸۰،صحيح البخاری، كتاب النكاح،باب إذا كان الولی هو الخاطب،رقم الحديث:۵۱۳۲،انيس)

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے، یہ رواج فی نفسہ خلاف شرع نہیں، البتہ اس میں افراط وغلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے، جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بار عظیم ہو جائے، باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے، اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے؛ مگر کلی ثبوت حدیث **"تھا دوا تحابوا"** سے اس کا بھی ہے؛ کیوں کہ اس کا منشا محض اکرام ومحبت کا اظہار ہے، اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۲/ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۷۲)

جہیز لینے کا مسئلہ:

سوال: پلنگ، الماری، فین، اسٹیل کے گھڑے وغیرہ کیا جہیز میں شامل ہیں؟ اور کیا شادی میں ان کا لینا بھی جائز ہے؟ (محمد علیم، نظام آباد)

الجواب

اہمیت مقدار کی نہیں؛ بلکہ مطالبہ کی ہے، مطالبہ کسی چھوٹی سی چیز کا ہو تو بھی لینا گناہ ہے اور اگر کہہ دیا جائے کہ مجھے کچھ جہیز نہیں چاہیے، صرف لڑکی مطلوب ہے اور دل میں بھی سامان لینے کا چور نہ چھپا ہوا ہو، اس انکار کے باوجود اگر لوگ کچھ دے دیں تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے، گو زیادہ سامان ہو کہ اب یہ رشوت نہیں؛ بلکہ ہدیہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۶)

جہیز کا مطالبہ، تلک اور کاغذ چھپوائی کی رسم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جہیز، تلک، شادی کے کاغذ چھپوانا، جہیز کا لینا دینا اور دولہا کے ساتھ زیادہ لوگوں کا جانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ اور تلک کی رسم قطعاً ناجائز اور ظلم ہے، البتہ اگر لڑکی کے گھر والے بغیر کسی مطالبہ اور دباؤ کے اپنی خوشی سے لڑکی کو کچھ سامان وغیرہ دیں تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، نیز شادی کارڈ میں فضول خرچی اور لڑکی والے کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بارات میں دولہا کے ساتھ زیادہ لوگوں کو لے جانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳/۳۵۰، مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/۷۲، شعب الإيمان للبيهقي: ۲/۷۶۹، رقم: ۵۴۹۳)

لو جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك

فی صحته؛ بل تختص به وبه یفتیٰ. (الدرالمختار علی رد المحتار: ۳۰٦/٤،زکریا، الفتاویٰ الهندیة: ۳۲۷/۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۴/۱۴۲۳ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی میں لڑکے کے مطالبات اوران کی خرابیاں:

سوال: عرض خدمت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں شادی کے موقعہ پر ہنود کے رسم ورواج کی طرح لین دین کا سوال پیدا ہوگیا ہے، معمولی پڑھالکھا نوجوان لالچ کے سبب لڑکی والوں سے مطالبات کرتا ہے، جن کو دیکھ کر دینی تعلیم یافتہ نوجوان بھی مال وزر کے لالچ سے اس برائی میں پھنس گئے اور امیروں نے نام ونمود کی خاطر ان کا سوال پورا کرکے اس کو رواج بنالیا، حتی کہ اب ہر گھر میں اس کا چرچا ہے؛ لیکن غریب لڑکی والے پر یہ سوال مصیبت بن گیا ہے۔
وہ مطالبات یہ ہیں: ریڈیو، سونے کا نگینہ، سونے کے زیورات، سائیکل، گھڑی وغیرہ۔

اس کے وعلاوہ لڑکی والے کو اتنا سونا، اتنی چاندی، جائیداد، پوشاک وغیرہ اور شوہر کے گھر میں گزر کرنے کا کل سامان دینا پڑے گا۔ اکثر لڑکے والے اس پر اٹل ہیں کہ جب تک یہ سب سامان نہ ملے، شادی نہ کرائیں گے، چاہے بدکاری میں عمر گزرے اور اس سوال کے سامنے لڑکی کے نان ونفقہ کی کوئی حقیقت نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شادی برادری میں نہ ہونے کے سبب برادری ترک، بیوی کو طلاق، بیوی کے دیئے ہوئے مال مین کوئی حق نہیں۔

جنہوں نے چار سال قبل شادی کی تھی اوران کے اولاد بھی ہوگئی، وہ بھی سوال کرتے ہیں کہ بیوی کا وارث ہمارا سوال پورا کرے تو خیر، ورنہ تو بیوی کو طلاق، ورنہ بیوی کا نان نفقہ بند، چاہے جدھر جائے۔ اس رسم سے بہت سی برائیاں ظاہر ہوئیں: زنا کاری، حمل بند کردینا، حمل گرادینا، لڑکی پیدا ہوتو مارڈالنا، لڑکی کا خودکشی کرلینا، لڑکی والے کا شرم کی وجہ سے خودکشی کرلینا وغیرہ خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، علماء دین اس طرف توجہ فرمائیں، یہاں جو دینی تعلیم حاصل کرکے آتے ہیں، وہ بھی لالچ میں پھنس جاتے ہیں؛ اس لیے سوال کرتا ہوں کہ شریعت میں اس رسم کی کیا اصلیت ہے؟ جواب سے آگاہ فرمائیں؛ تاکہ عوام تاک عوام کو آسانی ہو۔

(۱) شادی میں یہ رسم اوراس طرح کا لین دین سراسر گمراہی ہے، یانہیں؟

(۲) جس شادی کی مجلس میں ڈھول، باجا، آتش بازی ہو، اور بیوی کا حق حقوق نہ ہو، شریعت کی عزت نہ ہو، جس کے انجام میں اتنی برائیاں ہوں، ایسی مجلس میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے، یانہیں؟

(۳) ایسے رسم ورواج کو نکالنے والے ہیں، اس پر مدد کرنے والے، سوال کرنے والے، نام ونمود کی خاطر سوال کو پورا کرنے والے مسلمان ہیں، یانہیں؟

(۴) ایسی غیر شرعی مجالس میں نکاح درست ہے، یانہیں؟

(۵) تونگرلڑکے والے کا غریب لڑکی والے پر سوال کرنا ظلم ہے، یا نہیں؟

(۶) یہ رسم ورواج کافر مشرک کا طریقہ ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح ایک عبادت ہے،(۱) جس طرح دوسری عبادت کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ادا کیا جائے، اسی طرح نکاح کو بھی عبادت تصور کرتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ادا کرنا چاہیے، تب ہی اس کی اصلی خیر وبرکت حاصل ہوگی۔(۲)

دوسری قوموں کے طریقے پر کرنے سے اس کی عبادت کی شان باقی نہیں رہے گی، جتنی جتنی چیزیں اس میں دوسروں کی آتی چلی جائیں گی، اسی قدر یہ نکاح عبادت اور سنتِ نبویہ سے نکل کر محض رسوم ورواج اور وہ بھی غیر قوموں کا رسم ورواج بنتا چلا جائے گا، پھر اس میں جو پابندیاں بے جا لگائی جائیں گی ان کی مضرتیں مستقل اثر انداز ہوں گی، جس قدر اس میں ظلم ہوگا، اسی قدر اس میں بجائے خیر وبرکت کے نحوست پیدا ہوگی،(۳) جو مفاسد سوال میں موجود ہیں تو کچھ کم ہی ہیں، اس سے بھی زائد پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۱) تعلیم اسلام کے خلاف ہے، غیر قوموں کا طریقہ ہے۔

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"النكاح من سنتي ،فمن لم يعمل بسنتي فليس مني". (سنن ابن ماجة،أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح،ص:۱۳۲، قديمي كتب خانه)

وعن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"إذا تزوج العبد ،فقد استكمل نصف الدين ،فليتق اللّٰه في النصف الباقي". (مشكاة المصابيح،كتاب النكاح،الفصل الثالث،ص:۲٦٨،قديمي)

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ:﴿لقد كان لكم في رسول اللّٰه أسوة حسنة﴾(سورةالأحزاب:۲۱)

عن جابر رضی اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم :"أما بعد فإن خير الحديث كتاب اللّٰه ،وخير الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة،الفصل الأول،ص:۲۷،قديمي)

(۳) "عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت :قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم :"إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة". (مشكاة المصابيح ،كتاب النكاح،الفصل الثالث،ص:۲٦٨،قديمي)

"وقال : ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة، فتمسک بسنة خير من إحداث بدعة". (مشكاة المصابيح،باب الأعتصام بالكتاب والسنة،الفصل الثالث،ص: ۳۱،قديمي)(مسند الإمام أحمد بن حنبل،حديث غضيف بن الحارث،رقم الحديث: ۱٦۹۷۰،وإسناده ضعيف لضعف أبي بكر بن عبداللّٰه وهو ابن أبي مريم الغساني الشامي،بقية بن الوليد وإن كان مدلسا وقد عنعن توبع كما سيرد،وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح غير غضيف بن الحارث.فروايته عند أصحاب السنن ما عدا الترمذي،وقول الحافظ في الفتح: ۲٥۳/۱۳،عن سند أحمد هذا:جيد ليس بجيد.(تعليق شعيب الأرنؤوط ،عادل مرشد وآخرون:۱۷۳/۲۸،مؤسسة الرسالة،انيس)

(۲) ان مفاسد والی شادی میں ہرگز شرکت نہ کیا ئے۔(۱)

(۳) اس رسم کو ایجاد کرنے والے، اس کی اعانت کرنے والے، اس میں شرکت کرنے والے، اس سے خوش رہنے والے حسبِ حیثیت سب گنہ گار ہیں، (۲) سب کو توبہ کرنا اور نکاح سنت طریقہ پر لا نا ضروری ہے۔(۳)

(۴) نفسِ نکاح تو ایجاب وقبول سے منعقد ہو جا تا ہے؛(۴) مگر ان امور کا گناہ بھی ہوتا ہے، وہ بھی معمولی نہیں۔

(۵) بالکل ناحق مطالبہ ہے، جو کہ ظلم ہے، جبراً لینا تو نا جائز ہے۔

"لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه". (الحديث)(۵)

(۶) یہ غیر قوموں کا طریقہ ہے، جو کہ اسلامی نہیں۔(۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۴/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۲۵۲/۱۱)

شادی کے وقت داماد کے مطالبات، جہیز وغیرہ:

سوال: مسماۃ بانو کے والدین اور اہلِ محلّہ بکر کے خلاف شرع فعلوں کی بنا پر ناخوش رہتے ہیں، بکر نے اپنے لڑکے کی شادی کے لیے کئی جگہ پیغام بھجوایا؛ مگر کسی نے اقرار نہ کیا، آخر کا حاجی شریف صاحب کے اصرار پر مسماۃ بانو کا نکاح بکر کے لڑکے زید کے ساتھ ہو گیا؛ مگر بکر اور اس کے لڑکے زید وغیر جہیز میں اس قدر سامان مانگ رہے تھے،

---

(۱) "دعي إلى وليمة وثمة لعب أو غنا...(وإن علم أو لا) باللعب (لا يحضر أصلاً)". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳٤۸/٦، سعيد)

(۲) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من سن في الإسلام سنة سيئة، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء". (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۳، قديمي)

(۳) قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن الناس إذا رأوا منكراً فلم يغيروه، يوشك أن يعمهم الله بعقابه". (مشكاة المصابيح، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ٤۳٦، قديمي)

(۴) "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰٥/۲، مكتبه شركة علمية)

(۵) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲٥٥، قديمي)

(۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (سنن أبي داؤد، باب في لبس الشهرة، رقم الحديث: ٤۰۳۱، مسند البزار، رقم الحديث: ۲۹٦٦، المعجم الأوسط، رقم الحديث: ۸۳۲۷، مسند الشهاب القضاعي، رقم الحديث: ۳۹۰، انيس)

وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أبي شيبة عن أبي النضير هاشم أخبرنا ابن الْقَاسِمِ بِهِ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" فَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى النَّهْيِ الشَّدِيدِ وَالتَّهْدِيدِ وَالْوَعِيدِ عَلَى التَّشَبُّهِ بِالْكُفَّارِ فِي أَقْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ وَلِبَاسِهِمْ وَأَعْيَادِهِمْ وَعِبَادَاتِهِمْ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ أُمُورِهِمُ التِي لم تشرع لنا ولا نقر عليها. (تفسير بن كثير، من تفسير سورة البقرة: ۲٥۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

مثلاً گھڑی، ریڈیو، سائیکل، صوفا سیٹ، وغیرہ اور مزید ایک ہزار روپیہ جو بانو کے والدین کے بس سے باہر تھا؛ اس لیے انہوں نے عذر بیان کیا؛ مگر وہ لوگ اس پر اڑے رہے۔

بکر نے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو دینا پڑے گا، نہیں تو وداعی نہیں ہوسکتی، کوئی صورت بنتی ہوئی نظر نہ آئی تو بانو کے والدین نے طلاق کی درخواست کردی اور دستی بیان بانو سے لے لیا گیا کہ وہ معاف کرتی ہے؛ مگر زید نے پھر بھی کہا کہ میں طلاق اس وقت تک نہیں دوں گا، جب تک بانو کے والدین مجھے مہر کے علاوہ مبلغ ۱۰۰۰/روپیہ نہ دیں گے، جس کی بنا پر اب دونوں میں نہایت کشیدگی بڑھ گئی، اس صورت میں کیا بانو کا دوسرا نکاح جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زید کی یہ روش شرافت؛ بلکہ انسانیت سے بھی گری ہوئی ہے، اس کا مطالبہ نہایت غلط ہے، رشوت ہے، حرام ہے۔(۱) اگر وہ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آتا تو حاکم کی عدالت میں درخواست دی جائے، عدالت اس کو حاضر کر کے اس غلط مطالبہ کو ساقط کرادے، یا اس سے طلاق دلوادے، بعوض مہر خلع کرادے،(۲) یا تفریق کردے۔(۳) اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو کم از کم تین معزز دین دار مسلمانون کی شرعی کمیٹی بنالی جائے، جس میں ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شامل ہے، اس کمیٹی میں درخواست دی جائے، وہ کمیٹی الحیلۃ الناجزۃ میں لکھی ہوئی شرائط کے مطابق فیصلہ دے تو وہ فیصلہ معتبر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۸/۳۰

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۸/۳۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۳۴-۱۳۵)

---

(۱) ولو أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم ، فللزوج أن يسترد؛ لأنه رشوة.(الفتاویٰ الهندية: ۳۲۶/۱، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت، رشيدية)

(۲) إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به ، فإذا فعلا ذلک، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاویٰ الهندية: ۴۸۸/۱، الباب الثامن فی الخلع ومافی حکمه، رشيدية)

(۳) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح سے خاوند سے خلع وغیرہ کرلے؛ لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔۔۔۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام، یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو، وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کردو، یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی صورت کے انتظار ومہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں''۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت، دارالاشاعت کراچی)

شادی میں لین دین اور مطالبہ کی شرعی حیثیت:

سوال: شادی میں لین دین اور مطالبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (افسر، محمد نگر، حیدرآباد)

الجواب

قرآن مجید نے کہا کہ ﴿لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (۱) ''اپنے مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ'' باطل طریقہ پر کھانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی سے بکراہتِ خاطر ناحق طور پر کوئی چیز حاصل کی جائے، شادی کے موقع سے پیسے اور سامان کا مطالبہ اسی زمرہ میں داخل ہے، فقہاء کی عبارتوں سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ رشوت کے حکم میں ہے، (اسلامی شادی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص: ۱۳۵) لہذا اس کو لینا بھی حرام اور شدید ضرورت کے بغیر دینا بھی اور اگر لے چکا ہے تو واپس کر دینا واجب ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲۸) ☆

(۱) سورة البقرة: ۱۸۸

☆ **جہیز کا مطالبہ کرنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد صاحب ۴؍برسوں سے اپنے لڑکے کی شادی میں جہیز لینے پر تلے ہوئے ہیں؛ لیکن زید ایک دم خلاف ہے، بہت طرح سے سمجھا کر بہت سارے لوگ تھک گئے ہیں، زید شریعت کے اندر شادی کرنا چاہتا ہے، اب زید کے لیے ایک راستہ یہ ہے کہ اپنے والد صاحب کو جہیز لینے دے گا؛ لیکن شادی کے بعد جب زید جائیداد کا مالک بن جائے گا تو زید اپنے ہاتھوں سے سارا جہیز سسرال والوں کو لوٹا دے گا، بہر صورت زید کے لئے یہ قدم شرعاً کیسا ہے؟ (المستفتی: شفیع الرحمٰن قاسمی، گیا)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وبالله التوفيق

جہیز کا مطالبہ کرنا قطعاً ناجائز ہے، ہاں البتہ لڑکی کے باپ کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو حسب حیثیت جو چاہے دے، لڑکے والوں کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں اور مطالبہ کرنا نہایت گھٹیا اور کمینہ پن اور حرام ہے، جہیز کا سامان جس طریقہ سے بھی آتا ہے وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتا ہے، اور نہ لڑکے کے باپ کا کوئی حق اور نہ لڑکے کا کوئی حق اس میں متعلق ہے۔ اور لڑکی کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے سامان پر کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دے اور لڑکے نے جو کہا ہے کہ جہیز کا سامان بعد میں واپس کر دے گا یہ واپس کرنے کا حق لڑکی ہی کو ہے، لڑکے کو نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: كنت أخذا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ... فقال: يا أيها الناس! ... ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (الحديث) (مسند أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، رقم: ۲۰۹۷۱)

عن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يحل لامرء أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل: ۴۲۵/۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: فيما لو زفت إليه بلا جهاز، زکریا: ۲۹۹/۵، کراتشی: ۵۸۵/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۲۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۲/۱۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

لڑکی کے گھر کی دعوت اور نام نمود کے لیے جہیز کا لین دین:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکی کی شادی میں لڑکی کی گھر والوں اگر دعوت دیں تو اِس دعوت میں شرکت کا کیا حکم ہے؟ نیز ہمارے معاشرہ میں جو جہیز رائج ہے، جیسے کچھ لوگ تو صرف دکھاوے کے لیے زیادہ سے زیادہ جہیز دیتے ہیں اور ایک بڑا طبقہ مجبوراً جہیز دیتا ہے، دونوں کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکی کے گھر کی دعوت مباح ہے، اگر کوئی منکر نہ ہو تو اس میں شرکت کی گنجائش ہے اور نام ونمود دکھاوا کے لیے جہیز کا لین دین درست نہیں، نیز لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں پر جبر یہ مطالبہ کر کے جہیز لینا بھی جائز نہیں، البتہ بلا کسی مطالبہ اور جبر کے اگر لڑکی والے کے اعزا واقربا اپنی خوشی سے بچی کو حسب گنجائش نام ونمود کے بغیر کچھ دے دیں تو یہ منع بھی نہیں ہے۔ (انوار نبوت: ۶۵۷-۶۹۱، فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۲۷، ڈابھیل)

عن علي رضي الله عنه قال: جهّز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة وسادة حشوها إذخر. (سنن النسائی: ۲/۷۷)

عن عكرمة قال: لما زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة كان فيما جهزت به سرير مشروط ووسادة من آدم حشوها ليف، وثور من آدم وقربة،الخ. (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۸/۱۹)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألالاتظلموا، ألا لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح،باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳/۳۵۰، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۵/۷۲، شعب الإيمان للبيهقي: ۲/۷٦۹،رقم: ۵٤۹۳)

عن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمّع سمع الله به، ومن يرائي يرائي به. (متفق عليه)(مشكاة المصابيح،باب الريا والسمعة: ٤٥٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۴/۷/۱۴۲۹ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

ڈیمانڈ دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ فی زمانہ ڈیمانڈ دینا درست ہے کہ نہیں؟ جب کہ حالت یہ ہے کہ ڈیمانڈ نہ دینے پر لڑکا برابری کا نہیں مل پاتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے گھر والوں پر رقم لینے کا دباؤ بنانا، بہت بڑی بے شرمی کی بات ہے اور لڑکی والے اگر ان کے دباؤ کو قبول کرلیں تو یہ ایک طرح سے غلط بات کو جاری کرنے میں تعاون ہوگا؛ اس رسم بد کو جڑ سے ختم

کرنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ سب لڑکی والے مل کر بے جا مطالبات کی نفی کرے، اگر ڈیمانڈ اور بے جا مطالبات کا سلسلہ جاری رہے گا تو یہ رسم کبھی ختم نہیں ہوگی۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوّج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلاً، ومن تزوجها لمالها، لم يزده الله إلا فقراً.(الحديث) (المعجم الأوسط للطبراني: ۱۷۸/۳، رقم: ۲۳۶۳)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳۵۰/۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، شعب الإيمان للبيهقي: ۷۶۹/۲، رقم: ۵۴۹۳)

وفي الشامية: ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته. (شامي: ۶۰۷/۹، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۱۱ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی میں لڑکے کی فرمائش:

سوال: آج کل شادی میں لڑکوں کی طرف سے فرمائش ہوا کرتی ہے، طرح طرح کی چیزیں مانگتے ہیں، لینا اور پھر ضد کر کے لینا کیسا ہے؟ اور دینے والا تو مجبور ہے؛ لیکن پھر بھی دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

یہ ضد اور فرمائش غلط ہے، بیجا ہے، ہرگز نہیں چاہیے، لڑکے والا بھی شرعاً مجبور نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۶/۵/۱۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۲/۱۱) ☆

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

☆ **لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی میں جہیز کے طور پر لڑکی والے سے ۱۰-۲۰/ ہزار روپیہ، یا اسکوٹر، ریڈیو، گھڑی، سونے کی انگوٹھی وغیرہ مانگنا اور نہ دینے پر لڑکی کو گالی دینا مارنا پیٹنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

یہ عمل قطعاً ناجائز اور نہایت رذالت کی دلیل ہے۔ شریعت میں نکاح کا اصل خرچ یعنی مہر، یا ولیمہ لڑکے کے والوں پر رکھا ہے، لڑکی والوں پر شرعاً کوئی خرچ لازم نہیں ہے، اُن کی طرف سے سب سے بڑی قربانی یہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی دے رہے ہیں، اِس کے باوجود ان پر دباؤ بنانا نہایت نامعقول بات ہے۔ ==

لڑکے کا سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنے کا حکم:

سوال: بکر ایک شریر اور خلاف شرع کاموں کا مرتکب شخص ہے۔ اہل محلّہ میں سے کوئی بھی اس کے بیٹے کو اپنی لڑکی دینے کو تیار نہ تھا؛ بلکہ ہر ایک کنارہ کشی کرتا رہتا تھا۔ بالآخر حاجی مظفر خان کے اصرار پر حاجی گلاب خان نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے بیٹے سے کر دیا؛ مگر بکر اور اس کا بیٹا (جو کہ باپ کے نقش قدم پر جا رہا ہے) جہیز میں بہت سارے سامان کے طلبگار ہیں کہ مثلاً گاڑی، فریج، صوفہ سیٹ، کئی درجن برتن وغیرہ اور اس کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی دینے ہوں گے، جب کہ حاجی گلاب خان کے بس سے یہ اشیاء باہر ہیں تو کیا شرع محمدی میں بکر اور اس کے بیٹے کا یہ مطالبہ درست ہے اور کیا حاجی گلاب خان اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرا سکتا ہے؟ شرع شریف کے مطابق جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شوہر اپنے سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر اور اس کے بیٹے کا جہیز کا مطالبہ کرنا درست نہیں؛ لیکن چوں کہ آپ (حاجی گلاب خان) نے اپنی بیٹی کا نکاح بکر کے بیٹے سے کر دیا ہے، لہٰذا اس نکاح کی موجودگی میں آپ اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کرا سکتے، دوسری جگہ نکاح کے لیے پہلے اس شوہر سے طلاق، یا خلع لینا ضروری ہے۔

لما فی الدرالمختار (۱۵۸/۳، کتاب النکاح): فرع لو زفت إليه بلا جهاز يليق به فله مطالبة الأب بالنقد قنيةزاد فى البحر عن المبتغى إلا إذا سكت طويلا فلا خصومة له لكن فى النهر عن البزازية، الصحيح أنه لا يرجع على الاب بشيء؛ لأن المال فى النكاح غير مقصود.

وفى الشامية تحته: قلت وفى البزازية ما يفيد التوفيق حيث قال تزوجها وأعطاها ثلاثة آلاف دينار الدستيمان وهى بنت موسر ولم يعط لها الأب جهازا أفتى الإمام جمال الدين و صاحب المحيط بأن له مطالبة الجهاز من الأب على قدر العرف والعادة أو طلب الدستيمان قال وهذا اختيارالأئمة وقال الإمام المرغيناني الصحيح أنه لا يرجع بشيء لأن المال فى النكاح غير

== عن أبى حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألالاتظلموا، ألا لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح،باب الغصب والعارية، الفصل الثانى: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳۵۰/۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، شعب الإيمان للبيهقى: ۷۶۹/۲،رقم: ۵۴۹۳)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامى: ۶۱/۴، کراتشی، شرح المجلة رقم المادة: ۹۷،ص: ۶۲، کوئٹه)

أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة. (الدرالمختار مع الشامي: ۳۰۷/۴، زكريا، البحر الرائق: ۱۸۷/۳، کوئٹه، الفتاوىٰ الهندية: ۳۲۷/۱، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۲/۳ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۷/۸-۴۳۸)

مقصود وكان بعض أئمة خوارزم يعترض بأن الدستيمان هو المهر المؤجل كما ذكره في الكافي وغيره فهو مقابل بنفس المرأة حتى ملكت حبس نفسها لاستيفائه فكيف يملك الزوج طلب الجهاز والشيء لا يقابله عوضان... وهذ المسألة نظير ما لو تزوجها بأكثر من مهر المثل على أنها بكر فإذا هي ثيب فقد مر الخلاف في لزوم الزيادة وعدمه بناء على الخلاف في هذه المسألة وقدم أن المرجح اللزوم فلذاكان المصحح هنا عدم الرجوع بشيء كما مر عن المرغيناني. (نجم الفتاویٰ:۲۳۸/۵-۲۳۹) ☆

جہیز کی نمائش:

سوال: موجودہ دور میں جب کہ بدنیتی، بے ایمانی عام ہے، اگر سامان جہیز دولہا کے اعزہ واقارب اور بستی کے ثقہ لوگوں کو دکھایا جائے تو کیا حرج ہے؛ تاکہ وقت ضرورت شہادت دے سکیں، یا سامان رکھ کر دکھا کر فہرست بنا کر اس پر لڑکے کے دستخط لے لیے جائیں؛ تاکہ طلاق، یا نزاع کے وقت وہ لڑکی کے لیے ڈھال بن سکے؟ یا آپ کوئی حل پیش فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

ان افسوسناک حالات میں چوراہے پر جہیز لانے اور دکھانے کی ضرورت نہیں، فہرست مرتب کر کے خاندان کے بااثر حضرات کے دستخط کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۱۷)

☆ لڑکے کے والد کا لڑکی والوں سے تلک مانگنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی شرعی طور پر کرنے کے لیے والد صاحب تیار نہیں، یہ کشمکش کئی سال سے چل رہی ہے اور والد صاحب کی رضامندی سے شادی کرنے پر والد صاحب نے ایک لاکھ روپئے تلک مانگا ہے، زید مذہبی لڑکا ہے، عذابِ جہنم سے ڈرتا ہے، ایسی صورت میں والد کی رضامندی کے بغیر شادی کرنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

اولاً آپ اپنے والد صاحب کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ لڑکی والوں سے تلک لینا کھلی رشوت ہے، جو حرام اور باعثِ عذاب ہے، اگر یہ بات اُن کی سمجھ میں آجائے تو اُن کی رضامندی کا خیال رکھیں؛ مگر وہ اصرار کریں اور تلک لیے بغیر شادی کرانے کے لیے تیار نہ ہوں تو ایسی صورت میں والد کی رضامندی کے بغیر آپ کے لیے دوسری جگہ بغیر تلک لیے شادی کرنا جائز ودرست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۱/۵-۳۴۲، عزیز الفتاویٰ: ۱۵۸)

عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم – في حديث طويل – لا طاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف. (الصحيح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية: ۱۲۵/۲، صحيح البخاري: ۱۰۵۸/۲، رقم: ۷۱۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۴/۱۴۲۲ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی میں بطور مطالبہ یا بلا مطالبہ جہیز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں جہیز مانگنا کیسا ہے؟ اور اگر لڑکی والا خود سے جہیز دے دے تو کیا لڑکا اس کو استعمال کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اور لڑکی والے کا خود دینا کیسا ہے؟

(المستفتی: عبدالمتین، قصبہ بھنگا شراوستی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکے والوں کا شادی میں جہیز مانگنا ناجائز اور حرام ہے، نیز اس طرح بھیک مانگنا گھٹیا پن اور کمینہ پن کی بات ہے، جو جہیز کی وجہ سے کسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فقیر بنا دیتے ہیں۔

أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد الله إلا فقرا. (الحديث)(المعجم الأوسط، دارالفكر: ١٨/٢، رقم: ٢٣٤٢، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت: ٢٥٤/٤)

لڑکی والے اپنی مرضی سے اپنی لڑکی کو جو چاہیں جہیز میں دے سکتے ہیں، جب کہ لڑکے والوں کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہ ہو اور جہیز کے سارے سامان لڑکی کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اس کی اجازت کے بغیر اس کا سامان کسی کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں، لہٰذا لڑکا بھی اسی وقت استعمال کر سکتا ہے، جب لڑکی کی طرف سے صراحتاً، یا دلالۃً اجازت ہو، ہاں البتہ جو چیزیں لڑکی والے اپنی خوشی سے داماد کو استعمال کے لیے مخصوص کر کے دیتے ہیں، اس کے استعمال میں داماد کو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، سائیکل، اسکوٹر وغیرہ۔ (مستفاد: امدادالاحکام: ۳/ ۴۷۱)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (الحديث)(شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت: ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، وهكذا في المشكاة: ٢٥٥/١) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

بغیر مطالبہ جہیز:

سوال: لڑکے کی شادی میں اگر دولہا والوں کے کوئی مطالبات نہ ہوں، وہ سختی سے لین دین کے مخالف ہوں، اس کے باوجود دلہن والے جہیز دیتے ہیں تو کیا اس جہیز کا حاصل کرنا جائز ہے؟

(میر احمد علی جاوید، نا مپلی)

الجواب ــــــــــــــــ

دلہن والوں سے رقم کا مطالبہ رشوت لینے کے حکم میں ہے، رشوت کا لینا تو حرام ہے ہی، ضرورت شدیدہ کے بغیر اس کا دینا بھی حرام ہے، لہٰذا اگر مطالبہ پر لڑکی والے دے رہے ہوں، تب تو قبول کرنا ناجائز ہے، اگر مطالبہ تو

نہیں کیا؛ لیکن چونکہ لین دین کا رواج ہے، اس رواج کے تحت لڑکی والوں نے دیا اور لڑکے والوں نے قبول کیا تو یہ بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ فقہاء کا اصول ہے کہ جو چیز رواج کے تحت دی جاتی ہے، وہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہوتی ہے۔

" **المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً** ".(۱)

ہاں! اگر لڑکے والوں نے صراحتاً لینے سے انکار کر دیا اور لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ ہم لین دین کے مخالف ہیں، لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس کے باوجود لڑکی والے دیں تو اب لینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ صراحتاً انکار کی وجہ سے لڑکے والے اس سے بریٔ الذمہ ہیں، فقہاء کا اصول ہے:

" **لا عبرة بالدلالة في مقابلة التصريح** ".(۲)

تاہم عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شادی کے وقت لینے سے گریز کیا جائے؛ کیوں کہ اس کا مقصد رسم ورواج ہی کی پیروی ہوتی ہے اور یقیناً اس سے اس خراب رسم کو تقویت پہونچتی ہے؛ کیوں کہ مقصود لڑکی والوں کا محض دینا نہیں ہوتا؛ بلکہ رسم ورواج کی پیروی مقصود ہوتی ہے، اگر داماد کو دینا مقصود ہوتا تو اس کے لیے شادی ہی کے موقع کے انتخاب کی ضرورت نہیں تھی، انسان اپنی اولاد کو، بھائی بہن اور ماں باپ کو بھی حسب حیثیت کچھ دیتا رہتا ہے؛ لیکن نہ تو اس کی نمائش کرتا ہے اور نہ کسی تقریب کا اہتمام، لہٰذا اس لین دین میں بہر حال رسم ورواج ہی مدنظر ہوتی ہے، جس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے؛ تاہم اس کے لیے بڑے حوصلہ اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۴۲۵-۴۲۶)

لڑکے کا جہیز لینے سے انکار کرنا:

سوال: مفتی صاحب! جہیز لڑکے کو لینا چاہیے کہ نہیں، جب کہ لڑکی والے اپنی خوشی سے دے رہے ہیں، اگر لڑکا ان کو منع کرے تو کیسا ہے اور دوسرا یہ کہ لڑکا نکاح کے وقت صاحب حیثیت نہ ہو اور جہیز کی لعنت سے بچنا بھی چاہتا ہو، جب کہ لڑکی کا کہنا ہے کہ وہ یہ سامان اپنے لیے لے کر آرہی ہے اور نئے گھر میں اس سامان کی ضرورت ہے تو اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اصل جواب سے پہلے یہ سمجھئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وقتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سامان دینا ثابت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص وقتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دے دے تو شرعاً ممنوع نہ ہوگا۔

البتہ ہمارے معاشرے کے رسم ورواج کے اعتبار سے جہیز صرف وقتی ضرورت کو پورا کرنے کا نہیں؛ بلکہ نام ونمود

---

(۱) القواعد الفقهية لابن قيم الجوزية، ص:۳٦٦، بحوالہ المنثور في القواعد: ۳٦٢/۲، الأشباه والنظائر، ص:۱۵۲

(۲) المنهاج في علم القواعد الفقهية، ص:۲۷)" الصريح لا يحتاج إلى نية ".(القواعد الفقهية، ص:۲۲۷)

اوراسراف کا نام بن گیا ہے، جس کی وجہ سے کتنی ہی عورتوں کی شادی تاخیر سے ہوتی ہے اور کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں، جن کی شادی جہیز نہ ہونے کی بنا پرنہیں ہوتی، لہٰذا ایسے موقع پر مناسب یہ ہے کہ جہیز نہ لیا جائے اور اگر لیا بھی جائے تو صرف وقتی ضروریات تک محدود رکھا جائے۔

لمافي سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللّٰہ عنه قال جهز رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر. (نجم الفتاویٰ: ۲۴۵/۵-۲۴۶)

اِنکار کے باوجود لڑکی والوں کا جہیز دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے جہیز لینے سے اِنکار کر دیا تھا؛ لیکن لڑکی والوں نے ایک ہفتہ پہلے ہی جہیز کا سامان لڑکے کے گھر بھیج دیا تو کیا اِس طرح جہیز لینا زید کے لیے درست ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مطالبہ کے بغیر لڑکی والے اپنی خوشی سے جو سامان دیں، اُس کا لینا مسؤلہ صورت میں زید کے لیے جائز ہے؛ لیکن صراحۃً، یا اشارۃً جہیز کا مطالبہ نہیں ہونا چاہیے۔ (انوار نبوت: ۳۹۰، بہشتی زیور: ۴۰/٦)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنه قال: جاء ت امرأة سعد بن الربیع بابنتیها من سعد إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقالت: یا رسول اللّٰہ! هاتان ابنتا سعد بن الربیع قتل أبوهما معک یوم أحد شهیداً، وإن عمها أخذ مالهما فلم یدع لهما مالا ولا تنکحان إلا ولهما مال، قال: یقضی اللّٰہ فی ذٰلک فنزلت آیة المیراث، فبعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی عمهما فقال: اعط ابنتی سعد الثلثین وأعط أمهما الثمن وما بقی فهو لک. (سنن الترمذی: ۲۹/۲، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۳۵۲/۳)

ولم یدع لهما مالا أی لم یترک عمهما لهما مالا ینفق علیهما أو تجهزان به للزوج، ولا تنکحان أی لا تزوجان عادة أو غالباً أو مع العزة إلا لهما مال. (مرقاة المفاتیح: ۱۷٤/٦، ملتان) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۸/۵ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۸/۸-۴۴۹)

لین دین کے سلسلہ میں والدین کی حکم عدولی:

سوال: میں اپنی ایک رشتہ دار حافظہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور لین دین کے خلاف ہوں، میرے ماں باپ ایک خوب دنیوی تعلیم حاصل کی ہوئی لڑکی سے میرا رشتہ کرنا چاہتے ہیں اور لین دین کے ساتھ، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (م، ع، ص، ناپلی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

لین دین کی جو صورت مروج ہے، یہ قطعاً جائز نہیں، لڑکے کا لڑکی والوں سے مطالبہ کر کے کچھ حاصل کرنا رشوت کے حکم میں ہے، (۱) اس لیے حرام ہے، آپ اپنے والدین کو یہ سمجھائیں کہ وہ ناحق اتنا بڑا گناہ اپنے سر نہ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے انتخاب میں دین داری کو معیار بنانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ اسی میں کامیابی ہے؛ (۲) اس لیے بظاہر حافظہ لڑکی والا رشتہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، شرعاً بالغ لڑکے کو اپنے رشتہ کے لیے انتخاب اور ترجیح کا حق حاصل ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ اپنے والدین اور بزرگوں کی رائے کو بھی ملحوظ رکھے، کیوں کہ وہ اپنے تجربہ کی بنا پر زیادہ صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۳۰)

کیا جہیز کا انتظام کرنا ضروری ہے:

سوال: میں ایک غریب آدمی ہوں، میرے دو بیٹے ہیں ایک کی عمر ۱۶/سال، ایک کی ۱۴/سال ہے۔ میں نے ۱۶/سالہ لڑکے کے لیے شادی کا پیغام حاجی عبدالصمد کی بیٹی کو بھیجا؛ چوں کہ ہمارے ہاں جہیز آسمان سے باتیں کرتا ہے (۱۰/لاکھ، ۲۰/لاکھ مہر ہوتا ہے) اور میں اتنی مقدار سے عاجز ہوں تو حاجی عبدالصمد نے مجھے اپنی بیٹی اس شرط پر دی کہ چلو ٹھیک ہے، مہر معاف ہے، بس صرف ایک ہزار دے دو، البتہ جہیز آپ کے ذمے ہے، آپ ہی نے لڑکی کو جہیز دینا ہے اور حاجی مذکور نے اتنی بڑی لسٹ بنا کر دی کہ تقریباً ۵، ۶/لاکھ تک پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی میرے بس میں نہیں، لہٰذا آپ حضرات فیصلہ کریں کہ جہیز کس کا حق ہے؟ لڑکی کے والدین کا، یا سسر کا (لڑکے کے والد کا) اور اگر بالفرض میرے اوپر ہی لازم آتا ہو تو آپ سے امید ہے کہ کچھ نصیحتانہ کلمات حاجی مذکور کو لکھیں؛ تاکہ ان کا دل نرم ہو جائے اور میرے ساتھ کچھ آسانی کا معاملہ کریں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جہیز کی جو صورت موجودہ دور میں لوگوں میں معروف ہے، یہ لڑکی کے والدین پر لازم نہیں اور نہ شوہر پر لازم ہے۔ حسب توفیق بلا قرض جو ممکن ہو، والد اپنی بچی کو رخصتی کے اعزاز میں دے دے، حقیقتاً جہیز یہ ہے، نیز وہ تمام اشیا جن کی زوجہ کو شوہر کے گھر جانے کے بعد عام طور پر ضرورت پیش آئے گی، شوہر کے ذمہ لازم ہوں گی، مثلاً کھانے پینے کی اشیا، رہنے کا مکان کپڑے حسب موسم اور اسی طرح عام استعمال کی اشیا مثلاً بستر، کھانے پینے کے عام استعمال کے برتن وغیرہ۔ مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے جس کی زیادہ مقدار شوہر کی وسعت کے بقدر مناسب ہے اور اس کی کم از کم

---

(۱) رد المحتار: ۹/۶۰۷، نیز دیکھئے: اسلامی شادی: ص: ۱۳۵

(۲) "عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها و لدينها فاظفر بذات الدين". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۵۰۹۰، باب الأكفاء في الدين)

مقدار دس درہم؛ یعنی 30618 گرام چاندی، یا اس کی قیمت ہے FR 12991۔ اگر اس مقدار سے مہر کم مقرر کیا جائے، تب بھی یہی مقدار واجب ہوگی۔ صورت مسئولہ میں ایک ہزار روپے مہر مقرر کرنا آج کل کے حساب سے 30618 گرام چاندی کی قیمت سیکم ہے، لہٰذا ایک ہزار روپے کے بجائے کم از کم موجودہ دور کے 30618 گرام چاندی کی قیمت کے برابر مہر شوہر پر واجب ہوگا۔

لمافی سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: جهز رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفی اعلاء السنن،أبواب المهر (۷۹/۱۱): عن جابر یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول "لامهر أقل من عشرة دراهم."

وفی الهندیة(۳۲۷/۱):الفصل السادس عشر فی جهاز البنت لوجهز ابنته وسلمه إلیها لیس له فی الاستحسان استرداد منها وعلیه الفتوی ... جهز بنته وزوجها ثم زعم أن الذی دفعه إلیها ماله وکان علی وجه العاریة عندها وقالت:هو ملکی جهزتنی به أوقال الزوج ذلک بعد موتها فالقول قولهما دون الأب.

وفی الدرالمختار(۱۵۸/۳): فرع لو زفت إلیه بلا جهاز یلیق به فله مطالبة الأب بالنقد،قنیة، زاد فی البحر عن المبتغی إلا إذا سکت طویلا فلا خصومة له لکن فی النهر عن البزازیة الصحیح أنه لا یرجع علی الأب بشیء لأن المال فی النکاح غیر مقصود.

وفی الفقه الاسلامی فی مبحث الملزم بالجهاز (۶۸۲۴/۹): ثانی عشر الملزم بالجهاز والاختلاف فیه:الجهازهو أثاث المنزل وفراشه وأدوات بیت الزوجیة، وهناک رأیان للفقهاء فی الملزم بالجهاز:قال المالکیة:الجهاز واجب علی الزوجة بمقدار ما تقبضه من المهر، فإن لم تقبض شیئاً فلا تلزم بشیء إلا إذا اشترط الزوج التجهیز علیها، أو کان العرف یلزمها به ودلیلهم أن العرف جری علی أن الزوجة هی التی تعد بیت الزوجیة وتجهزه بما یحتاج إلیه، وإن الزوج إنما یدفع المهر لهذا الغرض،ویلزمها أن تتجهز بالمهر علی العادة من حضر أو بدو، ولا یلزمها أن تتجهز بأزید منه إلا لشرط أوعرف وخالفهم الحنفیة: فرأوا أن الجهاز واجب علی الزوج،کما یجب علیه النفقة وکسوة المرأ، والمهر المدفوع لیس فی مقابلة الجهاز، وإنما هو عطاء ونحلة کما سماه اللّٰہ فی کتابه، أوهو فی مقابلة حل التمتع بها، فهوحق علی الزوج لزوجته؛لکن إن دفع الزوج مقداراً من المال فی مقابلة الجهاز:فإن کان المال زائداً علی المهر مستقلاً عنه، فتلزم الزوجة بإعداد الجهاز؛لأنه کالهبة بشرط العوض. (نجم الفتاویٰ:۲۳۹/۵، ۲۴۰)

کیا حسبِ استطاعت جہیز دینا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی لڑکی کی شادی

کی اور اس شادی میں اس نے حسب استطاعت بخوشی جہیز دیا تو یہ جہیز جائز ہے کہ ناجائز؟ اور بعض علماء کرام اپنی تقریروں کے اندر اجلاس اور مسجدوں میں آئے دن علی الاعلان کہتے ہیں کہ جہیز کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ہے اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جہیز دیا تھا، وہ جہیز نہیں تھا؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش کی تھی اور آپ مقابلہ میں باپ کے ہوئے؛ اس لیے اگر کوئی باپ اپنی اولاد کو شادی کے موقع پر کچھ دے تو وہ جہیز نہیں ہوتا تو اس کی حقیقت کیا ہے؟

(المستفتی: سرتاج احمد لکھیم پور، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اپنی لڑکی کو اپنی مرضی اور خوشی سے رخصتی میں حسب استطاعت سامان جہیز دینا بلاشبہ جائز ہے، بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اپنی لڑکی کو جہیز میں حسب استطاعت سامان دیا جاتا تھا، حضرت سعد بن الربیع کی شہادت پر ان کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کرلیا تھا، ان کی اہلیہ نے ان کی دولڑکیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر فرمایا کہ یارسول اللہ! سارا مال سعد کے بھائی نے لے لیا اور سعد کی یہ دولڑکیاں ہیں، بغیر مال کے ان کی شادی نہیں ہوسکتی۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: يا رسول اللّٰه! هاتان ابنتا سعد بن الربيع ... ولا تنكحان إلا ولهما مال. (الحديث)(سنن الترمذی، الفرائض، باب ماجاء فی میراث البنات، النسخة الهندية: ۲/ ۳۰،دار السلام، رقم: ۲۰۹۲)

اس سے اتنا ثابت ہوا کہ لڑکی والوں کا اپنی خوشی سے دینا مشروع ہے، مگر جہیز کے دینے میں حسب ذیل امور کی رعایت نہایت ضروری ہے:

(۱) جہیز کے سامان کی نمائش نہ کی جائے۔

(۲) جہیز نہ دینے سے دولہا اور اس کے خاندان کی طرف سے قولاً یا عملاً دباؤ نہ ہو؛ بلکہ جہیز کا سامان لڑکی والوں سے مانگنا اور ان پر دباؤ ڈالنا زبردست ظلم اور کمینگی اور ناجائز ہے، علماء انہیں کمینہ حرکتوں پر نکیر کرتے ہیں اور جہاں تک ہوسکے چھپا کر دیا جائے اور سوال میں باپ بیٹے کی توجیہ جو پیش کی گئی ہے، اس کے بارے میں بندہ کو معلومات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/ ۲/ ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز دینے کی جائز صورت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہیز دینے کی کوئی جائز صورت ہے، یانہیں؟ اگر ہے تو مفصل تحریر فرمائیں۔ (المستفتی: محمد شمیم پرتاب گڑھ)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکی والے اپنی لڑکی کو اپنی مرضی وخوشی سے جو کچھ بھی دینا چاہیں، دے سکتے ہیں، وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتی ہے، اس کا نام چاہے جہیز رکھا جائے، یا کچھ اور رکھا جائے، وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتی ہے، لڑکے والوں کی نہیں، لڑکے والوں کا اس میں نہ دخل دینا جائز ہے اور نہ اس میں دباؤ ڈالنا جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہار کا دینا حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح اگر ماں باپ اپنی بیٹی کو کچھ دینا چاہیں تو ان کے اختیار کی بات ہے، کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں۔

عن عائشة رضي الله عنه قالت: لما بعث أهل مكة في فداء أسرائهم بعثت زينب في فداء أبي العاص بمال، وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها على أبي العاص. (أبوداؤد، الجهاز، باب في فداء الأسير بالمال، النسخة الهندية: ۳٦٧/۲، دارالسلام، رقم: ۲٦۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۷۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز میں کتنا سامان دیا جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی والے جو جہیز دیتے ہیں، وہ جائز ہے، یانہیں؟ جہیز کتنا دینا چاہیے؟ ہم سادگی سے نکاح کرانا چاہتے ہیں، صحیح جواب سے نوازیں۔
(المستفتی: عبدالغفار چودھری، ساکن کھیرا ٹانڈہ، رامپور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جہیز میں ماں باپ اپنی لڑکی کو اپنی خوشی سے بغیر کسی پریشانی اور دباؤ کے جتنا چاہیں اور جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ ہاں البتہ لڑکے والوں کی طرف سے کسی طرح کا اشارہ یا دباؤ وغیرہ پیدا کرنا لڑکے والوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۳٦۳/۸)

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جئنا امرأة من الأنصار في الأسواق (إلى) فوالله لا تنكحان أبدا إلا ولهما مال. (الحديث) (سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية: ۲/ ٤۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱)

أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة

لعزها لم يزده اللّٰه إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد اللّٰه إلا فقرا. (الحديث) (المعجم الأوسط، دارالفكر: ۱۸/۲، رقم: ۲۳٤۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت: ۲٥٤/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۱۶۴/۳۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

جہیز کی مقدار کیا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہیز دینا کیسا ہے؟ اوراس کی مقدار کیا ہے؟ کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جہیز کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ ماں باپ اپنی حیثیت اور گنجائش کے اعتبار سے بخوشی اپنی بیٹی کو جو چاہیں دے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں شہرت اور دکھلاوا نہ ہو، نیز اس میں لڑکے والوں کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ اور خواہش کا اقدام نہ ہو اور جہیز دینے کے بعد بھی لڑکی والدین کی ملکیت میں شرعی وراثت کی حقدار ہوتی ہے، جہیز دینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اب وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہا، یہ جہالت اور لڑکی کو اس کے شرعی حق سے محروم کرنا ہے، جو قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور: ۴۰/۶، انوار نبوت، ص: ۶۹۹-۷۰۰)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من فر من ميراث وارثه قطع اللّٰه ميراثه من الجنة يوم القيامة. (ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية: ۱۹٤/۱، دارالسلام رقم: ۲۷۰۳)

عن سعيد بن زيد رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من أخذ من حق امرء من المسلمين شبرا بغير حق طوقه اللّٰه تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الاوسط، دارالفكر: ۱٦٦/٦-۱٦۷، رقم: ۸۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۵/محرم الحرام ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱۲/۳۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

شادی کے لیے داماد سے رقم طے کر لینا کیسا ہے:

سوال: بعضے آدمی اگر اپنی لڑکی کا کسی سے نکاح کرتے ہیں تو اس سے یعنی داماد سے کچھ روپئے لینے مقرر کر لیتے ہیں اور تاوقتیکہ وہ مبلغان معہودہ ادا نہ کئے جاویں تو نکاح نہیں کرتے تو شرعاً اپنی دختر پر کچھ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

یہ روپیہ لینا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص: ۵۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۴۹)

عورت کا بیٹی کی شادی میں مال خرچ کر کے شوہر سے مطالبہ کرنا:

سوال: زید اور عمر دونوں کا مشترکہ کاروبار ہے، دونوں روزانہ کے حساب سے برابر برابر رقم اس کاروبار سے لیتے ہیں، دریں اثناء زید کی دو بیٹیوں کی شادی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور زید اور عمر کے مشترکہ کاروبار سے زید کی طرف سے چونتیس ہزار (34000) روپے دیئے گئے اور کھانا وغیرہ بھی مشترکہ کاروبار سے پورا کیا گیا؛ لیکن چونتیس ہزار (34000) روپے شادی کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھے؛ اس لیے زید کی بیوی نے اپنے ذاتی پیسوں میں سے ایک لاکھ سے زائد رقم شادی کی ضروریات کے لیے خرچ کی۔

پھر شادی کے بعد روزانہ کے حساب سے جو رقم مشترکہ کاروبار سے آتی تھی، اس میں سے زید کی بیوی نے کچھ رقم بچا کر کمیٹی ڈالی؛ تا کہ اپنی وہ رقم پوری کر لے، جو اس نے شادی میں خرچ کی۔ ایک دو کمیٹی پوری ہونے کے بعد زید کہتا ہے کہ یہ پیسہ جو کمیٹی میں ڈالا جا رہا ہے، یہ میرا حق ہے، لہٰذا کمیٹی پورا ہونے کے بعد کمیٹی کو آگے نہ بڑھاؤ۔ اس پر زید کی بیوی زید سے کہتی ہے: آپ کی بیٹیوں کی شادی پر میں نے رقم خرچ کی؛ اس لیے میں ان کمیٹیوں کے ذریعے سے اپنی رقم پوری کروں گی، اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو میں روزانہ کے خرچ میں سے کچھ پیسے بچا لوں گی، جو آپ لے لیجئے گا؛ لیکن جب تک میرے پیسے پورے نہیں ہو جاتے، اس وقت تک مجھے یہ بچائے ہوئے پیسے کمیٹی میں ڈالنے دیجئے تو کیا اس صورت میں زید کو حق ہے کہ وہ کمیٹی کو ختم کروائے اور یہ کہے کہ یہ پیسے میرا حق ہیں؟ اگر زید کو اس کا اختیار ہے تو کیا زید کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شادی میں خرچ شدہ رقم لوٹائے؛ کیوں کہ شادی میں خرچ کرنا زید کے ذمے لازم تھا، نا کہ اس کی بیوی کے ذمے۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

والدین جو اپنی بیٹی کو جہیز دیتے ہیں وہ ان کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی نے جو اپنی بیٹیوں کے جہیز میں رقم لگائی ہے، اگر اس نے یہ صراحت کی ہو کہ یہ زید پر قرض ہوگا تو پھر اس کو زید سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اور اس کے لیے کمیٹی ڈالنا بھی صحیح ہے اور اگر اس نے قرض کی صراحت نہیں کی ہو تو پھر وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور زید سے اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

لما فی القرآن الكريم (النساء: ۲۹): ﴿لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

وفی مشكاة المصابيح (۲۵۵/۱): وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا تظلموا، ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (رواه البيهقی فی شعب الإيمان)

وفی الهندية (۳۲۸/۱): ولو دفعت الأم فی تجهيزها لبنتها أشياء من أمتعة الأب بحضرته وعلمه وكان ساكتا وزفت إلى الزوج فليس للأب أن يسترد ذلک من بنته وكذا لو أنفقت الأم فی جهازها ما هو معتاد والأب ساكت لا تضمن، هكذا فی القنية.

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة (۲٦/۱): سئل فی امرأة جهزت ابنتها البالغة بجهاز معلوم سلمته لها ثم ادعت أن بعضامنه عارية والعرف فی بلد تهما مشترک کیف الحکم؟

الجواب: حیث کان العرف فی بلدتهما مشترکا فالقول للأم مع یمینها،قال فی الدرالمختار: جهز بنته ثم ادعی أن ما دفعه لها عارية وقالت هو تملیک أو قال الزوج ذلک بعد موتها لیرث منه وقال الأب أو ورثته بعد موته:عارية، فالمعتمد أن القول للزوج ولها اذا کان العرف مستمرا أن الأب یدفع مثله جهازا لا عارية... والأم کالأب فی تجهیزها... سئل فیما اذا زوجا بنتهما البالغة وجهزاها بجهاز سلماه منها فی صحتهما ثم ماتا عنها وعن ورثة غیرها یریدون قسمة الجهاز بینهم مع البنت فهل لیس لهم ذلک؟ الجواب:نعم والمسئلة فی المنح وغیره. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۴۳-۲۴۴)

لڑکی کے ولی کا روپیہ لے کر نکاح کرنا اور اسے مصرف لانا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح میں داماد کے ولی سے اس شرط پر بات چیت کی کہ اگر تم مجھے بیس تیس روپیہ دو تو میں اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے بیٹے سے کردوں گا، ورنہ نہیں۔ یہ روپیہ لے کر اپنے مصرف میں لانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جواب یہ ہے کہ اپنی دختر کے نکاح میں باپ کا داماد کے ولی سے روپیہ لینا اور بدون لینے روپیہ کے نکاح نہ کرنا جیسا کہ مندرجہ سوال ہے اور اس روپیہ کو اپنے مصرف میں لانا درست نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے؛ اس لیے کہ ولی کا یہ لینا رشوت ہے اور رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں،(۱) اور جو رشوت لیتا ہے، وہ مرتشی (رشوت لینا والا) اور رشوت کے قبضہ کرنے سے اس کی ملکیت میں نہیں آجاتا؛ بلکہ راشی (رشوت دینے والا) ہی اس کا مالک رہتا ہے، پس مرتشی پر لازم ہے کہ اس روپیہ کو واپس کو واپس کردے اور راشی اس کو واپس لے لے۔

کما فی الدرالمختار: أخذ أهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج أن یسترده لأنه رشوة.

وذکر فی الشامی (قوله:عند التسلیم) أی بأن أبی أن یسلمها أخوها أونحوه حتی یأخذ شیئا وکذا لو أبی أن یزوجها فللزوج الاسترداد قائماً أوهالکا لأنه رشوة،بزازية. (شامی، ج:۲)(۲)

نیز شامی میں ہے:

الرشوة یجب ردها ولاتملک. (شامی:٤/٤٧١)(۳)

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ:لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالمُرْتَشِيَ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.(سنن الترمذی،باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم،رقم الحدیث:١٣٣٧،انیس)

(۲) ردالمحتار،باب المهر:٣/٢،٥٠،ظفیر

(۳) ردالمحتار، کتاب القضاء،مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدية:٤٢١/٤،ظفیر

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

سئل فی امرأة ابنی إلی أقاربها أن یزوجها إلا أن یدفع لهم الزوج کذا فوعدهم به، هل یلزم، أم لا؟

أجاب: لایلزم ولودفع فله أن یأخذه قائما أوهالکا لأنه رشوة، کمافی البزازیة. (الفتاویٰ الخیریة: ۲۸/۲)

اور طحطاوی میں ہے:

حرام سے ہے وہ مال کہ عقد نکاح کے درمیان ہوکر کچھ مال لیویں۔

اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الراشی والمرتشی. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۴/۸-۳۶۵)

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا:

سوال: بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دینے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب

عقد نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے، یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے؛ تاہم اس سے نکاح متأثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین: ومن السحت ما یأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتیٰ لو کان بطلبه یرجع الختن. (ردالمحتار: ۳۰۱/۵، کتاب الخطر والاباحة، فصل فی البیع)(۲)

(فتاوی حقانیہ: ۳۶۸/۴)

شادی میں روپیہ لینے کی شرط:

سوال: ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ایک لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہے؛ مگر وہاں پر والد صاحب نے اس لیے شادی کرنے سے انکار کر دیا کہ کچھ ان بن ہوگئی، حالاں کہ پہلے وہاں رشتہ کیا تھا۔ دوسری جگہ جہاں لڑکے کو آٹھ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا ہے، بات کرلی، لڑکے نے ان آٹھ ہزار روپوں کو ٹھکرا دیا اور پہلی جگہ اپنی مرضی سے شادی کرلی جب کہ والد صاحب اصرار وضد کی وجہ سے ناراض ہوگئے تو مذکورہ صورت میں لڑکا والد کا نافرمان ہوگا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہوگا تو کیوں؟ تحریر فرمائیں۔

---

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم: ۲۱۱/۱، ظفیر

(۲) قال العلامة الحصکفی: أخذ أهل المرأة شیئًا عند التسلیم فللزوج أن یسترده لانهٗ رشوة. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۳۹۷/۲، مطلب انفق علی معتدة الغیر) ومثلهٗ فی الهندیة: ۳۲۷/۱، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

آٹھ ہزار روپے لڑکے کے لیے شرط قرار دینا غلط ہے، ناجائز ہے، ناجائز کام میں والد کی اطاعت نہیں، اگر لڑکے نے اس غلط روپے سے بچنے کے لئے اپنی شادی خود کر لی تو وہ نافرمان نہیں ہوا۔

"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق". (الحديث) (۱) فقط واللہ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۰۳)

لڑکی سے روپیہ لے کر نکاح کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص نے نکاح تجویز کی بعد کو معلوم ہوا کہ لڑکی چھوٹی ہے، پھر اس لڑکی کے عوض دوسری لڑکی تجویز کی اور لڑکی کے ہمراہ دوسو روپے دیئے، یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؛ یعنی لڑکی بھی دی اور دوسو روپے بھی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر دوسری لڑکی کے اولیا راضی ہیں تو نکاح درست ہے اور دوسو روپے لینا حرام ہیں، یہ رشوت ہے، اس کو واپس کرنا چاہیے اور پہلی لڑکی کے جو اولیا ہیں، ان کو اس کے نکاح کا اختیار ہے، جہاں مرضی ہو، نکاح کریں اور جس سے اس کے نکاح کی تجویز ہوئی تھی اور پھر نکاح نہ ہوا تو اس کو اختیار اس لڑکی پر نہیں ہے اور نہ وہ معاوضہ میں دی جا سکتی ہے، یہ جہالت ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۲۴۱)

لڑکی کا نکاح روپیہ لے کر کرنا کیسا ہے:

سوال: زید اپنی لڑکی کی شادی بکر کے لڑکے سے اس شرط پر کرتا ہے کہ مجھ کو قبل شادی کے تم پانچ سو روپیہ علاوہ دین مہر کے دو؛ تاکہ میں اس روپے سے مہمانوں کی ضیافت کروں، پس اس روپیہ کا لینا اور اس شرط پر نکاح کرنا جائز ہے، یا نہ؟

(۲) زید اپنی لڑکی کا نکاح بعوض ہزار روپے مہر کے اس شرط پر کرنا چاہتا ہے کہ ہزار روپیہ دین مہر میں سے پانسو روپے پہلے معجّل دے دو اور اس روپے کو ہم باراتیوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے میں خرچ کریں گے، اس شرط پر نکاح کرنا اور لینا دینا کیسا ہے؟

---

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی: ۲/۳۲۱، قديمی

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا فَأَوْقَدَ نَارًا وَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا، وَقَالَ آخَرُونَ: إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا: لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَقَالَ لِلْآخَرِينَ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ. (صحيح البخاری، باب ماجاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق، رقم الحديث: ۷۲۵۷، انيس)

(۲) إذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرما فالبيع فاسد، الخ، وكذا إذا كان غير مملوک كالحر. (الهداية، باب البيع الفاسد: ۲/۴۹، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) یہ رشوت ہے اور لینا دینا جائز نہیں ہے،(۱) اور نکاح صحیح ہے۔

(۲) اس صورت میں نکاح صحیح ہے، باقی اگر لڑکی صغیرہ ہے تو ہر چند کہ باپ کو اس کے مہر معجّل کے وصول کرنے کا حق ہے؛ لیکن امور مذکورہ میں صرف کرنا اس کا جائز نہیں ہے اور اسی لیے لینا اس کو درست نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

لأب الصغيره المطالبة بالمهر وللزوج المطالبة تسليمها.(۲)

وفي الشامي: وأدركت وطلبت المهر من الزوج فادعى الزوج أنه دفعه إلى الأب في صغرها وأقر الأب به لايصح إقراره عليها لأنه لايملك القبض في هذه الحالة فلايملك الإقرار به، وتأخذ من الزوج ولا يرجع على الأب لأنه أقر بقبض الأب في وقت له ولاية قبضه، الخ.(۳)

اگر وہ لڑکی بالغہ ہے تو بدون اس کی اجازت کے باپ کو اس کے مہر وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے، جیسا کہ روایت مذکورہ شامی سے ظاہر ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۷/۷-۲۴۸) ☆

---

(۱) أخذ أهل المرأة شيئاً عندالتسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۵۰۳/۳، ظفير

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ۵۰۸/۳، ظفير

(۳) ردالمحتار، باب المهر: ۵۰۸/۲، ظفير

☆ شادی میں لڑکی والوں سے دباؤ ڈال کر پیسہ لینا اور ولیمہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے دس ہزار روپئے لے کر ہندہ سے شادی کی اور اسی رقم سے دعوت ولیمہ کررہا ہے تو کیا اس دعوت میں شرکت جائز ہے، یا نہیں؟ نیز شادی کے موقع پر مسجد مدرسہ میں بھی چندہ دینے کا رواج ہے تو کیا اِس رقم سے مسجد ومدرسہ میں چندہ دیا جاسکتا ہے، اِسی طرح نکاح پڑھانے والے کو اِس رقم میں سے لینا جائز ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

زید نے لڑکی والوں سے جو رقم لی ہے، وہ رشوت اور حرام ہے، اگر خصوصاً اسی رقم سے وہ دعوت کرے تو اس میں شرکت نہ کرنی چاہیے، اِسی طرح وہ رقم مدارس ومساجد کے چندہ اور نکاح خوانی کی اُجرت میں بھی اُس وقت تک نہ لی جائے، جب تک کہ اَصل مالک (لڑکی والے) بخوشی اجازت نہ دے دیں۔

قال تعالىٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال العلامة الآلوسي تحت الآية: "والمراد من الأكل" ما يعم الأخذ والاستيلاء، وعبّر به؛ لأنه أهم الحوائج ... والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض.(روح المعاني: ۶۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألالاتظلموا، ألالا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه.(مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳۵۰۱/۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، شعب الإيمان للبيهقي: ۷۶۹/۲، رقم: ۵۴۹۳) ==

مہر کے علاوہ کچھ رقم نکاح کے لیے شوہر پر ڈالنا:

سوال: ایک منظّم برادری کے کچھ لوگ برادری کے چودھری پر یہ الزام لگا کر دوسری برادری بنا لیتے ہیں کہ اس برادری کے چودھری نے ہماری قومی برادری کے اس شرعی فیصلہ کو کہ ناکح ومنکوحہ کے اولیاء دین مہر کے علاوہ نکاح کے لیے روپیہ وغیر کا لین دی کو روار کھے'' کیوں کہ یہ شرعاً حرام اور سخت مذموم اور مشرکون کی رسم ہے'' منسوخ کر دیا اور ایسے اشخاص سے جو اس لین دین کو روار کھ شرعاً ترک موالات کرنا مشرکوں کی رسم ہے'' منسوخ کر دیا اور ایسے اشخاص سے جو اس لین دین کو روار کھے شرعا تر موالات کرنا چاہیے اور اس الزام سے چودھری کو نہایت رسوا اور بدنام کرتے ہیں، جس سے ایک منظّم برادری کے دو بڑے اور چھوٹے ٹکرے ہو جاتے ہیں اور باہمی تنازع ہو جاتا ہے۔

کچھ مدت کے بعد اس باہمی کشیدگی کو دور کرنے کے لیے اور معاملہ کی حقیقت سے برادری اور غیر برادری کے خواص وعوام کو خبر دار کرنے کے لیے اور اپنے اپنے حقوق کو معلوم کرنے کے لیے علمائے دین کو مدعو کیا جاتا ہے اور فریقین عہد کرتے ہیں کہ علمائے دین کے سامنے ہم یہ معاملہ رکھیں گے، اس پر جو فیصلہ فرما دیں گے، ہم بطیّب خاطر منظور کریں گے، چناں چہ ایسا ہی ہوتا ہے، علماء نے ساری چیزوں پر غور کر کے فیصلہ سنایا کہ جس چودھری پر قدیمی

== وأخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة. (البحرالرائق: ۱۸۷/۳، کوئٹہ، الدر المختار: ۳۰۷/٤، زکریا)

فعلم من هٰذا أن ما يأخذه الزوج من أهل المرأة قبل التزوج، فلهم أن يستردوه بالأولىٰ؛ لأنها رشوة، كما في الهبة. (ردالمحتار، كذا في مجموعة الفتاوىٰ: ۱۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۲/۲۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی سے پہلے لڑکی والوں سے پیسہ لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی کی بات ہوئی، لڑکی والوں نے طے کرتے وقت لڑکے کو، یا اس کے ولی کو کچھ رقم دی تو کیا یہ رقم لینا اور دینا درست ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر اس پیسہ کو لینے کا لڑکی والوں سے مطالبہ کیا جائے اور جبر کیا جائے یا نہ دینے پر رشتہ توڑنے کی دھمکی دی جائے، تو یہ لین دین ہرگز درست نہیں ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ للعلامۃ اللکنوی: ۱۹۱/۲)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا، ألا لايحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، مرقاة المفاتيح: ۳۵۰۱/۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، شعب الإيمان للبيهقي: ۷٦۹/۲، رقم: ۵٤۹۳)

ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (كذا في البحر الرائق: ٤۱/۵، الفتاوىٰ الهندية: ۱٦۷/۲، شامي، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۱۰٦/٦، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۵/۲۴ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

پنچایت کے فیصلہ کی منسوخی اور معاملہ مناکحت میں دین مہر کے علاوہ اور روپیہ کے لین دین کو روا رکھنا اس پر الزام تھا، فریق مخالف نے اس کا کوئی شرعی ثبوت پیش نہیں کیا، لہٰذا وہ الزام سے بالکل بری ہے، جن لوگوں نے اس کو بدنام کیا، وہ اس سے معافی مانگے، جو سزا برادری تجویز کرے، اس کو منظور کرے۔

اس میں اور ذیل کے متعلق احکام شرعیہ مطلوب ہیں:

کیا ناکح اور منکوحہ کے اولیا کو باہم رضامندی سے ان مباح رسوم نکاح کے خرچ کے لیے جس کی ادائیگی پر ناکح کے اولیا مصر ہوں اور منکوحہ کے اولیا اس کی ادائیگی کی بذات خود استطاعت نہ رکھتے ہوں، دین مہر کے علاوہ کچھ روپیہ لینا دینا شرعاً حرام ہے اور ایسا لین دین کرنے والے شرعاً ایسے مجرم ہیں کہ ان سے ترک موالات واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مباح پر اصرار کو کسی کو حق نہیں؛ کیوں کہ اصرار سے وہ ممنوع ہو جاتا ہے، صرح بہ الشامی فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ وغیرہ، (۱) جو روپیہ بعض جگہ لڑکی والے طلب کرتے ہیں اور لڑکے والوں کو مجبوراً دینا پڑتا ہے اور بغیر اس روپیہ کے رخصت نہیں ہوتی تو یہ روپیہ لینا ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ رشوت ہے، اس کی واپسی لازم ہوتی ہے۔

"**أخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم ، فللزوج أن يسترده،الخ**". (الدر المختار: ۶۰۰/۲)(۲)

وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله عنه قال: قال رسول صلی الله عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفسله منه". (رواه البيهقی فی شعب الايمان)(مشكاة،ص: ۲۶۶)(۳)

اگر یہ روپیہ اپنی خوشی سے دے تو بھی ناجائز ہے۔

"**ومن السحت مايؤخذ على كل مباح**". (الدرالمختار)

"**ومن السحت باضم، الخ**". (ردالمحتار: ۳۰۱/۵)(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۷/رجب ۱۳۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۲۹-۱۳۰)

---

(۱) **كل مباح يؤدی إلى زعم الجهال سنية أمر أوجوبه،فهو مكروه**". (العقود الدرية فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية، مسائل شتى من الحظر والإباحة: ۳۶۷/۲، مطبعة الميمنية مصر)

(۲) الدرالمختار، باب المهر، مطلب: انفق على معتده الغير: ۱۵۶/۳،سعيد

(۳) مشكاة المصابيح، كتب البيوع، باب الغصب والعارية ، الفصل الثانی،ص: ۲۵۵،قديمی

"**لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن اخذه ، فليرده عليه**". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۸/۸، رشيدية)

"**ليس لاحد ان يأخذ مال غيره بلا سبب شرعی**". (شرح المجلة، (رقم المادة:۹۷)ص: ۶۲،مكتبه حنيفة كوئٹه)

(۴) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البيع: ۴۲۴/۶،سعيد

وقت نکاح لڑکی کے باپ کو کچھ رقم دینا:

سوال: نکاح ہوجانے پر لڑکے کا ولی لڑکی کے ولی کو دو روپیہ یا تین روپیہ دیتا ہے، جس کو ہمارے اطراف میں بھینٹ کہتے ہیں، یہ بھی رشوت ہی میں داخل ہے، یا اس کا کچھ اور حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ رشوت ہے، اس کا لینا اور دینا درست نہیں:

”أخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فلزوج ان يسترده؛ لأنه رشوة“. (الدرالمختار)أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا، آه“. (ردالمحتار: ۵۰۳/۲)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۷/ربیع الثانی/۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، یوپی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۰/۱۲)

نکاح کرانے میں سفر خرچ لڑکے سے لینا شرعا کیسا ہے:

سوال: صوبہ بہار میں لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی کثرت ہے، لڑکی بالغ ہے؛ لیکن لڑکا ملنا دشوار ہے، ہمارے یہاں سے ایک شخص ایسے آدمیوں کو لے جاتا ہے، جو کافی عمر رسیدہ ہونے پر بھی شادی کی خوشی سے محروم ہیں اور ان کو ادھر سے شادی کرا کر لے آتا ہے، لڑکی والے اتنی خستہ حالت میں ہیں کہ وہ شادی کا خرچہ لڑکے والے سے ہی لے کر کرتے ہیں اور بیچ میں ثالث جو کہ لڑکے والوں کے ساتھ ان کو لے جاتا ہے، وہ اپنا کاروبار چھوڑتا ہے، کم از کم پندرہ یوم وہاں پر رہتا ہے، وہ اپنا خرچہ طے کر لیتا ہے، اس پر بھی روشنی ڈالیں کہ غیر کفو میں بھی نکاح جائز ہے، یا نہیں؟ اور ثالث کا لڑکے والے سے سفر خرچ کے علاوہ جو زید روپے لیتا ہے، وہ اسے لینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سفر خرچ لینا درست ہے، جب کہ اس کے لیے سفر کیا ہو، (۱) غیر کفو میں ولی کی اجازت سے نکاح درست ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۶/۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۰/۱۲-۱۳۱)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۶/۳، سعيد

(۲) وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته كمفت وقاضي ووصي وعامل ومقاتلة قاموا بدفع العدو ومضارب سافر بمال مضاربه“. (الدرالمختار) ”(قوله: ومضارب) فنفقته في مال المضاربة مادام مسافرا لاحتباسه لها“ (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: اللفظ جامد ومشتق: ۵۷۲/۳، سعيد)

(۳) وإنما نحل في الصورة الرابعة، وهي رضا الولي بغير الكفؤ مع علمه بأنه كذلك، آه ... إن الولي لو قال لها: أنا راض بما تفعلين أو زوجي نفسك ممن تختارين ونحوه يكفي، وهو ظاهر الرواية؛ لأنه فوض الأمر إليها، ولأنه من باب الاسقاط“. (ردالمحتار: ۵۷/۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد) ==

نکاح پر مال کا مطالبہ:

سوال: ہمارے یہاں یہ رسم ورواج ہے کہ شادی کے وقت لڑکا، یالڑکے کا ولی لڑکی والے سے کثیر مقدار میں رقم اور مال واسباب وصول کرتا ہے، تب شادی کرتا ہے، اگر طے شدہ رقم ومال واسباب سے کچھ کم ملتا ہے تو شادی لڑکے والا نہیں کرتا۔ اس طرح سے لڑکی والا کافی حیران وپریشان رہتا ہے، اسے کفو ہی نہیں ملتا ہے، اگر ملتا بھی یہ تو لڑکے والے کی مانگ ومطالبہ پورا نہ کرنے کی بنا پر بالغ لڑکی گھر پر پڑی رہتی ہے۔

لڑکی کی شادی کرنے کی واحد صورت کثیر مقدار میں رقم ومال اسباب لڑکے والے کو جہیز کے طور پر دیتا ہے تو ہی سب بتایا جائے کہ لڑکی والے سے کثیر مقدار میں مال واسباب لے کر شادی کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ رضا وخوشنودی سے اگر لڑکی والے نے نقد ومال واسباب لڑکے کو دیا تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر مہر کثیر مقدار میں تجویز ہو تو اس کے موافق جہیز کا مطالبہ بھی درست ہوسکتا ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب کہ نکاح کر دیا گیا ہو اور رخصت کرنے میں پس وپیش ہو، ورنہ محض نکاح کو اتنا روپیہ واسباب دینے پر موقوف کرنا اور شرط لگانا شبہ پیدا کرتا ہے کہ اصل مقصود مال واسباب ہے، نہ کہ عقد نکاح اور عقد نکاح کو اس مال واسباب کی تحصیل کا ذریعہ بنایا جارہا ہے۔ یہ طریقہ تعلیمات اسلام کے خلاف ہے اور بیع کے مشابہ ہو کر مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود قرار دینا ہے۔

”لوزفت إليه بلاجهاز يليق به، فله مطالبة الأب بالنقد، قنية،زاد فی البحر عن المبتغی:إلا إذا سكت طويلا،فلا خصومة له، لكن فی النهرعن البزازية:الصحيح أن لا يرجع علی الأب بشئ؛ لأن المال فی النكاح غير مقصود، تزوجها واعطاها ثلاثة آلاف دينار الدستيمان وهی بنت موسر ولم يعط لها الأب جهازا، افتی الإمام جمال الدين وصاحب المحيط بأن له مطالبة الجهاز من الأب علی قدر العرف والعادة وطلب الدستيمان، قال: وهذا اختيار الائمة“. (الدرالمختار والشامی:۵۰۵/۲)(۱)

جس صورت میں مطالبہ کا حق دیا گیا ہے، اس میں بھی علما کا کلام ہے، جس کو شامی نے صفحہ مذکورہ اور ص:۸۱۸/۲ (۲) میں نقل کیا ہے، نفس نکاح پر کچھ لینا اور شرط لگانا ظاہر ہے کہ رشوت ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۳۲/۱۲-۱۳۴)

== ”لا يشترط مباشرة الولی للعقد، لأن رضاه بالزوج كاف“. (البحرالرائق:۱۹۴/۳، كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء، رشيديه)

”وإذا زوجت نفسها من غير كفؤ ورضی به احد الاولياء لم يكن لهذا الولی ولا لمن مثله أو دون حق الفسخ“. (الفتاویٰ الهندية: ۲۹۳/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس فی الاكفاء، رشيدية)

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی دعوی الاب ان الجهاز عارية:۱۵۸/۳،سعيد

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة،مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز:۵۸۵/۳،سعيد

(۳) ”ومن السحت مايؤخذ علی كل مباح“. (الدرالمختار، كتاب الحظر والالباحة، فصل فی البيع:۴۲۴/۶،سعيد)

لڑکے والوں سے مہر کے علاوہ رقم لینا حرام ہے:

سوال: لڑکی کا نکاح اس شرط سے کرنا کہ لڑکا جو کچھ روپیہ سات سو، یا ہزار دے تو اس قسم کا روپیہ لینا جائز ہے، یا نہیں اور یہ نکاح جائز ہے، یا نہیں؟ روپیہ لینے والا اور دینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں، یا کچھ فرق ہے؟ اور وہ روپیہ خیرات کرنے سے ثواب ملے گا، یا نہیں؟ ایسے لوگوں کو کوئی برا لفظ کہہ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

لڑکی کے ولی کو لڑکے سے کچھ روپیہ علاوہ مہر کے لے کر نکاح کرنا رشوت ہے،(۱) اور رشوت لینا حرام ہے،(۲) اور اس روپے کو جو لڑکے کے ولی نے لڑکے سے لیا ہے، بوجہ رشوت اور حرام ہونے کے کسی کار خیر میں صرف کرنا نہیں چاہیے، اس سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا؛ بلکہ اسی کو واپس کر دینا چاہیے، جس سے لیا ہے۔(۳) جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کو منع کرتے ہوئے زجراً سخت الفاظ مناسب طریقہ سے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۰۹/۵) ☆

---

(۱) أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فلزوج أن يسترده، لأنه رشوة. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ١٥٦/٣، سعيد)

(۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي. (سنن أبی داؤد، باب فی كراهية الرشوة، رقم الحديث: ٣٥٨٠، انيس)

(۳) الرشوة يجب ردها ولا تملك. (رد المحتار، كتاب القضاء: ٣٦٢/٥، سعيد)

(۴) أبو سعيد رضی الله عنه قال: سمعت رسول رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: من ری منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک اضعف الإيمان. (الصحيح المسلم: ٥١/١، قديمی، رقم الحديث: ٤٩)

☆ کیا نکاح میں لین دین بالکل منع ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض حضرات دین دار ہیں اور سادگی کے نام پر پیسے بچانے کی خاطر دین وشریعت کی آڑ لے کر ضروری اخراجات ومستحسن ہدایا سے اجتناب برتتے ہیں اور خرچ کرنے کو بالکلیہ ممنوع وغلط سمجھتے ہیں، اِس کی وضاحت فرمائیں کہ کہاں تک گنجائش ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

خوشی کے موقع پر فریقین کی جانب سے مالی ہدایا اگر بغیر مطالبہ کے لیے اور دیئے جائیں تو قدرتی طور پر یہ ہدایا طرفین میں محبت کے اضافہ کا سبب بنتے ہیں، جو خاص طور پر نکاح کے مقاصد میں سے ہے، اس بنا پر خیر القرون سے نکاح کی تقریبات میں لین دین کا تسلسل جاری ہے، بریں بنا سادگی کے نام پر پرخلوص اور بے غرض ہدایا قبول نہ کرنے کا التزام مستحسن نہیں۔

عن عطاء الخراسانی أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: تصافحوا يذهب الغل، وتهادوا تحابوا، وتذهب الشحناء. (مشكاة المصابيح: ٤٠٣، مؤطا لإمام مالک: ٣٦٥)

لعن رسول الله صلی الله عليه وسلم الراشي والمرتشي، ومن الرشوة ما أخذه ولی المرأة قبل==

شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کے دوسری جگہ نکاح کرنے پر سسرال والوں کا رقم لینا جائز نہیں:

سوال (۱) ہمارے شیخاوانی، ریاست جے پور قرب وجوار کے قصبات میں یہ رواج ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند انتقال کر جائے تو وہ عورت بذات خود، یا ورثائے عورت اس کا نکاح ثانی کرنا چاہتے ہیں تو عورت کے سسرال والے بلا حصول رقم کثیر؛ یعنی چار پانچ ہزار روپے کے نکاح نہیں ہونے دیتے۔اس روپے لینے کی رسم کو ہمارے یہاں پچھوپہ کہتے ہیں، لہٰذا عرض ہے کہ بعد انتقال زوج کے سسرال والوں کا تعلق شرعی رہتا ہے، یا نہیں؟ اور بطور پچھوپہ کے بعد النکاح اتنی رقم عورت کے سسرال والوں کا وصول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) عموماً ہمارے یہاں خصوصاً قوم بیوپاری میں مہر ڈھائی روپے سے لے کر تیس روپے تک باندھا جاتا ہے؛ مگر اب بعض لوگ خواہ مخواہ پریشان کرنے کے لیے چار پانچ سو روپے تک؛ بلکہ ہزار روپے تک مہر باندھتے ہیں، جو بوجہ عدم ادائیگی بوقت مرگ زوج ورثائے متوفی عورت سے معاف کرانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، بے چاری عورت جو کہ غمزدہ ہوتی ہے لوگوں کے کہنے سننے سے معاف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، لہٰذا اتنا مہر مقرر کرنا جس کی معافی کی خواہش عورت سے کی جائے، کہاں تک جائز ہے، حالاں کہ لڑکی کے خاندان میں کسی کا بھی مہر اتنا مقرر نہیں کیا گیا؟

(۳) ایک یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والا سو دوسو چار سو روپے پاس رکھتا ہو، یا نہیں؛ مگر لڑکی والا نوشہ کے ورثا سے ص معہ ۵۷ نکاح کے وقت علاوہ مہر کے وصول کرتا ہے اور اس وصول رقم کو ہمارے یہاں ''لیک'' کہتے ہیں، چوں کہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ خاندان میں جتنی لڑکیاں دس بیس ہوتی ہیں، ان کی شادی ایک دم کر دیتے ہیں، لہٰذا اتنی ہی براتیں بھی آتی ہیں، آدمی بھی کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں، خرچ زیادہ ہوتا ہے، بدیں وجہ مہاجن سے سامان خورد ونوش وغیرہ قرض لے لیا جاتا ہے اور لیک کا روپیہ جب وصول ہو جائے تو مہاجن کو روپیہ ادا کر دیا جاتا ہے، اسراف بیجا کی وجہ سے بعض دفعہ لڑکی والا سو دو سو روپے کا مقروض ہو جاتا ہے۔

بیوہ سے سسرال والوں کا دوسری شادی کے بعد زیور لینا جائز نہیں:

(۴) جب نکاح ثانی عورت کا کیا جاتا ہے تو عورت کے سسرال والے پچھوپہ بھی لیتے ہیں اور جو زیور عورت کے والدین نے لڑکی کو شادی کے موقع پر دیا تھا وہ بھی لے لیتے ہیں، سسرال والوں کو یہ زیور لے لینا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۸۵۹، مستری محمد احمد صاحب ممبئی، ۲۲/محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۳۶ء)

== النكاح إذا كان بالسوال، أو كان إعطاء الزوج بناءً على عدم رضائه على تقدير عدمه، أما إذا كان بلا سوال ولا عن عدم رضائه فيكون هدية فيجوز. (مجموعة الفتاوى: ٢/ ٢٣٠ بحوالہ: محمودیہ: ۱۱/ ۱۸۷، ڈابھیل)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص مكروها. (مجموعة رسائل اللكهنوى: ٣/ ٣٤، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۲۰۳، ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۱/ ۱۴۳۳ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/ ۴۵۱-۴۵۲)

الجواب

(۱) شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے گھر والوں کا متوفی کی بیوی پر کوئی حق اس قسم کا نہیں رہتا کہ وہ اس پر کوئی رقم وصول کریں، یہ رسم جس کا سوال میں ذکر ہے، جاہلانہ رسم اور ظلم ہے،(۱) اس کو بند کرنے کی سعی کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔(۲)

(۲) مہر میں محض نام ونمود کے لیے بڑی رقم مقرر کرنا ناجائز ہے۔(۳) ہاں اگر شوہر میں اتنی رقم ادا کرنے کی وسعت ہو اور وہ ادا کرنے کے ارادے سے بڑا مہر باندھے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن معاف کرانے کے لیے بندھوانا اور باندھنا اصول اسلام کے خلاف ہے۔

(۳) یہ رسم بھی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اس قدر انتظام کرنا کہ طاقت سے زیادہ ہو اور قرض کا بوجھ سر پر ہو جائے، یہ بھی قبیح ہے۔

(۴) سسرال والوں کو عورت کا زیور لینے کا کوئی حق نہیں، یہ بھی صریح ظلم ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۱/۵)

---

(۱) يـٰأيها الذين اٰمنو لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرهًا.(سورة النساء: ۱۹) وفي البخارى: حدثنا محمد بن مقاتل ... عن ابن عباس "يـٰأيها الذين آمنوا لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرهاً... قال: كانوا إذا مات الرجل كان أوليائه أحق بامرأته ان شاؤوا بعضهم تزوجها وإن شاووا لم يزوجوها فهم أحق بها من اهلها فنزلت هذه الآية في ذلك.(صحيح البخارى،كتاب التفسير: ۶۵۸/۲، قديمى)

(۲) أبو سعيد رضى الله عنه قال:سمعت رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:من راى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح المسلم،۵۱/۲، قديمى)

(۳) عن أبى سعيد قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يرائى يراى الله به ومن يستمع يستمع الله به.(جامع الترمذى، باب ما جاء في الرياء والسمعة: ۶۳/۲، سعيد)

عن عمر بن الخطاب أنه خرج يوما إلى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد معاذ بن جبل قاعداً عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم يبكى، فقال:ما يبكيك؟ قال:يبكنى شئ سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد معاذ بن جبل قاعداً عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم يقول:إن يسيرا الرياء شرك.(سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب من ترجى له السلامة من الفتن، ص:۲۹۶)

(۴) حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كُنْتُ آخِذًا بِزِمَامِ نَاقَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، أَذُودُ عَنْهُ النَّاسَ، فَقَالَ:يَا أَيُّهَا النَّاسُ، هَلْ تَدْرُونَ فِي أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وَفِي أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِي أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ قَالُوا: فِي يَوْمٍ حَرَامٍ، وَشَهْرٍ حَرَامٍ، وَبَلَدٍ حَرَامٍ، قَالَ:فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ، ثُمَّ قَالَ: اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ، وَمَالٍ وَمَأْثَرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي هَذِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ يُوضَعُ دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ==

لڑکی والے رقم لیے بغیر لڑکی نہیں دیتے، کیا مجبوراً ان کو رقم دینا صحیح ہے:

سوال: ایک شخص کی زوجہ فوت ہوگئی اور اس شخص کا عین شباب کا زمانہ ہے، بلا عقد ثانی عمر کا کٹنا نہایت دشوار ہے؛ بلکہ سخت خطرہ ہے کہ شدت جوش شباب کے مقتضا کی وجہ سے زنا کا عادی ہوجائے اور علاوہ گناہ کبیرہ کے خاندانی اعزاز کو بھی برباد کردے اور عبادات ضروریہ کا بھی ترک ہوجائے۔

دوسرے پہلو میں صورتحال یہ ہے کہ شخص مذکور کی قوم میں ایک نہایت قبیح رواج کے مطابق دوسو، یا تین سوروپے کی رقم نہ دی جائے تو شادی ہو ہی نہیں سکتی اور دوج بر کی شادی تو بلا رقم کثیرہ ہوتی ہی نہیں اور فقہی مسائل پر نظر ڈالنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وارثان لڑکی اس زر کثیر کو بلا کسی استحقاق شرعی کے لیتے ہیں اور یہ معصیت ہے اور رقم کا دینے والا معین فی المعصیت ہے۔ اس صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ شخص مذکور کے بلا عورت رہنے سے متعدد کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا ظن غالب ہی نہیں؛ بلکہ تجربہ سے یقین حاصل ہوتا ہے اور رقم دے کے شادی کر لینا یہ اعانت فی المعصیت ایک ہی گناہ ہے تو کیا شریعت ایسے مجبور کو رقم خرچ کر کے شادی کر لینے کی اجازت دے سکتی ہے، جیسا کہ امر ناحق سے رشوت دے کر بعض احوال میں نقصان سے بچے رہنے کی اجازت پائی جاتی ہے۔ فقط

(المستفتی: ۲۴۴۶، مولوی عبداللہ صاحب (گڑگاؤں) ۷ رذی الحجہ ۱۳۵۷ھ، مطابق ۲۹ رجنوری ۱۹۳۹ء)

الجواب

(از مولوی حبیب المرسلین، نائب مفتی)

شریعت میں علاج غلبہ شہوت کا روزوں کے رکھنے کا ہے، عدم استطاعت کی صورت میں شرعاً اس کی اجازت ہم کو

== بن عبد المطلب، كان مسترضعا في بني ليث فقتلته هذيل، ألا وإن كل ربا كان في الجاهلية موضوع، وإن الله قضى أن أول ربا يوضع، ربا العباس بن عبد المطلب، لكم رءوس أموالكم، لا تظلمون، ولا تظلمون، ألا وإن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض، ثم قرأ: ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السماوات والأرض منها أربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم﴾، ألا لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض، ألا إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون، ولكن في التحريش بينكم، فاتقوا الله في النساء، فإنهن عندكم عوان، لا يملكن لأنفسهن شيئا، وإن لهن عليكم، ولكم عليهن حقا: أن لا يوطئن فرشكم أحدا غيركم، ولا يأذن في بيوتكم لأحد تكرهونه، فإن خفتم نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضربا غير مبرح، قال حميد: قلت للحسن: ما المبرح؟ قال: المؤثر، ولهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وإنما أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله ألا ومن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى من ائتمنه عليها، وبسط يديه، فقال: ألا هل بلغت؟ ألا هل بلغت؟ ألا هل بلغت؟ ثم قال: ليبلغ الشاهد الغائب، فإنه رب مبلغ أسعد من سامع، قال حميد: قال الحسن حين بلغ هذه الكلمة: قد والله بلغوا، أقواما كانوا أسعد به. (مسند الإمام أحمد: ۵/۱۱۳، بيروت، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵، انيس

نہیں معلوم کہ نکاح کی وجہ سے حرام وناجائز کے ارتکاب کی رخصت ہوتی ہے۔فقط واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ، نائب مفتی مدرسہ امینیہ، دہلی

(ازحضرت مفتی اعظم نوراللہ مرقدہ)

اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں ظن غالب ہو کہ گناہ سرزد ہوجائے گا تو عورت کے ولی کو یہ رقم (جس کو فقہا نے رشوت قرار دیا ہے) دے کر نکاح کر لینا مباح ہے،(۱) البتہ اگر روزے سے غلبہ شہوت کو تسکین ہو جائے، یا صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس اعانت علی المعصیت اور رشوت دینے سے بچے۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۴/۵)

جوڑے کی رقم:

سوال: آج کل شادیوں میں جو جوڑے کی رقم لی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ (عثمان علی، گنگارم وقارآباد)

الجواب

یہ ناجائز اور حرام ہے، پہلے زمانہ میں داماد کے بجائے سسر خود اپنے داماد سے رقم لیا کرتا تھا، فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ مال حرام (سحت) میں داخل ہے اور مطالبہ کر کے لیا گیا تو واپس کرنا واجب ہے۔

"ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به". (۳)

یہ حکم تو فقہا نے سسر کے داماد سے لینے کا لکھا ہے، داماد کا لڑکی والوں سے لینا اس سے بھی زیادہ بری بات اور لائق شرم ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے ساری مالی ذمہ داریاں لڑکے پر رکھی ہیں، نہ کہ لڑکی پر اور اسی لیے شوہر کا درجہ بیوی سے بلند رکھا گیا ہے، اگر شوہر نے بیوی اور اس کے گھر والے کے سامنے ہاتھ پھیلایا تو اس نے دین بھی کھویا، اپنا مقام بھی کھویا اور اپنی عزت بھی کھوئی؛ اس لیے یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۲۸/۴-۴۲۹)

جوڑے کی رقم لینے والے کے ولیمہ میں شریک ہونا:

سوال: ہمارے محلّہ میں لڑکے والے لڑکی والوں سے باضابطہ جوڑے کی رقم طلب کر کے لیتے ہیں، ایسی صورت میں لڑکے والوں کی دعوت، یعنی ولیمہ کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ (محمد اشرف الدین، بھولکپور)

---

(۱) إذا دفع الرشوة خوفًا على نفسه أو ماله حرام على الأخذ غير حرام على الدافع. (البحر الرائق، كتاب القضاء: ٢٨٥/٦، بيروت

(۲) عن عبد الله بن مسعود قال: قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب من استطاع منكم البائة فليزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له رجاء. (الصحيح المسلم، كتاب النكاح: ٤٤٩/١، قديمى)

(۳) رد المحتار: ٦٠٧/٩

الجواب ______________________

ایسا مطالبہ کرنے والے لوگ ظالم بھی ہیں اور غاصب بھی، لہذا جو لوگ رقمی مطالبہ سے واقف ہوں، ان کے لیے مجلس نکاح اور ولیمہ میں شرکت مکروہ تحریمی ہے اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، (۱) اگر سماج میں تمام لوگ طے کرلیں کہ وہ ایسی شادیوں میں شریک نہیں ہوں گے تو اس سے اس غیر شرعی رسم کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۹)

نکاح میں دلہن، یا دولہا کا جوڑا:

سوال: شادی میں دلہا کی طرف سے دولہا والا دلہن کا کپڑا اور دلہن کی ماں کا کپڑا لے جاتا ہے اور دلہن کی طرف سے دلہن کا کپڑا دیتا ہے، جو کپڑا قبل نکاح کے زیب تن کرلیا جاتا ہے تو کیا یہی طریقہ مسنونہ ہے، یا بدعت سیئہ؟

الجواب ______________________ حامداً و مصلیاً

دولہا والوں کی طرف سے دولہن کو کپڑے وغیرہ کچھ دینا، یا دلہن والوں کی طرف سے دولہا کو کچھ دینا فی نفسہ مباح اور جائز ہے، اس میں کوئی بات ناجائز نہیں؛ لیکن درحقیقت یہ شہرت اور ریاکاری کے لیے دیا جاتا ہے کہ اگر نہیں دیں گے تو برادری والے لعن طعن کریں گے۔ نیز اس کو ایسا لازم سمجھا جاتا ہے کہ اگر وسعت نہ ہو تو بھی قرض لے کر اور بسا اوقات سودی قرض لے کر دیا جاتا ہے تو جس شئی کو شریعت نے ضروری قرار نہ دیا ہو، اس کو اتنا ضروری قرار دینا اور اس کے لیے قرض دینا اور اس کے لیے قرض لینا، یا سود دینا ہرگز جائز نہیں۔ (۲)

پس عوارض مذکورہ کی بنا پر اس سے اجتناب لازم ہے اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں، وہاں کوئی مضائقہ نہیں، تاریخ الخمیس، ص: ۲۶۴، میں اس کا ذکر ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم جمادی الأولی ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۲۱۹)

---

(۱) ”دعي إلى الوليمة وثمة لعب أو غنا، قعد و أكل لو المنكر في المنزل، فلو على المائدة، لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضا لقوله تعالیٰ: ﴿ فلا تقعد بعد الذكر ى مع القوم الظالمين ﴾“(قوله: لا ينبغي أن يعقد)أی يجب عليه“. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۹/ ۵۰۱)

(۲) قال العلامة الشاطبی فی الاعتصام :”فصل:إذا ثبت هذا الدخول فی عمل علی نية الالتزام له إن كا ن فی المعتاد بحيث إذا دوام عليه أورث مللا، ينبغی إن هذا الالتزام مكروه ابتداء ،إذ هو مؤد إلی أمور جميعها منهی عنه: أحدهما : أن اللّٰه تعالیٰ ورسوله أهدی فی هذا الدين التسهيل والتيسير ، وهذا الملتزم يشبه من لم يقبل هديته ،وذلک يضاهی ردها علی مهديها،وهو غير لائق بالمملوک مع سيده ، فكيف يليق بالعبد مع ربه، والثانی : خوف التقصير أو العجز عن القيام بما هو أولی وآكد فی الشرع ... والواجب أن يعطی كل ذی حق حقه ، وإذا التزام الإنسان أمراً من الأمور المندوبة أو أمرين أو ثلاثة ، فقد يصده ذلک عن القيام بغيرها، أو عن كماله علی وجهه، فيكون ملوما“.(باب فی أحكام البدع الحقيقة والإضافية بينهما: ۱/ ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹،دار المعرفة بيروت لبنان)

(۳) ”روی ابن شهاب الزهری،أنه قيل لخويلد بن أسد: هذا ابن أخيک محمد بن عبد اللّٰه بن عبدالمطلب ==

شادی میں تالا، قینچی، سروطہ دینا:

سوال: جہیز میں تالا قینچی، سروطہ دینے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان اشیا کا دینا نہ منحوس ہے،(۱) نہ لازم ہے، حسب ضرورت دینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۴/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۹/۱۱)

نوشہ کو سونے کی انگوٹھی:

سوال (الف) نوشہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوا ہے اور اسی حال میں اس کا نکاح ہو رہا ہے، تو کیا یہ نکاح درست ہوگا؟

(ب) نیز شادی میں اکثر لوگ دولہے کو سونے کی انگوٹھی پیش کرتے ہیں، کیا مرد کو سونے کی انگوٹھی دینا جائز ہے؟

(محمد عبدالرشید، منڈی میر عالم)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر سونا حرام قرار دیا ہے؛(۲) اس لیے مردوں کو سونا پہننا قطعاً جائز نہیں اور نکاح جیسی مبارک سنت کے قائم کئے جانے کے موقع پر ایسے فعل حرام کا ارتکاب ظاہر ہے کہ گناہ بالائے گناہ ہے؛ لیکن نکاح کے منعقد ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اسے سونا پہننے کا گناہ تو ضرور ہوگا؛ لیکن نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(ب) البتہ اگر کوئی جہیز اپنی اصل کے لحاظ سے حلال ہو؛ لیکن مردوں کے لیے اس کا استعمال حرام ہو تو اس کا تحفہ دینا اور اس تحفہ کو قبول کرنا جائز ہے۔

== يخطب خديجة وقد رضيت،فدعاه ،فسأله عن ذلک فخطب إليه فأنكحه فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة،ودخل رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم بها،فلما صحا الشيخ من سكرته، قال: ما هذا الخلوق وماهذه الحلة ؟ قالت ابنته أخت خديجة : هذه حلة كساكها أبن أخيک محمد بن عبد الله ...فقالت خديجة لأبيها:إن محمد بن عبد اللّٰه بخطبنى فزوجها إياه فخلقته وألبسته حلة " ... وكذلک كانوا يصنعون إذا زوجوا نسائهم، خرجهما الدولابى".(تاريخ الخميس،بحث:تزوجه عليه السلام الخديجة: ۲٦٤/۱ ،مؤ سسة شعبان،بيروت)

(۱) "سئل نفع الله بعلومه:السوال عن النحس والسعد وعن الأيام والليالى التى تصلح لنحو السفر والانتقال ما يكون جوابه؟فأجاب رضى الله تعالىٰ عنه:من يسال عن النحس ومابعده،لا يجاب إلا بالإعراض عنه، وتسفيه ما فلعه، ويبين له قبحه ،وأن ذلک من سنة اليهود، لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم وبارئهم، الذين لا يحسبون وعلى ربهم يتوكلون،وما ينقل من الأيام المنطوقة ونحوها عن على كرم الله تعالىٰ وجهه باطل كذب، لاأصل له ، فليحذر من ذلک،والله تعالىٰ أعلم.(الفتاوىٰ الحديثية ، مطلب فى الجواب عن الأيام والليالى وسعيدها، ونحيسها،ص: ٤۲،٤۱ ،قديمى)

(۲) صحيح البخاري،رقم الحديث: ٥٨٦٤

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا مردوں کے لیے حرام قرار دیا ہے؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی ایک کپڑا تحفہ میں عنایت فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ص کو تامل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحفہ دینے کا یہ مقصد نہیں کہ تم خود اسے پہنو، تم اسے اپنے کسی مشرک رشتہ دار کو ہدیہ کر سکتے ہو۔(۱)

تو مرد کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھی کا تحفہ قبول کر کے کسی عورت کو ہدیہ کر دے، یا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے، خود پہننا جائز نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۴۲۷-۴۲۸)

بری کا سامان کس کی ملکیت ہے:

سوال: مفتی صاحب! میری شادی ۲۶/۱۲/۲۰۰۸ء کو محمد اکرم نامی شخص سے ہوئی تھی۔ اس شخص نے میرا تمام جہیز اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے اور استعمال کر رہے ہیں۔ نہ مجھے کوئی خرچہ دے رہے ہیں اور نہ مجھے رکھنے کے لیے تیار ہیں، میں بہت پریشان ہوں، وہ مجھے چھوڑنے کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں اور سامان بھی نہیں دینا چاہتے ہیں، لہٰذا مہربانی فرما کر مجھے جواب دیں کہ میرا حق خرچہ کا بنتا ہے کہ نہیں اور جیسا کہ وہ مجھے اگر فارغ کر دیں تو جو مجھے میری والدہ نے جہیز دیا تھا، وہ میرا حق بنتا ہے کہ نہیں؟ اور جو مجھے میرے میاں کی طرف سے بری کی صورت میں کپڑے اور ۲/تولہ سونے کے زیورات چڑھائے تھے، وہ ان کو لینے کا حق رکھتا ہے، یا نہیں؟ تقریباً آٹھ ماہ سے میں اپنی والدہ کے ساتھ رہ رہی ہوں۔

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ واجب ہے، نیز جو جہیز اور ساز وسامان عورت اپنے والدین کی طرف سے لائی ہے، اس کی مالک عورت ہوتی ہے اور جو زیور وساز وسامان لڑکے والوں کی طرف سے عورت کو (بَری کی صورت میں) شادی بیاہ کے موقع پر دیا جاتا ہے، اس میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں لڑکی کی ملکیت شمار کیا جاتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو اپنے جہیز اور بری کے زیور وساز وسامان کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے؛ کیوں کہ یہ سب آپ کی ملکیت ہے، خواہ شوہر طلاق دے، یا نہ دے۔

لمافي الشامية (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلک ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلک تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا.

وفيه أيضاً (۱۵۷/۳): ورأيت في حاشية الأشباه للسيد محمد أبي السعود من حاشية الغزى قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه

(۱) صحيح لمسلم،رقم الحديث:۵۴۰۲

الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب وأما إذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق به حق الورثة وهو الصحيح اه ولعل وجهه أن البعض الذى يدعيه الأب بعينه عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق ورثتها بل يكون كله للأب والله تعالى أعلم (نجم الفتاویٰ:۲۵۳/۵)

نکاح میں ہدیہ کا لین دین:

سوال: نکاح کی بات چیت کے وقت جانبین نے کسی قسم کے لین دین کی کوئی شرط نہیں کی؛ مگر عقد کے وقت من جانب لڑکی، اگر دولہا کو کچھ بھی دے دے تو یہ شرعا حلال ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر وہاں شرط نہ کی جائے اور اس لین دین کا دستور بھی نہ ہو، اپنے ذہن میں یہ نہ سمجھتے ہوں کہ کچھ دیا جائے گا، یا کچھ لیا جائے گا، پھر کوئی تازہ رشتہ کی بنیاد پر خوشی میں لڑکے کی طرف سے، یا لڑکی کی طرف سے دے دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ان کے چچا کو کرتا مرحمت فرمایا تھا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۳۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۱/۱۲-۱۳۲)

دولہا کی طرف سے دلہن کے لیے تحفہ کا التزام:

سوال: شادی میں لڑکے والا کچھ توشہ لے کر لڑکی کے یہاں جاتا ہے۔ یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) وعن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألالاتظلموا، الا لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". (رواه البيهقي في شعب الايمان) (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، ص: ٢٥٥، قديمى)

"لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لا عبا ولا جادا، وإن اخذه فليرده عليه". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ١٩٨/٨، رشيديه)

"ليس الاحد ان يأخذ مال غيره بلا سبب سبب شرعى" (شرح المجلة، (رقم المادة: ٩٧) ص: ٦٢، مكتبة حنفية كانسى روڈ کوئٹه)

(۲) روى ابن شهاب الزهرى أنه قيل لخويلد بن اسد بن عبدالعزى، وهو ثمل من لكمر: هذا ابن أخيك محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب يخطب خديجة وقد رضيت ... فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بها، فلما صحا الشيخ من سكرته، قال ماهذه الخلوق وماهذه الحلة؟ قالت ابنته اخت خديجة: هذه حله كساكها ابن خيك محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب انكحته خديجة ... عن ابن عباس قال ... فزوجها إياه فخلقته والبسته حلة، وكذلك كانوا يصنعون إذا زوجوا نساء هم". (تاريخ الخميس فى أحوال أنفس النفيس، بحث: تزوجه عليه السلام خديجة: ٢٦٤/١، مؤسسة شعبان، بيروت)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تطییب قلب وتجابب کے لیے اِہداء، تہادی مستحب ہے،(١) التزام مالا یلزم لازم الترک ہے۔(٢) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٣٩١/١٢/٢٤ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٢٠٩/١١) ☆

(١) "عن عطاء الخراسانی أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "تصافحوا یذهب الغل، وتهادوا تحابوا، وتذهب الشحناء". (مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثالث: ٤٠٣/٢، قدیمی)

(٢) "فکم من مباح یصیر بالإلتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروها". (مجموعة رسائل اللکهنوی، سباحة الفکر فی الجهر بالذکر: ٣٤/٣، إدارة القرآن کراتشی/ومرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب فی الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ٩٤٦): ٣١/٣، رشیدیه)

☆ **شادی کے موقعے پر دیئے جانے والے تحائف کا حکم:**

سوال: مفتی صاحب! کیا شادی بیاہ کے موقع پر، یا اسی طرح جب لڑکے اور لڑکی کی بات پکی ہوتی ہے، اس وقت جانبین سے جو تحفہ تحائف دیئے جاتے ہیں، کیا یہ بدعت میں داخل ہوں گے، یا نہیں؟ اور کیا یہ ایسے رسم ورواج ہیں، جن کے کرنے میں شریعت کی اجازت ہے، یا نہیں؟ یعنی اگر کوئی شرعی حکم سمجھے بغیر کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، یا نہیں؛ کیوں کہ ہمارے ماموں کے لڑکے کی شادی ہو رہی ہے، لڑکے والے لڑکی کے لیے سوٹ لے کر گئے تھے اور دیگر تحائف بھی ساتھ تھے، پھر لڑکے والوں نے ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا؛ بلکہ لڑکی والوں نے خود کہا کہ ہم بھی لڑکے کا جوڑا لانا چاہتے ہیں تو لڑکے کی والدہ نے کہا ٹھیک ہے آپ کی مرضی ہے۔ کچھ دنوں بعد لڑکی کی والدہ کا فون آیا اور کہنے لگیں کہ یہ سب تو بدعات اور رسم ورواج ہیں ہمیں تو ان سے بچنا چاہیے، لہٰذا ہم ابھی سوٹ نہیں دیں گے؛ بلکہ جب شادی کا وقت آئے گا اس وقت دیں گے۔ ابھی دینے میں ایک طرح سے مقابلہ بازی ہو جائے گی، ماموں کے گھر والوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا؛ لیکن انہوں نے میرے ذریعہ سے آپ حضرات سے اس کے متعلق فتویٰ مانگا ہے؛ کیوں کہ لڑکا خود بھی عالم ہے، لہٰذا مفتی صاحب مدلل انداز میں جواب دیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی بیاہ کے موقع پر جانبین سے جو تحفہ تحائف دیئے جاتے ہیں، اگر ان تحفہ تحائف کو شرعی حکم سمجھے بغیر دیا جائے اور مقصد ان تحفہ تحائف کے دینے سے ریاکاری اور نام ونمود بھی نہ ہو، اسی طرح ان تحفہ تحائف کے دینے کا اس قدر التزام بھی نہ ہو کہ ان کے نہ دینے والے پر ملامت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا شمار بدعت میں بھی نہیں ہوگا۔

لمافی فتح الملهم (٤٤٧/٥): تحقیق معنی البدعة وتحدیده، وهو بحث لطیف وتحصل للعبد الضعیف عفا اللّٰہ عنه من کلمات شیوخنا وإفاداتهم: أن الأصل فی البدعة الشرعیة انما هو قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد، والمراد بالأمر: الدین، کما مر، فلا یطلق الا علی الأمور المحدثة فی الدین، لا علی کل أمر محدث، وبهذایخرج أمثال التوسع فی المطاعم والمراکب وغیرهامن الأمورالمباحة بل بعض الرسوم، التی یفعل فاعلوها لاعلی وجه التقرب والاحتساب أیضا عن حد البدعة الشرعیة، وان کانت داخلة فی حد البدعة اللغویة، فان هذه الأفعال لایباشرهامن باشرها ظانا وناویا أنها من الدین، فلیست من الاحداث فی الدین فی شیئ، وکذا قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما لیس منه، یدل علی أن الأمور التی لها أصل من الکتاب أو من سنته صلی الله علیه وسلم أو من سنة الخلفاء الراشدین المهدیین أو تعامل عامة السلف رضی اللّٰہ عنهم أو الاجتهاد المعتبر بشروطه المستند الی النصوص لا تسمی محدثة ولابدعة شرعیة فان هذه الأصول کلها فی الدین تنصیصا أو تعلیلا کما تقرر فی محله. ==

شادی کے موقع پر انعامات:

سوال: شادی جب ہوتی ہے تو لوگوں کو خوشی ہوتی ہے، عموماً ایسے وقت میں بہنیں اور نانی وغیرہ کچھ مطالبات کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارا حق دو حق کا مطلب یہ ہے کہ خوشی ہونے پر ہمیں خوش کرو، جیسے کہ مٹھائی وغیرہ کا لوگ مطالبہ کرتے ہیں، نانی وغیرہ کے لیے تو یہ ہوتا ہے کہ انکا ماو جب طے ہوتا ہے کہ شادی والا شادی وغیرہ کے موقع پر ان کو اتنا ملے گا تو ایسی صورت میں ان کے مطالبات کے مطابق دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ مطالبات شرعی مطالبات نہیں، البتہ خدمت گار امید وار رہتے ہیں اور دعا گو بھی ہوتے ہیں، ان کو نا امید نہ کیا جائے؛ تاکہ وہ شکر گزار رہیں اور آئندہ خدمت مستعدی سے کریں کہ ''مزدور خوش دل کند کار بیش احباب'' کا تقاضہ بھی بر بنائے تعلق و محبت ہوتا ہے، اگر جبر و اکراہ (۱) اور التزام مالا یلزم نہ ہو اور مطالبہ پورا کر دیا جائے تو گنجائش ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۲/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۰/۱۱)

نکاح سے قبل داماد، یا بہنوئی کو رقم ہدیہ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح سے پہلے بننے والے داماد، یا بہنوئی کو اِعلانیہ، یا پوشیدہ طور پر کچھ رقم ہدیہ کے نام سے دینا جائز ہے، یا ناجائز یا اسراف؟

== وفی الشامیة (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلک ما یبعثه إلیه قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وکذا ما یعطیها من ذلک أو من دراهم أودنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبحة فإن کل ذلک تعورف فی زماننا کونه هدیة لا من المهر ولا سیما المسمی صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثیابا ونحوها صبیحة العرس أیضاً.

وفیه أیضاً(۱۵۳/۳): قوله (لأن الظاهر یکذبه) قال فی الفتح والذی یجب اعتباره فی دیارنا أن جمیع ما ذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیها یکون القول فیها قول المرأة لأن المتعارف فی ذلک کله أن یرسله هدیة والظاهر معها لا معه. (نجم الفتاویٰ: ۲۵۲/۵)

(۱) ''عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امری إلا بطیب نفس منه''. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعادیة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)/مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث عم أبی حرة الرقاشی، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۵، مسند أبی یعلی الموصلی، رقم الحدیث: ۱۵۷۰، انیس)

(۲) ''فکم من مباح یصیر بالإلتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروها''. (مجموعة وسائل اللکهنوی، سباحة الفکر فی الجهر بالذکر: ۳۴/۳، إدارة القرآن کراتشی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر داماد یا بہنوئی کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہو اور نہ لڑکی والوں پر کسی قسم کا دباؤ ہو تو ایسی صورت میں تعلقات اور محبت کی غرض سے بہنوئی، یا داماد کو کوئی چیز بطور ہدیہ دینا درست ہے؛ لیکن لڑکے کی طرف سے لڑکی والوں سے تحائف، یا رقومات کا مطالبہ کسی طرح جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ نہایت گھٹیا حرکت ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا تحابوا. (السنن الكبرى للبيهقي، باب التحريض على الهبة والهدية: ۲۸۰/۶، رقم: ۱۱۹۴۶، دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۲۷ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۸) ☆

شادی میں تحفۃً دیئے گئے سونے کا حکم:

سوال: میری بیٹی کی تین سال قبل شادی ہوئی تھی اب طلاق ہوگئی ہے۔ یہ بتائیں کہ عورت کو لڑکے والوں کی طرف سے دیا ہوا زیور واپس ہوگا، یا نہیں؟ علاوہ ازیں جو زیورات اُن کے عزیزوں نے تحفے میں دیئے ہیں، وہ بھی واپس ہوں گے، یا نہیں؟ برائے مہربانی شرعی لحاظ سے اس کا جواب دے کر مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

☆ رشتہ کے وقت لڑکے لڑکی والوں کا آپس میں ہدایا دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی بیاہ کے رشتوں میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ جب دولہے والے بات چیت پکی کرنے کے لیے دولہن کو خوشی اور پسندیدگی کا ہار پہناتے، یا میٹھی چیز کھلاتے ہیں تو ایسے موقع پر دولہا خود اپنی طرف سے کوئی چیز تحفہ دولہن کے لیے بھیجتا ہے، جس کو فریقین دولہن دولہا کے رشتہ داروں میں کوئی برا عمل تصور نہیں کیا جاتا تو آیا رشتہ کی محض بات چیت پکی ہونے پر دولہے کا دولہن کے لیے جو ابھی نامحرم ہے، کوئی چیز تحفہ میں دینا درست ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

رشتہ کے وقت لڑکے والوں اور لڑکی والوں کا آپس میں ہدایا اور تحائف دینا ممنوع نہیں ہے۔

عن عطاء الخراساني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تصافحوا يذهب الغل وتهادوا تحابوا تذهب الشحناء. (مؤطا الإمام مالك: ۳٦٥، مشكاة المصابيح: ۴۰۳)

روى ابن شهاب الزهري أنه قيل لخويلد بن أسد بن عبد العزى، وهو ثمل من الخمر: هٰذا ابن أخيك محمد بن عبد الله بن عبد المطلب يخطب خديجة وقد رضيت... فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بها، فلما صحا الشيخ من سكرته، قال: ما هٰذه الخلوق وما هٰذه الحلة؟ قالت ابنته أخت خديجة: هٰذه حله كساها ابن أخيك محمد بن عبد الله بن عبد المطلب أنكحته خديجة ... عن ابن عباس قال: ...فزوجها إياه فخلقته وألبسته حلةً، وكذٰلك كانوا يصنعون إذا زوّجوا نساء هم. (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، بحث: تزوجه عليه السلام خديجة: ۲٤٦/۱، مؤسسة شعبان بيروت)

مستفاد: خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۳، كراتشي)

اور نامحرم کو تحفہ دینا جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۶/۸-۴۳۷)

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عورت کومہر میں ملنے والا سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ وغیرہ عورت کا حق ہے، اسی طرح عورت کو شادی ودیگر مواقع پر لڑکے والوں اور مختلف رشتہ داروں کی طرف سے جو چیزیں ملتی ہیں، وہ بطور تحفہ کے ہوتی ہیں اور شرعاً وہ عورت کا حق ہیں؛ اس لیے کسی کے لیے ان کی واپسی کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت کو جو سونا وغیرہ ملا ہے، وہ عورت کا حق ہے اور لڑکے والوں، یا دوسرے رشتہ داروں کو ان کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

لمافي الشامية (۱۵۳/۳): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلک كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ولا يكون القول قوله إلا في نحو الثياب والجارية،آه ... قال في النهر: وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضاً في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف اه قلت ومن ذلک ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلک تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضاً. (نجم الفتاویٰ: ۲۵۳/۵)

عورت کی منہ دکھائی کس کی ملکیت ہے:

سوال: مفتی صاحب! میں اپنی زوجہ کو چند روز پہلے تین طلاق دے چکا ہوں اور میں نے اپنی زوجہ سے متعلق جتنا ان کا جہیز کا سامان تھا وہ سب کا سب ان کو واپس کر دیا ہے۔ منہ دکھائی میں جتنی سونے کی اشیا آئی تھیں، وہ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ اب آپ سے سوال یہ معلوم کرنا ہے کہ جو منہ دکھائی میں سونے، یا چاندی کی اشیا وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں، وہ کس کا حق ہے، شوہر کا، یا بیوی کا؟ ازراہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو زیور بطور سونا، چاندی کے دیا جاتا ہے، اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیئے جاتے ہیں، وہ عورت کے لیے بطور ہدیہ کے ہوتے ہیں، ان کو واپس لینا جائز نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جو آپ نے منہ دکھائی کے طور پر اپنی بیوی کو سونے اور چاندی کی اشیا دی تھیں تو وہ آپ کی طرف سے ہدیہ تھا، لہٰذا ان کا واپس لینا آپ کے لیے جائز نہیں۔

لمافي صحيح البخاري (۳۵۷/۱): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ليس لنا مثل السوء، الذي يعود في هبته كالكلب يرجع في قيئه.

وفي الشامية (۱۵۳/۳): ومن ذلک ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو

ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا. الخ.

وفيه أيضاً (٦٩٦/٥): قوله (وكذا زفاف البنت) أى على هذا التفصيل بأن كان من أقرباء من الزوج أو المرأة أو قال المهدى أهديت للزوج أو المرأة كما في التاتارخانية وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله وإن قيميا فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه، فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا، آه. (نجم الفتاویٰ:۵/۲۵۳-۲۵۴)

نکاح کے وقت بطور سلامی اور ہبۃً دی ہوئی چیز کا حکم:

سوال: عورت کو نکاح کے وقت سہیلیوں اور دوسرے رشتے داروں کی طرف سے بطور سلامی، یا بطور بخشش زیور، یا سامان وغیرہ جو ملا ہو، یا عورت نے اپنی رقم سے خریدا ہو، اس کا مالک کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت کو جو کچھ اس کی سہیلیوں اور بھائی بہنوں اور رشتے داروں کی طرف سے سلامی، یا ہبہ کے طور پر ملا ہو، اس کی مالک عورت ہے، اسی طرح جو چیزیں اپنے پیسوں سے خرد ی ہوں اس کی مالک بھی عورت ہی ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ:۸/۲۳۸)

شادی کے تحائف کا مالک کون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر جو زیورات، قیمتی تحائف کا لین دین، زوجین میں اور بسا اوقات اعزا اقربا کی طرف سے ہوتا ہے، اس کا مالک کون ہے؟ اگر عاریت کی وضاحت نہ ہو تو کیا یہ تملیک ہے؟ یا عاریت ہی راجح ہے؟ اِس خلجان کو دور کرنے کے لیے بہتر شرعی طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے لڑکی کو جو دیا جاتا ہے، خواہ وہ سامان کی شکل میں ہو، یا ملبوسات

---

(۱) قلت من ذلك ما يبعثه اليها قبل الزفاف في الا عيادو المواسم من نحوثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك او من دراهم او د نا نير صبحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فان ذلك تعورف في زماننا كو نه هدية. (شامي، باب المهر، مطلب فيما مرسله الى الزوجة: ۱/۲ ۵۰)

وزیورات کی شکل میں ہو، وہ سب لڑکی ہی کی ملک ہے، آج کل سب جگہ یہی عرف ہے، البتہ لڑکے والوں کی طرف سے اس موقع پر جو زیورات وملبوسات دئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں خاندانی عرف ورواج کو دیکھا جائے گا، بعض خاندانوں میں یہ دینا ملکیت کے طور پر ہوتا ہے اور بعض خاندانوں میں اسے عاریت کے طور پر دیا جاتا ہے، چناں چہ شوہر جب چاہتا ہے، واپس لے لیتا ہے اور طلاق، یا تفریق کے موقع پر اس کی واپسی کا مطالبہ ہوتا ہے، لہٰذا خاندانی عرف ورواج کی تحقیق کے بعد ہی اس کے بارے میں ملکیت، یا عاریت کا حکم لگایا جائے گا اور دیگر اہل خاندان کی طرف سے شادی کے موقع پر جو تحفے دئے جائیں گے، ان کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ چیز لڑکی کے استعمال کی ہے تو لڑکی اس کی مالک ہے اور لڑکے کی استعمال کی ہے تو لڑکا مالک ہے اور اگر مشترک استعمال کی ہے مثلاً برتن وغیرہ تو اگر یہ چیزیں لڑکی والوں کے توسط سے آئی ہیں تو یہ سب لڑکی کی ملک ہیں اور اگر لڑکے والوں نے فراہم کی ہیں تو لڑکے کی ملک ہیں۔

جهز ابنته ثم ادعیٰ أن ما دفعه لها عارية، وقالت: هو تمليك، فالمعتمد أن القول للزوج، ولها إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازاً لا عارية. (الدر المختار)

قلت: ومقتضاه أن المراد من استمرار العرف هنا غلبته، ومن الاشتراك كثرة كل منهما إذ لا نظر إلى النادر؛ ولأن حمل الإستمرار على كل واحد من أفراد الناس فى تلك البلدة لا يمكن، ويلزم عليه إحالة المسألة إذ لا شك فى صدور العارية من بعض الأفراد، والعادة الناشية الغالبة فى أشراف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجهاز تمليكاً، سوى ما يكون على الزوجة ليلة الزفاف من الحلى والثياب؛ فإن الكثير منه أوالأكثر عارية.

قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد: المختار للفتویٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عاريةً؛ لأنه الظاهر الغالب إلا فى بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب، وأما إذا جرت فى البعض يكون الجهاز تركة يتعلق بها حق الورثة وهو الصحيح، ولعل وجهه أن البعض الذييدعيه الأب بعينهٖ عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق ورثتها بل يكون كله للأب. (شامی: ۳۰۶/٤-۳۰۹، زکریا)

والفتویٰ أنه إن كان العرف مستمراً أن الأب يدفع الجهاز ملكاً لا عاريةً. (الأشباه والنظائر: ۱۵۷)

وكذا مسألة دعوى الأب عدم تمليكه البنت الجهاز فقد بنوها على العرف مع أن القاعدة أن القول للملك فى التمليك. (شرح عقود رسم المفتی: ۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۸/۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۷/۸-۴۴۸)

تقریب کے موقع پر فریقین کی طرف سے دیئے گئے تحائف کی واپسی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جو تحائف لڑکے کو اور لڑکے

والوں کے رشتہ داروں کو دئے گئے تھے، ان کا کیا ہونا ہے؟ جو تحائف لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو دئے تھے، ان کا کیا ہونا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

تقریبات کے موقع پر فریقین کے رشتہ داروں کو آپس میں جو تحائف دئے جاتے ہیں، عموماً ان کی واپسی کی نیت نہیں ہوتی اور نہ اُن کی واپسی کا عرف ہے، لہٰذا اُن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

عن أبي منصور قال: قال إبراهيم: إذا وهبت المرأة لزوجها، أو وهب الرجل لامرأته فالهبة جائزة، وليس لواحد منهما أن يرجع في هبته. (شرح معاني الآثار، باب الرجوع في الهبة: ۳۵۵/۳، رقم: ۵۷۰۳)

وإذا وهب أحد الزوجين ليس له حق الرجوع. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۴۴۹/۱۴، زکریا)

ولو رفعت في تجهيزها لابنتها أشياء من أمتعة الأب بحضرته وعلمه، وكان ساكتا وزفت إلى الزوج، فليس للأب أن يسترد ذٰلك من ابنته لجريان العرف به، وكذا لو أنفقت الأم في جهازها ما هو معتاد، والأب ساكت لاتضمن الأم. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المهر، مطلب في دعوىٰ الأب أن الجهاز عارية: ۳۰۹/۴ـ۳۱۰، زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۲/۷ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

سامان جہیز کی ملکیت:

سوال: زید نے اپنی لڑکی کے ساتھ اسباب جہیز بھی شوہر کے مکان بھیج دیا، کچھ عرصہ بعد لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اب زید کہتا ہے کہ میں نے وہ سامان عاریتاً دیا تھا۔ شوہر کہتا ہے کہ تو نے ہبہ کیا تھا۔ اب کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اگر زید شریف خاندان سے ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو پھر معتبر ہوگا، بشرطیکہ شوہر ہبہ کو ثابت نہ کرسکے۔ عالمگیریہ میں ہے:

رَجُلٌ جَهَّزَ بِنْتَه بِمَالِهِ وَوَجَّهَ الِابْنَةَ مَعَ الْجِهَازِ إِلَى زَوْجِهَا فَمَاتَتْ الِابْنَةُ فَادَّعَى الْأَبُ أَنَّهُ كَانَ عَارِيَّةً وَزَوْجُهَا يَدَّعِي الْمِلْكَ اخْتَلَفُوا فِيهِ، قَالَ بَعْضُهُمْ: الْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ وَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْأَبِ وَبِهِ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالٰى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْقَوْلُ قَوْلُ الْأَبِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الدَّافِعُ وَالْمُمَلِّكُ، قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْجَوَابُ عَلَى التَّفْصِيلِ إِنْ كَانَ الْأَبُ مِنَ الْكِرَامِ وَالْأَشْرَافِ لَا يُقْبَلُ قَوْلُ الْأَبِ؛ لِأَنَّ مِثْلَهُ يَأْنَفُ عَنِ الْإِعَارَةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَوْسَاطِ النَّاسِ يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ الْأَبِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الدَّافِعُ وَلَيْسَ بِمُكَذَّبٍ فِيمَا قَالَ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرُ، كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ. ،إنتهىٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۴۳ـ۲۴۴)

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴۰۲/۴، دار الفكر بيروت، انيس

جہیز لڑکی کا ہوتا ہے، یا لڑکے کا:

سوال: محمد خلیل نے اپنی زوجہ رحمت کو طلاق بائن دے دی، بوقت عقد زوجہ کے والد نے اپنی لڑکی رحمت کو جہیز میں برتن وغیرہ دیئے تھے، وہ کس کی ملک ہیں؟

الجواب

وہ اشیا وسامان جہیز کا رحمت کی ملک ہے، محمد خلیل کا اس میں کچھ حق نہیں ہے۔(۱) (پس معلوم ہوا کہ جہیز لڑکی کا حق ہوتا ہے، لڑکے کا نہیں۔ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۷/۸)

جہیز لڑکی کا ہوتا ہے، یا لڑکے کے باپ کا:

سوال: زید نے اپنے پسر کی شادی بکر کی دختر سے کی اور جو برتن بکر نے جہیز میں دیئے، اس کو زید نے اپنے سابق برتنوں میں رکھ لیے، بعد چند روز کے زید نے اپنی دختر کی شادی کی اور بکر کے سامنے اس کی دختر کے جہیز کے برتنوں میں سے اپنی لڑکی کو دیئے بکر نے منع نہیں کیا، آیا بکر یا دختر بکر زید سے ان برتنوں کو واپس لے سکتی ہے، یا نہیں؟ اسی بنا پر بکر دختر کو اس کے شوہر کے یہاں نہیں بھیجتا؛ کیوں کہ نکاح فسخ کرانا چاہتا ہے؟

الجواب

جو ظروف وغیرہ بکر نے اپنی دختر کے جہیز میں دیئے تھے، وہ دختر کی ملک ہوگئے ہیں، بکر کو ان میں کچھ حق واپس لینے کا نہیں ہے، البتہ دختر بکر زید سے ان ظروف کو لے سکتی ہے،(۲) اور بکر کو روکنا اپنی دختر کو اس کو شوہر کے گھر بھیجنے سے درست نہیں ہے اور بدون طلاق دینے شوہر کے نکاح سابق فسخ نہیں ہوسکتا ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۷/۸)

سامان جہیز لڑکی کی ملک ہے:

سوال: ایک شخص اپنی لڑکی کو جو بیمار تھی، گھر لے گیا اور مسماۃ کے شوہر سے حیلہ حوالہ کر کے مسماۃ کا زیور جو دونوں طرف سے چڑھایا گیا تھا، واپس لے گیا اور رکھ لیا، یہ عورت مرگئی، بعد انتقال وہ زیورات پدر مسماۃ سے طلب کئے گئے، بعد حیلہ حوالہ جواب یہ دیا کہ زیورات کو صرفہ تیمارداری اور نان نفقہ میں رکھا گیا ہے۔دریافت طلب امر ہے کہ یہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ زیورات کس کی ملک ہیں؟

---

(۱) جهز ابنته بجهازهم وسلمها ذلک، لیس له الاسترداد منها ولالورثته بعده إن سلمها ذلک فی صحته) بل تختص به (وبه یفتی) وکذا لو اشتراه لها فی صغرها،ولوالجیة.(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار،باب المهر: ۵۰۳/۲،ظفیر)

(۲) فلاخلاف فی کون الجهاز للبنت لما فی الولوالجیة:جهز ابنته ثم مات، فطلب بقیة الورثة القسمة فإن کان الأب اشتری لها فی صغرها أو فی کبرها وسلملها فی صحته فهو لها خاصةآه.(ردالمحتار،باب المهر: ۵۰٤/۲،ظفیر)

الجواب

جو زیورات شوہر کے گھر سے لڑکی کو دیئے جائیں، وہ ہمارے عرف اور رواج کے اعتبار سے شوہر کی ملک ہیں اور جو لڑکی کے میکہ کی جانب سے دیئے گئے ہیں، وہ لڑکی کی ملک ہیں، بعد وفات لڑکی کے اس کے ورثہ میں حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم ہوں گے، والد مسماۃ کو اپنے حصہ سے زائد رکھنے کا حق نہیں اور دوا وغیرہ کا خرچہ کسی حال خاوند کے ذمہ واجب نہیں، خواہ بیوی اس کے گھر میں ہو، یا اپنے میکہ میں؛ اس لیے صرفہ تیمارداری میں زیورات رکھنے کا کوئی حق پدر مسماۃ کو نہیں۔

لما فی الشامية من النفقة (٦٦٣/٢): (قوله: كما لا يلزمه مداواتها) أی إتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة، الخ. (۱) (امداد المفتین: ۴۶۸/۲-۴۶۹) ☆

جہیز کس کی ملک ہوتا ہے:

سوال: زید کے باپ و دادا نے زید کی بہن ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا، کچھ عرصہ کے بعد بارات بلاکر بوقت رخصت بکر کو کچھ روپیہ نقد اور کچھ برتن وغیرہ دے دیا، اس کے بعد جب ہندہ بکر کے یہاں رہنے لگی تو برتن وغیرہ استعمال میں رکھا، عرصہ تقریباً دس سال ہوا کہ ہندہ بکر کے یہاں رہتی رہی، اس درمیان میں ہندہ کے تین بچے پیدا ہوگئے، دو لڑکی ایک لڑکا، جس میں ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اب زید بکر ہندہ میں نااتفاقی ہوگئی، بکر نے ہندہ اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مہر ادا کردیا اور جو زیور ہندہ کے لیے موجود تھا، وہ بھی دے دیا۔ اب زید کہتا ہے کہ جو نقد اور برتن میرے دادا اور والد نے دیا تھا، وہ ہندہ کو ملنا چاہیے، حالاں کہ زید کے باپ دادا عرصہ ہوا قضا کر گئے اور برتن وغیرہ بھی ہندہ کے استعمال سے ٹوٹ پھوٹ گئے، روپیہ سامان ضرورت مہیا کرنے میں خرچ ہوگیا اور اسی لئے ملا تھا، بطور امانت نہیں ملا تھا اور ہمارے یہاں بھی رواج ہے کہ مہر اور زیورات دے کر جدا کردے، کوئی چیز واپس ملتی اور بکر کہتا ہے کہ سب چیزیں مجھ کو تملیکاً ملی تھیں، واپس کرنے کی ضرورت نہیں اور استدلال کرتا ہے، شامی: ۳۶۷/۳ کی عبارت:

---

(۱) ردالمحتار، مطلب لا يجب علی نفقة زوجة ابنه: ۵۷۵/۳، دارالفکر بیروت، انیس

☆ **والدین لڑکی کو جو جہیز دیتے ہیں، اس کا مالک کون ہے:**

سوال: لڑکی کو اس کے ماں باپ جہیز میں زیور، کپڑے، سامان وغیرہ دیتے ہیں، لڑکی کے انتقال پر یہ اشیاء کس کو ملیں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ مسئلہ عرف کے تابع ہے ہمارے یہاں کا عرف یہ ہے کہ وہ لڑکی کو ہبۃً دیا جاتا ہے لہٰذا لڑکی کے انتقال کے بعد اس کے ورثا کو ملے گا۔ شامی میں ہے:

قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتویٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عاريةً لأنه الظاهر الغالب إلا فی بلدة جرت العادة بدفع الكل عاريةً فالقول للأب. (شامی: ۵۰۴/۱، باب المهر مطلب فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۳۷/۸-۲۳۸)

"**والمعتمد البناء علی العرف**" (۱) سے اور زید کہتا ہے کہ تمام چیزیں ہندہ کی ملک ہیں اور دلیل میں یہ بھی شامی کی: ۳۶۸/۲ کی عبارت کی پیش کرتا ہے:

"**إن الجهاز للمراة، إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها**". (۲)

ان میں کس کا قول درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(محمد یسین، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر روپیہ وغیرہ دیتے وقت زید کے باپ دادا نے تصریح کردی تھی کہ یہ ملک نہیں؛ بلکہ عاریت ہے اور پھر واپس لےلوں گا، تب تو یقیناً بکر اس کا مالک نہیں، نہ ہندہ مالک ہے؛ بلکہ وہ دینے والے کی ملک ہے، اس کے مرجانے کے بعد باقاعدہ اس میں میراث جاری ہوگی اور اگر دیتے وقت ملک کی تصریح کردی تھی تو جس کی ملک کی تصریح کی تھی، بکر کی یا ہندہ کی تو اس کی ملک ہے، کسی اور کو مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اگر کسی چیز کی تصریح نہیں کی تو پھر عرف پر مدار ہے، بعض علما کی رائے ہے کہ اگر عورت کا باپ اشراف میں سے ہے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے جہیز تملیکاً نہیں دیا؛ بلکہ عاریۃً دیا ہے، شرعاً معتبر نہیں۔

"**واستحسن فی النهر تبعاً القاضی خان أن الاب إن كان من الأشراف لم يقبل قوله: إنه عارية، آه**". (الدر المختار) (۳)

"**رجل جهر ابنته بماله فوجه بنته مع الجهاز إلی زوجها، فماتت الإبنة، فادعیٰ الأب أنه كان عارية (والزوج يدعی الملک) اختلفوا فيه، فقال بعضهم: القول قول الأب؛ لأنه هو الدفع أو المملک ... وينبغي أن يكون الجواب علی التفصيل: إن كان الأب من الكرام والأشراف، لايقبل قول الأب؛ لأن مثله يأنف عن الاعارة، وإن كان من أوساط الناس، يكون القول قول الأب؛ لأنه هو الدافع، وليس بمكذب فيما قال من حيث الظاهر، كذا في فتاویٰ قاضی خان، آه**". (عالمگیری) (۴)

شامی کی عبارت: "**إن الجهاز للمراة، إذا طلقها تأخذه كلها، آه**". (۵) درحقیقت اس امر کے لیے ہے کہ جب باپ نے اپنی لڑکی کو بلا جہیز رخصت کردیا تو زوج کو اس کے باپ سے شرعاً مطالبہ کا حق حاصل ہے؛ لیکن "بزازیہ" میں تصریح کی ہے کہ باپ سے مطالبہ کا حق حاصل نہیں؛ کیوں کہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا، دیکھو اگر

(۱) ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۷/۳، سعيد

(۲) ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی دعویٰ الأدب أن الجهار عارية: ۱۵۸/۳، سعيد

(۳) الدر المختار، باب المهر، مطلب فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۷/۳، سعيد

(۴) الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ۴۰۲/۴، رشيديه

(۵) الدر المختار، باب المهر، مطلب فی دعویٰ الاب ان الجهاز عارية: ۱۵۸/۳، سعيد

شوہر طلاق دے تو عورت کل جہیز لے لیتی ہے، شوہر کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا اور شوہر مہر کی زیادتی، یا نفس نکاح جہیز کی وجہ سے کرتا ہی نہیں، پھر اس کو جہیز کے مطالبہ کا حق کیوں کر حاصل ہے، (۱) اس میں اس کی بحث ہی نہیں کہ وہ جہیز باپ کی ملک ہوتا ہے، یا عورت کی ملک اور صورت مسئولہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ روپیہ وغیر بطور جہیز نہ دیا ہو؛ بلکہ زید کے باپ دادا نے بکر ہی کو دیا ہو اور اس صورت میں اقرب واظہر یہ ہے کہ تملیکا ہی دیا ہوگا، نیز روپیہ میں عاریت کہنا تو بہت دشوار ہے، البتہ قرض ہوسکتا ہے؛ مگر موقوف ہے ثبوت پر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۵/شوال/۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۱۵-۱۱۷)

جہیز وغیرہ کا مالک کون ہے:

سوال: ہندہ زید کے نکاح میں ہے؛ لیکن زید نے دوسرا نکاح کرلیا اور ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا، اس صورت میں جو کچھ دین مہر، یا زیور جو ہندہ کے باپ نے دیا ہے، یا دولہا کی جانب سے زیور قبل نکاح، یا بعد نکاح ملا تھا اور جہیز ملا تھا، یا شوہر کی طرف سے کپڑے کا جوڑا ملا تھا، اس کی مستحق از روئے شریعت ہندہ کہاں تک ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ کو جو زیور اور جہیز اپنے گھر سے ملا تھا، وہ اور دین مہر، اسی طرح چڑھاوا جو خاوند کی طرف سے نکاح کے وقت دیا جاتا ہے، بہر حال ہندہ کا حق ہے، ان چیزوں کو روکنے اور نہ دینے کا زید کو کوئی حق نہیں؛ (۲) لیکن اگر ان چیزوں کا زید نے ہندہ کو مالک نہیں بنایا؛ بلکہ صرف استعمال کے لیے دی ہیں تو ان چیزوں کا مالک خود زید ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۰۹)

---

(۱) وقال الإمام المرغيناني: الصحيح أنه لا يرجع على أب المرأة بشيء؛ لأن المال في النكاح غير مقصود". (الفتاویٰ الهندية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيدية)

(۲) لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى ... وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته شيئاً عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: ۱/۳۲۷، ماجدية)

(۳) ولو بعث إلى امرته شيئاً ولم يذكر جهته عند الدفع ... فقالت هو أي المبعوث هدية وقال هو من المهر أو من الكسوة أو عارية فالقول له بيمينه. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۱۵۱، سعيد)

☆ جہیز کے سامان کی ملکیت کا حکم:

سوال: لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں، یہ سامان کس کی ملکیت ہے؟ لڑکی کی، یا شوہر کی؟

الجواب

یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس نے لڑکے کو دیا ہو تو اس کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کا دیا ہو تو اس کی ملکیت ہے۔ چوں کہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں؛ اس لیے عدم نیت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا متصور ہوگا۔ ==

میکے اور سسرال کی طرف سے لڑکی کو دیا گیا سامان کس کی ملکیت ہے:

سوال: میری بھتیجی جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، وہ اپنے گھر واپس آ گئی ہے اور طلاق کے وقت میری بھتیجی جو کپڑے اور زیور پہنے ہوئی تھی، اس کے ساتھ آئی، اور وہ تمام جہیز کا سامان جو لڑکی کے والدین نے شادی پر اس کو دیا تھا اور وہ تمام سامان جو کہ اس کے سابقہ شوہر نے اور اس کے والدین نے (یعنی سابقہ شوہر کے) شادی پر دیا تھا، یہ سب سامان سابقہ شوہر کے پاس ہے، طلاق مؤرخہ ۶/۸/۷۸ء کو دی گئی تھی، بہر حال جو سامان سابقہ شوہر اور سابقہ شوہر کے والدین نے شادی کے موقع پر دیا تھا وہ کس کی ملکیت ہے؟

== قال في الهندية: لو جهز ابنته وسلمه اليها ليس لهٗ في الاستحسان استرداده وعليه الفتوىٰ.... وإذا بعث الزوج الٰى اهل زوجته اشياء عند زفافها منها ديباج فلمّا زفت اليه أراد ان يسترد من المرأة الديباج ليس لهٗ ذٰلك اذا بعث اليها علٰى جهة التمليك، كذا في الفصول العمادية. (الفتاویٰ الهندية: ۳۲۷/۱، الفصل السادس عشر في جهاز البنت)(وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه: "سئل" فيما إذا زوّجها بنتهما البالغة وجهّزها بجهاز سلماه منها في صحتهما ثمّ ماتا عنها وعن ورثه غيرها يريدون قسمه الجهاز بينهم مع البنت فل ليس لهٗ ذٰلك. الجواب: نعم. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ۲۶/۱، مسائل الجهاز) ومثلهٗ في جامع الفصولين: ۱۹۲/۱، في الفصل العشرون في دعوه النكاح) (فتاوی حقانیہ: ۳۶۵/۴)

لڑکی جو جہیز لاتی ہے، وہ کس کی مِلک ہوتا ہے:

سوال: زوجین میں گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے بیوی کے مطالبے پر طلاق کے ذریعے جدائی ہوگئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ شادی کے وقت لڑکی جو سامان بطور جہیز اپنے ساتھ لے کر آئی تھی، وہ سامان کس کا حق ہے، آیا لڑکا وہ سامان اپنے پاس رکھے، یا لڑکی اس کو لینے کا حق رکھتی ہے، لڑکی جیسا مان لے کر آئی تھی، اس وقت کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ سامان کا مالک کون ہے؟ یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ طلاق کے مطالبے کے وقت کسی بھی قسم کی شرائط طے نہیں ہوئی تھیں، قرآن واحادیث مبارکہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ـــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جہیز ایک ایسا ہدیہ وتحفہ ہے، جو والدین اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں اور یہ لڑکی ہی کی ملکیت شمار ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مطلقہ عورت شادی کے موقع پر جو سامان اپنے ساتھ لائی تھی، وہ اسی کی ملکیت ہے اور طلاق کے بعد عورت کو جہیز کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، اس میں کسی کو منع کرنا جائز نہیں؛ بلکہ خوشی سے لڑکی کا سامان اس کے حوالے کر دیا جائے۔

لمافي سنن النسائي (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علي رضي اللّٰه عنه قال جهز رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفي مشكوة المصابيح (ص:۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا تظلموا، ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى)

وفي الشامية (۱۵۵/۳): (قوله: ليس له الاسترداد منها) هذا إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازاً لا عارية، كما يذكره قريبا وكان يغنيه ما يأتي عما ذكره هنا.

وفيه أيضا (۵۸۵/۳): يعلم أن الجهاز ملك المرأة وأنه إذ طلقها تأخذه كله وإذا ماتت يورث عنها ولا يختص بشيء منه، الخ. (نجم الفتاویٰ: ۲۳۷/۵-۲۳۸)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو سامان سابقہ شوہر، یا اس کے والدین نے شادی کے وقت دیا تھا، اگر وہ آپ کی بھتیجی کو ہبہ کر کے اور مالک بنا کر دینے کی صراحت کی تھی، تب تو وہ آپ کی بھتیجی کی ملکیت ہے،(۱) اور اگر ایسی صراحت نہیں ہوئی تھی تو ہمارے زمانے میں عرف یہ ہے کہ وہ شوہر ہی کی ملکیت ہوتا ہے، لہٰذا اس عرف کے مطابق وہ شوہر کی ملکیت ہوگا،(۲) البتہ جو جہیز لڑکی کو اس کے والدین نے دیا تھا، وہ لڑکی کی ملکیت ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ اس کو واپس کرے۔(۳) واللہ سبحانہ اعلم

۱۳/۲/۷ ۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر ۴۳۲/۸۲، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۹۷-۲۹۸) ☆

شادی میں بری کس کی ملک ہے:

سوال: بوقت نکاح لڑکی کے والدین جو زیور وغیرہ دیتے ہیں، وہ تو جہیز کہلاتا ہے اور منکوحہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے شرعاً وعرفاً؛ لیکن اس موقع پر شوہر کی طرف سے جو کپڑے زیور وغیرہ دیئے جاتے ہیں، جس کو اردو میں ''بری'' کہتے ہیں، فقہا اس کو کس لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں؟ اور بعد نکاح یہ بری کی اشیا کس کی ملکیت میں محسوب ہوتی ہیں؟ آیا بطور ہبہ کے عورت کی ملکیت میں آجاتی ہیں، یا شوہر کی ملکیت رہتی ہیں اور عورت کے پاس بطور عاریت کے رہتی ہیں، تفریق بموت، یا طلاق کی صورت میں ان کا مستحق کون ہے؟ براہ نوازش ماخذ جواب کی عبارت مع حوالہ کتب وصفحہ ارقام فرمائیں؛ تاکہ بوقت ضرورت مراجعت بھی کی جاسکے، اگر مدار عرف پر ہے تو اس کا ثبوت اور یوپی کے عرف کی تشریح بھی فرمائیں؟

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب الهبة (٥/٦٨٨، طبع سعید) وشرائط صحتها فی الموهوب أن یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول... ورکنها هو الایجاب والقبول...وحکمها ثبوت الملک للموهوب له...تصح بایجاب کوهبت ونحلت، الخ.

(۲) وفی الشامیة (٥/٨٨): والعرف فی الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قد یدار.

(۳) وفی الشامیة(٣/٥٨٥، طبع سعید) فإن کل أحد یعلم أن الجهاز ملک المرأة وأنه إذا طلقها تأخذه کله واذا ماتت یورث عنها، الخ۔

نیز میکے اور سسرال سے لڑکی کو دیئے گئے سامان کے مذکورہ حکم کی۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے امداد المفتین ص: ۵۶۰، ۵۶۱) (محمد زبیر)

☆ **لڑکی کے جہیز اور لڑکے کے لباس کی ملکیت کس کو حاصل ہے:**

سوال: بوقت نکاح جہیز میں جو اشیاء لڑکی کو دیتے ہیں اور داماد کے واسطے جو لباس مکلّف بناتے ہیں، اس کی مالک لڑکی ہے، یا نوشہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

باپ کی طرف سے جو اشیاء لڑکی کو جہیز میں ملی ہیں، ان کی وہ مالک ہے اور لڑکے کو جو کپڑا اور نقد دیا گیا ہے، وہ لڑکے کی ملکیت ہے، لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/۳۶۰)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس میں بھی عرف پر مدار ہے، اگر دیتے وقت کوئی تصریح نہ ہوتو عرف پر مدار ہے۔ یوپی میں خاندانوں کے اعتبار سے مختلف ہے، ہمارے خاندان میں جہیز اور بری سب کچھ لڑکی کا ہی شمار ہوتا ہے، تفریق بموت زوجہ کی صورت میں شوہر مالک نہیں ہوتا؛ اِلا بقدرالارث اور طلاق کی صورت میں کلیۃً زوجہ بدستور مالک رہتی ہے، بعض خاندانوں میں شوہر بری واپس لے لیتا ہے۔

"ولو بعث إلى امراته شيئا: أى من النقدين أوالعروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها. (ولم يذكر، الخ) المراد لم يذكر المهر ولاغيره، فقالت هو: اى المبعوث هدية، وقال: هو من المهر أو من الكسوة أوعارية، فالقول له بيمينه، والبينة لها، فإن حلف والمبعوث قائم، فلها أن ترده وترجع بباقى المهر، ولو عوضته، ثم ادعاه عارية، فلها أن تسترد العوض من جنسه فى غير المهيأ للأكل كثياب وشاة حية وسمن وعسل وما يبقى شهراً والقول لها بيمينها فى المهيأ له كخبز ولحم مشوى؛ لأن الظاهر يكذبه.

قال فى الفتح: والذى يجب اعتباره فى ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها، يكون القول فيها قول المراة؛ لأن المتعارف فى ذلک كله أن يرسله هدية، والظاهر معها لا معه، ولا يكون القول قوله، إلا فى نحو الثياب والجارية، آه.

قلت: ومن ذلک ما يبعثه إليها قبل الزفاف فى الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلى، وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى فى العرف صبحة، فإن كل ذلک تعورف فى زماننا كونه هدية من المهر ولا سيما المسمى صبحة، فإن الزوجة تعوضه عنها ثياباً ونحوهاصبيحة العرض أيضا، آه". (الدرالمختار والشامى: ۵۰۰/۲، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة)(۱)

وقال فى بعد الفصل السادس عشر فى جهاز البنت من باب المهر من الهندية: أى الفتاویٰ الهندية: "وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها: منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلک إذا بعث إليها على جهة التمليک". (۲)

قال فى فتح القدير (۴۷۹/۲): "وفى فتاویٰ سمرقند: بعث إليها هدايا عارية، وعوضته المرأة ثم زفت إليه، ثم فارقها، وقال بعثنا إليک عارية وأراد أن يسترد وأرادت هى أن تسترد العوض، فالقول قوله فى الحكم؛ لأنه انكر التمليک، وإذا استرده تسترد هى ما عوضته". (۳)والمسئلة مذكورة فى البحر الرائق: (۱۹۸/۳) والزيلعى: (۹۵۹/۲)(۴)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۱۵۱/۳-۱۵۳، سعيد

(۲) الفتاویٰ الهندية، الفصل السادس عشر فى جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيدية

(۳) فتح القدير: باب المهر: ۳۸۰/۳، مصطفى البابى الحلبى مصر

(۳) البحرالرائق، باب المهر: ۳۲۲/۳، رشيدية/تبيين الحقائق، آخرباب المهر: ۵۸۱/۲-۵۸۲، دارالكتب العلمية بيروت

شامی کی عبارت میں لفظ ''صبیحة'' کا مصداق ''بری'' ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳/ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۲۱-۱۲۳)

جو سامان نکاح کے وقت دیا جائے، وہ کس کی ملک ہے:

سوال (۱) زید کا نکاح رقیہ کے ساتھ ہوا، جس طرح سے لوگ بغیر تصریح ملکیت زیورات بیوی کو دیتے ہیں، اسی طرح زید کے ولی وسرپرستوں نے کچھ زیورات رقیہ کے پاس بھیجے، جس سے رقیہ زیورات اپنے استعمال میں لا رہی ہے، زید کے سرپرستوں نے زبان سے کچھ تصریح نہیں کی، زیورات بطور رواج کے دیا، یا عاریت کے طور پر دیا، عدم تصریح رواج وعدم تصریح ملکیت کی صورت میں حدیث، یا فقہ کی عبارت مع ترجمہ اردو لکھ کر صاف صاف بتلایا جائے کہ شرعاً زیورات کس کی ملکیت ہیں زید کی یا رقیہ کی؟

(۲)　اگر حدیث، یا فقہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوجائے کہ رواج کے اوپر عمل کیا جائے گا تو شوہر کے یہاں کا رواج دیکھا جائے گا، یا زوجہ کے یہاں کا؟ اور عدم رواج کی صورت میں زیور کس کی ملکیت میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱،۲)　شوہر، یا اس کے ولی نے جو کچھ زیور دیا ہے اور اس میں تصریح ملک، یا عاریت کی نہیں ہے، اس میں شوہر کے خاندان کا رواج معتبر ہوگا، کچھ رواج نہ ہو تو دینے والے کی نیت اور قول کا اعتبار ہوگا، ہمارے عرف میں یہ ہے کہ ایسی چیزیں زیور وغیر بطور ملک دی جاتی ہیں۔

''وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج، فلما زفت إليه، أراد ان يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك، إذا بعث إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، قالت: هو ملكي جهزتني به، أو قال الزوج بعد ذلك بعد موتها، فالقول قولهما دون الأب.

وحكي عن علي السعدي: أن القول قول الأب، وذكر مثله السرخسي، وأخذ به بعض المشائخ، وقال في الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا، فالقول قول الزوج، وإن كان مشتركا فالقول قول الأب، كذا في التبيين، قال الصدر الشهيد: وهذا التفصيل هو المختار للفتوىٰ، كذا في النهر الفائق''. (عالمگیری: ۱/۴۲۷)(۱)

اہل علم حضرات کے لیے جو کہ عربی عبارت کے طالب ہوں، ترجمہ اردو میں کرنے کی کیا ضرورت ہے؛ اس لیے ترجمہ نہیں کیا گیا۔ان عبارات سے وہی مستفاد ہوتا ہے، جو اردو میں جواب لکھا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۲۶-۱۲۷)

(۱)　الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، ۱/۳۲۷، رشيدية

شوہر کی طرف سے دیا گیا سامان کس کی ملکیت ہے:

سوال: شوہر کی طرف سے جو سامان مثلاً زیور، کپڑے بری میں دلہن کو بھیجے جاتے ہیں اور وہ دلہن کے ساتھ شوہر کے گھر واپس آجاتے ہیں، بعد وفات شوہر وہ کس کی ملکیت سمجھا جائے گا؟

(المستفتی: ۱۰۲۸، محمد یعقوب علی صاحب (دہلی) ۱۰؍ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق یکم جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر اس زیور اور جوڑے کے متعلق پہلے تصریح کردی جائے کہ وہ ہبہ ہے، یا عاریت، یا مہر میں دیا گیا ہے تو تصریح کے موافق عمل ہوگا؛ لیکن اگر یہ تصریح نہ کی گئی ہو تو پھر اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر اس قوم کا عرف غالب یہ ہو کہ ان چیزں کا مالک شوہر رہتا ہے تو یہ چیزیں شوہر کی رہیں گی اور اس کے انتقال کے بعد ترکہ میں شامل ہو کر تقسیم ہوں گی؛ لیکن اگر عرف غالب یہ ہو کہ دلہن کی ملک کردی جاتی ہیں تو تنہا زوجہ ان اشیا کی مالک ہوگی اور ترکہ زوج میں شامل نہ ہوں گی، چوں کہ شہروں اور قوموں کے عرف مختلف ہوتے ہیں؛ اس لیے عرف کی تحقیق وتعیین حاکم، یا حکم کا کام ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵؍۱۲۳)

شادی میں ملے ہوئے سامان کا حکم اور جائیداد میں لڑکی کا حق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی سے ہوئی ہے، زید نے بکر سے کوئی سوال نہیں کیا، اب رخصتی ہونے کے وقت زید کو بکر نے موٹر سائیکل فریج وغیرہ دیا ہے، کیا یہ سب سامان لینا جہیز میں شمار ہوگا؟ حدیث میں جہیز لینا مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے، یا نہیں؟ یا زمین جو لڑکی کا حق ہے زمین کے بدلہ میں قیمت دے دی تو یہ بھی جہیز میں شمار ہوگا، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بلا کسی مطالبہ کے شادی کے وقت زید نے اَپنے داماد کو جو چیزیں دی ہیں، اُن کا لینا داماد کے لیے جائز ہے اور باپ کی جائیداد میں لڑکی کا جو حق ہوتا ہے، وہ جہیز دینے سے ساقط نہیں ہوسکتا، باپ کے انتقال کے بعد لڑکی حسبِ حصصِ شرعیہ ترکہ کی مستحق ہوگی۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶؍۴۳)

---

(۱) بیوہ کے قول کا قسم کے ساتھ اعتبار ہوگا۔

وإن مات أحدهما واختلف وارثه مع الحي في المشكل الصالح لهما فالقول فيه للحي.

وفي الرد: فالقول فيه للحي مع يمينه، درمنتقى، إذ لا يد للميت، وذكر في البحر عن الخزانية استثناء، ما إذا كانت المرأة ليلة الزفاف في بيته، فالمشكل وما يجهز مثلها به لا يستحسن جعله للزوج إلا إذا عرف بتجارة جنس منه فهو له. (ردالمحتار، كتاب الدعوى، باب التحالف: ٥/٤٦٥، سعيد)

عن علی رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما زوّجہ فاطمۃ بعث معھا بخمیلۃ ووسادۃ أدم حشوھا لیف ورحائین وسقاء ین. (الإصابۃ:۲۶۷/۸، البدایۃ والنھایۃ:۳۴۶/۳، شعب الإیمان للبیھقی:۳۱۷/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۳/۷ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۴۳۴/۸)

باپ لڑکی کے جہیز کے لیے کوئی چیز خریدے اور قبضہ سے پہلے لڑکی مرجائے تو یہ کس کی ملکیت شمار ہوگی:

(الجمعیۃ، مورخہ:۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

سوال: ہندہ کے باپ نے ہندہ کے جہیز کے لیے کچھ شے بازار سے خرید کیا اور ہندہ کے قبضہ میں نہیں دیا اور قبل رخصتی کے ہندہ انتقال کرگئی اور جہیز کی شے ہندہ کے باپ کے پاس رہ گئی۔ اس طرح خریدنے سے وہ جہیز ہندہ کی ملک میں آئی، یا نہیں؟

الجواب

اگر ہندہ نابالغہ تھی تو باپ نے ہندہ کے جہیز کے لیے جو چیزیں خریدیں، وہ ہندہ کی ملک میں داخل ہوگئیں اور ہندہ کی وفات کے بعد ہندہ کے ترکہ میں شامل ہوں گی؛(۱) لیکن اگر ہندہ بالغہ تھی تو جو چیزیں کہ ہندہ کے قبضہ میں نہیں آئیں، وہ ہندہ کی ملک نہیں ہوئیں اور باپ کے مال میں شامل رہیں گی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۳۹/۵)

بیوی کو گلا گھونٹ کر مارنے پر جہیز اور دیگر سامان کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں اپنی لڑکی نفیسہ کی شادی دوسال پہلے محمد ابرار کے ساتھ کردی تھی، تقریباً ۳۰/ ہزار روپیہ کا جہیز دیا تھا، لڑکا محمد ابرار ٹیلی ویژن، اسکوٹر مانگتا تھا، میں نہیں دے سکا تو اس نے میری لڑکی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا تو اب میں نے جو جہیز اپنی لڑکی کو دیا تھا، وہ واپس ملے گا، یا نہیں، حکم شرعی کیا ہے؟ ابھی لڑکی کے کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی ہے اور شوہر قاتل ہے تو یہ سارا سامان جہیز اس لڑکی کے والدین کو ملے گا، یا نہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

(۱) سئل فی رجل اشتری فی حال صحتہ لبنتہ الصغیرہ أوانی لیجھزھا بھا ثم مات عن ورثتہ فھل یکون ذلک للبنت خاصةً؟ الجواب: نعم ... فإذا کان الأب اشتری لھا فی صغرھا أو بعد ما کبرت وسلم إلیھا ذلک فی صحتہ فلا سبیل لورثتہ علیہ ویکون للابنۃ خاصۃ. (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، مسائل الجھاز: ۲۶/۱، قندھار افغانستان)

(۲) إذا جھز الأب ابنتہ ثم مات وبقیۃ الورثۃ یطلبون القسم منھا فإذا کان الأب اشتری لھا فی صغرھا أو بعد ما کبرت وسلم إلیھا ذلک فی صحۃ فلا سبیل لورثہ علیہ ویکون للابنۃ خاصۃ. (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، مسائل الجھاز: ۲۶/۱، قندھار افغانستان)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جہیز لڑکی کی ملکیت تھا، اُس کے مرنے کے بعد وہ سب سامان اُس کے والدین کو دیا جائے گا، شوہر کا اُس میں کوئی حق نہیں؛ اس لیے کہ وہ قاتل ہے اور قاتل وراثت کا حق دار نہیں ہوتا۔

المانع من الإرث ... القتل الذی یتعلق به وجوب القصاص. (السراجی، ص:۷)

المختار للفتوی: أن یحکم بکون الجهاز ملکاً لا عاریةً. (شامی:۳/۱۵۷، کراتشی: ۴/۳۰۹، زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۲/۱۴۱۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۳۹-۴۴۰)

بیوی کے انتقال کے بعد اُس کا زیور دوسری بیوی کو دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے بچے بھی ہیں اور اس کے کچھ زیورات بھی ہیں اور وہ شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ شخص اس زیور کو اپنی دوسری بیوی کو دے سکتا ہے، یا نہیں؟ اور وہ دیا ہوا زیور ملکیت کے طور پر ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مرحومہ بیوی کا زیور اس کے ترکہ میں شامل ہے، لہٰذا اس کے مالک اس کے سب شرعی وارثین میں شوہر بھی ایک وارث ہے، وہ دوسری بیوی کو اپنے حصہ شرعی سے زائد زیور نہیں دے سکتا؛ بلکہ یہ زیور مرحومہ بیوی کے سبھی وارثین میں تقسیم ہوگا۔ (مستفاد کفایت المفتی: ۸/۳۸۱، ۸/۳۸۲)

لأن الترکة فی الاصطلاح ما ترکه المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغیر یعنی من الأموال. (شامی: ۱۰/۴۹۳، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۱۱/۱۴۲۷ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۴۴۱-۴۴۲)

عورت کے مرنے کے بعد جہیز اور چڑھاوا اس کے ورثا کو دیا جائے گا:

سوال: ایک شخص کی لڑکی کی شادی ہوئی، بوقت نکاح مبلغ ایک ہزار روپے مہر مؤجل مقرر ہوا تھا، نوشہ کے والد نے مبلغ تین سو روپے کا زیور دلہن کے لیے جس کو یہاں چڑھاوا کہتے ہیں لاکر دیا اور دلہن کے والد نے زیورات اور برتن وغیرہ جس کی قیمت مبلغ پانسو روپے تھی جہیز میں دیا تھا۔ یہ مذکورہ بالا زیورات اور برتن وغیرہ لڑکی حسب دستور اپنے خسر کے یہاں لے چلی گئی تھی، اس کا خاوند اپنے باپ کے ساتھ شامل میں رہتا ہے، لڑکی کے ہاں دو سال کے عرصے میں ایک بچی پیدا ہوئی، بچی کی عمر نو ماہ کی تھی، ماں کا انتقال ہوگیا اور ایک ہفتہ کے بعد بچی بھی گزر گئی، لڑکی مرحومہ کا والد اور بھائی زندہ ہیں، ماں انتقال کر چکی ہے، خاوند اور خسر بھی زندہ ہیں؛ مگر خاوند کی کوئی ملکیت نہیں ہے،

اب مرحومہ لڑکی کے والد کا مطالبہ ہے کہ مہر زیورات اور برتن وغیرہ جو کچھ بھی لڑکی کو دیا گیا تھا، وہ واپس ملے، اس وقت یہ سب چیزیں لڑکی کے خسر کے قبضہ میں ہیں۔

الجواب

لڑکی کو جو زیور کہ نوشہ، یا خسر کی طرف سے شادی کے وقت بطور چڑھاوے کے دیا جاتا ہے اور جو زیور اسباب کپڑا برتن وغیرہ لڑکی کے باپ کی جانب جہیز میں ملتا ہے، یہ سب لڑکی کی ملک ہوجاتا ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے۔(۱) اسی طرح مہر بھی اس کی ملک ہے، پس اس صورت میں لڑکی کے تمام ترکہ میں سے (جو مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ پر مشتمل ہے) اس کے والد کو ایک چوتھائی ملے گا اور باقی تین چوتھائی اس کے خاوند کو ملے گا (۱/۴ خود اس کا حق اور ۱/۲ لڑکی کی پیدا شدہ کا حق، جو اس کے مرنے پر اس کے باپ کو مل گیا) اور متوفیہ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے۔(کفایۃ المفتی: ۱۴۰/۵)

جہیز قبضہ سے قبل باپ کی ملکیت ہے:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرواتا ہے اور جہیز کے لیے کچھ سامان خریدتا ہے، پھر اچانک وہ نکاح فسخ ہوجاتا ہے اور ابھی تک سامان اپنی بیٹی کو نہیں دیا تھا۔ آیا اس صورت میں اس کی بیٹی اس کا مطالبہ کرسکتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر اس بیٹی کا انتقال ہوجائے تو پھر اس کا شوہر مطالبہ کرنے کا حق دار ہے، یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

جہیز والدین کی طرف سے اپنی لڑکی کو بغیر کسی چیز کے عوض ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ میں موہوب لہ (جس شخص کو ہدیہ دیا جارہا ہے) اس کے قبضے میں کوئی چیز ہدیہ کرکے دے دی جائے تو وہ چیز اس کی ملک ہوجاتی ہے، بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی مِلک میں رہتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نہ لڑکی باپ سے جہیز کے سامان کا مطالبہ کرسکتی ہے اور نہ اس لڑکی کے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد مطالبہ کا حق ہے؛ کیوں کہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سامان اس لڑکی کی ملکیت میں آیا ہی نہیں، لہٰذا جب وہ سامان اس لڑکی کی ملک تھا ہی نہیں تو نہ اس کے شوہر کو مطالبہ کا حق ہے اور نہ ہی یہ مال ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔

لمافي القرآن الكريم (النساء: ٤): ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾

وفی القدوری (ص: ١٥٢، كتاب الهبة): الهبة تصح بالايجاب والقبول وتتم بالقبض.

---

(۱) لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان الاسترداد، عليه الفتوى. وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجة أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلک إذا بعث إليها على جهة التمليک. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر: ۳۲۷/۱، ماجدية)

وفی الدرالمختار (۱۵۵/۳، کتاب النکاح) : وفیه عن المبتغی (جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلک لیس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک فی صحته) بل تختص به (وبه یفتی).

وفی الرد تحته: قوله (لیس له الاسترداد منها) هذا إذا کان العرف مستمرا أن الأب یدفع مثله جهازا لا عاریة کما یذکره قریبا.

وفی الدر المختار (۶۸۹/۵، کتاب الهبة) :(هی) لغة التفضیل علی الغیر ولو غیر مال وشرعا (تملیک العین مجانا)... (و) شرائط صحتها (فی الموهوب أن یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول) کما سیتضح. (نجم الفتاویٰ:۲۴۸/۵-۲۴۹)

لڑکی کی موت کی صورت میں جہیز کا حقدار کون ہوگا:

سوال: میاں بیوی میں منہ ماری ہوگئی، جس پر بیوی نے خودکشی کر لی۔ پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے والدین نے اس کو جو جہیز دیا تھا اور لڑکے والوں کی طرف سے جو زیورات تھے اور مہر وغیرہ تھا، اس کا حقدار کون ہے، جب کہ ان کے بچے بھی نہیں ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

لڑکی کو اپنے والدین کی طرف سے جو جہیز ملتا ہے، اسی طرح لڑکے کی طرف سے مہر اور ان کے گھر والوں کی طرف سے جو تحفے تحائف ملتے ہیں، یہ سب لڑکی کی ملکیت ہوتے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں جہیز دونوں طرف کے زیوارات وغیرہ سب لڑکی کی ملکیت ہیں اور اس کا ترکہ ہے، لہٰذا یہ تمام چیزیں لڑکی کے شرعی ورثا کے درمیان تقسیم ہوں گی۔

لمافی بدائع الصنائع (۵۲۲/۳، کتاب النکاح، فصل فی بیان مایتأکد به المهر) :ولأن المهر متی صار ملکا لها بنفس العقد فالملک الثابت لإنسان لا یجوز أن یزول إلا بإزالة المالک، الخ.

وفی الشامیة (۱۵۷/۳):ورأیت فی حاشیة الأشباه للسید محمد أبی السعود من حاشیة الغزی قال الشیخ الإمام الأجل الشهید: المختار للفتوی أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عاریة لأنه الظاهر الغالب إلا فی بلدة جرت العادة بدفع الکل عاریة فالقول للأب وأما إذا جرت فی البعض یکون الجهاز ترکة یتعلق به حق الورثة وهو الصحیح اه ولعل وجهه أن البعض الذی یدعیه الأب بعینه عاریة لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الکل فلا یتعلق به حق ورثتها بل یکون کله للأب والله تعالی أعلم.

وفی الدرالمختار (۱۵۱/۳):(ولو بعث إلی امرأته شیئا ولم یذکر جهة عند الدفع غیر) جهة (المهر) کقوله لشمع أوحناء ثم قال إنه من المهر لم یقبل قنیة لوقوعه هدیة فلا ینقلب مهرا.

وفی الشامیة(۱۵۱/۳):مطلب فیما یرسله إلی الزوجة قوله(ولو بعث إلی امرأته شیئا)أی من النقدین أو العروض أو مما یؤکل قبل الزفاف أو بعد ما بنی بها نهر قوله (ولم یذکر الخ) المراد أنه لم یذکر المهر ولا غیره ط. (نجم الفتاویٰ:۲۴۹/۵-۲۵۰)

رخصتی سے قبل جہیز باپ کا ترکہ ہوگا:

سوال: باپ نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان تیار کیا؛ لیکن ابھی تک بچی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ والد کا انتقال ہوگیا تو باقی ورثا اس مال میں سے اپنا حصہ مانگتے ہیں، آیا ان کو اس مال میں سے حصہ ملے گا، یا نہیں؟ یاد رہے کہ جس وقت والد نے سامان تیار کیا تھا، اس وقت وہ لڑکی بالغہ تھی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، نیز جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جہیز کا سامان بیٹی کے لیے کیا حکم رکھتا ہے؛ یعنی ہبہ وغیرہ کا یا کچھ اور؟ جو بھی مسئلہ ہو، اس کا مدلل حل عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

باپ اپنی بچی کے لیے جب جہیز کا سامان خریدے تو بچی اگر نابالغہ ہو تو باپ کے خریدنے سے وہ مالک ہوجائے گی اور اگر بالغہ ہو تو وہ صرف باپ کے اس کے لیے خریدنے سے مالک نہیں ہوگی؛ بلکہ جب باپ یہ سامان اس کے حوالے کرے، تب اس کی ملکیت ثابت ہوگی، لہٰذا صورت مسئولہ میں چوں کہ بچی بالغہ ہے اور باپ نے سامان اس کے حوالہ نہیں کیا کہ اس کا انتقال ہوگیا؛ اس لیے وہ اس کی مالک نہیں ہوئی؛ بلکہ باپ کے ترکہ میں شمار ہوکر تمام ورثا کو اس سے حصہ ملے گا، نیز جہیز کا مال بچی کے لیے باپ کی طرف سے ہدیہ ہوتا ہے۔

لما فی الهندية(۳۲۷/۱،الفصل السادس عشر فی جهاز البنت) :ولو زوج ابنته البالغة وجهزها بأمتعة معينة ولم يسلمها إليها ثم فسخ العقد وزوجها من آخر فليس لها مطالبة الأب بذلک الجهاز.

وفی الدرالمختار(۱۵۵/۳،باب المهر) :وفيه عن المبتغی(جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلک ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک فی صحته) بل تختص به (وبه يفتی) وكذا لو اشتراه لها فی صغرها ولوالجية.

وفی الشامية (۱۵۷/۳،باب المهر) :جهز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشتری لها فی صغرها أو فی كبرها وسلم لها فی صحته فهو لها خاصة. (نجم الفتاویٰ:۲۵۰/۵-۲۵۱)

نابالغہ کا جہیز ترکہ میں شمار نہیں ہوگا:

سوال: مفتی صاحب! باپ نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان تیار کیا اور ابھی بچی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا، چناں چہ باپ کے مرنے کے بعد باقی ورثا اس مال کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سامان اسی بچی کا ہے؛ کیوں کہ باپ نے زندگی میں اس کو دینے کا ارادہ کرلیا تھا، لہٰذا یہ سارا سامان اس لڑکی کا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بچی جس وقت اس کے باپ نے اس کے لیے سامان تیار کیا تھا، نابالغہ تھی، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ سارا سامان کس کا ہے، آیا ورثا میں تقسیم کیا جائے گا، یا لڑکی کو دیا جائے گا، یا اس کے علاوہ جو حکم ہو، اس کو تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

باپ نابالغ اولاد کو اگر کچھ ہبہ کرے تو اولاد ہبہ کرتے ہی اس چیز کی مالک بن جاتی ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی نابالغہ بچی کے لیے جہیز تیار کیا ہے، لہٰذا وہ بچی اس کی مالک ہوگئی ہے اور ورثہ کو اس میں بطور ترکہ کے تصرف وتقسیم کرنا جائز نہیں، البتہ جو چیزیں باپ نے مرض الموت میں بچی کے لیے تیار کی ہوں تو ان اشیاء کی وہ بچی مالک نہیں ہوگی، لہٰذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور تمام ورثہ بشمول اس بچی کے اس میں شریک ہوں گے، البتہ اگر بقیہ ورثہ بالغ ہوں اور خود اپنی رضامندی سے نابالغہ لڑکی کے جہیز میں ہی دینے پر راضی ہو جائیں تو وہ سامان لڑکی کی ملکیت بن جائے گا۔

لمافي الهندية (٣٩١/٤، كتاب الهبة): وهبة الأب لطفله تتم بالعقد، الخ.

وفي الدرالمختار (٦٨٤/٥): (جهز ابنته بما يجهز به مثلها ثم قال كنت أعرتها الأمتعة إن العرف مستمرا) بين الناس (أن الأب يدفع ذلک) الجهاز (ملكا لا إعارة لا يقبل قوله) إنه إعارة لأن الظاهر يكذبه (وإن لم يكن) العرف (كذلک) أو تارة وتارة (فالقول له) به يفتى كما لو كان أكثر مما يجهز به مثلها فإن القول له اتفاقا.

وفي الرد تحته: (قوله: جهز ابنته، الخ) وفي الولوالجية إذا جهز الأب ابنته ثم بقية الورثة يطلبون القسمة منها فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو بعدما كبرت وسلم إليها وذلک في صحته فلا سبيل للورثة عليه ويكون للبنت خاصة ا ه منح كذا في الهامش. (نجم الفتاویٰ: ۲۵۱/۵-۲۵۲)

شوہر فوت ہوگیا، لڑکی کے باپ نے اس کو جو زیور دیا تھا، وہ خسر کا ہوگا، یا لڑکی کا اور مہر کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنے لڑکی کا عقد عبدالستار کے لڑکے سے بعوض مہر مبلغ پانچ سو روپیہ کر دیا، ایک ماہ کے بعد لڑکا بلا ادائے مہر انتقال کر گیا، اب لڑکی کا دوسرا نکاح قرار پایا ہے، بیوہ کے باپ نے شادی میں جو زیور اپنی لڑکی کو دیا تھا، اس کو عبدالستار بیوہ کا سسر طلب کرتا ہے اور بیوہ اپنا مہر طلب کرتی ہے؛ کیوں کہ زیور اگر عبدالستار کا ہے تو بیوہ کا مہر مقررہ اس کو ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

بیوہ کا جو زیور وسامان اس کی باپ کی طرف سے دیا ہوا ہے، وہ بیوہ کی ملک ہے، اس میں عبدالستار سسر کا کچھ حق نہیں ہے اور دعویٰ اس کا باطل ہے، (۱) اور مہر بیوہ کا بذمہ اس کے شوہر کے ہے، اگر شوہر کا کچھ ترکہ ہو تو اس میں سے

---

(۱) **(ولو دفعت في تجهيزها لابنتها أشياء من أمتعة الأب بحضرته وعلمه وكان ساكتا وزفت إلى الزوج فليس للأب أن يسترد ذلک من ابنته) لجريان العرف به (وكذا ما انفقت الأم في جهازها ماهومعتاد والاب ساكت لا تضمن). (الدرالمختار، مطلب أنفق على معتدة الغير: ١٥٧/٣، دارالفكر بيروت، انيس)**

لے سکتی ہے، شوہر کے باپ عبدالستار سے نہیں سکتی، البتہ اگر عبدالستار ذمہ دار ہو گیا ہو تو اس سے لے سکتی ہے۔ فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۸/۸)

زیور شوہر کے مرنے کے بعد اس کا باپ لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید کے لڑکے بکر کی شادی ہندہ سے ہوئی، اب زید کی موجودگی میں بکر فوت ہوا، ایک پسر اور بیوی اور باپ زید کو چھوڑا، بعد عدت ہندہ نے دوسرا نکاح کرلیا، زید نے ہندہ کو کچھ زیورات دیئے تھے، جو واپس لینا چاہتا ہے اور ہندہ کی جانب سے دین مہر کا دعویٰ کیا ہے، مہر کی ادائیگی زید کے ذمہ ہے بکر اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا، زید کے پاس معمولی سامان خانگی کے علاوہ اور کوئی جائداد نہیں ہے، زید بکر کے لڑکے سے لے سکتا ہے، یا نہیں؟ اس میں ہندہ کا قول معتبر ہوگا، یا کیا؟

الجواب

موافق عرف کے جو زیور نے اپنے پسر بکر کی زوجہ کو دیا، وہ اپنے پسر کو دیا تھا، لہٰذا بعد مرنے بکر کے وہ زیور ہندہ سے واپس نہیں لے سکتا، ہندہ اپنے مہر میں وہ زیور رکھ سکتی ہے،(۱) اور جب کہ مہر معافی کے گواہ نہیں ہیں تو قول ہندہ کا معتبر ہے اور ہندہ کا ساقط ہو گیا، نانی دادی، خالہ وغیرہ میں جو کوئی موجود ہو، حق پرورش اس کو ہے اور ولایت نکاح دادا؛ یعنی زید کو ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۸/۸۔۳۵۹)

زیور جو ملتا ہے، عورت اس کی مالک ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: جو زیور وغیرہ شوہر کی جانب سے عورت کو دیا جاتا ہے، عورت اس کی مالک ہوتی ہے، یا نوشہ؟

الجواب

ہمارے شہروں میں یہی عرف ورواج ہے کہ زیورات وغیرہ کا عورت کو مالک بنا دیا جاتا ہے اور عورت اس کی مالک سمجھی جاتی ہے۔ پس اس صورت میں عورت اس کی مالک ہے، شوہر کا اس پر کوئی حق نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۹/۸)

جو زیور دیا ہے طلاق کے بعد، وہ شوہر واپس لے سکتا ہے، یا نہیں اور عورت مہر پائے گی، یا نہیں:

سوال: زید کا بکر کی بالغ لڑکی کے ساتھ نکاح ہوا اور زید نے مبلغ للعا ۴۵۰ر کا زیور نقرئی وطلائی بکر کی لڑکی کے استعمال کے لیے دیا اور بکر نے اپنی لڑکی کا مہر مبلغ صمارروپیہ کا قرار دیا، جس کو زید نے قبول کیا، بکر نے حسب وعدہ اپنی

---

(۱) (ولـو بعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهة عند الدفع غير) جهة (المهر) كقوله لشمع أو حناء ثم قال إنه من المهر لم يقبل .قـنية لوقوعه هدية فلا ينقلب مهرا (فقالت هو) أى المبعوث (هدية وقال هو من المهر) أو من الكسوة أو عارية (فالقول له) بيمينه والبينة لها، فإن حلف والمبعوث قائم فلها أن ترده وترجع بباقي المهر .(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب المهر: ٤٩٩/٢، ظفير)

لڑکی کو رخصت نہیں کیا اور نہ کرنے کا ارادہ معلوم ہوتا ہے، یہ سبب رنجیدگی کا طرفین کو ہوا، اس رنج کو دفع کرنے کے لیے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ زید منکوحہ کو طلاق دے، چوں کہ دولہا اور دولہن کو کوئی موقع تنہائی کا نہیں ملا تو ملا کتنا دیا جائے گا اور زیور زید کا بیوی سے واپس لینا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر شوہر اپنی زوجہ کو قبل وطی اور قبل خلوت صحیحہ دے دے تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہے۔

درمختار میں ہے:

(و) یجب (نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة) الخ .(۱)

لہذا اس صورت مین مبلغ اڑھائی سو روپیہ دین مہر کے ادا کرنا بذمہ زید واجب ہیں اور جو زیور زید نے زوجہ کی ملک کر دیا ہے تو وہ بعد طلاق واپس لے سکتا اور اگر مستعار دیا تھا تو واپس لے سکتا ہے اور اگر زیادتی شوہر کی ہو تو اس کو زوجہ سے طلاق کے بدلے میں کچھ معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۰/۸)

والدین والے جہیز وغیرہ اور سسرال والے زیور وغیرہ کا مالک کون ہے:

سوال: ایک عورت سنت والجماعت جس کا نکاح بموجب شرع محمدی ہوا ہو اور اس کو جہیز اس کے والدین اور بری میں اس کی ساس سسر نے کچھ زیور پارچہ و برتن وغیرہ حسب رواج دیا ہو تو از روئے شرع کیا مذکورہ بالا اشیاء کا دینا مستعار سمجھا جاتا ہے، اس کی مالک کامل عورت ہو جاتی ہے؟ اگر نہیں تو شوہر، یا عورت کے والدین میں سے کون اس کا مالک کامل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو کچھ عورت کے والدین نے جہیز میں دیا ہے، وہ ملک عورت کی ہے، والدین عورت کے، یا سسرال والے اس کے مالک نہیں ہیں اور جو کچھ ساس وخسر نے زیور وغیرہ جڑھایا، وہ مستعار سمجھا جاتا ہے، وہ عورت کی ملک نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (یہ زیور والا مسئلہ دراصل رواج کے اوپر موقوف ہے، یا ساس سسر کے قول پر، بعض جگہ عورت کو مالک بنا دیتے ہیں، جو زیور کپڑا، یا کوئی اور چیز سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملتا ہے، اس کے متعلق یہ طے ہوتا ہے کہ لڑکی کو بطور ہبہ ہے اور بعض جگہ لڑکی کی ملک نہیں بناتے، لہذا فیصلہ رواج پر ہوگا، یا سسرال والوں کے بیان پر۔ ظفیر)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۳/۸)

---

(۱) الدر المختار، باب المهر: ۱۰۴/۳، دار الفكر بيروت، انيس / ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (سورة البقرة: 237، انيس)

(۲) (جهز ابنته بجهازهم وسلمها ذلك، ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك فى صحته) بل تختص به (وبه يفتى). (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۵۰۳/۲) لو بعث إلى امرأته شيئا (إلى قوله) فالقول له بيمينه. (الدر المختار: ۴۹۹/۲، ظفير، مطلب فيما يرسل إلى الزوج، انيس)

زیوراور کپڑا جولڑکی کو دیتے ہیں، وہ کس کی ملک ہے:

سوال: جو چیز از قسم زیور و پارچہ وغیرہ دلہن کو قبل از نکاح و بعد نکاح دیئے جاویں، وہ حق زوجہ ہے، یا حق شوہر؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو اشیا ماں باپ کی طرف سے دی جاویں، وہ ملک زوجہ ہے اور جو اشیاء شوہر، یا اس کے والدین کی طرف سے دی جاویں، اس میں نیت کا اعتبار ہے، جیسی نیت ہو اور جس کے لیے نیت ہو، اس کی ملک ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۶۳/۸)

عورت کو دیئے ہوئے زیور:

سوال: بوقت نکاح کو جو روزہ زیور وملبوس وغیرہا دیا جاتا ہے، عند الطلاق شوہر کو واپس لینا جائز ہے، یا نہیں؟ درصورتیکہ اس کو مالک ومختار بنادیا ہو، از روئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(ولو بعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهة عند الدفع غير) جهة (المهر) كقوله لشمع أو حناء ثم قال: إنه من المهر لم يقبل، قنية لوقوعه هدية فلا ينقلب مهرا (فقالت هو) أى المبعوث (هدية وقال هو من المهر) أو من الكسوة أو عارية (فالقول له) بيمينه والبينة لها، فإن حلف والمبعوث قائم فلها أن ترده وترجع بباقي المهر، الخ. (الدرالمختار)

(قوله: وترجع بباقي المهر) أو كله إن لم يكن دفع لها شيئا منه، الخ. (شامی)

وفيه: (لو ادعت أنه) أى المبعوث (من المهر وقال: هو وديعة، فإن كان من جنس المهر فالقول لها وإن كا ن من خلافه فالقول له) لشهادة الظاهر. (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر زوجین میں نزاع ہو، زوجہ یہ کہے کہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے، ہدیہ ہے اور شوہر کہتا ہے کہ وہ مہر میں ہے تو قول شوہر کا معتبر ہے اور گواہ زوجہ کے معتبر ہیں اور بعد قسم شوہر (دیئے گئے اشیا میں سے) جو موجود ہے، شوہر کو دلایا جاوے گا اور عورت اپنے مہر کا مطالبہ کرے؛ یعنی اگر وصول نہ کیا ہو، انتہی بحاصلہ۔

اور دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت یہ کہے کہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے، وہ مہر میں ہے اور شوہر یہ کہے کہ وہ

---

(۱) (جهز ابنته بجهازهم وسلمها ذلك، ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته) بل تختص به (وبه يفتى). (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۵۰۳/۲)

لوبعث إلى امرأته شيئا (إلى قوله) فالقول له بيمينه. (الدرالمختار: ۴۹۹/۲، ظفير، مطلب فيما يرسل إلى الزوج، انيس)

(۲) الدرالمختار، باب المهر: ۴۹۹/۲، ظفير، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۱۵۳/۳ـ۱۵۴، دارالفكر بيروت، انيس

امانت ہے تو اگر وہ اشیاء مہر کی جنس سے ہیں؛ یعنی جیسے نقد روپیہ اور زیور تو قول زوجہ کا معتبر ہے اور اگر اس کے خلاف سے ہے تو قول شوہر کا معتبر ہے، الخ۔

پس اگر صورت مسئولہ میں شوہر یہ کہتا ہے کہ یہ زیور وغیرہ عاریۃً تھا اور عورت کہے کہ مہر میں تھا تو عورت کا قول معتبر ہے ،شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا اور اگر عورت دعویٰ ہبہ اور ہدیہ کا کرے اور شوہر کہے کہ مہر میں ہے تو قول شوہر کا معتبر ہے اور اگر مہر دے چکا تھا اور شوہر عاریۃً دینے کا دعویٰ کرے، تب بھی قول شوہر کا معتبر ہے؛ کیوں کہ عادۃً زیور وغیرہ شوہر کی طرف سے ہبہ نہیں سمجھا جاتا۔ اب عرف یہ ہے کہ جو اشیاء جہیز میں عورت کے والدین کی طرف سے ہیں، وہ ملک عورت میں ہیں اور جو زیور وغیرہ شوہر کی طرف سے ہے، وہ عاریت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸/ ۳۶۷-۳۶۸)

شادی میں داماد سے زیور وغیرہ لینا:

سوال: تقریباً پورے صوبہ گجرات میں یہ رواج ہے کہ جب منگنی ہوتی ہے تو اس وقت لڑکی کے لیے زیور اور کپڑا بنانے کے لیے ایک رقم طے ہوتی ہے، وہ رقم لڑکا، یا اس کا ولی دیتا ہے اور اس کو ''لچے'' اور ''پلہ'' کہتے ہیں۔ وہ رقم حسب حیثیت جانبین دوسو، چار سو، ہزار، دو ہزار؛ بلکہ اس سے بھی زائد تک طے ہوتی ہے اور اس کے بغیر منگنی قبول نہیں ہوتی، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس رقم کے طے کرنے میں جانبین کا اتفاق نہ ہو تو منگنی قبول نہیں ہوتی اور انکار کر دیا جاتا ہے، اگر لڑکے اور اسکے ولی کے پاس پیسہ نہ ہو تو اس کے لیے سودی قرضہ تک لیا جاتا ہے اور مہر اس کے علاوہ ہے اور وہ عموماً ایک سو ساڑھے ستائیس روپے ہے، بعض جگہ اس سے زائد بھی ہے، مذکورہ بالا رقم مدت سے چلی آتی ہے؛ لیکن اس پیسے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی کہ یہ مہر معجّل ہے، یا ہبہ ہے، یا عاریت ہے اور بعض جگہ پیسے کے بجائے زیور اور گھڑی بھی دیئے جاتے ہیں؛ لیکن عموماً پیسے دیئے جاتے ہیں۔

لڑکی کا باپ آزاد ہوتا ہے، چاہے سب خود کھالے، یا نکاح کے وقت کھانے وغیرہ میں صرف کرے، یا کہ زیور اور کپڑے بنائے۔ اگر خود کھائے، یا کھلانے وغیرہ میں صرف کرے، کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا، نہ مطالبہ کرتا ہے، نہ قانونی کاروائی کرتا ہے؛ لیکن کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، زیور کپڑوں میں صرف کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ اگر لڑکی کے باپ نے خود کھالیا، یا کھلانے میں صرف کر دیا، تب تو کچھ نہیں اور اگر اس کا زیور بنادیا اور لڑکی اس کو لے کر خاوند کے یہاں چلی گئی تو اس کا مالک خاوند سمجھا جاتا ہے، چنانچہ لڑکی کے مرنے پر، یا طلاق پر لڑکا اس کا مالک سمجھا جاتا ہے، بغیر اجازت وقتِ ضرورت وہ اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے، رہن بھی رکھ سکتا ہے اور بعض جگہ لڑکی کا باپ اس پر قبضہ کر لیتا ہے اور خاوند کو نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں اس طریقہ سے لڑکے والے سے روپیہ، یا زیور لینا جائز ہے، یا نہیں؟ قرونِ اولی میں اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر یہ مہر معجّل ہے، یا ہبہ، یا عاریت، خصوصاً جب کہ سودی قرض لے کر ادا کیا جائے؟ (بندہ احمد بنات غفرلہ، از ترکیسر، ضلع سورت، ۱۴/ جولائی ۱۹۳۸ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

لڑکے کے ذمہ مہر اور نان نفقہ کپڑا واجب ہوتا ہے،(۱) زیور وغیرہ شرعاً واجب نہیں اور نکاح سے قبل، یا رخصتی سے قبل جو بعض جگہ لڑکے، یا اس کے ولی سے کچھ لینے کا دستور ہے کہ بغیر اس کے رخصتی نہیں کرتے، اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں، یہ لینا ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ رشوت ہے۔ رخصتی کے بعد لڑکی اپنی مرضی سے اگر زوج کو زیور دے، یا روپیہ پیسہ دے، تب بھی جائز ہے؛ لیکن لڑکی کے باپ وغیرہ جو لڑکے سے وصول کرتے ہیں، یہ ناجائز ہے اور سودی روپیہ لینا اور لڑکی کے باپ کو دینا، یا خود لڑنا یہ ناجائز ہے۔(۲)

"ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان يطلبه يرجع الختن به،آه". (رد المحتار:۳۰۱/۵)(۳)

"أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم ،فللزوج أن يسترده ؛لأنه رشوة،آه". (شامی،ص:۵۶۵)(۴)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۷/۵/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۳/۱۱)

شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے لڑکی کو زیور دینا:

سوال: میری شادی کو ایک سال کا عرصہ ہو گیا، رخصتی ابھی نہیں ہوئی ہے، اب رخصتی کے لیے لڑکی والے کہتے ہیں کہ زیور اور کچھ کپڑے لڑکی کے لیے لانے ہوں گے اور لڑکی والے اس جہیز کے منگانے پر بضد ہیں کہ ان کے گھر کی عورتیں کہتی ہیں کہ لڑکے والا نہایت غریب ہے، اس کے پاس رکھا گیا ہے، لڑکی والے کو لوگ طرح طرح سے بہکانے میں لگے ہیں تو کیا کچھ زیور وغیرہ رخصتی سے چند یوم قبل خفیہ طور پر بھیج دیئے جائیں؛ تاکہ نمائش نہ ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

دولہا کی طرف سے دولہن کو کچھ زیور وغیرہ دیا جائے تو یہ شرعاً ممنوع نہیں؛ بلکہ وسعت ہو تو دینا چاہیے،(۵) البتہ

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فما استمتعتم به منهن فأتوهن أجورهن فريضة﴾(سورة النساء: ۲٤)

"المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲٤۹/۳، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي اللّٰه تعالى عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه،وقال:هم سواء. (الصحيح لمسلم ،كتاب المساقاة والمزارعة ، باب الربا: ۲۷/۲،قديمي)

(۳) ردالمحتار،كتاب الحظر والإباحة،فصل في البيع،ذكر الفروع:٤۲٤/٦،سعيد

(۴) رد المحتار ،كتاب النكاح، باب المهر،قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية:۱٥٦/۳،سعيد

(۵) فقلت: تزوجني فاطمة؟ قال: وعند شئ فقلت : فرسي وبدني ... وامرهم أن يجهزوها، فجعل لها==

اس پر اصرار اور اس کا اعلان جو نام ونمود کے لیے ہوتا ہے، یہ ممنوع ہے۔(۱) اگر اس سے بچ کر شادی سے کچھ پہلے، یا عین شادی کے وقت یا بعد میں دے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۳/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۲۷-۱۲۸)

عورت کی موت کے بعد اس کا سامان اور زیورکس کی ملکیت ہوگا:

سوال(۱) مسماۃ زینب زوجہ زید لاولد فوت ہوگئی ہے، شادی کے موقع پر سسرال کی طرف سے جو مال ازقسم زیور وپارچہ جات اس کو دیئے گئے تھے، خاوند نے بعد وفات واپس لے لیے۔متوفیہ کو اپنے والدین (میکے) سے جو مال ملا تھا، وہ متوفیہ کے والدین کے قبضہ میں ہے، اس متروکہ مال کے متعلق جو زینب کو اپنے والدین نے دیا تھا، شرعاً کیا حکم ہے، آیا متوفیہ کے خاوند کو دیا جائے، یا اس کے والدین اپنے تصرف میں لے آئیں۔ نیز اس مال کے متعلق کیا حکم ہے جو مال زید نے واپس لے لیا ہے اور اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے؟ اگر مال متروکہ کو جو زینب کے والدین کے پاس ہے، کار خیر میں، تعمیر مسجد وغیرہ میں لیا جائے تو کیا حکم ہے؟

بیوی کے والدین اپنا حصہ میراث اپنی مرضی سے خیرات کر سکتے ہیں:

(۲) اگر متوفیہ کے والدین دیئے ہوئے مال کے شرعی مستحق برضا ورغبت اپنا حصہ نہ لینا چاہیں، اس صورت میں یہ مال مستحقین خیرات میں تقسیم کردیا جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر خاوند نے متوفیہ کے مال سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لیا تو کیا وہ متوفیہ کی میراث میں حق دار ہوگا:

(۳) جس صورت میں خاوند نے اپنا مال واپس لے لیا ہے، حالاں کہ اس کا مال اس مال سے قیمت میں بہت زیادہ ہے اور وہ اپنا مال شرعاً ورثہ میں تقسیم نہیں کرنا چاہتا تو کیا اس صورت میں وہ متوفیہ کے دیئے ہوئے مال میں سے شرعی حصہ لینے کا مستحق ہوسکتا ہے؟

الجواب ــ

شادی کے موقع پر خاوند کی طرف سے جو زیور اور کپڑے بیوی کو دیئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں عاریۃً

== سرير مشروط ووسادة من أدم حشوها ليف، وقال لعلي: إذا آتتك فلا تحدث شيئا حتى آتنك.(شرح الزرقاني، باب ذكر تزويج علي بفاطمة رضي الله عنهما: ۳۵۹/۲، ۳٦۰،عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۱) أو التزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص ... مكروها".(مجموعة رسائل اللكهنوى، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول: ۳٤/۳،إدارة القرآن كراتشي)

"عن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع سمع الله به ، ومن يرائي يرائي الله به". (متفق عليه)(مشكاة المصابيح،كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة الفصل الاول،ص: ٤٥٤،قديمي)

ہونے کی تصریح، یا عام رواج ہوتو خاوند کی ملک ہوں گے اور اگر عاریت کی تصریح، یا رواج عام نہ ہوتو وہ بیوی کی ملک ہوتے ہیں اور اس کے ترکہ میں شامل ہوکر تقسیم ہوں گے،(۱) اور والدین کی طرف سے جو زیور وسامان دیا جاتا ہے، وہ سب لڑکی کی ملک ہوتا ہے، سب ترکہ میں شامل ہوگا۔(۲) پس ہندہ کا ترکہ جس میں اس کا مہر جہیز اور چڑھاوا یعنی خاوند کا دیا ہوا مال بھی شامل ہوگا، اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا، پھر جن وارثوں کے حصے میں جو رقم آئے، وہ اپنی مرضی سے مسجد میں، یا کسی کار خیر میں صرف کردیں تو انہیں اختیار ہے۔فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۲۶/۵)

جہیز میں دیئے گئے زیورات کی مالک لڑکی ہے:

سوال(۱) نکاح کے وقت لڑکی کے ماں باپ جو چیز رسماً وعادتاً بصورت زیورات، یا پارچہ جات اور برتنوں وغیرہ کے دیتے ہیں، وہ جہیز لڑکی کی ملکیت میں آجاتا ہے، یا لڑکی کا شوہر مالک ہوجاتا ہے، یا لڑکی کے والدین ہی مالک رہتے ہیں؟

شوہر کی طرف سے دیئے ہوئے زیورات کا مالک کون ہے:

(۲) نکاح کے وقت عادتاً ورسماً شوہر جو بیوی پر زیورات اور پارچہ جات وغیرہ ڈالتا ہے، وہ زیورات وغیرہ شوہر کی ملکیت میں رہتے ہیں، یا بیوی مالک ہوجاتی ہے۔ یہاں پر ایک عورت مرگئی ہے اور باپ اور شوہر اس کے پیچھے موجود ہیں، عطیہ والدین اور شوہر کے ڈالے ہوئے زیورات اور مہر کس طرح تقسیم کئے جائیں۔

(المستفتی:۱۹۵۹، عبداللہ خاں صاحب (بنگلور چھاؤنی) ۲۴/شعبان ۱۳۵۶ھ، مطابق ۳۰/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) لڑکی کو جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ لڑکی کی ملک ہوتی ہیں، شوہر صرف اس چیز کا مالک ہوتا ہے، جو اس کے لیے دی جاتی ہے، مثلاً جوڑا۔(۳)

(۲) شوہر کی طرف سے جو زیورات عورت کو دیا جاتا ہے، اس میں عرف مختلف ہے، کہیں بطور تملیک ہوتا ہے، کہیں بطور عاریت، دہلی میں بطور تملیک دیا جاتا ہے اور عورت مالک ہوتی ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۰/۵)

---

(۱) وإذا بعث الزوج إلی أهل زوجة أشیاء عند زفافها منها دیباج، فلما زفت إلیه أراد أن یسترد من المرأة الدیباج لیس له ذلک إذا بعث إلیها علی جهة التملیک.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، باب النفقة: ۳۲۷/۱، ماجدیة)

(۲) جهز ابنته بجهاز أو سلمها ذلک لیس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده.(الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۵۵/۳، سعید)

(۳) لو جهز ابنته وسلمه إلیها لیس فی الاستحسان استرداده منها وعلیه الفتویٰ.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر: ۳۲۷/۱، ماجدیة)

(۴) والمعتمد البناء علی العرف، کما علمت.(رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۵۷/۳، سعید)

دلہن کو بری اور جہیز میں ملنے والے زیورات کا حکم:

سوال: ایک شخص مسلمان صاحب جائیداد و مالدار اپنی زندگی میں ایک وصیت لکھ گیا کہ میری جائیداد میں سے دس ہزار روپیہ میرے اکلوتے بیٹے کی شادی پر خرچ کیا جاوے اور جائیداد و دیگر مال کے متعلق دو شخصوں کو ٹرسٹی مقرر کر کے ان کی ہدایت تحریر کر گیا، حتی کہ وہ شخص قضاء الٰہی سے (یعنی وصیت کرنے والا) فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے کی شادی اس لڑکے کی سگی والدہ نے خود کر دی اور خرچہ حسب تحریر اس کے والد کے کیا؛ یعنی زیور وغیرہ اور کپڑے عروسانہ وغیرہ اس رقم کے بنا کر دلہن کے لیے دیئے گئے۔ خدا کی شان شام کو دلہن سسرال میں ان زیورات اور اپنے میکے والے زیورات کپڑے و برتن وغیرہ جہیز کے لے کر آئی۔ صبح کو لڑکا؛ یعنی دولہا اچانک موت آجانے سے فوت ہو گیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بموجب شرع محمدی شریف ان زیورات و پارچہ جات و دیگر سامان جو سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملے اور جو زیورات پارچہ جات و سامان وغیرہ بطور جہیز دلہن کے میکے والوں سے ملے، ان سب کی مالک دلہن ہے، یا یہ کہ دلہن کی جائیداد اور بھی مرحوم کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی، جس طرح باقی جائیداد بموجب شرع محمدی تقسیم ہوگی؟

(المستفتی: ۲۳۷۷، ایس محمد سعید، معرفت حاجی محمد الدین صاحب فیرس لین نمبر: ۶۰، کلکتہ، ۱۹/ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ، مطابق ۱۸/ جولائی ۱۹۳۸ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

دلہن کا جہیز کا سامان زیور کپڑے برتن وغیرہ جو میکے سے ملا ہے، وہ سب دلہن کا ہے، (۱) جو زیور سسرال سے ملا ہے، اس میں عرف کا اعتبار ہے، (۲) اگر یہ زیور تملیکاً دیا جاتا ہو تو تملیک قرار پائے گا اور دلہن کا ہوگا اور اگر عاریت کے طور پر دیا جاتا ہو تو عاریت قرار پائے گا اور دولہا کے ترکے میں شامل ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۲/۵)

وقت نکاح زوجہ کو دیئے گئے زیورات اور سامان جہیز زوجہ کی ملک ہیں اور یتیم بچوں کا نفقہ ایک تہائی ماں پر اور دو تہائی دادا پر ہے:

سوال: زید انتقال کر گیا اور ایک عورت خیر النساء اور دو لڑکیاں اور باپ چھوڑ کر فوت ہوا۔ زید کی کچھ ملک نہیں ہے، باپ ہی کی عیال داری میں رہ کر مر گیا۔ اس کی عورت خیر النساء کو عرف و عادت کے مطابق وقت نکاح خاوند کی

---

(۱) لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداد منها وعليه الفتوى. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر: ۳۲۷/۱، ماجدية)

(۲) والمعتمد البناء على العرف، كما علمت. (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۵۷/۳، سعيد

طرف سے کچھ زیورات دیئے گئے اور اس کے ماں باپ کی جانب سے کچھ سامان جہیز دیئے گئے، پس ان سامان جہیز اور زیورات میں از روئے شرع خیر النساء کی لڑکیوں کو اور اس کے خسر کو کچھ حق پہنچتا ہے، یا نہیں؟ نیز چھوٹی لڑکیوں کا نفقہ کس پر واجب ہے؟

الجواب

هو الموفق للصواب: خیر النساء کے زیورات اور سامان جہیز میں اس کی لڑکی وں اور خسر کا کچھ حق نہیں ہے، تمام کی مستحق خود خیر النساء ہے، اس کی چھوٹی لڑکیوں کے نفقہ کا ایک تہائی حصہ ماں پر اور دو تہائی حصہ دادا پر ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں لکھا ہے:

"إذا مات الأب فالنفقة على الأم والجد على قدر ميراثهما أثلاثا في ظاهر الرواية انتهى. (۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۷۵)

بوقت شادی جو زیور دلہن کو منجانب شوہر دیا جاتا ہے، وہ کس کی ملک ہے:

سوال: عام طور سے بیاہ کے موقع پر دولہا کی جانب سے دولہا کے وارث جو زیور و کپڑے وغیرہ دلہن کو دیئے جاتے ہیں، جس کو عموماً زیور و کپڑوں کا چڑھانا کہا جاتا ہے، سامان مذکورہ دولہا کے انتقال کے بعد دولہا کا ترکہ مانا جائے گا، یا دلہن مالک ہوگی؟

الجواب

یہ مسئلہ دراصل عرف ورواج کے تابع ہے، ہمارے شہروں کا عرف تو یہ ہے کہ لڑکی کا باپ جو زیور وغیرہ جہیز میں دیتا ہے، وہ لڑکی کی ملک کر دیتا ہے اور لڑکی ہی کی مملوک سمجھے جاتے ہیں اور خاوند، یا اس کے اقربا جو زیور چڑھاتے ہیں، وہ خاوند ہی کی طرف ملک رہتے ہیں، عورت اس کا استعمال عاریۃً کرتی ہے؛ اسی لیے تصرفات بیع وغیرہ کا اختیار نہیں ہوتا تو جس جگہ یہی عرف ہو، وہاں دولہا کی جانب سے جو زیورات چڑھائے گئے تھے، وہ دولہا کی ملک اور اس کی میراث ہوں گے۔ کذا ذکرہ الشامی فی کتاب الہبۃ (واللہ تعالیٰ اعلم) (امداد المفتین: ۲/۴۶۹)

لڑکی کو سسرال اور میکے سے ملے ہوئے زیورات کس کی ملکیت ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عرض خدمت ہے کہ میں قمر الدین آپ سے ایک شرعی مسئلہ میں رائے جاننا چاہتا ہوں، مسئلہ میرے چھوٹے بیٹے تبریز عالم کا ہے، جس کی شادی ۱۵/فروری ۲۰۱۰ء کو دہلی کی عظمیٰ پروین (ولد نعیم الدین احمد) کے ساتھ ہوئی تھی، یہ شادی بغیر کسی جہیز کے ہوئی ہے۔

(۱) ردالمحتار، باب النفقة: ۳/۶۱٤، دار الفكر بيروت، انيس

میرا بیٹا کمپیوٹر انجینئر ہے اور چار سال سے بنگلور میں سروس کر رہا تھا، عظمیٰ پروین کا بڑا بھائی کنیڈا میں رہتا ہے اور کوئی چھوٹا موٹا کام کرتا ہے، اس نے شادی سے پہلے سے ہی عظمیٰ کا کناڈا میں رہنے کے لیے مستقل ویزا لگایا ہوا تھا، شادی کے بعد میرے بیٹے کے کاغذات بھی معہ نکاح نامہ کے ساتھ لگا دئے گئے، لڑکا شادی کے بعد بنگلور چلا گیا اور عظمیٰ اپنے ماں باپ کے ساتھ دہلی میں رہنے لگی، مئی میں بنگلور جانے کا پروگرام بنا، اس بیچ کناڈا کے لیے ویزا منظور ہو کر آ گیا، عظمیٰ کے گھر والوں نے اس کو بنگلور نہیں بھیجا اور لڑکے پر دباؤ بنایا کہ نوکری چھوڑ کر کناڈا جاؤ نہیں تو عظمیٰ کو اکیلے بھیج دیں گے، لڑکے نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کناڈا جانے کی ساری تیاریاں مکمل کرلیں، کناڈا جانے سے دو دن پہلے عظمیٰ نے بقیہ زیور جو کہ میرے لاکر تجوری میں رکھا ہے، وہ مانگا، تقریباً ۲۰؍تولہ سونا عظمیٰ شادی کے بعد سے ہی اپنے ساتھ دہلی لے کر گئی تھی، جو کہ اس نے وہیں پر چھوڑ دیا تھا، اس زیور میں اس کا حق مہر جو کہ شرعی فاطمی تھا، وہ بھی شامل تھا۔

لڑکے نے کہا کہ ہم کناڈا میں رہیں گے، وہاں ہم کوئی زیور لے کر نہیں جائیں گے، جب کبھی ہندوستان آئیں گے، ضرورت پڑنے پر گھر سے لے کر استعمال کرلیں گے؛ لیکن عظمیٰ کا کہنا تھا کہ میں پورا زیور دہلی میں رکھوں گی، اس بات پر خفا ہو کر عظمیٰ اپنے ماں باپ کے ساتھ دہلی چلی گئی اور لڑکے سے بات چیت کا سلسلہ بھی بند کر دیا، جب لڑکا کناڈا جانے کے لیے دہلی گیا تو ماں باپ نے کہا کہ ہم تمہیں ابھی کناڈا نہیں بھیج رہے ہیں اور لڑکی کو بھی لڑکے سے نہیں ملنے دیا اور ٹکٹ کینسل کرنے کو کہا اور سارا زیور لے کر آنے کو کہا، ان کا کہنا ہے کہ لڑکی کناڈا ضرور جائے گی اور سسرال سے اور سسرال کے لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گی، وہ لڑکی کو کناڈا بھیج کر سارا زیورا پنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، ان کی نیت میں کھوٹ کو دیکھتے ہوئے ہی ہم نے بقیہ زیور دینے کو منع کیا تھا اور جو وہاں پر ہے، وہ بھی منگانے کو کہا تھا، وہ سارا زیور دبا کر اپنی من مانی کرنا چاہ رہے ہیں اور لڑکے پر آگے بھی شرطیں لگانا چاہتے ہیں۔

اِن حالات میں آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ لڑکی کا حق مہر کے علاوہ زیور پر کیا حق بنتا ہے؟ میرا لڑکا بھی اس وقت میرے پاس بے روزگار رہ رہا ہے، شادی میں سارا خرچ میں نے خود اپنے پیسہ سے کیا تھا۔

نوٹ: مسئلہ کی رو سے ہمیں کیا کرنا چاہیے، اِس کی وضاحت بھی فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جو زیور لڑکی کو مہر میں دیا گیا ہے اور جو اس کے میکہ کی طرف سے اس کو ملا ہے، وہ خالص لڑکی کا حق ہے، وہ اسے جہاں چاہے رکھ سکتی ہے، یا پہن سکتی ہے، یا اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے؛ لیکن مہر والے اور میکہ سے ملے ہوئے زیورات کے علاوہ جو زیورات لڑکے والوں کی طرف سے ملے ہیں، ان میں برادری کے عرف کا اعتبار ہے، اگر برادری کا عرف یہ ہے کہ اس طرح کے زیورات پر تصرف اور ملکیت کا حق لڑکے والوں کو ہوتا ہے تو اختلاف کی شکل میں انہیں لڑکے والے

جہاں رکھنا چاہیں رکھنے کا حق ہوگا، لڑکی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر برادری کا عرف یہ ہے کہ یہ زیورات پورے طور پر لڑکی کی ملکیت میں دے دیئے جاتے ہیں تو پھر لڑکی اور اس کے گھر والوں کو اسے رکھنے کا اختیار ہوگا۔ بہرحال سوال میں ذکر کردہ معاملہ میں ضد بندی نہیں ہونی چاہیے؛ بلکہ سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کر کے معاملات حل کر لیے جائیں اور اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے اور سنجیدہ اور معاملہ فہم لوگوں کو بیچ میں ڈال کر بدگمانیاں دور کی جائیں اور جہاں تک ہو سکے طلاق کے اقدام سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۱۰۶، ۱۰۷، ڈابھیل)

عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: ... وقال: المنحة مردودة. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث: ۳۲/۲)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك، إذا بعث إليها على جهة التمليك (إلى قوله) وقال في الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا، فالقول قول الزوج، وإن كان مشتركا، فالقول قول الأب. (الفتاویٰ الهندية: ۳۲۷/۱)

المعتمد البناء على العرف. (شامي: ۳۰۱/٤، زكريا)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٤١٣/١٤)

قال الشيخ الإمام الجل الشهيد: المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب. (شامي: ۱٥٧/۳، كراتشي)

إن العادة إنما تعتبر إذا أطردت أوغلبت. (شامي عن الأشباه: ۱٥٦/۳، زكريا: ٤/۳۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۷/۱۴۳۱ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۴/۸-۴۴۶)

لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو ملے ہوئے روپیہ پیسے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کو بوقت عقد جہیز جو روپیہ اور سامان کی شکل میں ملا تھا، اب زید کے انتقال کے بعد کیا پورا کا پورا جہیز سلمٰی کو واپس ملے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

جہیز میں دیئے جانے والے سامان کی مالک سلمٰی ہی ہے، وہ اِسی کو پورا کا پورا واپس ملے گا اور بوقتِ عقد جو روپیہ زید، یا اُس کے والد کو ملا تھا، اُس کی واپسی ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۳۵۷/۸)

كما في الشامي: فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها، ولا يختص بشيء منه. (رد المحتار، باب النفقة، مطلب: فيما لو زفت إليه بلا جهاز: ۲۹۹/٥، زكريا: ۱٥٥/۳، و٥٨٥/۳، كراتشي)

وفی الخانیة: وأما الذی بعث أبو المرأة إن کان هالکاً لا یرجع علی الزوج بشیء. (خانیة علی الهندیة: ۳۹۰/۱، الدر المختار مع الشامی: ۱۵۳/۳، کراتشی: ۲۹۹/۵، زکریا)

المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکًا لا عاریةً. (شامی: ۱۵۷/۳، کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۳۰/۵/۱۴۱۷ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۸/۸-۴۳۹)

طلاق پر شوہر کو دی ہوئی اشیا کی واپسی کا حق:

سوال (۱) میرا عقد معین الدین سے ہوا تھا، چھ ماہ تک حالات خوشگوار رہے، اس کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے ترش روئی اختیار کی، اخیر میں نوبت یہاں تک پہونچی کہ میرے شوہر مذکور نے سہ بار طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری میرے نام روانہ کی، طلاق کے بعد میں والدین کے پاس رہی، پنچ کمیٹی نے میرے شوہر کو طلب کر کے یہ فیصلہ کیا کہ رقم مہر اور سامان جہیز میرے شوہر سے واپس دلوا دیا؛ لیکن دیگر امور کی حد تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آیا میں رقم عدت پانے کی مستحق ہوں، یا نہیں؟

(۲) رقم پارچہ مبلغ چار سو روپے جو نوشہ کے لیے دیئے گئے تھے۔

(۳) اخراجات شادی تناول طعام وغیرہ پانچ صد روپے۔

(۴) اخراجات زچگی دو صد روپے۔

(۵) لڑکی کتنے عرصہ تک میرے پاس رہ سکتی ہے؟ اور فی ماہ کیا اخراجات واجب الادا ہو سکتے ہیں؟

(۶) نوشہ کو سلامی مردوں اور عورتوں کی طرف سے۔

(۷) نوشہ کے والدین کو کپڑے مبلغ پچاس روپے۔

(۸) نوشہ کو بوقت عید الاضحیٰ وعید الفطر سلامی وغیرہ ساٹھ روپے۔

(۹) نوشہ کے والدین نے بوقت شادی چھ تولہ چندن ہار تحفہ مجھے پہنائے تھے، وہ زیور مجھ سے چھین لیے۔

(۱۰) ایک جوڑ چین نقرئی چودہ تولہ بوقت شادی تحفہ مجھے دیئے تھے، یہ زیور سے واپس لے لیے۔

(۱۱) اس وقت میں ایام زچگی میں ہوں، میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور میری زندگی برباد کر دی گئی۔ آیا میں ہرجانہ رقم چھ ہزار روپے پانے کی مستحق ہوں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) اب اس کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) وہ واپس لینے کا حق نہیں۔

(۳) وہ بھی لینے کا حق نہیں۔

(۴) عدت شوہر کے مکان پر ہوتی تو یہ اخراجات خود ہی شوہر دیتا، اب اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔(۱)

(۵) لڑکی بالغ ہونے تک والدہ کے پاس رہے گی، جب کہ والدہ کسی غیر جگہ اپنا نکاح نہ کرے، (۲) اور خرچ حسب حیثیت والد کے ذمہ ہے، (۳) دودھ پلانے کا کوئی معاوضہ نہیں، الا یہ کہ مستقل معاملہ طے کر لیا جائے۔

(۶، ۷، ۸) ان میں سے کوئی چیز واپس لینے کا حق نہیں۔

(۹، ۱۰) اگر وہ آپ کی ملک کر دیئے تھے تو آپ کی ملک کر دیئے تھے تو آپ سے زبردستی چھین لینے کا حق نہیں رہا تھا۔

(۱۱) نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بند نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۸۶ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۸۶ھ۔ جواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۸۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۱۸-۱۲۰)

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يأيها النبى إذا طلقتم النساء فطلقوهن احصوا العدة واتقوا اللّٰه ربكم، لا يخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة، وتلک حدود اللّٰه ومن يتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل اللّٰه يحدث بعد ذلک أمراً﴾(سورة الطلاق: ۱)

"قال: النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت أو كافرة، إذا سلمت نفسها إلى منزله، فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها". (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۳۷/۲، مكتبة شركة علمية ملتان)/ "وإذا طلق الرجل امرأته، فلها النفقة والسكنى فى عدتها، وجيعا كان او بائنا". (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۴۳/۲، مكتبة شركة علمية ملتان)

"قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ: المعتدة إذا وجبت لها النفقة كانت لها فى العدة بمنزلة الزوجة التى لم تطلق من النفقة، فكذلک للمعتدة مادامت فى العدة ... أوحبست المعتدة فى الدين، او خرجت للحج؛ لأنه لما فات حقيقة الاحتباس لهذه الأسباب، فإن منفعته صيانة ماء الزوج، فلايستحق النفقة". (المحيط البرهانى، كتاب النفقات، الفصل الثانى فى نفقة المطلقات، النوع الثانى فى الاسباب المسقطة لهذه النفقة: ۱۳۹/۴، رشيدية)

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن﴾ وهذا يدل على أن الولد وإن فطم فالأم أحق بحضانته؛ لفضل حنوها وشفقتها، وإنما تكون أحق بالحضانة إذا لم تتزوج على مايأتى". (أحكام القرآن للقرطبى، سورة البقرة: ۱۰۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"(ومن نكحت غير محرم سقط حقها): أى غيرمحرم من الصغير كالأم إذا تزوجت بأجنبى منه، لقوله عليه السلام: أنت أحق به مالم تتزوجى" لأن زوج الام إذا كان أجنبيا يعطيه نزراً، وينظر إليه شزراً، فلا نظر له". (البحر الرائق، باب الحضانة: ۱۸۳/۴، دارالكتاب الإسلامى بيروت)/ " وأما الجارية: فهى أحق بها حتى تحيض ... فتترک فى يد الأم، بل تمس الحاجة إلى الترک فى يدها إلى وقت البلوغ لحاجتها إلى تعلم آداب النساء والتخلق باخلاقهن وخدمة البيت، ولا يحصل ذلک إلا وأن تكون عند الأم، ثم بعد ما حاجت أو بلغت عند الام حد الشهوة، تقع الحاجة إلى حمايتها وصيانتها وحفظها عمن يطمع فيها؛ لكونهالحما على وضم، فلا بد ممن يذب عنها، والرجال على ذلک أقدر". (بدائع الصنائع، كتاب الحضانة، فصل فى وقت الحضانة من قبل النساء: ۳۱/۴/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) الحضانة ... للأم: أى لأم الصغير ما لم يستغن، ونفقتها على الاب حيا وعلى ذى رحم الصغير على قدر الإرث ميتا". (جامع الرموز، كتاب الطلاق، فصل الحضافة: ۵۹۰/۲، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

وقت رخصتی جو کچھ شوہر سے خرچ کرایا گیا، اس کی واپسی:

سوال: خاوند اپنی عورت کو طلاق اس شرط پر دیتا ہے کہ جو روپیہ عورت کے باپ نے بطور رشوت لیا ہے اور جو اس کا خرچ موقع نکاح پر ہوا ہے، وہ تمام وصول کرے اور ساتھ لڑکا بھی اس کو مل جائے۔ یہ اس کا مطالبہ شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (۸/ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو روپیہ بطور رشوت عورت کے باپ نے شوہر سے لیا ہے، اس کی واپسی بہرصورت واجب ہے، (۱) خواہ طلاق دے، یا نہ دے، جو روپیہ شوہر نے خرچ کیا ہے، اس کا مطالبہ کرنا طلاق دینے کے لیے شرعا درست ہے، جبکہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اور اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۸/۴/۱۳۶۴ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/۴/۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۱۲۰-۱۲۱)

شادی کی امید پر دیا ہوا سامان واپس لینا:

سوال: زید کی لڑکی کی منگنی حامد کے لڑکے سے طے ہوئی، منگنی کے بعد لڑکے نے کہا کہ لڑکی کو میں خود دیکھوں گا، اس پر زید نے اپنی لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دی، جو رقم اور سامان زید نے اس منگنی کے سلسلہ میں حامد کو دیا تھا، وہ واپس ملنا چاہیے، یا نہیں؟ یہ سوال پنچایت میں پیش کرنا ہے؛ اس لیے جوابی کارڈ ارسال ہے۔ (احقر غلام جیلانی، مدرسہ بحر العلوم خلیل آباد بستی)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو سامان اور روپیہ شادی کی امید پر دیا گیا تھا، پھر شادی نہیں ہوئی، اس کو واپس لینا درست ہے، جب کہ وہ موجود ہو، استعمال سے ختم نہ ہو گیا ہو۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها،فمابعث للصهر يسترد عينه قائما فقط وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكا؛ لأنه معاوضه ولم تتم، فجاز الاسترداد، كذا يسترد ما بعث هدية، وهو قائم دون الهالک والمستهلک؛ لأنه في معنى الهبة". (كذا في الدر المختار، ص: ۳٦٤/۲) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/۳/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۱۲۳-۱۲۴)

---

(۱) أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". (الدر المختار، باب المهر مطلب انفق على معتدة الغير: ۱٥٦/۳، سعيد)

(۲) وشرطه شرط الطلاق، وحكمه وقوع الطلاق البائن، كذا في التبيين". (الفتاویٰ الهندية، الباب الثامن في الخلع، الفصل الاول: ٤۸۸/۱، رشيدية)

(۳) الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۱٥۳/۳، سعيد

نکاح نہ ہونے کی صورت میں منگنی پر دی ہوئی اشیاء کی واپسی:

سوال: زید نے اپنے پسر خالد کی منگنی بکر کی دختر زینب سے کیا، ہمارے یہاں منگنی کی یہ صورت ہوتی ہے کہ لڑکی والا کچھ روپے مثلاً چودہ، یا پندرہ، یا سولہ روپے جیسی جس کی قدرت ہوتی ہے اور کچھ گلگلے، (۱) یا بھیلی، (۲) یا بتاشے وغیرہ لڑکے والے کے یہاں بھیجتا ہے، نیز لڑکے والا بھی ساڑی (۳) و کرتہ وغیرہ دیتا ہے، اگر بعد میں کسی وجہ سے خالد کا نکاح بکر کی دختر زینب سے نہ ہوسکا؛ بلکہ کسی وجہ سے دوسری جگہ کی دوسری لڑکی سے ہوگیا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا جو چیزیں دی اور لی گئیں، ان کا واپس کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اس کا جواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

(المستفتی: آفاق احمد غفرلہ الصمد)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

قال الشامي بعد ذكر الأقول المختلفة وأيده في الجزئية في كتاب النفقات: "وافتى به حيث سئل فيمن خطب امرأة وانفق عليها وعلمت أنه ينفق ليتزوجها فتزوجت غيره؟ فأجاب بأنه يرجع، واستشهد له بكلام قاضي خان المذكور وغيره، وقال: إنه ظاهر الوجه، فلا ينبغي أن يعدل عنه،آه.

وعلى هذا فما يقع في قرى دمشق من أن الرجل يخطب امرأة ويصير بكسوها ويهدى إليها في الأعياد ويعطيها دراهم للنفقة والمهرأى أن يكمل المهر، فيعقد عليها ليلة الزفاف، فإذا أبت أن تزوجه، ينبغي أن يرجع عليها بغير الهداية الهالكة على الأقوال الأربعة المارة؛ لأن ذلك مشروط بالتزوج، كما حققه قاضي خان فيما مر ... بعثت الصهرة إلى بيت الختن ثيابا لا رجوع لها بعده ولو قائمة.

ثم سئل، فقال: لها الرجوع لو قائما، قال الزاهدي، والتوفيق أن البعث الأول قبل الزفاف، ثم حصل الزفاف، فهو كالهبة بشرط العوض، فقد حصل فلا ترجع، والثاني بعد الزفاف فترجع". (۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کی طرف سے انکار ہوجائے تو لڑکے کو واپسی کا حق ہوتا ہے، وہ بھی ان اشیا کے متعلق جو باقی ہوں اور جو چیزیں ہلاک ہوگئیں ہوں، ان کی واپسی کا حق نہیں اور صورت مسئولہ میں عورت کی طرف سے انکار ذکر نہیں کیا گیا، پس اگر لڑکی والے انکار کر چکے تھے، تب تو ان اشیا کو واپس لیا جاسکتا ہے، جو کہ موجود ہوں اور جو ہلاک ہوگئیں، ان کی واپسی نہیں ہوسکتی اور اگر لڑکی والوں نے انکار نہیں کیا تو ان سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا ہے، و**كذا يفهم مما ذكروا:**

(۱) گلگلے: میٹھا پکوان"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) بھیلی: گڑ کا گول ڈلا، جس کا وزن تین چار سیر کا ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۴۱، فیروز سنز)

(۳) ساڑی: ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں، (فیروز اللغات، ص:۷۶۴، فیروز سنز)

(۴) **ردالمحتار، باب المهر، مطلب؛ انفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۴-۱۵۵، سعيد**

”خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء، ولم يزوجها أبوها، فما بعث للمهر يسترد عينه قائما فقط وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكا؛ لأنه معاوضة ولم تتم، فجاز الاسترداد، وكذا يسترد ما بعث هدية، وهو قائم دون الهالک والمستهلک؛ لأنه في معنى الهبة“. (الدرالمختار)

”(قوله: ولم يزوجها أبوها): مثله ما إذا ابت أن تتزوجه وكانت كبيرة، آه“. (طحطاوی:٦٦/٢)(١)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ذی الحجہ/۱۳۵۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۲/۱۲۴-۱۲۵)

نکاح سے پہلے سسرال کو دی ہوئی رقم واپس لینا:

سوال: آج کل مروجہ دستور یہ ہے کہ نکاح سے پہلے سسروال والے اپنے داماد سے کچھ پہلے روپیہ نقدی وجنس وغیرہ لیتے ہیں، تب نکاح ہوتا ہے۔ کیا درمختار کا یہ حوالہ جو پیش کیا جاتا ہے، اس کے مطابق داماد وہ روپیہ وغیرہ سسرال سے واپس لے سکتا ہے؛ کیوں کہ اس روپے کو رشوت سے تعبیر کیا ہے، جس کو مفصل مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالحی صاحب کی جلد دوم ص:۱۹۱، تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

في الدرالمختار: أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة، انتهى. (٢)

(المستفتی: ۲۵۰۵، محمد حبیب الرحمٰن، کیمل پور، ۲۱/ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ، ۱۱/جون ۱۹۳۹ء)

الجواب

نکاح سے پہلے دولہا سے، یا اس کے اولیا سے جو چیزیں لی جاتی ہیں، وہ دو قسم کی ہوتی ہیں: اول تو وہ جو دلہن کے واسطے لی جاتی ہیں، مثلاً جوڑا کچھ زیور، مہندی، چوڑیاں وغیرہ تو یہ چیزیں لینی جائز ہیں؛ مگر ان میں اعتدال اور وسعت کا لحاظ رکھنا اور ان کی کسی خاص مقدار کو مخصوص اور لازم نہ کر دینا لازم ہے۔ (٣)

دوسری قسم وہ جو دلہن کا ولی کوئی رقم، یا زمین، یا اور کوئی شے دولہا سے محض اس بنا پر لیتا ہے کہ دلہن کا نکاح اس کے

---

(١) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب المهر، مطلب: لو بعث إلى زوجته شيئا، ثم قال: إنه من المهر: ٦٦/٢، دارالمعرفة بيروت)

(٢) رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ١٥٦/٣، سعيد

(٣) ما هو معروف بين الناس في زماننا أن البكر لها أشياء زائدة على المهر منها ما يدفع قبل الدخول كدراهم للنقش والحمام وثوب يسمى لفافة الكتاب وأثواب آخر يرسلها الزوج ليدفعها أهل المرأة القابلة وبلانة الحمام ونحوها، ومنها ما يدفع بعد الدخول كالازار والخف والكعب وأثواب الحمام. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ١٣٠/٣، سعيد)

ساتھ کرے گا، یہ چیزیں مہر میں شامل نہیں ہوتیں اور نہ دلہن کے استعمال کی ہوتی ہیں، نہ دلہن ان اشیا کی مستحق سمجھی جاتی ہیں، اس قسم کی چیزیں رشوت میں داخل ہیں اور دولہا کو ان کی واپسی کا حق ہے۔(۱) درمختار کی عبارت میں اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۳۶/۵) ☆

اپنا زیور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے بعد شوہر سے مطالبہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سعید کی شادی مورخہ ۱۴،۴،۹۹ کو مسمی سعدیہ کوثر کے ساتھ ہوئی، میاں بیوی نے تقریباً دس سال بحسن وخوبی زندگی گزاری، اس دوران ایک لڑکی تولد ہوئی، بیوی کے والدین نے اس کو ۱۴۰ر گرام سونے کے زیورات دئے اور شوہر کو ۲۱ر گرام زیورات بطور تحفہ دئے، شوہر سعید کے ذمہ داروں نے سعدیہ کوثر کو ۷۸ر گرام سونا کے زیورات دیئے، کل ملا کر بیوی کے زیورات ۲۲۷ر گرام ہوئے، اب میاں بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، نا اتفاقی اس حد تک پہنچ گئی کہ بیوی نے خلع کی درخواست دار القضاء میں دے دی، اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ سعدیہ کے ۲۲۷ر گرام زیورات میں سے ۱۲۱ر گرام زیورات انہیں کے پاس ہیں، بقیہ ۱۰۶ر گرام زیورات کا حساب درج ذیل ہے:

الف: ۴ر گرام سونے کا ایک زیور بیوی پہن کر کسی تقریب میں گئی، رات میں سوتے وقت بیوی نے وہ زیور نکال کر شوہر کو حفاظت کے لیے دے دیا، شوہر اس کو جیب میں رکھ کر سو یا، اس دوران وہ زیور غائب ہو گیا، صبح کو میاں

(۱) أخذ أهل المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۵٦/۳، سعيد)

☆ **جہیز میں دیا ہوا سب سامان واپس لینا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) بوقت شادی زید کے باپ نے جو زیور زید کی بیوی کو چڑھایا تھا، اب وہ زیور زید کا باپ رکھ لے یا وہ زید کی بیوی کو اس کے باپ کے گھر سے بطور جہیز ملا تھا، وہ زید کی بیوہ اب واپس لے جاسکتی ہے، یا نہیں؟

(۲) اگر واپس لے جاسکتی ہے تو کل سامان، یا کچھ تفصیل ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

(۱) اگر زید کے باپ نے زید کی بیوی کو زیور کا مالک بنا دیا تھا، یا برادری میں بیوی کو ہی مالک بنا دینے کا رواج ہو تو وہ زیور بیوی کی ملکیت ہے، زید کے باپ کو اسے لینے کا حق نہیں ہے۔

كذا تستفاد من العبارة الآتية: جهز ابنته بجهاز وسلمها ذٰلك ليس له الاسترداد منها هٰذا إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازاً لا عارية. (شامي: ۱۵۵/۳، كراتشي، ۳۰۹/٤، زكريا)

(۲) جہیز کا سب مال لے جاسکتی ہے، الا یہ کہ ایسا سامان جو صرف شوہر کے لیے ہی خاص مثلاً مردانہ کپڑے وغیرہ تو یہ لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو ہبہ سمجھا جائے گا اور شوہر کی ملکیت میں شامل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۱۱/۱۴۱۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۵۲/۸-۴۵۳)

بیوی نے مصالحت کرلیا کہ جو چیز گم ہوگئی، اس کو چھوڑ دیا جائے، اب اس کا مطالبہ بیوی کی طرف سے کیا جارہا ہے، جب کہ اس واقعہ کو ہوئے دس سال ہوگئے، کیا اس زیور کا ضمان شوہر پر شرعاً واجب ہے؟

ب: شوہر کے بھائی کی شادی ہوئی، ایسے موقعوں پر نئے جوڑے کو تحفہ دینے کا رواج ہے، اس رواج کے مطابق میاں بیوی اپنی رضامندی کے ساتھ ۱۶؍گرام کا ایک زیور نئے جوڑے کو تحفہ میں دیا، اس واقعہ کو گزرے ہوئے تقریباً ۵؍سال ہوگئے، اب علاحدگی کی صورت میں بیوی کی طرف سے اس زیور کا مطالبہ ہورہا ہے، کیا شرعاً شوہر پر اس زیور کا تحفہ واپس لے کر لوٹانا واجب ہے؟

ج: بیوی کے والدین بہت قرض دار تھے اور اس وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے، انہوں نے اپنے داماد سے درخواست کیا کہ کہیں سے سودی قرض لے کر دیں، داماد نے ان کے لیے سودی قرض کا انتظام کردیا اور اس کے علاوہ عقد کے کئی سال تک عدم استقرار حمل رہا، شوہر نے استقرار حمل کے علاج کے لیے بھی سودی قرض لیا، اس کی صورت حقیقت یہ ہے کہ داماد نے سسرال والوں کے قرض اور بیوی کے علاج کے لیے بھی سودی قرض لیا، سودی قرض اتنا ہوگیا کہ اس کو ادا کرنا محال ہوگیا تو ایسی مجبوری کی صورت میں سعدیہ نے شوہر سے کہا کہ میرے زیورات فروخت کرکے اس سود کی رقم ادا کردو، سعدیہ کے حکم سے شوہر سعید نے ۷۷؍گرام سونے کے زیورات فروخت کرکے ادا کیا، بعد میں سسرال والوں نے اصل رقم ادا کرکے قرض کو ختم کیا، اب سوال یہ ہے کہ ۷۷؍گرام سونا جو سعدیہ کوثر کے حکم سے فروخت کرکے سعید نے سود کی رقم ادا کی ہے، کیا ان زیورات کا شوہر پر ادا کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جو زیورات بیوی نے برضا ورغبت فروخت کرادئے اور اس کی رقم آپسی رضامندی سے قرض وغیرہ میں ادا کردی گئی، اسی طرح جو زیور بیوی نے دیور کی شادی میں ہدیہ کیا، نیز شوہر سے گم شدہ جس زیور پر مصالحت ہوچکی تھی، ان تمام چیزوں کا اب خلع کے وقت مطالبہ درست نہ ہوگا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان. (سنن الدار قطنی:۳۶/۳،رقم:۲۹۳۹)

کل یتصرف فی ملکہ ماشاء. (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۶۵۳/۱)

حکم الھبۃ ثبوت الملک للموھوب لہ. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۴۱۳/۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۹/۱/۱۴۳۲ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۵۳/۸-۴۵۵)

لڑکی والوں کا جہیز کا سامان واپس مانگنا:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان دیتا ہے، پھر اس کی رخصتی کے وقت وہ اپنے ذہن میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ

ہم اپنی بیٹی کو جو سامان دے رہے ہیں، وہ عاریت کے طور پر دے رہے ہیں، بعد میں اس سے واپس لے لیں گے، جب لڑکی اپنے گھر چلی گئی تو والدین نے شوہر سے مطالبہ کیا تو شوہر نے کہا کہ وہ تو آپ نے اس کی مِلک میں دے دیا تھا اور لڑکی بھی کہتی ہے کہ وہ سامان تو میرا ہے، آپ نے مجھے ہبہ کیا ہے۔

مفتی صاحب اس مسئلہ میں کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور ہمارے عرف میں جہیز کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ہمارے عرف میں جہیز کا سامان لڑکی کو ہبۃً دیا جاتا ہے اور لڑکی اس کی مالک بن جاتی ہے، باپ کا یہ کہنا کہ میں نے عاریۃً دیا تھا اور اب واپس دو، درست نہیں، لہٰذا باپ کو وہ سامان واپس لینے کا حق نہیں۔

لمافي مسند احمد بن حنبل (١٧٤/١): حدثنا أبو سعيد، مولى بني هاشم، ومعاوية بن عمرو، قالا: حدثنا زائدة، حدثنا عطاء بن السائب، عن أبيه، عن علي، قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل، وقربة، ووسادة من أدم حشوها ليف – قال: معاوية إذخر – قال أبي: والخميلة: القطيفة المخملة.

وفي الشامية (١٥٦/٣): مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية قلت ومقتضاه أن المراد من استمرار العرف هنا غلبته ومن الاشتراك كثرة كل منهما إذ لا نظر إلى النادر ولأن حمل الاستمرار على كل واحد من أفراد الناس في تلك البلدة لا يمكن ويلزم عليه إحالة المسألة إذ لاشك في صدور العارية من بعض الأفراد والعادة الفاشية الغالبة في أشراف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجهاز تمليكا.

وفيه أيضا (١٥٧/٣): المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب... تنبيه ذكر البيري في شرح الأشباه أن ما ذكروه في مسألة الجهاز إنما هو فيما إذا كان النزاع من الأب أما لو مات فادعت ورثته فلا خلاف في كون الجهاز للبنت لما في الولوالجية جهز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة. (نجم الفتاویٰ: ۲۴۷/۵-۲۴۸)

رشتہ ٹوٹ جانے پر جانبین سے دیا ہوا سامان واپس لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) زید نے خالد کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا رشتہ طے کیا اور دنیوی رسم ورواج کے مطابق زید نے اپنے ہونے والے داماد کو اپنا کر بیس ہزار روپئے دئے، ادھر خالد کی بیوی نے اپنی ہونے والی بہو کو دیکھ جوڑا پہنانے کی رسم

پورا کرتے ہوئے ایک لاکھ کا زیور دیا، بعد میں زید نے اپنے ہونے والے داماد میں کچھ خامیاں دیکھتے اور سنتے ہوئے رشتہ ختم کردیا، فریقین کی طرف سے پنچایت بیٹھی اور طے یہ کیا کہ زید کی غلطی ہے، اس نے رشتہ ختم کیا ہے؛ اس لیے زید نے جو کچھ اپنے ہونے والے داماد کو دیا ہے، وہ داماد ہی کے پاس رہے گا اور اوپر سے تین ہزار روپیہ مزید جرمانہ پنچایت نے کیا اور خالد کا سب سامان زید سے واپس لے لیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً یہ فیصلہ درست ہے، یا ہر ایک کو دوسرے کے پیسے زیور سامان وغیرہ واپس کرنا چاہئے؟

(۲) کیا اس طرح کے موقعہ پر پنچایت کو مالی جرمانہ کسی پر دباؤ ڈال کر لینا شرعاً درست ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) رسم ورواج کے مطابق رشتہ طے کرتے وقت لین دین بجائے خود قابلِ ترک اور لائق مذمت ہے؛ لیکن اگر بالفرض رشتہ درمیان میں ٹوٹ جائے تو کسی ایک فریق کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی لی ہوئی چیز ضبط کرے؛ بلکہ دونوں فریقوں کو اپنا دیا ہوا سامان لینے کا یکساں حق ہے اور مسئولہ صورت میں برادری کی پنچایت نے جو یک طرفہ فیصلہ کیا ہے، وہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے، اس فیصلہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۵۹/۷، کفایت المفتی: ۳۹/۵، مطبوعہ ملتان)

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں پنچایت کی طرف سے کسی فریق پر مالی جرمانہ عائد کرنے کا فیصلہ ناقابل عمل ہے۔

خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما فقط، وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكا؛ لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد. (الدر المختار مع الشامي: ۱۵۳/۳، كراتشي: ۳۰۴/٤، زكريا، مجمع الأنهر: ۳٦۲/۱، قديم مطبوعه بيروت)

وأيّده في الخيرية في كتاب النفقات: وأفتى به حيث سئل فيمن خطب امرأة وأنفق عليها وعلمت أنه ينفق ليتزوجها فتزوجت غيره، فأجاب بأنه يرجع، واستشهد له بكلام قاضي خان المذكور وغيره، وقال: إنه ظاهر الوجه فلا ينبغي أن يعدل عنه ... وعلى هذا فما يقع في قرى دمشق من أن الرجل يخطب امرأة ويصير يكسوها ويهدي إليها في الأعياد ويعطيها دراهم للنفقة والمهر إلى أن يكمل لها المهر فيعقد عليها ليلة الزفاف، فإذا أبت أن تتزوّجه ينبغي أن يرجع عليها بغير الهدية الهالكة على الأقوال الأربعة المارة؛ لأن ذٰلك مشروط التزوّج كما حققه قاضي خان. (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳۰۵/٤-۳۰٦، زكريا)

قوله: لا بأخذ المال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز، ومثله في المعراج، وظاهره إن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال:

فی الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه. (شامی ۱۰۵/٦-۱۰٦، زکریا، الفتاویٰ الهندية: ١٦٧/٢، فتح القدير: ٣٤٥/٥، قديم مطبوعه بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۶/۱۴۳۱ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۲/۸-۴۴۴)

رشتہ ختم ہونے کے بعد سگائی کے وقت دیئے ہوئے تحفے تحائف واپس کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے لڑکے کا رشتہ اپنے قریبی عزیز کی لڑکی سے طے ہونے پر جب ہم لڑکی اپنانے کے لیے ان کے مدعو کرنے پر کچھ سامان جیسے مٹھائیاں جوڑے، زیور لے کر لڑکی کے گھر پر گئے تو انہوں نے ہم ۲۰-۲۵/ بچے عورتوں کو ناشتہ وکھانا دیا، دوسرے دن ہم لڑکی والوں کو اپنے یہاں بلایا، اس میں تقریباً ۳۰ سے ۳۵/ تک عورتیں مرد اور بچے شامل تھے، وہ اپنے ساتھ جوڑے مٹھائیاں اور تحفہ وغیرہ لے کر آئے، ہم نے ان کی خاطر ناشتہ کا اہتمام کیا، کچھ وقفہ کے بعد جب ہم چند لوگ تاریخ شادی روپیہ اور مکان اپنی لڑکی کے نام کرنے کو کہا، جب یہ بات لڑکے کے سامنے آئی تو اپنی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اس نے اس رشتہ سے انکار کردیا اور لڑکی کے والدین سے کہلوایا کہ جو بھی کل سامان آپ کا ہمارے پاس ہے، واپس لے لیں اور ہمارا کل سامان واپس کردیں، اس کے جواب میں لڑکی کے والدین نے کہلوایا کہ جو ہم نے کھانے میں خرچہ کیا ہے، اس کو بھی واپس کردیں تو اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

رشتہ ختم ہونے کے بعد سگائی کے وقت میں جانبین نے جو تحفے وتحائف دیئے ہیں، اُن میں سے جو کچھ باقی ہے، وہ ایک دوسرے کو واپس کریں گے اور جو چیزیں ختم ہوچکی ہیں، یا کھانے کی چیز کھا کر ختم کردی ہے، اُس کا تاوان لازم نہیں، لہٰذا لڑکی والوں نے جو سامان دیا ہے اور وہ بچا ہوا ہے، لڑکے والوں پر اُس کی واپسی لازم ہے اور لڑکے والوں نے جو دیا ہے، اُس میں سے جو باقی ہے، اُس کا واپس کرنا لڑکی والوں پر لازم ہے اور جانبین نے جو ناشتہ کرایا، یا کھانا کھلایا، اس میں جو خرچہ ہوا، اس کا تاوان ایک دوسرے پر لازم نہیں، نیز لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا گیا تھا، اس کے خرچہ کا مطالبہ بھی درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۲/۳)

خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائماً فقط، وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكًا؛ لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد، وكذا يسترد ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك؛ لأن فيه معنى الهبة. (الطحطاوی علی الدر، باب المهر، مطلب: لو بعث إلى زوجته شيئًا، الخ: ٦٦/٢، دار المعرفة بيروت، البحر الرائق، باب المهر: ١٨٦/٣، کوئٹہ، الدر المختار، باب المهر: ١٥٣/٣، کراتشی: ٣٠٤/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۱۱/۱۴۲۲ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۰/۸-۴۴۱)

جہیز میراث کا بدل نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض لوگ جہیز کو میراث کا بدل سمجھ کر بیٹی، یا بہن کو جہیز دیتے ہیں اور بعد میں میراث سے بیٹی، یا بہن کو محروم کر دیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اِس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کے موقع پر لڑکی کو جو کچھ دیا جاتا ہے، یہ محض تحفہ ہے، یہ میراث کا بدل نہیں، لہٰذا جہیز دے کر بہن، یا بیٹی کو محروم کر دینا سراسر جہالت اور صریح ظلم ہے، اَحادیثِ شریفہ میں میراث کے حق دار کو حق نہ دینے پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔

عن سعيد بن زيد رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ من حق امرء من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (صحيح مسلم: ۳۳/۲، صحيح البخاري: ۳۳/۱، معجم الأوسط: ۱٦٧/٦)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة: ۱۹٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۱/۱۴۳۳ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۹/۸-۴۵۰)

جہیز دینے سے لڑکی کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ رسم ورواج ودستور کا شرع میں کیا مقام ہے، عرب ممالک میں دستور ہے کہ لڑکی والے مہر کی رقم نکاح سے پہلی ہی لے کر اُسی سے لڑکی کی شادی کر دیتے ہیں، جب کہ ہندوستان جیسے ملک میں لڑکی کے والدین کو اُلٹا جہیز وغیرہ دینا پڑتا ہے۔ اِسی طرح عرب ممالک میں لڑکے کی شادی بھاری پڑتی ہے اور ہندوستان میں لڑکی کی شادی بھاری پڑتی ہے، اِسی طرح ہندوستان میں یہ دستور عام ہے کہ لڑکی کو زیادہ سے زیادہ جہیز دے کر اس کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے ہیں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

أعظم النكاح بركة أيسره مؤنةً. (مشكاة المصابيح: ۲٦٨/۲)

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے، جس میں سب سے کم خرچ ہو۔)

اس لیے اس زمانہ میں وہ سبھی رسومات جنہیں حد درجہ ضروری قرار دے دیا گیا ہے، خواہ لڑکی والوں کی طرف سے ہوں، یا لڑکے والوں کی طرف سے، سب بے اصل ہیں، شریعت اسلامی اس بے جا اسراف وتبذیر کی کسی طرح

اجازت نہیں دیتی، ان رسومات کا ترک لازم اور ضروری ہے اور جہیز دینے کی وجہ سے لڑکی وراثت سے ہرگز محروم نہیں ہوسکتی، جو لوگ اس بنا پر لڑکی کو محروم کرتے ہیں، وہ ظالم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/۱۱/۱۴۱۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۵۰/۸-۴۵۱)

لڑکی کا جہیز میراث سے مانع نہیں:

سوال: مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کو جہیز کا سامان دے دیا جائے تو پھر میراث میں سے نہیں ملتا اور لڑکی کا جہیز ہی اس کی میراث شمار ہوتی ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

لڑکی کو انتہائی ضرورت کی اشیاء جہیز میں دینا ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروائی تو اپنی چہیتی بیٹی کو جہیز میں صرف ایک تکیہ، ایک چادر، دو چکیاں اور دو مشکیزے دیئے، یہ تھا سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا جہیز اور جہیز باپ کی طرف سے لڑکی کے لیے بطور تحفہ کے ہوتا ہے، باپ کو چاہیے کہ شادی کے وقت لڑکی کو کچھ نہ کچھ ضرورت کا سامان استطاعت کے بقدر دے دے، جیسے روزمرہ استعمال میں آنے والی چیزیں برتن وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں جو لڑکی کو جہیز دے رہا ہے تو یہ بطور تحفہ کے ہے، باپ کے مرنے کے بعد اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی؛ بلکہ لڑکی کو میراث میں سے پورا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر باپ مر چکا ہے اور اس لڑکی کے بھائی وغیرہ نے لڑکی کو جہیز دیا تو اس صورت میں بھی اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی؛ بلکہ میراث کا پورا پورا حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۱۱): ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيۡ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ كُنَّ نِسَاءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ﴾ (الآية)

وفی المشكاة (ص: ۲۷۱): وعن أبی سعيد وابن عباس رضی الله عنهم قالا: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه علىٰ أبيه.

وفی صحيح البخاری (۳۵۲/۱): عن النعمان بن بشير أن أباه أتی به إلی رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال: إنی نحلت ابنی هذا غلاما فقال: أكل ولدک نحلت مثله، قال: لا، قال: فارجعه.

وفی الدرالمختار (۳/۶-۷): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملک المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة فی الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوی تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أی القدرة علی وطء ومهر ونفقة ورجح

فی النهر وجوبه للمواظبة عليه والإنكار على من رغب عنه (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك. (نجم الفتاویٰ: ۲۴۵/۵)

جہیز کے لیے قرض لینا:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کراتا ہے جہیز خریدنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں؛ لیکن لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدتا ہے تو آیا اس کے لیے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے؟ اور اگر بغیر جہیز کے رشتہ ہی نہ ہوتا ہو تو قرض لے کر بندوبست کرسکتا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہیز ایک ہدیہ ہے، جو باپ اپنی استطاعت کے مطابق لڑکی کو بوقتِ رخصتی دیتا ہے، جہیز کا مروجہ خاکہ (جس میں صرف نمود ونمائش بیجا اسراف اور ضرورت سے زیادہ دکھلاوے کی چیزیں شامل ہوتی ہیں) اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ یہ لڑکی والوں کے لیے ایک جبر اور اضطرار ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معمولی سا ضرورت کا سامان دینا ثابت ہے؛ لیکن مروّجہ جہیز کا قرونِ اولیٰ میں نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس وقت اس کا رواج تھا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً آپ کو چاہیے کہ ایسا دیندار اور شریف رشتہ ڈھونڈیں، جس کی نظر پیسوں کے بجائے لڑکی کے اخلاق وسیرت پر ہو اور پھر بقدر استطاعت جہیز کے ساتھ لڑکی کو رخصت کردیں اور اگر ایسا رشتہ میسر نہ آئے تو بوقتِ ضرورت صرف اتنا قرض لیا جاسکتا ہے، جس سے لڑکی کے لیے ضرورت کا سامان تیار کیا جاسکے (یہ بھی اس وقت ہے جب شادی نہ کرنے کی صورت میں لڑکی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو)، البتہ ضرورت سے زیادہ نام ونمود کے جہیز کے لیے قرضہ لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ جہیز دینا کوئی لازمی امر نہیں اور قرض بغیر ضرورت کے نہیں لیا جاتا، لہٰذا جب ضرورت ہو؛ یعنی لڑکی کو شادی کا تقاضہ ہو اور لڑکے والے بغیر جہیز کے رشتہ پر تیار نہ ہوتے ہوں تو بقدر ضرورت جہیز کے لیے قرض لیا جاسکتا ہے۔

لما في البحر الرائق (۱۸۶/۳): من زفت إليه امرأته بلا جهاز فله مطالبة الأب بما بعث إليه من الدنانير والدراهم ... ولو سكت بعد الزفاف طويلا ليس له أن يخاصمه بعده وإن لم يتخذ له شيء.

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية (۲۷/۱): لايلزم تجهيز بنته من مال نفسه: سئل في رجل جهز بنته بمهرها وتكافه أمها بتجهيز ها بزيادة عليه من مال نفسه فهل لا يلزمه ذلك الجواب نعم.

وفي الشامية (۶/۳): أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اه ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته.

وفيه أيضا (۸/۳): قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي

والنسائی وابن ماجه ثلاث حق علی الله تعالی عونهم المکاتب الذی یرید الأداء والناکح الذی یرید العفاف والمجاهد فی سبیل لله تعالی ذکره بعض المحشین وتقدم تمام الکلام علی ذلک. (نجم الفتاویٰ: ۲۴۰/۵-۲۴۱)

جہیز کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ لینا:

سوال: مفتی صاحب! میں بڑا پریشان ہوں، میں تو کیا ہر بچیوں کا باپ اس دور میں پریشان ہے۔ سمجھ لیجئے کہ یہ ہر باپ کی آواز ہے، جس کے گھر میں جوان بچیاں ہیں۔ کوئی باپ اپنی بچیوں کا گلہ نہیں گھوٹ سکتا اور نہ ہی سمندر میں دھکا دے سکتا ہے، بچیوں کے رشتے نہ آنے پر ہر باپ کو مجبوری میں یہ قدم اٹھانا پڑتا ہے، بچیوں کی عمریں نکل جانے کے ڈر سے رشتہ لانے والوں کے مطالبے پورے کرنا پڑتے ہیں۔ آج کل لڑکے والے اپنے لڑکے کو چیک کیش سمجھتے ہیں۔ گھر، جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر باپ کی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ سارے مطالبے پورے کر سکے؛ اس لیے مجبوراً ہی اپنی جماعت سے مدد طلب کرتے ہیں۔ میں خود صاحب حیثیت آدمی ہوں، ہر سال پانچ ہزار روپیہ زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ ۲/لاکھ روپے کی طاقت والا گھر، جہیز کہاں سے اکٹھا کرے؛ اسی لیے میں نے اپنی بچی کا ایک رشتہ طے کیا ہے، جس میں اس کو ایک کمرے والا گھر خرید کر دینا ہے، آج کے دور میں اس کی قیمت سات لاکھ روپے ہے، گھر کا میں نے سودا کیا، دو لاکھ روپے پیمنٹ کر چکا ہوں، پانچ لاکھ روپے کی مزید ضرورت ہے۔

ہماری باتو اجماعت بچی کی شادی پر ۴ لاکھ روپے زکوٰۃ کے دیتی ہے، میرے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا تو وہ چار لاکھ روپے لے کر اور کچھ اِدھر اُدھر سے کر کے گھر کی پیمنٹ کر دی ہے۔ اب شادی کا وقت نزدیک آنے والا ہے، فرنیچر، سونا، برتن وغیرہ اور مہمانوں کی خدمت کیلئے کھانا اور ان کے لیے دو ڈھائی لاکھ کی مجھے اور ضرورت ہے، کوئی بھی بغیر زکوٰۃ کے پیسے دینے کے لیے تیار نہیں، اتنی بڑی رقم کوئی خیرات پر دینے کے لیے تیار نہیں؛ اسی لیے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لے لو۔

اب آپ بتائیے میں ایک صاحب حیثیت دو لاکھ کا مالک بھکاری بن گیا ہوں، کیا کروں مجبوری تھی، اس کے سوا کوئی سہارا نہ تھا، میں نے جو گھر خریدا ہے، پانچ لاکھ روپے اس میں زکوٰۃ کے پیسے لگائے ہیں، کیا میں نے یہ صحیح کیا ہے؟ دیگر بھی مجھے دو ڈھائی لاکھ چاہئیں، کیا میں اپنی بچی کی شادی اس زکوٰۃ کے پیسوں سے کر سکتا ہوں؟ جناب عالی اس کا تفصیلی جواب دیجئے، یہ صرف میرا ہی نہیں ہر باپ کا تفصیلی مسئلہ ہے، یا اس کے علاوہ کوئی مشورہ دیں۔ میں بہت پریشان ہوں، میری پریشانی کا حل مجھے بتائیے، میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی جان، مال، عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین اور میرے حق میں بھی دعا فرمائیے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین عظام کے عمل سے یہ واضح ہے کہ جہیز دینے کو نہ نکاح کا لازمی جز

سمجھا گیا ہے اور نہ اس کی ایسی پابندی کی گئی کہ تنگی ترشی ہر حالت میں جہیز ضرور ہی دیا جائے اور اس کے بغیر لڑکی کی شادی محال سمجھی جائے اور نہ جہیز کی مقدار اتنی زیادہ رکھی گئی، جتنی آج کل معمول بن گئی ہے۔

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دے دے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے؛ لیکن نہ وہ شادی کے لیے لازمی شرط ہے، نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے، یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں اور نہ لڑکی کو مطعون کریں۔

ہمارے زمانے میں جہیز کو جس طرح نکاح کا لازمی جزء قرار دیدیا گیا ہے، اس کے بغیر شادی کو ناک کٹوانے کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے اور اس کی مقدار میں نام ونمود دکھلاوے کی خاطر روز بروز اضافہ کیا جارہا ہے کہ غریب سے غریب انسان قرض لے کر، رشوت اور مالِ حرام استعمال کر کے اس مقدار کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے اور جب تک اس پر قدرت نہ ہو لڑکیاں بن بیاہی بیٹھی رہتی ہیں، یہ پورا عمل سنت کے خلاف ہے اور اس سے بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، لہٰذا اس کی اصلاح کے لیے ہر اقدام مستحسن اور قابل تائید ہوگا اور اسے جاری رکھنے کی ہر سعی وکوشش غیر مستحسن اور قابل ترک ہوگی۔

صورت مسئولہ میں آپ کے لیے مروجہ جہیز کی رسم کو پورا کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا غیر مستحسن اور ناپسندیدہ عمل ہے، نیز آپ نے جو گھر خریدنے میں زکوٰۃ کے پیسے لے کر لگائے ہیں، اگر صاحب نصاب (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اس کی قیمت، یا اتنی قیمت کا مال تجارت، یا اپنی ضرورت سے زائد اتنی مالیت کے سامان کے مالک) ہونے کی حالت میں آپ نے وہ رقم وصول کی ہو تو آپ کے لیے شرعاً یہ رقم لینا درست نہیں تھا، البتہ اگر آپ واقعتاً اس وقت مستحق زکوٰۃ تھے تو آپ کا زکوٰۃ کی رقم لینا درست ہوگیا؛ تاہم مروجہ جہیز وغیرہ کی قابل ترک رسم کو پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو مستحق بنا کر زکوٰۃ کی رقمیں لینا ایک ناپسندیدہ اور غیر مستحسن عمل ہے۔

نیز آپ کے لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی بچیوں کے رشتے کے لیے ایسے دیندار، شریف لوگوں کا انتخاب کریں، جن کی نظریں لڑکی کے مال و دولت کی بجائے اخلاق وسیرت پر ہوں، اگرچہ اس کے لیے آپ کو برادری سے باہر ہی کیوں نہ جانا پڑے؛ تاکہ آپ کو اس طرح زکوٰۃ کی رقموں کے لیے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی ہر پریشانی کو اپنے خزانہ غیب سے پورا فرمائیں اور آپ کی بچیوں کے لیے اچھے دیندار اور شریف رشتے عطا فرمائے۔ (آمین)

لمافی سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفيه أيضاً (۷۷/۲): عن جابر بن عبد اللّٰه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فراش للرجل وفراش لأهله والثالث للضيف والرابع للشيطان.

وفي الهندية (۱۸۸/۱): ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعدا وإن دفعه جاز كذا في الهداية. (نجم الفتاویٰ: ۲۴۱/۵-۲۴۳)

جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدا اور ابھی گھر میں ہی رکھا ہوا ہے، اس سامان کا کیا حکم ہے؟ وہ کس کی ملک ہے اور اس کی زکوٰۃ کس پر ہوگی؟ باپ پر، یا بیٹی پر؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جہیز درحقیقت والدین کی طرف سے لڑکی کے لیے ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ کا یہ اصول ہے کہ جس شخص کو ہدیہ دیا جارہا ہے، اگر وہ چیز ہدیہ کر کے اس کے قبضے میں دے دی جائے، (حقیقتاً، یا دلالۃً) تو وہ چیز اس کی ملک ہو جاتی ہے اور بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی ملک میں رہتی ہے، نیز باپ اگر اپنی نابالغ اولاد کو کچھ ہدیہ دے تو قبضہ کروانا بھی ضروری نہیں، بس صرف یہ کہہ دینے سے کہ یہ چیز میں اسے دیتا ہوں، وہ چیز نابالغ کی ملک ہو جائے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جہیز کا سامان اگر مالِ نامی نہ ہو (یعنی سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت نہ ہو) تو زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہیں؛ کیوں کہ زکوٰۃ صرف مالِ نامی پر فرض ہوتی ہے، چناں چہ فرنیچر، مشینیں وغیرہ یہ چیزیں مال نامی نہیں، لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جہیز کا سامان اگر مالِ نامی ہو تو دیکھا جائے گا کہ باپ نے وہ سامان خرید کر لڑکی کے قبضہ میں دے دیا ہے، یا اپنے قبضہ میں رکھا ہے، اگر لڑکی کے قبضے میں دے دیا ہو اور وہ لڑکی بالغہ ہو تو سال گزرنے پر لڑکی کو اس مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر باپ نے وہ مال اپنے قبضہ میں رکھا ہو تو سال گزرنے پر، یا جس وقت بھی باپ کے زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت پورا ہو، باپ پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا، البتہ لڑکی اگر نابالغہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے خریدتے ہی وہ اس مال کی مالک بن گئی، اس کے قبضے میں دینا بھی ضروری نہیں۔ نیز نابالغہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، لہٰذا اس مال کی زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہ ہوگی؛ لیکن بالغہ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

صورت مسئولہ میں درج بالا تفصیلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ لڑکی کی کیفیت (بالغہ، یا نابالغہ ہونا) اور باپ کے لڑکی کو مالک بنانے، یا نہ بنانے کو ملحوظ رکھتے ہوئے معلوم کر سکتے ہیں کہ زکوٰۃ (مالِ نامی ہونے کی صورت میں) کس پر واجب ہوگی۔

لما في مختصر القدوري (ص: ٤١٨): الهبة تصح بالايجاب والقبول وتتم بالقبض... واذا وهب الأب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقد.

وفي الولوالجية (١١٦/٣): إذا وهب للصغير من المأكولات شيئ يباح لوالديه أن يأكلا منه

وروی عن محمد أنه يباح وشبهه بدعوة العبدالمأذون وأكثر مشائخ بخارى على أنه لايباح لأن الأكل ليس من ضرورات التجارة.

وفي الهندية (٣٧٤/٤):أما تفسيرها شرعا فهي تمليك عين بلا عوض كذا في الكنز... ومنها أن يكون الموهوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض وأن يكون الموهوب مقسوما.

وفي الشامية (٢٥٨/٢):قوله (عقل وبلوغ) فلا تجب على مجنون وصبي لأنها عبادة محضة وليسا مخاطبين بها وإيجاب النفقات والغرامات لكونها من حقوق العباد. (نجم الفتاویٰ:۲۴۴/۵-۲۴۵)

جہیز کے لیے پیسے دے کر رشتے سے انکار کرنا:

سوال: میرے ایک دوست کے رشتے کا مسئلہ کچھ اس طرح ہوا کہ ان کے گھر والے اس کے لیے لڑکی دیکھنے گئے، لڑکے کی والدہ کو لڑکی پسند آ گئی اور انہوں نے لڑکی والوں سے بات طے کر لی کہ بیس دن بعد رخصتی کریں گے اور یہ ساٹھ ہزار روپے جہیز کی خریداری کے لیے لے لو اور رقم دے کر چلے آئے۔

ابھی چار پانچ دن ہی گزرے تھے کہ لڑکے والے دوبارہ لڑکی والوں کے پاس آئے اور آ کر ان سے کہا کہ ہمارے والد بیمار ہیں، ہم نے ان کو پشاور علاج کے لیے لے جانا ہے، تم وہ رقم واپس کر دو اور مزید ان کو یہ کہا کہ یہ شادی بھی ہم نہیں کریں گے، اس پر لڑکی والوں نے چالیس ہزار روپے واپس کر دیئے اور بیس ہزار روپے واپس نہیں کئے اور یہ کہا کہ بیس ہزار روپے ہم واپس نہیں کریں گے؛ اس لیے کہ آپ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور خاندان میں ہماری بدنامی کی ہے، اگر ہم اس طرح رقم واپس کر دیں گے، پھر تو ہمارے ساتھ مذاق کا سلسلہ ہی چلتا رہے گا، لہٰذا ہماری عزت کا مسئلہ ہے؛ اس لیے پوری رقم واپس نہیں کریں گے، جب کہ لڑکے والوں کا کہنا ہے کہ یہ رقم تمہارے لیے حرام ہے، واپس کرو۔ مفتی صاحب قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کیا لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست ہے اور مذکورہ رقم کا مستحق کون ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست نہیں ان کے لیے لڑکے والوں کو رقم لوٹانا ضروری ہے، مذکورہ رقم کے مستحق یعنی اصل مالک، لڑکے والے ہیں، البتہ لڑکے والوں کا اس طرح (یعنی پہلے رشتہ طے کر کے رخصتی کے دن متعین کر کے جہیز کے لیے پیسے دینے کے بعد) شادی سے انکار کرنا لڑکی والوں کی عزت پر داغ اور ان کے ساتھ سخت دھوکہ ہے۔ انہوں نے یہ فعل اگر بغیر کسی شرعی عذر کے کیا ہو تو وہ گناہگار ہوں گے۔

لمافي الهندية (٣٢٨/١):رجل خطب ابنة رجل فقال أبو البنت بلى إن كنت تنقد المهر إلى ستة أشهر أو إلى سنة أزوجها منک ثم إن الرجل بعد ذلک بعث بهدايا إلى بيت الأب ولم يقدر على أن ينقد المهر فلم يزوج ابنته منه هل له أن يسترد ما بعث للمهر قالوا ما بعث للمهر وهو قائم أو هالک يسترد وكذا كل ما بعث هدية وهو قائم.

وفی الدرالمختار(۱۵۳/۳):(خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما) فقط وإن تغير بالاستعمال (أو قيمته هالكا)... (وكذا) يسترد (ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك). (نجم الفتاویٰ:۲۴۵/۵۔۲۴۷)

جہیز میں موٹر سائیکل دلوانے کی ضمانت لینا:

سوال: ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی کی شادی تھی، شادی سے قبل لڑکے والوں نے جہیز کا بہت سا سامان مانگا۔ میں نے اعتماد دلاتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ لوگ بے فکر رہو، ان شاء اللہ اگر انہوں نے جہیز میں موٹر سائیکل نہیں دی تو میں دے دوں گا، اب لڑکی والوں نے سارا سامان دیا؛ لیکن موٹر سائیکل نہیں دی، کیا اب مجھ پر حسب معاہدہ موٹر سائیکل دینا لازم ہے، جب کہ فی الحال میں تنگ دست ہوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

کفیل (ضامن) بننے کے لیے ضروری ہے کہ مکفول بہ (یعنی جس چیز کا وہ ضامن ہے) کا ادا کرنا اصیل (یعنی جس کی طرف سے وہ ضامن ہے) پر لازم ہو اور جہیز کا دینا والدین کے ذمہ لازم نہیں؛ بلکہ یہ ان کی طرف سے اپنی بیٹی کے لیے ہدیہ اور تحفہ ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکی والوں نے جہیز میں لڑکی کو موٹر سائیکل وغیرہ نہیں دی تو آپ پر بھی اس کا دینا لازم نہیں۔

لمافي الهندية (۲۵۵/۳):ومنه أن يكون الدين صحيحا فلا تجوز ببدل الكتابة،هكذا في النهاية.

وفی الدرالمختار(۲۸۳/۵): كتاب الكفالة:(وفی الدين كونه صحيحا قائما) لا ساقطا بموته مفلسا ولا ضعيفا كبدل كتابة ونفقة زوجة قبل الحكم بها فما ليس دينا بالأولٰى،نهر.

وفی الشامية تحته:قوله (وفی الدين كونه صحيحا) هوما لا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء كما سيأتي متنا. (نجم الفتاویٰ:۲۴۷/۵)

بوقتِ حمل لڑکے کے گھر والوں کو کپڑے وغیرہ دینے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک رسم ہے کہ بیٹی کی شادی کے بعد جب ساتواں ماہ حمل کو ہو جائے تو تمام سسرال والوں کو کپڑے اور نقدی دی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس رسم کو ہمارے ہاں ''رسمانا'' کہتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورتِ مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھئے کہ شادی کی رسوم کا جائز اور ناجائز سے تعلق نہیں؛ بلکہ اگر دلی رضامندی سے پیسوں، یا کپڑوں وغیرہ کا لین دین ہو تو یہ درحقیقت آپس کی محبت والفت کے بڑھنے کا ذریعہ ہے؛ لیکن ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر شادی میں ایسے لین دین کو ایک لازمی شے اور جزء لاینفک کا درجہ دے دیا جاتا

ہے، گویا ان کے بغیر شادی منعقد ہی نہیں ہوتی، پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان رسوم کو نہ کرنے والے پر لعن طعن کیا جاتا ہے اور اس شخص کا زندگی گزارنا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جہیز کی مثال واضح ہے، شریعت نے اسے دلی رضا پر چھوڑا ہے، لڑکی کا باپ جتنا مالدار ہو، حسبِ استطاعت جہیز مہیا کر دے؛ لیکن ہمارے معاشرے میں جہیز کو کیا مقام دے دیا گیا ہے اور جہیز کی ایک مخصوص مقدار سے کمی پر کیا برتاؤ کیا جاتا ہے، یہ سب پر واضح ہے، اسی التزام کی وجہ سے جہیز کو معاشرے کے لیے لعنت اور ناسور قرار دیا جاتا ہے، ورنہ فی نفسہ جہیز کم دیا جائے، یا زیادہ دونوں صورتوں میں دلی رضامندی کے ساتھ جائز ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے میں مروّج ''رسمانا'' کی رسم قابلِ ترک ہے، اگر کسی شخص کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہو اور وہ دلی رضامندی سے بھی اپنی بیٹی کے سسرال والوں کو کپڑے وغیرہ دینا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسا نہ کرے؛ تاکہ اس کے فعل سے اس رسم کو تقویت نہ ملے اور پھر جو اس طریق پر عمل نہ کرے، یا نہ کرسکتا ہو تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے، ان شاء اللہ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اس رسم سے باز رہتا ہے تو اللہ بزرگ وبرتر سے امید ہے کہ اسے اجر ملے گا۔

لمافی کتاب اللّٰہ تعالیٰ (النساء: ۲۹): ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ﴾ (الآیة)

وفی صحیح البخاری (۷۷۵/۲): عن أبی عثمان واسمه الجعد، عن أنس بن مالک، قال: مر بنا فی مسجد بنی رفاعة، فسمعته یقول: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا مر بجنبات أم سلیم دخل علیها فسلم علیها، ثم قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عروسا بزینب، فقالت لی أم سلیم: لو أهدینا لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم هدیة، فقلت لها: افعلی، فعمدت إلی تمر وسمن وأقط، فاتخذت حیسة فی برمة، فأرسلت بها معی إلیه، فانطلقت بها إلیه، فقال لی: ضعها.

فی سنن ابی داود (۲۰۳/۲): عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.

وفی مشکوة المصابیح (ص: ۲۵۵): ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه.

وفی مجموعة الفتاویٰ (۲۱۶/۲): قال فی الوسیلة الأحمدیة شرح الطریقة المحمدیة: ولعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الراشی والمرتشی ومن الرشوة ما أخذه ولی المرأة قبل النکاح إذا کان بالسوال أو کان إعطاء الزوج بناء علی عدم رضائه علی تقدیر عدمه أما إذا کان بلا سوال ولا عدم رضائه فیکون هدیة فیجوز.

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج أن یسترده) لأنه رشوة.

وفی الرد تحته: قوله (عند التسلیم) أی بأن أبی أن یسلمها أخوها أو نحوه حتی یأخذ شیئا وکذا لو أبی أن یزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالکا لأنه رشوة، بزازیة. (نجم الفتاویٰ: ۳۲۹/۴)

نابالغ اورنابالغہ کا نکاح

بچپن کی شادی:

سوال (۱) والد نے اپنے فرزند کا نکاح (بچپن میں) کر دیا تھا، اب لڑکا، لڑکی کو لانے پر رضامند نہیں ہیں تو طلاق کی نوبت آتی ہیں، یا نہیں؟ واضح رہے بچپن کی شادی اور جوان آدمیوں کی منگنی بالکل ایک جیسی ہوتی ہے۔ منگنی میں بھی چالیس پچاس آدمی آتے ہیں، ایک دوسرے کو دینے کا اقرار ہوتا ہے، مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، اس طرح بچپن کی شادی میں چند مہمانوں کو اقرار (جو کہ والدین کی طرف سے ہوتا ہے، بعینہ اس طرح جس طرح کہ لوگ آج کل منگنیوں میں کرتے ہیں) کے بعد کھانا کھلایا گیا، جس طرح منگنی میں لکھائی والی کارروائی نہیں ہوتی، بعینہ اس طرح بچپن کی شادی میں بھی اس نکاح پر ثانوی کارروائی لکھائی پڑھائی، الغرض فارم وغیرہ پُر کرنا نہیں ہوتا، اس طرح والدین کی رضامندی میں یہ نکاح ہوا، اگرچہ گواہ بھی ہیں؛ مگر اس سے زائد گواہ منگنی پر ہوتے ہیں اور پھر مروجہ منگنی اور بچپن کی شادی اور نکاح کی نوعیت بالکل ایک جیسی ہے۔ اب لڑکی کہتی ہے کہ جی میں تو نہیں جاتی، گھر والوں کو کہتی ہے کہ آپ نے اقرار کیا تھا، آپ چلے جائیں اور اگر لڑکی آنے کے لیے تیار ہے تو لڑکا لانے کے لیے تیار نہیں، اب کیا کریں؟ طلاق ضروری ہوگی، یا اس نکاح کو بچپن کی وجہ سے کوئی اہمیت ہی نہیں اور طلاق کی بھی ضرورت نہیں؟

(۲) کیا والدین کا بچپن میں اولاد کا اس طرح نکاح کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے، جو کہ بعد میں اختلاف ودشمنی کا سبب بنتا ہے؟

الجواب

(۱) بچپن کی شادی اگر اس طرح ہو کہ اس میں نکاح کا ایجاب وقبول ہو اور مہر مقرر کیا جائے اور لڑکی اور لڑکے کے والدین نے بطور وکیل ایجاب وقبول کیا ہو تو شرعی نکاح ہو جائے گا، (۱) بعد میں بغیر طلاق کے علاحدگی نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) ثم النكاح كما ينعقد بهذه الألفاظ بطريق الإصالة، ينعقد بها بطريق النيابة بالوكالة والرسالة،لأن تصرف الوكيل كتصرف المؤكل وكلام الرسول كلام المرسل،والأصل في جواز الوكالة في باب النكاح ما روى أن النجاشي زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم أم حبيبة رضي الله عنها فلا يخلو ذلك إما أن فعله بأمر النبي صلى الله عليه وسلم أو لا بأمره،فإن فعله بأمره فهو وكيله، وإن فعله بغير أمره فقد أجاز النبي صلى الله عليه وسلم عقده، والإجازة اللاحقة كالوكالة السابقة.(بدائع الصنائع،كتاب النكاح،فصل في ركن النكاح: ۲۳۱/۲،طبع سعيد كراتشي)

(۲) بعض اوقات ایسی ضرورتیں اور مصلحتیں سامنے آتی ہیں کہ والدین بچوں کی نابالغی کی حالت میں شادی کر دینا چاہتے ہیں؛ اس لیے شرعاً بچپن کی شادی جائز ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۱۲۳)

بچوں کے نکاح کا طریقہ:

سوال: ۶/سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

دونوں کی طرف سے ان کے لیے ان کے والد ایجاب وقبول کر لیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود یہ غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۴/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۱۷)

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے:

سوال: نابالغ، نابالغہ سے ایجاب وقبول کس طرح کرایا جائے، اگر کسی نے درج ذیل طریقہ سے ایجاب وقبول کرایا تو درست ہے، یا نہیں؟

(الف) مجلس نکاح میں نکاح خواں دو شاہدوں کے سامنے اور حاضرین مجلس کے روبرو نابالغہ لڑکی کے باپ کو خطاب کر کے یوں کہتا ہے کہ آپ نے اپنی لڑکی کو بعوض مہر اتنے میں فلاں صاحب کے لڑکے کے نکاح میں ''بیوی بنا کر دی''، نابالغہ کے باپ نے کہا ''دی'' اب نکاح خواں نابالغ کے باپ سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ نے فلاں صاحب کی لڑکی کو اپنے لڑکے کے نکاح میں ''بیوی بنا کر قبول کی'' تو نابالغ کے باپ نے کہا کہ ''قبول کی''۔ اس طریقہ سے ایجاب وقبول کرایا ہوا نکاح صحیح ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(الف) صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا، ایجاب وقبول کا مذکورہ طریقہ صحیح ہے، لڑکے اور لڑکی کے والد وکیل نہیں، صرف ولی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(سوال) (ب) رجسٹر میں کس طریقہ سے درج کیا جائے، لڑکی کا باپ جو ولی ہے، بجائے لڑکی کے خود دستخط کر دے، اسی طریقہ سے لڑکی کے باپ بحیثیت ولی کے دستخط، یا انگوٹھے کا نشان لگائے تو کافی ہے، یا نہیں؟ لڑکے اور لڑکی کے دستخط کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

---

(۱) وللولی إنكاح الصغير والصغيرة ولو ثيباً ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفوء إن كان الولی أبا وجدا، الخ. (الدر المختار، باب الولی: ۶۶/۳، طبع ایچ ایم سعید کراتشی)

(۲) ''وللولی إنكاح الصغيرة والصغيرة''. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولی: ۶۵/۳، سعيد)

الجواب

(ب) رجسٹر میں لڑکے لڑکی کا نام درج ہو اور ولی بقلم کر کے اپنا نام لکھ دے وے، لڑکے لڑکی کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(سوال) (ج) نیز نابالغ نوشہ سے لفظ "نکحتها و قبلتها" کہلائے جائیں، یا نہیں؟

الجواب

(ج) اس کی ضرورت نہیں، ولی کا اس کی طرف سے قبول کر لینا کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(سوال) (د) نابالغہ سے رسماً اجازت کی ضرورت ہوگی؟

الجواب

(د) اجازت کی ضرورت نہیں اور اس کی اجازت اس وقت معتبر بھی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

(فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۲۲۳-۲۲۴)

بچپن کا نکاح کس طرح کیا جائے:

سوال: ہمارے ہاں عام طور پر یہ رواج ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیا جاتا ہے اور بچپن کے نکاح کی درج ذیل مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) لڑکے اور لڑکی کے بجائے دونوں کے والدین ایجاب وقبول کر لیتے ہیں۔

(۲) نابالغ لڑکے اور لڑکی سے نکاح کے فارم پر دستخط کروائے جاتے ہیں۔

(۳) خطبۂ نکاح کے بعد دونوں کو پانی پلا دیا جاتا ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ان صورتوں میں نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

نکاح کی جو تین صورتیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے دوسری اور تیسری تو بالکل مہمل ہیں، البتہ پہلی صورت صحیح ہے، بشرطیکہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ نہ ہوں، (۱) اگر بالغ ہوں تو ان کی رضامندی لینا ضروری ہے اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوگا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۱۲۴)

---

(۱) وللولي إنكاح الصغير والصغيرة ولو ثيبا ولزم النكاح ولوبغبن فاحش أوبغير كفوء كان الولي أبا وجدا، الخ. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب الولي: ۳/٦٦، طبع ايج ايم سعيد كراتشى)

(۲) والسنة أن يستأمر البكر وليها قبل النكاح ... وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف علىٰ رضاها، انتهىٰ. وهو محمل النهى فى حديث مسلم: لا تنكح الأيم حتىٰ تستأمر ولا تنكح البر حتىٰ تستأذن، قالوا: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت فهو بيان السنة، للاتفاق علىٰ أنها لوصرحت بالرضا بعد العقد نطقا فإنه يجوز. (البحر الرائق، كتاب النكاح باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۲۱)

صرف پانی پلانے سے نابالغ کا نکاح نہیں ہوتا:

سوال: کیا نابالغان کا نکاح بلا ایجاب وقبول ان کے اولیا کے صرف ان کو پانی پلا دینے سے ہوجاتا ہے؟

الجواب

صرف پانی پلانے سے نکاح نہیں ہوسکتا، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ نابالغان کی طرف سے ان کے اولیا ایجاب وقبول کریں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۰/۷)

نابالغوں کا نکاح جو کچھ نہیں سمجھتے، جائز ہے، یانہیں:

سوال: نابالغوں کا نکاح جو کچھ نہیں سمجھتے، جائز ہے، یانہیں؟ شرعاً لڑکے لڑکی کا شادی کتنی عمر میں ہونی چاہیے؟

الجواب

نابالغوں کا نکاح جو ولی کریں صحیح ہے، نابالغوں کو سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اولیا کا سمجھنا اوراجازت دینا کافی ہے، عمر کی کچھ تحدید لازمی نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶/۷)

نابالغ کا نکاح جائز ہے، یانہیں:

سوال: چار سال ہوئے میرا نکاح رحمت اللہ کی ہمشیرہ سے بحالت نابالغی ہوا تھا، اب ہم دونوں بالغ ہیں اور ہماری آبادی واقع ہے، یہ نکاح صحیح ہے، یانہیں؟ لڑکی کا بھائی رحمت اللہ کہتا ہے کہ نکاح نابالغ کا صحیح نہیں ہوتا۔

الجواب

یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا اور زوجہ کے بھائی رحمت اللہ کا یہ کہنا کہ نکاح نابالغ کا صحیح نہیں ہوتا، غلط ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶/۷)

نابالغ لڑکے، لڑکی کا نکاح جائز ہے:

سوال: عرض یہ ہے کہ ہماری برداری میں لڑکے، یا لڑکی ابھی چار پانچ سال کے بھی نہیں ہوتے کہ ان کی شادی

---

(۱) وللولی إنکاح الصغیر والصغیرة.(الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۶۵/۳، ط: سعید، انیس) وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر.(الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، ط: سعید، انیس)

(۲) ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة إذا زوجهما الولی بکراً کانت الصغیرة أو ثیباً.(الهدایة، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء: ۲۹۵/۲، ظفیر)

(۳) عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم تزوجها وهی بنت سبع سنین وزفت إلیه وهی بنت تسع سنین ولعبها معها ومات عنها وهی بنت ثمانی عشرة.(رواه مسلم)(مشکاة المصابیح، باب الولی: ۲۷۰، ظفیر مفتاحی)(صحیح لمسلم، باب تزویج الأب البکر الصغیرة، رقم الحدیث: ۱۴۲۲، انیس)

کردی جاتی ہے، جب وہ جوان ہوتے ہیں تو ان کی رُخصتی کر دیتے ہیں۔ لڑکے، یا لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول ان کے والدین کرتے ہیں، جب کہ لڑکے، یا لڑکی کی رضا مندی نہیں ہوتی۔ اس طرح کی شادیاں ہمارے اسلام میں جائز ہیں، یا نہیں؟

الجواب

نابالغ لڑکے، لڑکی کا نکاح ان کے ولی کے ایجاب وقبول کے ساتھ صحیح ہے اور بالغ ہونے کے بعد باپ، دادا کے کئے ہوئے نکاح کو مسترد کرنے کا اختیار اُن کو نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/۱۲۵-۱۲۶)

بچپن میں کئے ہوئے نکاح کی شرعی حیثیت:

سوال: جن بچیوں کا نکاح دو ماہ کی عمر، یا دو سال کی عمر میں کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایجاب وقبول کے وہ قابل تو نہیں، جس کی جگہ اس کے والدین، یا کوئی دوسرا سرپرست کرتا ہے، لڑکی کے بالغ ہونے پر اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے، جب کہ لڑکی کو اور اس کے ورثہ کو اب یہ رشتہ قبول نہیں؟

الجواب

نابالغ بچی کا نکاح اگر والد نے کیا ہو تو لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد اس کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں؛ بلکہ وہ نکاح پکا ہے، یہی حکم ہے جب کہ نکاح والد کے بجائے دادا نے کیا ہو اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور رشتہ دار نے نکاح کرایا تھا تو لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس کا اختیار ہوگا کہ نکاح کو رکھے، یا نہ رکھے؛ (۲) لیکن شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں وہ بالغ ہوئی ہو، اسی مجلس میں اعلان کردے کہ میں اس نکاح کو نامنظور کرتی ہو۔ (۳) واللہ اعلم (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/۱۲۴)

---

(۱) وللولي انكاح الصغير والصغيرة ولو ثيباً ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أوبغير كفوء إن كان الولي أبا وجدا. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الولي: ۳/۶۶، طبع ايچ ايم سعيد، كراتشي)

(قوله: ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء) أي للصغير والصغيرة إذا بلغا وقد زوجا ... بخلاف ما إذا زوجها الأب والجد فإنه لاخيار لهما بعد بلوغها لأنهما كاملاً الرأي وافراً الشفعة فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشرا برضاهما بعد البلوغ. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۲۸، طبع دار المعرفة، بيروت) (تبيين الحقائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۱۲۲، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

(۲) ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما الولي بكراً كانت الصغيرة أوثيبا والولي هو العصبة ... فإن زوجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما ... وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار، إذ بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخت، الخ. (الهداية: ۲/۳۱۶، ۳۱۷، طبع شركة علمية بيروت) (مختصر القدروی، كتاب النكاح: ۱/۱۴۶، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) إذا بلغت وهي عالمة بالنكاح أو علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ في حال البلوغ أو العلم فلو سكتت ولو قليلاً بطل خيارها. (رد المحتار، باب الولي: ۳/۷۴)

لڑکی کب بالغہ ہوتی ہے؟ اور بلوغت کے بعد وہ اپنا نکاح خود کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک لڑکی کافی تندرست ہے اور اسکول کے دفتر کے مطابق اس کی عمر پندرہ سال اور پانچ مہینہ کی ہے، اس نے خود اپنی مرضی سے دو مسلمان گواہوں کے روبرو ایک شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا اور اپنی عمر اکیس سال لکھوائی اور اس طرح اس نے اپنی مرضی سے ایک جگہ نکاح کرلیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پندرہ سالہ لڑکی شرعاً بالغہ شمار ہوتی ہے۔

”**والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ولم يذكر الإنزال صريحاً لأنه قلما يعلم منها، فإن لم يعلم فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة،به يفتي**“.(الدر المختار مع الشامی:۱۳۲/۵)

لہٰذا کوئی اور وجہ عدم جواز کی نہ ہو، صرف عمر کی وجہ سے شبہ ہو تو یہ وجہ عدم جواز کی نہیں ہے، بلا شبہ نکاح درست ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۲۲۳/۸)

نکاح کی کم سے کم عمر:

سوال: اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کی کم سے کم کیا عمر ہونی چاہیے؟

(محمد ساجد، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

الجواب

شرعاً نکاح کے لیے کوئی عمر معتبر نہیں، یہاں تک کہ نابالغ کا نکاح بھی معتبر ہوجاتا ہے؛(۱) لیکن بہتر ہے کہ بالغ

(۱) کذا فی البحر الرائق:۲۰۶/۳

بلغنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه تزوج عائشة وهى صغيرة ابنة ست سنين، وبنى بها وهى ابنة تسع سنين، وكانت عنده تسعاً.

قال: وبلغنا عن إبراهيم وشريح أنهما قالا: نكاح الآباء جائز على الصغار، فإذا أدركوا فلا خيار لهم.

قال: وبلغنا عن على بن أبى طالب رضى الله عنه أن رجلاً وهب ابنته وهى صغيرة لعبيد الله بن الحر بشهادة شهود، فأجاز ذلك على.

قال: وبلغنا عن عبد الله بن مسعود أن امرأة زوجت ابناً لها صغيراً من ابنة للمسيب بن نَجَبَة وهى صغيرة، فأجاز ذلك عبد الله بن مسعود.

قال: وبلغنا عن الزبير بن العوام أنه زوج ابنة له صغيرة قدامة بن مظعون.

قال: وبلغنا عن إبراهيم أنه كان يقول: إذا أنكح الوالد الصغير والصغيرة فذلك جائز عليهما، وكذلك سائر الأولياء.(الأصل للشيبانى،تحقيق الدكتور محمد بوينوكالن،باب نكاح الصغير والصغيرة:۱۸۶/۱۰،دارابن حزم بيروت،انيس)

ہونے کے بعد نکاح کیا جائے، قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے،(۱) عام حالات میں ایسی عمر میں نکاح کردینی چاہیے کہ عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۰۷)

نکاح کے لیے عمر اور نکاح کی استطاعت:

سوال: نکاح کے لیے عمر اور استطاعت کے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں؟ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ آج کل کا پڑھا لکھا مسلمان اچھی نوکری نہ پانے کی وجہ سے اگر کسی معقول ذریعۂ معاش کا انتظام نہیں کرتا ہے تو اس کا یہ کہنا کس حد تک صحیح ہوگا کہ ابھی استطاعت نہیں ہے؟

(حافظ شیخ محبوب، لام، گنٹور)

الجواب

نکاح کے صحیح ہونے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں، اولیا نابالغ کا نکاح کردیں تو نکاح منعقد ہوجائے گا؛ لیکن قرآن وحدیث کے مجموعی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خصوصی حالات کو چھوڑ کر عام حالات میں نکاح کی ایک عمر ہونی چاہیے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿حَتّٰی اِذَا بَلَغَ النِّکَاحَ﴾(۲)

یہاں اللہ تعالیٰ نے عمر نکاح کا پہونچنے کا ذکر کیا ہے، مفسرین متفق ہیں کہ یہاں عمر نکاح سے بلوغ مراد ہے، چناں چہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"أی صار أھلا له بالاحتلام أو السن وھو استکمال خمس عشر سنة". (۳)

اس لیے بالغ ہونے کے بعد جلد سے جلد نکاح ہونا چاہیے۔

استطاعت سے مراد خانہ داری کی ضروریات کی تکمیل ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

" من استطاع منکم الباءة فلیتزوج". (۴)

(تم میں سے جو پناہ فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اسے نکاح ضرور کرلینا چاہیے۔)

(۱) سورة النساء: ٦ ﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا﴾(انیس)

(۲) سورة النساء: ١٠

(۳) تفسیر الجلالین، ص: ٧٠

(۴) صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ٣٤٠٠ (عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِنًى، فَلَقِيَهُ عُثْمَانُ، فَقَامَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَلَا نُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَّةً، لَعَلَّهَا تُذَكِّرُكَ بَعْضَ مَا مَضٰى مِنْ زَمَانِكَ، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ، لَقَدْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.(انیس)

''باءۃ '' کاماٴخذ ''تبوء'' ہے،جس کے معنی ٹھکانہ دینے کے ہیں،ٹھکانہ کم سے کم سامان بقا کی فراہمی کے لیے بولا جاتا ہے۔ملاعلی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''أی کونه الباء ة من المهر و النفقة''.(۱)

آج کل لوگوں نے اپنے ذہن میں جوایک مخصوص معیار مقرر کرلیا ہےاوراس کے حصول تک خودکونکاح کے لیے غیر مستطیع قرار دیتے ہیں،وہ شریعتِ اسلامی کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔(کتاب الفتاویٰ:۴؍۳۰۷-۳۰۹)

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کم عمری میں شادی کرنے سے صحت خراب ہوجاتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اس زمانے کے حاذق ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ کم عمری میں شادی کرنے سے صحت خراب ہوجاتی ہےتو کیا''الضرورات تبیح المحظورات'' (۲) کےقاعدے سےڈاکٹروں کے متعین کردہ عمروں میں شادی کے جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہےاوراس عمر سے کم میں عدمِ جواز ثابت کیا جاسکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ،الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگرطبی مصالح کی رعایت رکھتے ہوئے ڈاکٹروں کی مقرر کردہ عمر تک نکاح میں تاخیر کی جائے اورطرفین میں حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی نہ ہوتو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں؛لیکن یہ طے کردینا کہ مقررہ عمر سے کم میں نکاح ہی جائز نہ ہوگا،یہ ایک حلال امرکوحرام کردینا ہے،جس کا ہرگز کسی کوحق نہیں ہے۔

كما استفيد من قوله تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ﴾(سورۃالتحریم:۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۵؍۷؍۱۴۲۹ھ،الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸؍۳۶)

حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح:

سوال: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا،خلوتِ صحیحہ کا بھی ثبوت ہے؛مگر چارسال کے بعدڈاکٹروں نے یہ فیصلہ

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح:۳؍۴۰۲

(مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ)بِالْمَدِّ وَالْهَاءِ، وَهِيَ اللُّغَةُ الْفَصِيحَةُ الشَّهِيرَةُ الصَّحِيحَةُ، وَالثَّانِيَةُ بِلَا مَدٍّ، وَالثَّالِثُ بِالْمَدِّ بِلَا هَاءٍ، وَالرَّابِعَةُ بِهَائَيْنِ بِلَا مَدٍّ، وَهِيَ الْبَاهَةُ وَمَعْنَاهَا الْجِمَاعُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْبَاهِ الْمُنْزَلِ، ثُمَّ قِيلَ لِعَقْدِ النِّكَاحِ بَاهٌ، لِأَنَّ مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بَوَّأَهَا مَنْزِلًا، وَفِيهِ حَذْفُ مُضَافٍ أَيْ: مُؤْنَةُ الْبَائَةِ مِنَ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ، قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ:وَلَا بُدَّ مِنْ هَذَا التَّأْوِيلِ، لِأَنَّ قَوْلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ '' عَطْفٌ عَلَى ''مَنِ اسْتَطَاعَ'' وَلَوْ حَمَلَ الْبَائَةَ عَلَى الْجِمَاعِ لَمْ يَسْتَقِمْ قَوْلُهُ: ''قَالَ الصَّوْمُ لَهُ وِجَاءٌ'' لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ لِلْعَاجِزِ هَذَا، وَإِنَّمَا يَسْتَقِيمُ إِذَا قِيلَ: أَيُّهَا الْقَادِرُ الْمُتَمَكِّنُ مِنَ الشَّهْوَةِ إِنْ حَصَلَتْ لَكَ مُؤَنُ النِّكَاحِ تَزَوَّجْ وَإِلَّا فَصُمْ، وَلِهَذَا السِّرِّ خَصَّ النِّدَاءَ بِالشُّبَّانِ .(مرقاة،كتاب النكاح:۵؍۲۰۴۱،دارالفكربيروت،انيس)

(۲) الأشباه والنظائر،القاعدة الثانية ماأبيح للضرورة يقدر بقدرها:۷۳،دارالكتب العلمية بيروت

کر دیا کہ ہندہ مرد کے قابل نہیں، نہ حیض آتا ہے، نہ ثدیین ابھرے ہوئے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا، یا نہیں؟ بصورتِ نکاح مہر کا لزوم ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ثدیین کے نہ ابھرنے اور حیض نہ آنے کے باوجود اگر اس کے محلِ جماع ہے تو زید اس کے پاس جا کر ہمبستری کرسکتا ہے اور نکاح بھی صحیح ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۷/۱/۱۳۹۳ھ۔

جواب صحیح ہے، چوں کہ خلوت ہوچکی ہے؛ اس لیے مہر بھی پورا لازم ہوگا۔(۲)

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۴/۱۰)

نابالغی کی حالت میں والدین کا کرایا ہوا نکاح لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی شادی نابالغی میں اس کے والدین نے کردی تھی، شادی ہوئے تقریباً ۴/سال ہو چکے ہیں۔ اب لڑکی کے والدین اس کو شوہر کے گھر نہیں بھیجنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ اس لڑکی کی رخصتی بھی اب تک نہیں ہوئی ہے، اس وقت لڑکی سن بلوغ کو پہونچنے والی ہے، چوں کہ لڑکی کے والدین صورت حال یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری لڑکی کا نباہ نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لیے رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں، صورت مسئولہ میں کیا رشتہ ختم کرنے کی اجازت ہے؛ مگر لڑکے والے چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں؟

(المستفتی: محمد طیب، مدرسہ شاہی مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نابالغی کی حالت میں جب لڑکی کے والد نے نکاح کرادیا تھا تو نکاح لازم ومنعقد ہوگیا، لہٰذا بغیر شوہر کے طلاق، یا خلع کے تفریق نہیں ہوسکتی اور نہ ہی شوہر سے شرعی طریقے سے تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح جائز ہوسکتا ہے، وہ بدستور شوہر کی بیوی رہے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۱۲۸/۹)

---

(۱) ”هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة: أى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعى، فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ“. (الدر المختار)

”وهو اختصاص الزوج بمنافع بعضها وسائر أعضاها استمتاعا... فخرج الذكر والخنث المشكل: أى أن ايراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له،الخ“.(رد المحتار: ۴،۳/۳، سعيد)

(۲) ”والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء“.(الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع فى المهر، الفصل الثانى: ۳۰۳/۱، رشيديه)

وأما نكاح الصغير والصغيرة جبراً، ولوثيباً، ولزم النكاح، ولو بغبن فاحش. (تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند: ١٧٠/٤-١٧١، كراتشي: ٦٥/٣، **هٰكذا في تبيين الحقائق، زكريا ديوبند: ٥٠٥/٢، مكتبة امداديه ملتان: ١٢٢/٢**)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، والنكاح والعتاق، زكريا ديوبند: ٤٣٨/٤، كراتشي: ٢٣٥/٣، الفتاوىٰ الهندية: ٣٥٣/١، جديد زكريا: ٤٢٠/١، مجمع الأنهر قديم: ٣٨٤/١، دارالكتب العلمية بيروت: ٨٠٧/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۹۶۹/۳۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۶۲۰/۱۳-۶۲۱) ☆

☆ باپ دادا کا نابالغی کی حالت میں کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور والدین، یا ولی شرعی نے نابالغ لڑکی کا نکاح کسی شخص سے کردیا، اب لڑکی قریب البلوغ یا بالغ ہونے کے بعد نکاح کو فسخ کرتی ہے کہ میں اس نکاح کو نہیں مانتی اور اسی حالت میں لڑکی کو زبردستی اس لڑکے (جس سے نکاح ہوا ہے) کے ساتھ رخصت کردیا، قریب قریب تین ماہ لڑکی اُس کے ساتھ رہی؛ لیکن یہ دن لڑکی نے زبردستی پورے کئے، تین ماہ کے درمیان صحبت وغیرہ سب کچھ ہوا، اب لڑکی اپنے گھر (میکے) میں آنے کے بعد کسی دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوکر کورٹ میرج (عدالتی کارروائی) کراکے دوسرے شخص کے ساتھ رہ رہی ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں نابالغ لڑکی کا جو نکاح ہوا تھا، جس کو لڑکی بعد البلوغ قبول نہیں کررہی تھی اور جبراً لڑکی کو رخصت کردیا گیا تھا تو وہ نکاح درست ہوا، یا غلط؟ نیز عدالتی کارروائی سے جس دوسرے کے ساتھ لڑکی رہ رہی ہے، اُس کا یہ فعل درست ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

اگر لڑکی کا نکاح والد، یا دادا نے کیا ہے تو اُس کا نکاح منعقد اور لازم ہوچکا ہے اور اُسے خیار بلوغ بھی حاصل نہیں ہے، لہٰذا پہلے نکاح میں رہتے ہوئے اُس لڑکی کا دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا قطعاً حرام اور باطل ہے، شرعاً وہ پہلے شوہر کی ہی بیوی ہے۔

عن عبد الله بن دينار عمن حدثه عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أنكح الرجل ابنه وهو كارهٌ فليس بنكاح، وإذا زوجه وهو صغير جاز نكاحه. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٩/٣، رقم: ١٦٠٠٤، دار الكتب العلمية بيروت)

عن عطاء قال: إذا أنكح الرجل ابنه وهو صغير، فنكاحه جائز ولا طلاق له. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٩/٣، رقم: ١٦٠٠٩، دار الكتب العلمية بيروت)

عن الحسن أنه كان يقول: نكاح الأب جائز على ابنته، بكرًا كانت أو ثيبًا كرهت لو لم تكره. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٦/٣، رقم: ١٥٩٦٨، دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن طاؤس عن أبيه قال: لا يكره الرجل ابنته الثيب على نكاح هي تكرهه. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٦/٣، رقم: ١٥٩٦٩، دار الكتب العلمية بيروت)

عن مالك بن أنس قال: كان القاسم وسالم يقولان: إذا زوّج أبو البكر البكرَ فهو لازم لها وإن كرهت. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٦/٣، رقم: ١٥٩٧٠، دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي حنيفة عن حماد قال: النكاح جائز ولا خيار لها. (المصنف لابن أبي شيبة: ٤٤٨/٣، رقم: ١٦٠٠٠، دار الكتب العلمية بيروت) ==

نابالغہ منکوحہ کا بلوغ کے بعد بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکی ۷، ۸ یا ۹ رسال کی تھی، اس لڑکی کا نکاح باپ نے اپنے بھتیجے (لڑکی کے تائے زاد بھائی) کے ساتھ لڑکے کے وارثین کی رضامندی سے کر دیا تھا، جب لڑکی کی عمر ۱۶ رسال کی ہوئی تو آپس میں بگاڑ پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد محلّہ کے چند لوگوں نے ماں باپ کی غیر موجودگی میں دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کر دیا، یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟ یعنی پہلے نکاح کی طلاق نہیں ہوئی تو دوسرا نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

باپ نے لڑکی کی کم سنی میں جو نکاح کیا ہے، وہ شرعاً منعقد ہو چکا ہے، اس نکاح کے باقی رہتے ہوئے اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے، نکاحِ ثانی کرانے والے سخت گنہگار ہیں، آپسی بگاڑ کو ختم کر کے پہلے نکاح کے مطابق لڑکی کی رخصتی کر دینی چاہیے، یا پھر پہلا شوہر اگر بالغ ہو تو اس سے طلاق دلا کر دوسرے سے از سر نو نکاح کرایا جائے۔

وتعلق حق غير بنكاح أو عدة. (الدر المختار مع الشامی: ۲۸/۳، کراچی)

لا يجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۲۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۱۱/۱۴۱۱ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/۲۴۲-۲۴۳)

نکاحِ صغیرہ بغیر ولی:

سوال: ایک نابالغ لڑکا ہے مگر عاقل ہے، اگر نکاح کے وقت اس سے ایجاب وقبول بغیر ولایتِ باپ کے کیا جائے تو نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں، ایسے کئی نکاح ہو رہے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اس کا ایجاب وقبول بغیر ولی کے کافی نہیں وہ ولی شرعی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔

== **وللولي: نكاح الصغير والصغيرة، ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفؤ إن كان الولي أباً أو جداً.** (الدر المختار مع الشامي: ۶۶/۳، کراتشی)

ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجدّ بشرط القضاء (كنز) أي للصغير والصغيرة إذا بلغا، وقد زوّجا أن يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير أب ولا جد بشرط قضاء القاضي بالفرقة، وهذا عند أبي حنيفة ومحمدؒ ... بخلاف ما إذا زوجهما الأب والجدّ، فإنه لا خيار لهما بعد بلوغهما؛ لأنهما كامل الرأي وافر الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما، كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ. (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۱۱، زكريا، كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۳/۱۴۲۱ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/۳۴۰)

”(وهو)أي الولی (شرط)صحة (نكاح صغير،الخ)“.(الدرالمختار:٤٥٨/٢)(۱)

”صغيرةزوجت نفسها من كف ، ولا ولی لها ولا قاضی فی ذلک الموضع، ينعقد الخيار إذا بلغت،آه“.(عالمگيری:٢٨٦/٢)(۲)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷؍صفر۱۳۶۳ھ، الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۰۴/۱۱)

اولیا کی اجازت کے بغیر نابالغہ کے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری ۱۱؍سال کی نابالغ لڑکی بشریٰ خاتون لیاقت حسین کے گھر اس کی لڑکی سے پڑھنے جاتی تھی، لیاقت حسین خود شادی شدہ ہے، اس کے بھی ۱۱؍سال کا ایک لڑکا اور ۱۳؍سال کی لڑکی ہے، بشریٰ خاتون کی عمر بھی ۱۱؍سال سے کچھ اوپر تھی، لیاقت حسین نے آج سے تقریباً دو ماہ پہلے میری لڑکی بشریٰ کے بارے میں میرے بہنوئی کو حیدرآباد بذریعہ خط اطلاع دی کہ میں نے جبار کی لڑکی بشریٰ سے نکاح کیا ہے، اس وقت لڑکی اور میں لڑکی کا باپ بھی حیدرآباد مقیم تھا؛ اس لیے اسی وقت اس نکاح کے بارے میں مجھے معلوم ہوا اور اسی خط سے لڑکی کو بھی معلوم ہوا، اس سے پہلے اس نکاح کے بارے میں بالکل علم نہیں تھا، لیاقت حسین نے نکاح کی دو رسیدیں تیار کروائی ہیں: ایک رسید ۱۷؍اپریل ۱۹۹۸ء کی، دوسری رسید ۱۶/۹/۱۹۹۸ء کی ہے، دونوں رسیدوں میں بھی تقریباً دو ماہ کا فرق ہے، دونوں رسیدوں کی تیاری کے وقت لڑکی نابالغ تھی۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح جعلی رسیدیں تیار کر کے جب کہ لڑکی اور اس کے باپ کے دستخط بھی جعلی ہیں، گواہ اور وکیل بھی خود لیاقت حسین کے دوست اور نوکر ہیں اور لڑکی کے باپ کو نکاح کے بارے میں کوئی علم نہیں، لڑکی اب بھی انکار کرتی ہے تو یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

(المستفتی:عبدالجبار، محلّہ لال باغ، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جن تاریخوں میں نکاح کی رسیدیں بنائی گئی تھیں، ان تاریخوں میں بشریٰ خاتون نابالغ تھی اور نابالغ لڑکی کا نکاح

---

(۱) الدر المختار:٥٥/٣،باب الولی ،سعید

(۲) الفتاویٰ الهندية: ٢٨٦/١،الباب الرابع فی الأولياء ،رشيديه)

”سئل القاضی بديع الدين عن صغيرة تزوجت نفسها من كفؤ ولا ولی لها ولا قاضی فی ذلک الموضع ؟ قال : ينعقد ويتوقف بإجازتها بعد بلوغها “.(الفتاویٰ التاتارخانية :٣٤/٣،النكاح بغير الولی ،إدارة القرآن كراچی)

”(نكاح حرة) احتراز عن الأمة؛لأن نكاحها موقوف علی إذن مولاها كتوفق نكاح الصغيرة والمجنونة والمعتوهة علی إذن الولی“.(مجمع الأنهر : ٤٨٨/١،باب الأولياء والأكفاء ،دارالكتب العلمية ،بيروت)

باپ کی زندگی میں باپ کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں بشریٰ خاتون کا نکاح مذکورہ مرد کے ساتھ شرعی طور پر صحیح نہیں ہوا ہے، اس نکاح کی بنا پر بشری خاتون کو اس آدمی کے پاس بھیجنا جائز نہ ہوگا۔

عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة نكحت بغير إذن مواليها، فنكاحها باطل، ثلاث مرات الحديث. (سنن أبي داؤد، النكاح، باب في الولي، النسخة الهندية: ١/٢٨٤، دار السلام رقم: ٢٠٨٣)

وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير، ومجنون، ورقيق. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچی: ٣/٥٥، زكريا: ٤/١٥٥)

والولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثىٰ على ترتيب الإرث والحجب. (الدر المختار مع الشامي، زكريا: ٤/١٩٠، كراتشي: ٣/٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية: ٤١/٢٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۱۹/۵۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲/۶/۱۴۱۹ھ۔ (فتاوی قاسمیہ: ۱۳/۵۶۲-۵۶۴)

نابالغہ چچا زاد بہن سے اپنا نکاح کر لینے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نابالغ لڑکی کے چچا کے بیٹے کے علاوہ کوئی ولی نہیں اور وہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اگر لڑکی کی نابالغی کی حالت میں وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کر لے تو نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگا۔

لمافي الهندية (١/٢٨٤): ويجوز لابن العم أن يزوج ابنة عمه من نفسه، كذا في الحاوي.

وفي الدر المختار (٣/٩٨): (ولابن العم أن يزوج بنت عمه الصغيرة)... (من نفسه) فيكون أصيلا من جانب ولياً من آخر (كما للوكيل). (نجم الفتاویٰ: ۴/۱۷۳)

لڑکے اور لڑکی نابالغی میں نکاح کرنے کے بعد ولی کی اِجازت سے پہلے بالغ ہو گئے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکے اور لڑکی نے نابالغی میں نکاح کیا اور اس سے پہلے کہ ولی اِجازت دے، یا رَد کرے، دونوں بالغ ہو گئے تو کیا اُن کا ایجاب وقبول درست سمجھا جائے گا، یا دوبارہ ایجاب وقبول کرنا ہوگا؟ یا ابھی اس نکاح کے نافذ ہونے کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہوگی؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

نابالغی میں از خود کیا گیا نکاح موقوف رہے گا، اگر ولی کی اجازت یا رَد کرنے سے پہلے دونوں بالغ ہو گئے، تو بلوغ کے

بعداُن کی اجازت کافی ہوگی، ولی سے اجازت لیناضروری نہیں ہوگااوردوبارہ ایجاب وقبول کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

عن سَلْم بن أبی الذیّال قال: کتب عمر بن عبد العزیز فی الیتیمین: إذا زوّجا وهما صغیران إنهما بالخیار. (المصنف لابن أبی شیبة:۴۴۸/۳، رقم: ۱۵۹۹۵،دار الکتب العلمیة بیروت)

عن ابن طاؤس عن أبیه قال فی الصغیرین: هما بالخیار إن شبّا. (المصنف لابن أبی شیبة:۴۴۸/۳،رقم:۱۵۹۹۹،دار الکتب العلمیة بیروت)

صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمۂ توقف ونفذ بإجازتها بعد بلوغها؛ لأنه له مجیز وهوالسلطان. (الدرالمختار مع الشامی:۱۹۸/۴،زکریا)

أما إذا کان: أی وجد سلطان أو قاض فی مکان عقد الفضولی عن المجنونة أو الیتیمة فیتوقف: أی وینفذ بإجازتها بعد عقلها أو بلوغها؛ لأن وجود المجیز حالة العقد لا یلزم کونه من أولیاء النسب. (شامی: ۲۲۶/۴، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۶/۱/۱۴۳۱ھ،الجواب صحیح:شبیراحمدعفااللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۳۴۶/۸۔۳۴۷)

نابالغی کا نکاح بلوغ کے بعد کیسے نافذ ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مسئلہ یہ لکھا گیاہے کہ اگر ولی قریب کے رہتے ہوئے ولی بعید نے نکاح کردیا،تو ولی قریب کی اجازت کے بعد ہی نافذ ہوگا اوراگراس درمیان عاقدین بالغ ہوجائیں تو خوداُن کی اجازت سے نکاح نافذ ہوجائے گا۔اب سوال یہ ہے کہ نکاح کے ایجاب وقبول کی طرح عاقدین کے لیےاس اجازت کا ''تکلم باللسان'' ہی ضروری ہوگا، یاقلم کے ذریعہ رضامندی کا اظہار، یارجعت کی طرح ایک دوسرے کےساتھ ایساعمل جومیاں بیوی ہی کے لیےایک دوسرے کےساتھ جائزہے،بھی کافی ہوگا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

اگرنابالغہ باکرہ کےساتھ یہ صورت پیش آئی ہےتو بالغ ہونے کے بعداگروہ خاموش رہی تو یہ خاموشی ہی اس کی طرف سےاجازت سمجھی جائے گی،زبان سےاجازت دینالازم نہیں،البتہ اگرنابالغہ ثیبہ کےساتھ یہ صورت پیش آئی ہےتو بالغ ہونے کے بعداس کا خاموش رہنا اجازت کے لیےکافی نہیں؛ بلکہ زبانی طور پر رضامندی کا اظہار، یا کوئی ایسافعل جورضامندی پردلیل ہو،اس کاصدورضروری ہے،اس کےبغیراجازت معتبر نہ ہوگی۔

إن غیر الأب والجد إذا زوّج الصغیرة فبلغت وهی بکر، فسکتت ساعة بطل خیارها،وجعل سکوتها بمنزلة الرضا صریحاً،ولو کانت ثیبًا لایکون رضا إلا إذا وجد قول أوفعل یستدل به علی الرضا. (الفتاویٰ التاتارخانیة:۴۸/۳)

ولهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الأب والجدّ بشرط القضاء (کنز) أی للصغیر والصغیرة إذا

بـلـغا، وقد زوّجا أن يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير أب ولا جد بشرط قضاء القاضي بالفرقة، وهٰذا عـنـد أبـي حـنـيـفة ومـحـمـد ... بـخـلاف مـا إذا زوجهـما الأب والجدّ، فإنه لا خيار لهما بعد بـلـوغهـمـا؛لأنهـمـا كـامـل الـرأى وافر الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما، كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ.(البحرالرائق،باب الأولياء والأكفاء:٢١١/٣،زكريا، كذا في مجمع الأنهر: ٣٣٥/١،دار إحياء التراث العربي بيروت)

ويبـطـل بسـكـوتها إن علمت بكرًا لا بسكوته ما لمي قل رضيت، ولو دلالةً أى ويبطل خيار البـلـوغ بسكوت من بلغت إلى آخره، اعتبارًا لهٰذه الحالة بحالة في ابتداء النكاح، وأراد بالعلم العلم بأصل النكاح.(البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء:٢١٤/٣،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،١٦/١/١٤٣١ھ،الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:٣٤٧/٨-٣٤٨)

نکاح کی مقررہ عمر:

سوال: از روئے قانون نکاح کے لیے کم سے کم عمر مقرر ہے کہ لڑکیوں کا ١٨/سال اور لڑکوں کا ٢٠/سال سے پہلے نکاح نہیں ہوسکتا۔کیا از روئے شریعت اس طرح کی شرط درست ہے؟

(محمد عبد القیوم صدیقی، ملک پیٹ)

الجواب ــ

نکاح کے لیے اس طرح کی کوئی شرط اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے،اسلام میں گو یہ بات پسندیدہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ہی نکاح کیا جائے؛ تاکہ میاں بیوی صحیح طریقہ پر اپنے مزاج و مذاق کے مطابق رشتہ کا انتخاب کرسکیں؛لیکن چونکہ بعض دفعہ نابالغی کے نکاح ہی میں مصلحت ہوتی ہے؛اس لیے حالت نابالغی میں بھی نکاح درست ہے،خودقرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے،(١) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نابالغی کی ہی حالت میں ہوا،(٢) اور بالغ ہونے کے بعد ایک مدت تک لڑکے لڑکیوں کو نکاح سے روکنا اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں،اس سے اخلاقی نقصان تو ہے ہی،بعض دفعہ یہ پابندی سماجی مصلحت کے بھی خلاف ہوجاتی ہے،والدین،یا ان میں سے کوئی زندگی کے آخری اسٹیج میں ہواور وہ چاہتا ہو کہ اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی کردے؛تاکہ وہ آئندہ بے سہارا نہ ہو،ایسے میں عمر کی وجہ سے ان کے نکاح کو روک دینا یقیناً مصلحت کے مغائر بات ہوگی؛اس لیے مسلمانوں کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ یا تو اس قانون کو ختم ہی کیا جائے،یا کم سے کم مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔وباللہ التوفیق (کتاب الفتاویٰ:٣٠٩/٤)

(١) سورة النساء:٣

(٢) صحيح مسلم،رقم الحديث:٣٤٧٩

شاردا ایکٹ کے خلاف نکاح کا حکم:

سوال: شاردا ایکٹ قانون کے نکاح شرعاً کیسے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو نکاح شاردا ایکٹ کی مخالفت میں اولیا نے شریعت کے موافق کئے ہیں، وہ جائز اور نافذ ہیں، اگر ایسا نکاح باپ دادا نے کیا تو وہ لازم ہے، اس میں کسی قسم کا خیار باقی نہیں۔ اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور شرعی ولی نے کیا ہے تو اس میں خیار بلوغ حاصل ہے؛ یعنی لڑکا لڑکی اگر بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح کو رد کر دے تو حاکم مسلم با اختیار ایک عدالت میں مقدمہ پیش کر کے اس نکاح کو فسخ کرایا جا سکتا ہے۔

"ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء". (زيلعی: ۱۲۲/۲)(تبيين الحقائق: ۲/ ۵۰۵، باب الأولياء والاكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۶/۱۱)

حکم شادی صغرسنی:

سوال: قولہ: اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لیے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں؛ بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے؛ لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا، اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی، بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارہ چہارم (رکوع:۱۲) میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔

﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾(۱)

اقول: آدمی جس فن کو نہ جانے، اس میں کیوں دخل دے؟ آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا، یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس سے قبل وہ توالد وتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے، پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو، ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا، نہ کسی مجتہد نے؛ کیوں کہ مجتہدین کے اجتماعی فتویٰ کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ: نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا، جب آپ نابالغہ تھیں، ہم فروری ۱۹۲۶ء کے 'بلاغ' میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں۔ کتاب 'اکمال فی اسماء الرجال' کے ترجمہ کے

---

(۱) سورة النساء: ٦، انيس

ص:۱۲ پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس، یا بیس دن بعد فوت ہوئیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں؛ اس لیے حضرت عائشہؓ بالضرورت ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں، یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۱۷ رسال کی تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا، پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زفاف کے وقت انیس، یا تئیس سال کی تھیں، اس سے ثابت ہے کہ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول: کیا اچھی سند موجود ہے؟ جس 'اکمال' میں یہ لکھا ہے، اسی 'اکمال' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینے، یا سات مہینے بعد اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں، آہ، یا کیا بات ہے کہ 'اکمال' کے ایک جزو کو مانتے ہو، دوسرے کو نہیں مانتے ہو، اب 'اکمال' کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو، جیسا ہم 'اکمال' سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا، جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی، جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں، (۱) اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں سکتی۔ مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

فائدہ متعلقہ بحث نکاح صغرسن کہ در قانون ساختن، یا نہ ساختن اور درمیان قوم اختلاف افتاد:

سوال (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث فعلی ہے، جس میں جاہل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید خصوصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو، میں ایک قولی حدیث لکھتا ہوں، جو قانون عام ہے، جس میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا، وہ حدیث یہ ہے:

عن عمر بن الخطاب وأنس بن مالک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فأصابت إثما فإثم ذلک علیه. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)(مشکاة المصابیح، باب الولی فی النکاح)(۲)

---

(۱) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ. (صحیح لمسلم، کتاب النکاح، باب تزویج الأب البکر الصغیرة، رقم الحدیث: ۱۴۲۲، انیس)

(۲) شعب الإیمان، حقوق الأولاد والأهلین، رقم الحدیث: ۸۲۹۹، انیس

(۲)　ساری خرابی اس سے ہوئی کہ مضمون لکھنے والوں نے اصل دلائل؛ یعنی قرآن وحدیث سے استدلال کرنا شروع کردیا، جاہلوں نے اس میں شبہات نکالنا شروع کردیئے، یہ کام علماء ومجتہدین کا ہے، ہم کو اتنا کافی ہے کہ جو کتابیں مذہبی تسلیم کرلی گئیں؛ یعنی فقہ کی کتابیں جن کو گورنمنٹ نے بھی مذہبی کتابیں مان لیا ہے، اس میں جواز موجود ہے، پس جواز کا حکم مذہبی ہوا۔

(۳)　بڑا شبہ ان جاہلوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے، ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے، پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہیے، حالاں کہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا، اس کے دو جواب ہیں: ایک الزامی، ایک تحقیقی۔ الزامی تو یہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارہ کرسکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہوجائے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں: ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی نہیں، جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور اطاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو، جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی یہ صاف دلیل ہے، اس کے دین ہونے کی؛ اسی لیے فقہا نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں، ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں، ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہوجاتا ہے؛ مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہا نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلیم والتعلم والتخلی للنوافل سے افضل کہا ہے۔ (کذا فی الشامی)(۱)

پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت فی الدین نہیں ہے۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ مطلق نکاح دین ہے، بقید صغرسنی تو دین نہیں ہے؟ جواب اس کا کوئی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے، وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا، اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا، مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو، فرض نہیں؛ لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے، اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے، اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے، اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے کہ تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے، اگر بقید بقرہ ہو، تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی، خوب سمجھ لیا جاوے۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/ ۲۴۱-۲۴۴)

---

(۱)　وَلِهَذَا قَالَ عُلَمَاؤُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى: النِّكَاحُ أَفْضَلُ مِنَ التَّخَلِّى لِعِبَادَةِ اللّٰهِ فِى النَّوَافِلِ. (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ١٩٤/٤، دارالمعرفة بيروت، تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ٩٤/٢، بولاق، ردالمحتار، كتاب النكاح: ٣/٣، دارالفكر بيروت، انيس)

رسالہ: ضمُ شاردالابل فی ذمِ شاردابلٌ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: بعد حمد وصلوٰۃ، یہ ایک مختصر تحریر ہے، ملقب بہ ''ضمِ شاردالابل فی ذم شاردابل'' جس کا معنوں عنوان ہذا کے دوسرے جزو سے ظاہر ہے اور جزو اول غایت ہے، جزو ثانی کی؛ یعنی جو لوگ جہل، یا تجاہل کے سبب مستقر حقیقی سے متوحش ومنتشر ہیں، ان کو اس مستقر پر جمع کرنا مقصود ہے اور اب تک اس موضوع پر خاص طور پر لکھنے کی احتیاج دو درجہ سے نہ سمجھی تھی: ایک اس لیے کہ مسئلہ اس قدر بدیہی جلی ہے کہ اس امارت کی بھی حاجت نہیں، اس کی تقویت کے لیے کچھ لکھنا موہم ہے اس کے خفی، یا نظری ہونے کا، جو خلاف واقع ہے۔ دوسرے اس لیے کہ دوسرے مستند علما اس پر ضرورت سے زیادہ لکھ چکے ہیں، جو ہر پہلو سے کافی ہے؛ یعنی شرعی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی، بعض ذی علم مخلص احباب نے محض اس امید پر کہ شاید کوئی خاص عنوان مشککین کے سکون کے لیے زیادہ نافع ہو جاوے، لکھنے پر اصرار کیا، نیز اکثر مختلف اوقات میں اس کے متعلق استفتے بھی آتے رہتے ہیں، جن کا جواب اب تک ضابطہ ہی کا جاتا رہا، جس کو عجب نہیں، سائلین نے دفع الوقتی سمجھا ہو، اس تحریر سے ان کا حسب مرضی جواب بھی ہو جاوے گا اور یہ دونوں داعی گو ضعیف ہیں؛ مگر محرکین کی دعا کی برکت سے امید منفعت کی قوت پر نظر ہو کر یہ چند سطریں لکھنے کی رائے ہوگئی، بقول عارف رومیؒ:

کوئے نومیدی مرد کامید ہاست سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اطلاع: زیادہ ترمطمح نظر اس تحریر میں شرعی تحقیق ہے اور وہ بھی علمی اصطلاحات میں؛ کیوں کہ اس کے مخاطب اول وہی اہل علم ہیں، جو اس تحریر کے محرک ہیں، پھر وہ اپنی رائے سے غیر اہل علم کو مخاطب ثانی بنا سکتے ہیں اور سیاسی پہلو پر اس لیے کلام مقصود نہیں کہ میں نہ علماً اس پر قادر ہوں کہ اس قانون میں تمدن ومعاشرتی خرابیاں دکھلا سکوں اور نہ عملاً اس پر قادر ہوں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتلا سکوں، باقی کسی موقع پر غیر سیاسی طرز پر اس کا تبعاً واستطراداً ذکر آجانا اور بات ہے اور نظر بعنوان بالا اس تحریر کے اجزاء کو عطن سے ملقب کرتا ہوں اور نظر بمقاصد اس کو چند عطن پر منقسم کرتا ہوں۔ فقط

عطن اول:

اس کی تحقیق کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ ونابالغ ہونے سے، آیا دنیا کا کام ہے، یا دین کا؛ تاکہ اس سے یہ سمجھنا ہو کہ سن میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے، یا فی الدین؟ سو اس کا ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کام کا شریعت میں تاکید؛ یعنی وجوبی، یا ترغیبی؛ یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو، یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو، وہ دین کا کام ہے، پھر اگر اس کے ترک پر کوئی وعید، یا ناراضی بھی وارد ہو، وہ فرض یا واجب ہے اور جس کے ترک پر وعید، یا ناراضی وارد نہ

ہو، وہ مستحب ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو، وہ دنیا کا کام ہے، گو اس کے متعلق جو احکام وارد ہوں، وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں اور جس اعتقاد، یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو، وہ بھی تغیر فی الدین ہے، اب نکاح کو اس معیار پر منطق کر کے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے؛ کیوں کہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے، چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ﴾(۱)

(تم میں بے نکاحی ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔)

یہ امر کا صیغہ ہے، جس کا اصل مدلول تو وجوب ہے اور اگر کسی وجہ سے وجوب مراد نہ لیا جاوے تو پھر اگر کسی قرینہ سے فعل کو ترک پر ترجیح ہو تو استحباب مراد ہوگا، ورنہ اباحت اور یہاں قرینہ نکاح کی مطلوبیت کا موجود ہے، کماسیذکر عنقریب اور یہی معیار تھا مامور بہ کے دین ہونے کا، پس نکاح کا امر دینی ہونا ثابت ہوا اور وہ قرینہ اسی آیت میں یہ ارشاد ہے:

﴿إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾(۲)

(یعنی ان بے نکاحوں کے نکاح میں اپنے عزیز ناکح کے فقر کو، یا اپنی عزیزہ منکوحہ کے شوہر کے فقر کو مانع مت سمجھا کرو، جب کہ بالقوہ اس میں مادہ اکتساب وخدمت عیال کا ہو؛ کیوں کہ) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدائے تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، آھ۔)

اور اس کا قرینہ ہونا اس طرح ہے کہ زکوٰۃ اور حج تک میں جو کہ شعائر اسلام سے ہیں باختلاف احوال وجوب یا استحباب کے لیے فقر مانع ہے؛ مگر نکاح میں یہ بھی مانع نہیں، خواہ مستقل دلیل سے اور کوئی مانع ہو، اس سے صاف طور پر نکاح کی مطلوبیت کی ترجیح ثابت ہوگئی اور اس سے اس کا دین ہونا ثابت ہو گیا اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ حالت فقر میں زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرنے سے کسی گناہ میں ابتلاء کا احتمال نہیں اور نکاح نہ کرنے سے زنا میں ابتلاء کا اندیشہ ہے، اگر اس پر سوال ہو کہ اس مقام پر اگلی آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾(۳)

(ایسے لوگوں کو جن کا نکاح کا مقدور نہیں، ان کو چاہیے کہ ضبط کریں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔)

---

(۱) سورۃ النور: ۳۲، انیس

فی القاموس: الأيِّمُ، كَكَيِّسٍ: من لا زَوْجَ لها، بِكْراً أو ثَيِّباً، ومَنْ لا امرأةَ له، آه. (القاموس المحيط، فصل الباء: ۱۰۷۸/۱، انیس) وأما إطلاق الأيم في بعض الأحاديث على غير البكر فمجاز بقرينة المقابلة ويحتمل الرواية بالمعنى حيث ورد في بعضها الثيب مكان الايم. منه

(۲) سورۃ النور: ۳۲، انیس

(۳) سورۃ النور: ۳۳، انیس

یہاں فقر کو مانع قرار دیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین میں خاص کر ایک ہی مقام میں تعارض کا تو احتمال ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کوئی دلیل نسخ کی نہ ہو، پس حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں فقر کو مانع نہیں فرمایا گیا؛ بلکہ بیوی کے نہ ملنے کو مانع فرمایا ہے، چناں چہ عنوان ﴿لا یجدون﴾ بھی بتلا رہا ہے؛ یعنی کسی پر جبر تو ہے ہی نہیں، اگر ملے تو کرلو، نہ ملے تو صبر سے بیٹھے رہو اور اسی معنی کو دوسری آیت میں عدم استطاعت سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾(۱)

(اور جو شخص تم میں پوری مقدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو لونڈیوں سے نکاح کرلے۔)

یہاں بھی بالا جماع نہ ملنا مراد ہے، باوجود ملنے کے فقر کے سبب نہ کرنا مراد نہیں، باقی حنفی شافعی کا اختلاف کسی قید کے احترازی وغیر احترازی ہونے میں یہ دوسری بات ہے اور یہی مراد ہے عدم استطاعت سے حدیث آئندہ میں "ومن لم یستطع فعلیه بالصوم" یہ تو نکاح کے امر دینی ہونے کا قرآن سے اثبات تھا۔ اب حدیث لیجئے:

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فإنه أغض للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء. (متفق علیه)(مشکاۃ)(۲)

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جماعت جوانوں کی جو شخص تم میں خانہ داری (کے بار اُٹھانے)(۳) کا مقدور رکھے (بالقوہ، یا بالفعل کما ذکر فی تفسیر الآیۃ) اس کو نکاح کرلینا چاہیے؛ کیوں کہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے میں اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خاص دخل ہے اور جو شخص مقدور نہ رکھے (اور اس لیے نکاح نہ کرسکے) وہ روزے رکھنا اختیار کرے، وہ روزہ اس کے لیے (گویا) رگیں مل دینا ہے۔)

وعن أنس قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق الله فی النصف الباقی. (رواه البیهقی) (الترغیب)(۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ نکاح کرلیتا ہے وہ آدھا دین کامل کرلیتا ہے، اب اس کو چاہئے کہ بقیہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔)

---

(۱) سورة النساء: ۲۵، انیس

(۲) مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، رقم الحدیث: ۳۰۸۰، صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۳۴۰۰، انیس

(۳) کذا فی المرقاة: (وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ) عطفٌ عَلَى مَنِ اسْتَطَاعَ وَلَوْ حَمَلَ الْبَائَةَ عَلَى الْجِمَاعِ لَمْ يَسْتَقِمْ قَوْلُهُ: قَالَ الصَّوْمُ لَهُ وِجَاءٌ؛ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ لِلْعَاجِزِ هَذَا. (مرقاةالمفاتیح، کتاب النکاح: ۲۰۴۱/۵، دارالفکر بیروت، انیس

(۴) شعب الإیمان، فصل فی الترغیب فی النکاح لما فیه من العون، رقم الحدیث: ۵۱۰۰، انیس

وعن أبی نجیح أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من کان موسراً لأن ینکح ثم لم ینکح فلیس منی. (رواہ الطبرانی باسناد حسن)(الترغیب)(۱)

(ابونجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو، پھر نکاح نہ کرے، وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔)

”عَنْ أَبِی ذَرٍّ فی حدیث طویل قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعکاف: یَا عَکَّافُ، ہَلْ لَکَ مِنْ زَوْجَۃٍ؟ قَالَ: لَا،قَالَ:وَلَا جَارِیَۃٍ؟ قَالَ: وَلَا جَارِیَۃَ،قَالَ: وَأَنْتَ مُوسِرٌ بِخَیْرٍ؟ قَالَ: وَأَنَا مُوسِرٌ بِخَیْرٍ،قَالَ:أَنْتَ إِذًا مِنْ إِخْوَانِ الشَّیَاطِینِ، لَوْ کُنْتَ فِی النَّصَارَی کُنْتَ مِنْ رُہْبَانِہِمْ، إِنَّ سُنَّتَنَا النِّکَاحُ، شِرَارُکُمْ عُزَّابُکُمْ، وَأَرَاذِلُ مَوْتَاکُمْ عُزَّابُکُمْ، أَبِالشَّیْطَانِ تَمَرَّسُونَ مَا لِلشَّیْطَانِ مِنْ سِلَاحٍ أَبْلَغُ فِی الصَّالِحِینَ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا الْمُتَزَوِّجُونَ، أُولَئِکَ الْمُطَہَّرُونَ الْمُبَرَّؤُونَ مِنَ الْخَنَا، الخ،وَیْحَکَ یَا عَکَّافُ تَزَوَّجْ، وَإِلَّا فَأَنْتَ مِنَ الْمُذَبْذَبِینَ“. (رواہ احمد،جمع الفوائد)(۲)

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا: اے عکاف! کیا تیرے بیوی ہے، انہوں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: اور نہ لونڈی، عرض کیا: اور نہ لونڈی آپ نے فرمایا: اور تو خیر سے وسعت والا ہے، عرض کیا: اور میں خیر سے وسعت والا ہوں، آپ نے فرمایا تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے، اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا، بلاشبہ ہمارا طریقہ نکاح ہے، تم میں سب سے بدتر بے نکاحی ہیں اور مرنے والوں میں بھی سب سے بدتر بے نکاحی ہیں، کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو، شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں، جو صالحین میں کارگر نہ ہو، مگر جو نکاح کئے ہوئے ہیں، یہ لوگ بالکل مطہر اور فحش سے متبرا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کمبختی مارے عکاف نکاح کرلے، ورنہ تو ادبار والوں میں سے ہوگا۔)

یہ چار حدیثیں ہیں، جو نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں اور اس باب میں بکثرت احادیث ورد ہیں، ان میں سے پہلی حدیث میں امر کا صیغہ وارد ہے، جس سے بانضمام قرآن مقامیہ؛ یعنی سببیت نکاح لغض اللبصر واحصان الفرج جو کہ دونوں دین ہیں ونصب بدل؛ یعنی صوم وقت العجز نکاح کی مطلوبیت صاف مفہوم ہے، خواہ واجب ہو، خواہ مستحب باختلاف احوال دوسری حدیث میں اس کی فضیلت فرمائی ہے کہ مکمل ایمان ہے۔ تیسری حدیث میں وسعت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنے پر ناراضی اور بے تعلقی کا اظہار فرمایا، جو علامات وجوب سے ہے اور چوتھی حدیث میں تو کئی طرح سے نکاح نہ کرنے والوں کی مذمت وشناعت فرمائی کہ یہ بھی امارت وجوب سے ہے، گو بعض ہی احوال کے اعتبار سے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۹۲۰، انیس

(۲) جمع الفوائد ومجمع الزوائد، الحث علی النکاح، رقم الحدیث: ٤٠٩٤، مسند الإمام أحمد، حدیث أبی ذر الغفاری، رقم الحدیث: ٢١٤٥٠، انیس

سہی اور یہ سب معیار ہیں نکاح کے امر و نہی ہونے کے، البتہ جہاں شرعی لونڈی میسر ہو، وہاں لونڈی رکھنا بھی نکاح بدل قرار دے دیا گیا ہے گو اکثر احوال میں خلاف اولیٰ ہے؛ لیکن جہاں لونڈی بھی نہیں وہاں تو نکاح ہی متعین ہے، جیسے ہندوستان میں۔

فائدہ:

جن حدیثوں میں استطاعت ووسعت کی قید ہے، یہ قید اشتراط امر بالنکاح کے لیے نہیں کہ اس کے فوت سے مشروط؛ یعنی امر بالنکاح فوت ہو جاوے؛ بلکہ اقتضا کے لیے ہے؛ یعنی استطاعت مقتضی ہے امر بالنکاح کو اور مقتضی خاص کی نفی کو مقتضا کی نفی مقتضی نہیں، جیسے آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾(۱) میں رجاء راء مقتضی ہے عمل صالح وترک شرک کو، یہ نہیں کہ اگر یہ رجاء نہ ہو تو عمل صالح وترک شرک مطلوب نہ رہے، یہ دوسری بات ہے کہ مقبول نہ ہو اور راز اس کا یہ ہے کہ شرط لازم ہوتی ہے اور مقتضی ملزوم اور انتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء بلزوم کو نہ بالعکس۔ پس یہ حدیثیں معارض نہ ہوئیں آیت ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾(۲) کی پس ان حدیثوں سے فقر کے مانع نکاح ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔

یہاں تک نکاح کے امر و نہی ہونے کا اثبات قرآن وحدیث سے ہو چکا، اب علماء امت ائمہ کے اقوال لیجئے۔

درمختار میں ہے:

"**وليس لنا عبادة، شرعت من عهد آدم إلى الآن، ثم تستمر في الجنة، إلا النكاح والإيمان**". (الدر المختار)(۳)

(ہمارے لیے بجز نکاح اور ایمان کے اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مشروع رہی ہو، پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔)

اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور گو اس کے استمرار فی الجنت پر بعض نے کلام کیا ہے؛ لیکن باقی دوسرے اجزا سب کے نزدیک مسلم ہیں اور ردالمحتار میں ہے:

وَقَدَّمَهُ عَلَى الْجِهَاد (إلى قوله) **وَكَذَا عَلَى الْعِتْقِ وَالْوَقْفِ وَالْأُضْحِيَّةِ، وَإِنْ كَانَتْ عِبَادَاتٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْأَرْكَانِ الْأَرْبَعِ، حَتَّى قَالُوا إِنَّ الِاشْتِغَالَ بِهِ أَفْضَلُ مِنَ التَّخَلِّي لِنَوَافِلِ الْعِبَادَاتِ أَيْ الِاشْتِغَالُ بِهِ، وَمَا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مِنَ الْقِيَامِ بِمَصَالِحِهِ، وَإِعْفَافِ النَّفْسِ عَنِ الْحَرَامِ وَتَرْبِيَةِ الْوَلَدِ وَنَحْوِ ذَلِكَ.**(۴)

---

(۱)　سورة الكهف: ۱۰۰، انیس

(۲)　سورة النور: ۳۲، انیس

(۳-۴)　الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۳، دار الفكر بيروت، انیس

(اور نکاح (کے باب) کو (ترتیب ابواب میں باب) جہاد پر مقدم کیا، پھر آگے چل کر کہا کہ اسی طرح اعتاق اور وقف اور قربانی کے ابواب پر مقدم کیا) اگر چہ وہ بھی عبادات ہیں (بھی کا یہ مطلب کہ جیسے نکاح عبادت ہے ایسے ہی وہ بھی عبادت ہیں؛ مگر پھر بھی نکاح کو ان پر مقدم کیا)؛ اس لیے کہ نکاح (عبادت ہونے کے وصف میں) ارکان اربعہ (نماز وروزہ وزکوٰۃ وحج) کیساتھ (بہ نسبت اعتاق اور وقف اور قربانی کے) زیادہ قرب رکھتا ہے؛ (اس لیے ان ارکان کے ابواب کے بعد نکاح کا باب ترتیب میں رکھا گیا، یہاں تک کہ فقہا نے فرمایا ہے کہ نکاح میں مشغول ہونا نفل عبادات کے لیے بالکل فارغ ہو جانے سے بھی افضل ہے؛ یعنی خود نکاح کرنے میں مشغول ہونا اور نکاح جن چیزوں پر مشتمل ہے (ان میں مشغول ہونا) جیسے مصالح نکاح کا اہتمام کرنا اور نفس کو حرام سے بچانا اور اولاد کی تربیت کرنا اور اسی طرح کی جو چیزیں ہیں۔)

دیکھئے: اس عبارت میں کیسے شد ومد سے نکاح کی فضیلت دینیہ کو بیان کیا ہے۔

(۱) اعتاق اور وقف واضحیہ پر جن کے ثواب سے نصوص بھری پڑی ہیں، ذکر میں اس کا مستحق تقدیم ہونا۔

(۲) ارکان اسلام کے ساتھ بہ نسبت ان عبادات کے اس کو زیادہ مناسبت ہونا۔

ولعل السر فيه أن أركان الإسلام فيها إكبار الاسلام باظهار الأحكام والنكاح فيه إكبار الاسلام باكثار أهل الا سلام وأشير إليه فى قوله عليه السلام: ”فإنى أباهى بكم الأمم“ فى تعليل التزويج، فاشبه الأركان، لاسيما الصلاة، فإن فى النكاح إعلا نا أدناه نصاب الشهادة، كما أن فى الصلاة أذانا وإن فى أوله ثناء وتوحيدا و قرآنا وفى آخره دعاء، كما أن فى أولها ثناء وتوحيدا وقرانا وفى اٰخر ها دعاء بالسلام على الملائكة والمصلين وليس كونهما فى المسجد فهو بالصلاة أشبه.

(۳) نکاح اور متعلقات نکاح کے اشتغال کا نفل عبارات کے اشتغال سے افضل ہونا۔

ان تصریحات کے بعد اس کے امر دینی ہونے میں کیا خفا رہ سکتا ہے۔

عطن ثانی:

اوپر کے دلائل سے مطلق نکاح کا عبادت ہونا ثابت ہوتا ہے، پس وہ اپنے اطلاق سے عام ہیں ہر نکاح خالی عن الموانع کو، خواہ متناکحین بالغ ہوں، خواہ نابالغ ہوں، خواہ ایک بالغ ہو، ایک نابالغ ہو اور عام کی دلالت اپنے افراد کے لیے حکم ثابت کرنے میں قطعی ہوتی ہے، جب تک دلیل خصوصی کی نہ ہوں، خواہ عام ثبوتاً ظنی ہی ہو؛ مگر یہاں ثبوت بھی قطعی ہے، کتاب اللہ کا قطعی ہونا ظاہر ہے، احادیث بھی معنیً متواتر ہیں اور اگر آحاد بھی ہوں تو انضمام اجماع کے بعد قطعی ہو گئیں، اس حالت میں خصوصیت کے ساتھ نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں؛ لیکن تبرعاً اس خصوص کے ساتھ بھی ثابت کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (الآية)(۱)

(۱) سورة النساء: ۱۲۷، انيس

(ترجمہ: اورلوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی ''حکم دیتی ہیں'' جو کہ ''اس کے قبل'' قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں، جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں، جن کو تم جو ان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو۔)

یہ مضمون مختصر ہے، احادیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ یتیم بچیاں جو اقارب کی پرورش میں تھیں، ان کے ساتھ بعض لوگوں کا یہ برتاؤ تھا کہ اگر وہ صاحب جمال ہوئیں تو ان سے خود نکاح کرلیا؛ مگر ان کا پورا مہر نہیں دیا اور اگر صاحب جمال نہ ہوئیں تو بے رغبتی کے سبب نہ خود اپنے ساتھ نکاح کرتے تھے اور نہ مال قبضہ سے نکل جانے کے خوف سے دوسروں کے ساتھ نکاح کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس آیت میں یتیم کے محلِ نکاح ہونے کی تصریح ہے اور لفظِ یتیم لغۃً وشرعاً مخصوص ہے نابالغ کے ساتھ، چنانچہ قاموس میں ہے:

''وهو يَتيمٌ، ويَتُمان: ما لم يَبْلُغ الحُلُمَ''.(۱)

(یتیم اور یتمان کا اطلاق اس وقت تک ہوتا ہے، جب تک بلوغ کو نہ پہونچ جاوے۔)

حَدِيث: لا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلامٍ، رواه أبو داؤد عن علي (إلى قوله) وحسنه النووي متمسكا بسكوت أبي داود عليه، لا سيما وهو عند الطبراني في الصغير، من وجه آخر عن علي، بل له شواهد عن جابر وأنس وغيرهما. (كذا في المقاصد)(۲)

(اور حدیث میں ہے: بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے حضرت علی سے (آگے کہا ہے کہ) نووی نے اس حدیث کو ابوداؤد کے سکوت سے تمسک کر کے حسن کہا ہے، خصوص اس حالت میں کہ یہ حدیث طبرانی کی صغیر میں ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت علی سے مروی ہے؛ بلکہ اس کے دوسرے شواہد بھی ہیں، حضرت جابر اور حضرت انس اور ان کے علاوہ اوروں سے بھی، اسی طرح مقاصد حسنہ میں۔)

رہا احتمال مجاز کا بلا دلیل ہے اور اگر لفظ نساء کو اس کی دلیل کہا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظِ نساء کا احکام عامہ للبالغات وغیر البالغات کی نصوص میں بکثرت آنا جیسا عطن رابع میں بعض موارد نمونہ کے طور پر مذکور بھی ہوں گے اور لفظِ یتامیٰ کا ایسے احکام میں شذوذ وقلت کے ساتھ آنا اس کی دلیل ہے کہ آیت میں نساء میں تجوز کا قائل ہونا راجح ہے، بہ نسبت یتیم میں تجوز کا قائل ہونے کے اور اگر اس پر بھی کسی کو شبہ رہے تو وہ شبہ اس لیے مضر نہیں کہ دوسرے دلائل سے اصل مدعا ثابت ہے، چناں چہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے، پھر متأید بالاجماع ہے، جس کے بعد شبہ کی گنجائش ہی نہیں، اجماع تو ظاہر ہے اور حدیث یہ ہے:

---

(۱) القاموس المحيط، فصل الياء: ۱۱۷۲/۱، مؤسسة الرسالة، انيس

(۲) المقاصد الحسنة، حرف اللام ألف: ۷۲۹/۱، دار الكتاب العربي بيروت، انيس

عَنْ عَائِشَةَ،أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ.(رواه مسلم،مشكاة)(۱)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ اس وقت سات برس کی تھیں اور وہ آپ کے پاس رخصت کی گئیں اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور ان کی گڑیاں (جو تصویر دار نہ تھیں) ان کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے سر پر سے اس وقت اٹھ گئے، جب وہ اٹھارہ برس کی تھیں، روایت کیا اس کو مسلم نے۔)

ظاہر ہے کہ سات برس کی عمر یقیناً عدم بلوغ کی عمر ہوتی ہے،اس سے مدعا صاف ثابت ہے اور اگر کسی کو خصوصیت کا شبہ ہو تو وہ غیر ناشی عن دلیل ہونے کے سبب محض ہو،لغو ہے۔

عطن ثالث:

اوپر جب شرعی نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہو چکی تو جو قانونی نابالغ ہوں ان کے نکاح کی مشروعیت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی کیونکہ قانونی نابالغ شرعاً یا مستقل کے قائم کرنے کی حاجت نہیں جس میں قانونی عمر سے کم عمر کی تصریح کے ساتھ نکاح کا حکم ہو مگر ہم تبرعاً ایسی مستقل دلیل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ دلیل کی حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں بعنوان عدد عمر کی تصریح ہے جس میں بعض اوقات شرعی بلوغ بھی نہیں ہوتا اور ایک میں بعنوان بلوغ کے جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے عمر کا ذکر ہے۔

”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ وَأَدَبَهُ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى أَبِيهِ“.(۲)

(حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی کچھ اولاد پیدا ہو، اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے، (جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے، جو لڑکے کی قانونی عمر سے کم ہے) اس کا نکاح کر دے، اگر وہ بالغ ہو جاوے اور یہ اس کا نکاح نہ کرے، پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ (تسبب کے درجہ میں) صرف باپ ہی پر ہوگا۔)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فِي التَّوْرَاةِ مَكْتُوبٌ: مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُزَوِّجْهَا فَأَصَابَتْ إِثْمًا فَإِثْمُ ذَلِكَ عَلَيْهِ“.(رواهما البيهقي في شعب الإيمان،مشكاة)(۳)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں

---

(۱) صحيح لمسلم،باب تزويج الأب البكر الصغيرة،رقم الحديث:۱۴۲۲،انيس

(۲) شعب الايمان،حقوق الاولاد و الاهلين،رقم الحديث:۸۲۹۹،انيس

(۳) شعب الايمان،حقوق الاولاد و الاهلين،رقم الحديث:۸۳۰۳،انيس

لکھا ہے: جس کی لڑکی بارہ سال کو پہونچ جاوے (جو لڑکی کی قانونی عمر سے کم ہے اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہیں) اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے، پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاوے تو اس کا گناہ اس باپ پر ہوگا، ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔)

عطن رابع:

مسئلہ کے متعلق بعض شبہات کے جواب میں شبہ اول قرآن مجید میں محل نکاح نساء کو فرمایا ہے، مثلاً ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾(۱) اور نساء مخصوص ہے، بالغات کے ساتھ۔

جواب: اگر اس کا حقیقت لغویہ ہونا بھی ثابت ہو جاوے؛ مگر حقیقت شرعیہ ہونے میں کلام ہے اور حقیقت ومجاز میں وہی اصطلاح معتبر ہے، جس میں تخاطب ہو، سو قرآن مجید میں جو احکام عام ہیں، صغیرات وکبیرات کو ان میں جابجا لفظ نساء ہی وارد ہے، مثلاً ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ﴾(۲)

(ترجمہ: اے ایمان والو! مردوں کو مردوں سے تمسخر کرنا نہ چاہیے، شاید وہ ان سے اچھے ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں سے تمسخر کرنا چاہیے، شاید وہ ان سے اچھی ہوں۔)

اور مثلاً ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾(۳)

(ترجمہ: پھر اگر وارث اولاد میں عورتیں ہوں دو، یا دو سے زیادہ تو ان کو میت کے ترکہ سے دو ثلث ملے گا۔)

ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں بالغات وغیر بالغات میں کوئی فرق نہیں اور جہاں مستضعفین کی تفصیل میں استعمال لغوی کی بنا پر نساء کے بعد ولدان بھی بڑھایا گیا ہے، وہاں عذر کے سبب ضعف، یا عفو کی تقویت کا عارض اس اصل سے عدول کا سبب ہو گیا اور مابقی اپنی اصل پر رہے گا، اسی طرح اور آیات میں بھی نساء عام بمعنی میں آیا ہے اور اگر ان میں شرعی مجاز بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی دوسرے دلائل قطعیہ مذکور بالا سے تعارض سے بچنے کے لیے نساء کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے۔

شبہ دوم وسوم:

از جانب بعض اڈیٹرانِ اخباران میں، ایک آیت کے متعلق ہے، دوسرا حدیث کے متعلق، چوں کہ ان دونوں

---

(۱) سورۃ النساء: ۳، انیس

(۲) سورۃ الحجرات: ۱۱، انیس

(۳) سورۃ النساء: ۱۱، انیس

شبہوں کا جواب اس کے قبل لکھا جا چکا ہے؛ یعنی اس رسالہ کے لکھنے کے قبل؛ اس لیے اس وقت ان کو مع اس جواب کے بعینہ نقل کیے دیتا ہوں۔

قولہ سے شبہ کی تقریر اور اقول سے جواب کی تقریر لکھی جاوے گی۔

قولہ: اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لیے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں؛ بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے؛ لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا، اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی، بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارہ چہارم (رکوع:۱۲) میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔

﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾(۱)

اقول: آدمی جس فن کو نہ جانے، اس میں کیوں دخل دے؟ آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا، یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس سے قبل وہ توالد و تناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے، پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو، ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا، نہ کسی مجتہد نے؛ کیوں کہ مجتہدین کے اجتماعی فتویٰ کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ: نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا، جب آپ نابالغہ تھیں، ہم فروری ۱۹۲۶ء کے 'بلاغ' میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں۔ کتاب 'اکمال فی اسماء الرجال' کے ترجمہ کے ص:۱۲ پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس، یا بیس دن بعد فوت ہوئیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں؛ اس لیے حضرت عائشہؓ بالضرورت ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں، یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا، پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زفاف کے وقت انیس، یا تئیس سال کی تھیں، اس سے ثابت ہے کہ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول: کیا اچھی سند موجود ہے؟ جس 'اکمال' میں یہ لکھا ہے، اسی 'اکمال' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات

(۱) سورة النساء:٦، انیس

میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینے، یا سات مہینے بعد اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں، آہ، یا کیا بات ہے کہ 'اکمال' کے ایک جزو کو مانتے ہو، دوسرے کو نہیں مانتے ہو، اب 'اکمال' کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو، جیسا ہم 'اکمال' سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا، جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی، جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں، (۲) اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں سکتی۔ مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

شبہ چہارم:

متعلق حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ: یہ حدیث معلٰی ہے، ممکن ہے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔

جواب: کوئی خصوصیت محض احتمال غیر ناشی عن دلیل سے ثابت نہیں ہوتی، پھر دلائل عامہ وخاصہ مذکورہ بالا اس خصوصیت کی نفی کے لیے کافی نہیں۔

شبہ پنجم:

حسب تصریح علماء نکاح عبادت محضہ نہیں ہے، چناں چہ ردالمختار میں ہے:

ذَكَرَهُ عَقِبَ الْعِبَادَاتِ الْأَرْبَعِ أَرْكَانِ الدِّينِ؛ لِأَنَّهُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهَا كَالْبَسِيطِ إِلَى الْمُرَكَّبِ؛ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ مِنْ وَجْهٍ مُعَامَلَةٌ مِنْ وَجْهٍ. (۲)

(مصنف نے کتاب النکاح کو عبادات اربعہ [نماز روزہ وحج وزکوٰۃ] کے بعد ذکر کیا، جو کہ ارکان دین ہیں؛ اس لیے کہ یہ نکاح بہ نسبت ان عبادات اربعہ کے ایسا ہے، جیسے بسیط ہوتا ہے، یہ بہ نسبت مرکب کے؛ کیوں کہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے [تو اس میں دو وصف ہوئے اور عبادات اربعہ میں صرف ایک ہی وصف ہے عبادات کا اور ظاہر ہے کہ ایک اور دو میں بسیط اور مرکب کی سی نسبت ہے]۔)

جواب: عبادات محضہ تو بعضے حالات میں وہ امور بھی نہیں رہتے، جن کا جزو دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے، جیسے روزہ کہ بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت کا بھی آجاتا ہے، جیسے اصولین نے صوم کفارہ میں اس کی تصریح کی ہے؛ مگر باوجود اس کے اس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا، اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونے کا بھی ہو تو اس

---

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ. (صحیح لمسلم، باب تزویج الأب البکر الصغیرة، رقم الحدیث: ۱۴۲۲، انیس)

(۲) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۳، دارالفکر بیروت، انیس

سے اس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہوگیا؛ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف عقوبت کو بہ نسبت وصف معاملہ کے عبادت سے زیادہ بعد ہے؛ کیوں کہ عقوبت معصیت سے مسبب ہے، جو کہ ضد ہے عبادات کی اور معاملہ معصیت سے مسبب نہیں؛ بلکہ اکثر اوقات عبادت سے مسبب ہوتا ہے، مثلاً حقوق واجبہ سے، پس جب عبادت کے ساتھ وصف عقوبت مل کر بھی اس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا تو عبادت کے ساتھ وصف معاملہ مل کر تو اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتا ہے۔ دوسرے ایسے مرکبات میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور نکاح میں ان ہی علماء کے قول سے جنھوں نے اس میں وصف معاملہ مانا ہے، غالب وصف عبادت ہی ہے، چنانچہ عطن اول میں جو عبارت ردالمحتار کی نقل کی گئی ہے اور سائل کی عبارت منقولہ اسی عبارت کا جزو ہے، اس میں تصریح ہے کہ نکاح کو زیادہ قرب ارکان اربعہ ہی سے ہے اور جہاد واعتاق ووقف واضحیہ پر اس کی تقدیم کو اسی پر مبنی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد اور اس کے اخوات میں جہت عبادت کی غالب ہے تو جو چیز ان سے بھی زیادہ ارکان اربعہ سے مناسبت رکھتی ہو، اس میں وصف عبادت کے غالب ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور قطع نظر اقوال علماء اس مناسبت کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے:

عن علی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یاعلی! ثلث لاتوخرها: الصلاة إذا آنت والجنازة إذاحضرت والأیم إذاوجدت لهاکفؤا. (رواہ الترمذی، مشکاۃ)(۱)

اس میں نکاح کو وجوب تعجیل میں نماز کا قرین قرار دیا، جس سے اس مناسبت کی صریح تقویت ہوتی ہے۔

وذکر سره فی العطن الأول ویتأید أیضاً کون وصف العبادة فیه غالباً علی وصف المعاملة بأن المعاملات التی یتوقف انعقادها علی تراضی الجانبین یتوقف فسخها أیضاً علی تراضیهما والعبادات المحضة یتفردالعامل بفسخها وکذلک النکاح یستقل الزوج بابطاله، فکان مشابهة بالعبادات أقوی وبالمعاملات أضعف.

عطن خامس ملقب بحق وطن:

اس میں اس قانون کے مطالبہ فسخ کے متعلق ایک استطرادی اور مختصر کلام ہے اور اسی لیے اس کا عنوان گو تغلیباً عطن رکھ دیا گیا؛ لیکن اصل لقب حق وطن ہے؛ کیوں کہ اس کا تعلق خاص اپنے ملک ووطن کے مصالح سے ہے، خطبہ میں بزیر عنوان اطلاع اس مادہ میں سیاسی پہلو پر کلام کرنے سے اپنا علمی وعملی عذر ظاہر کر چکا ہوں اور وہاں ہی یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید غیر سیاسی طور پر کسی موقع پر اس کا ذکر استطراداً آجاوے، سو وہ موقع یہی ہے، جس میں بجائے سیاسی کلام کے اپنے بھائیوں کے لیے ایک مفید مشورہ معروض ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے اس قانون کے فسخ کی درخواست دو بناؤں پر ہوسکتی ہے: ایک تو اس بنا پر کہ یہ قانون خلاف معاہدہ عدم مداخلت فی المذاہب ہے، سو اگر اس بنا کو اختیار کیا جاوے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس معاہدہ میں جو لفظ مذہب، یا اس کا مرادف آیا ہے، اس کے مفہوم

---

(۱) سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی الوقت الأول من الفضل: ۴۳/۱، ط:سعید، انیس

کی تحقیق کی جاوے، جس میں استقرا اسے کئی احتمال ہیں، ایک یہ کہ مراد اس سے وہ امور ہیں، جن کو احقر نے عطن اول میں امر دینی کہا ہے، جس میں نکاح بھی داخل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بھی عام معنی مراد ہوں؛ یعنی وہ جمیع امور جن کا شریعت نے قانون بتلا دیا ہے، اس میں تمام دیانات ومعاملات آ گئے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ مراد وہ امور ہیں، جن کو عام خیالات سے دین کا کام سمجھا جاتا ہے، خواہ دین میں اس کی کچھ اصل ہو، یا نہ ہو، اس میں جس طرح امور دین؛ یعنی نماز واذان وروزہ وحج وزکوٰۃ ونکاح وغیرہ داخل ہیں، اسی طرح رسوم محرم وشب برأت اور اعراسِ قبور بھی داخل ہیں۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ معنی ثالث مع شفعہ ومیراث ووقف وقربانی وامثالہا ہوں اور احتمالات عقلیہ گو اور بھی ہو سکتے ہیں؛ مگر تتبع سے وہی احتمالات لکھے گئے، جن کا تذکرہ زبانوں پر آتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی پانچواں مفہوم ہو اور ہر حالت میں جب لفظ مذہب کا مفہوم متعین ہو جائے گا تو آسانی سے معاہدہ کے خلاف ہونے، یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور بہت سے اختلافات رفع ہو جائیں گے اور بہت سے سوالات حل ہو جائیں گے، چناں چہ بعضے سوالات دائرہ علی الالسنہ مع جوابات نمونہ کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

سوال اول: اگر نکاح کا یہ قانون مداخلت فی الدین ہے تو بیع وشراء وحفظ صحت کے خواتین بھی مداخلت فی الدین ہیں، حالاں کہ ان کے متعلق کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

الجواب: مذہب کے معانی مذکورہ میں سے جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہ ہو، اس پر تو یہ جواب ہے کہ عدم التفات کے وقت سکوت کر لینے سے التفات کے وقت بھی سکوت کر لینا لازم نہیں اور جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو تو جواب ظاہر ہے اور اسی جواب مبنی علی الفرق کو میں نے اپنی ایک تقریر میں ذکر کیا ہے۔

وھوھذا: بڑا شبہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے، ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے، پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہیے، حالاں کہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا، اس کے دو جواب ہیں: ایک الزامی، ایک تحقیقی۔ الزامی تو یہ کہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارا کر سکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جاوے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں: ایک محض مباح، جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی نہیں، جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو، جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلاعذر پر وعید بھی، یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی؛ اسی لیے فقہا نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں، ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں، ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے؛ مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہا نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو **اشتغال بالتعلم والتعلیم والتخلی للنوافل** سے افضل کہا ہے۔ (کذا فی الشامی) پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بتانا مداخلت فی الدین نہیں ہے۔

سوال دوم: مطلق نکاح دین ہے، بقید صغرسن تو دین نہیں؟

الجواب: معانی مذکورہ میں سے جس معنی کر یہ دین ہے، اس میں کوئی قید نہیں، لہٰذا ہر عمر میں دین ہے، یہ تو اس جواب کی قانونی حقیقت ہے اور شرعی حقیقت اس جواب کی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے، وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا، اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا، مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو، فرض نہیں؛ لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے، اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے، اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغر سن کی حالت سے پایا جاوے، اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے، اگر بقید بقرۃ ہو، تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعتمداخلت فی الدین ہوگی، خوب سمجھ لیا جاوے۔

سوال سوم: قانون بلوغ کے قبل کسی خاص عمر میں فرض وواجب نہیں؟

الجواب: بعض حالات میں فرض وواجب بھی ہوجاتا ہے، مثلاً صحتِ بدنیہ وقوتِ مزاجیہ کے سبب تقاضا شدید ہو، اس حالت میں فرض وواجب ہوجاتا ہے، دوسرے جس معنی کر یہ دین ہے، اس میں فرض غیر فرض میں کوئی فرق نہیں، جیسا فرض نماز اور نفل نماز سے روکنا برابر ہے اور اس دوسرے جواب کا مرجع وہی ہے، جو سوال دوم کے جواب مذکور ہوا۔

یہ سب کلام اس وقت تھا، جب بناء درخواست نسخ کی معاہدہ عدم مداخلت فی المذاہب ہو اور ایک دوسری بناء درخواست نسخ کی اور ہے اور یہ دوسری بناء اسلم ہے، بالخصوص جو لوگ سیاسیات میں علماً وعملاً قاصر ہیں، ان کے لیے تو بالتعین اسی بناء کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہوں، یعنی اگر کریں اور تحریک کے عام کرنے کے لیے کرہی لینا اصلح ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے یہ درخواست کی جاوے کہ اگر اس قانون کو خلاف معاہدہ ہونے کی بنا پر آپ منسوخ نہیں کرتے تو ترحم وراحت رسانی ہی کی بنا پر منسوخ کردیجئے، کیا رعایا کے صرف وہی حقوق ہیں، جن کی فہرست منضبط کردی جاوے، کیا ان کا یہ حق نہیں ہے کہ ان کو تکلیف وپریشانی سے بچایا جاوے، کیا وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مصالح کی رعایتیں ہوتی نہیں رہتیں اور اس قانون سے جو کلفتیں اور زحمتیں ہوں گی، کیا وہ متیقن ومتبین نہیں، پھر ان دونوں مقدموں کے بعد ترتب نتیجہ؛ یعنی نسخ قانون میں کا ہے، کا انتظار ہے۔

یہ تو خطاب تھا حکام سے؛ مگر اسی پر اکتفا نہ کریں؛ بلکہ حق تعالیٰ سے بھی التجا ودعا کرتے رہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے کہ یہی گناہ اصل ہے، نزول دواہی کی اور حکام کے قلوب کو قلت رعایت سے صاف فرما، جو فرع ہے عفو منا ہی کی۔ واللہ الموفق

تمت الرسالہ، نصف رجب ۱۳۴۸ھ، النور: ۳/تا ۱۹/، بابت ماہ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/)

آیت ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى﴾ سے صغیر کے نکاح کے عدم جواز پر استدلال کا حکم:

سوال: زید آیت ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حتى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ سے استدلال کرتا ہے کہ نکاح قبل بلوغ صغیر وصغیرہ کا جائز ہی نہیں، ولی کی اجازت سے ہو، یا نہ ہو؛ کیوں کہ ﴿بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ سے وقت بلوغ مراد ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

"حتى إذا بلغوا حد البلوغ بأن يحتلم ... وبلوغ النكاح كناية عن البلوغ لأنه يصلح النكاح عنده". (۱)

اور حاشیہ بیضاوی میں ہے:

"لأن المقصود من النكاح التوالد ولاتوالد إلا عند البلوغ". (۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نکاح کا کوئی وقت معین ہے کہ اس وقت انسان کو اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور نکاح قبل البلوغ قبل از وقت وصلاحیت ہے اور قبل از وقت کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی، جیسے نماز قبل از وقت، اب مطلوب یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے کیا مراد ہے، عقد، یا وطی؟ اور اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوسکتا ہے؟ اس کا قائل ایک غیر مقلد شخص ہے، جو جمہور کے خلاف کہہ رہا ہے، اس کے جواب کی ضرورت ہے، پس اس کو استدلال کے جواب میں کیا کہنا چاہیے، مختصر وخلاصہ تحریر فرمائے کہ اپنے کو بھی تسکین ہو، دوسرے کو بھی فائدہ ہو۔

الجواب

"قوله: لأن يصلح عنده" أقول: صلاحیت سے مراد صلاحیت تامہ ہے، "قوله: المقصود من النكاح، الخ" أقول: صلاحیت تامہ سے یہی صلاحیت توالد مراد ہے۔ قولہ: اس عبارت سے اقول اول تو عبارت کے معنی معلوم ہوگئے، دوسرے بیضاوی کی تقلید کب درست ہوگی؟ قولہ اور قبل از وقت اقول وقت سے مراد وقت جواز ہے، یا وقت وجوب؟ اگر اول ہے تو مسلم، مگر مذکور کا وقت جواز ہونا ثابت نہیں اور اگر وقت وجوب مراد ہے تو خود یہ مقدمہ غیر مسلم، چناں چہ وضوء قبل از وقت درست ہے۔ قولہ عقد، یا وطی، اقول استدلال مذکور کا جواب تو ہوگیا، جس کے بعد اس کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا، اب اس سے دوبارہ دلیل کا مطالبہ کافی ہے اور جب تک وہ دلیل نہ لاوے، اس کا دعویٰ غیر مسموع اور قول جمہور کا غیر مقدوح ہے، اب تبرعاً نفس مسئلہ پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے، وہ اس وقت نابالغ تھیں، چناں چہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے۔ (۳)

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۲۶۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۶۰)

---

(۱) تفسير البيضاوى، سورة النساء: ۲/ ۶۰-۶۱، دار إحياء التراث العربى بيروت، انيس

(۲) ولطلب ما هو مقصود به وهو التوالد والتناسل. (فتوح الغيب فى الكشف عن قناع الغيب للطيبى، سورة النساء: ۴/ ۴۴۰، جائزة دبئى الدولية، انيس)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ. (صحيح لمسلم، باب تزويج الأب البكر الصغيرة، رقم الحديث: ۱۴۲۲، انيس)

تحریر بیان برقانون تعیین عمر رضامندی:

(الجمعیۃ، مورخہ:۱۳/اگست ۲۹ء، ۱۶/اگست ۲۹ء)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ چند تمہیدی مقدمات بیان کر دیئے جائیں، جن کو پیش نظر رکھنے سے جواب کی صحت متقین ہو جائے گی۔

(۱) اسلام میں نکاح کو صرف معاشرتی حیثیت میں نہیں رکھا گیا ہے؛ بلکہ اس کو مذہبی عمل کی حیثیت بھی دی گئی ہے اور اس پر ثواب اور فضیلت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ کا ارشاد ہے:

"**النكاح من سنتي،فمن رغب عن سنتي،فليس مني**".(فتح الباری شرح صحیح البخاری)(۱)

(یعنی نکاح میری سنت ہے، جو میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہوگا۔)

اور بخاری شریف میں حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں:

"**وأتزوج النساء،فمن رغب عن سنتي،فليس مني**".(صحیح البخاری، کتاب النکاح)(۲)

(یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جو میری سنت (نکاح) سے روگردانی کرے گا، وہ میری جماعت میں سے نہ ہوگا۔)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان فليتق اللّٰه في النصف الباقي**". (الطبرانی فی الأوسط،كذا في جمع الفوائد) (۳)

(یعنی جس نے نکاح کیا، اس نے آدھا ایمان تو پکا کر لیا تو چاہیے کہ دوسرے نصف میں بھی خدا سے خوف کو ملحوظ رکھے۔)

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن بشر سے فرمایا تھا:

"**إن سنتنا النكاح شراركم عزابكم وأراذل موتاكم عزابكم**".(جمع الفوائد)(۴)

(یعنی ہماری سنت نکاح ہے، تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں، وہ بہت برے ہیں اور جو مجرد ہی مر جائیں، وہ بدترین مردے ہیں۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**من تزوج ثقة باللّٰه واحتساباً كان حقا على اللّٰه أن يعينيه وأن يبارك له**". (الطبرانی فی الأوسط والصغير،كذا في جمع الفوائد)(۵)

---

(۱) فتح الباری،کتاب النکاح، باب الترغيب فی النكاح،۳۰/۹،بولاق

(۲) (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغيب فی النكاح:۷۵۷/۲، قديمی

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب النكاح، باب الحث فی النكاح:۲۵۲/٤، بيروت

(۵،۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب النكاح، باب عون اللّٰه سبحانه، للمتزوج:۲۵۰/٤، بيروت

(یعنی جو شخص خدا پر بھروسہ کر کے اور طلب ثواب کے خیال سے نکاح کرے گا تو خدا تعالیٰ پر (اس کے وعدہ صادقہ کی بنا پر) لازم ہے کہ اس کی مدد کرے اور برکت عطا فرمائے؛ یعنی اللہ تعالیٰ ضرور اس کی اعانت کرے گا اور ایسے اسباب مہیا کر دے گا، جو اس کی فراخی اور مسرت وخوش عیشی کے لیے کافی ہوں گے اور اس کو برکت دے گا۔)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''قد اختلف فی النکاح، فقال الشافعیة: لیس عبادة ولھذا لو نذرہ لم ینعقد وقال الحنفیة ھو عبادة''. (فتح الباری، کتاب النکاح) (۱)

(یعنی نکاح کی شرعی حیثیت میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح عبادت نہیں ہے اور اسی لیے اگر کوئی نکاح کی منت مانے تو منعقد نہ ہوگی اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح کو عبادت کی حیثیت حاصل ہے؛ یعنی اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے اور وہ موجب تقرب خداوندی ہے۔)

اور درمختار میں ہے:

''لیس لنا عبادة شرعت من عھد آدم إلی الآن،ثم تستمر فی الجنة إلا النکاح والإیمان''. (۲)

(یعنی ہمارے لیے کوئی عبادت نکاح اور ایمان کے سوا ایسی نہیں ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہو کر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔)

اور اسی کتاب میں ہے:

''ویکون سنة مؤکدة فی الأصح،فیأثم بترکه ویثاب إن نوی ولداً وتحصیناً''. (۳)

(یعنی نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے صحیح قول کی بنا پر، پس اس کا تارک گنہگار ہوگا اور جو بہ نیت پاک دامنی وتحصیل ولد نکاح کرے گا، وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔)

''ورجح فی النھر وجوبه للمواظبة علیه والإنکار علی من رغب عنه''. (الدر المختار) (۴)

(یعنی (کتاب) نہر (النہر الفائق) میں نکاح کے واجب ہونے کو ترجیح دی ہے، اس دلیل سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور اعراض کرنے والے پر عتاب کا اظہار فرمایا ہے۔)

(۲)　سنت نکاح پر عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنے کے لیے صرف عقد نکاح کافی ہے، مباشرت کا وجود ضروری نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عقد نکاح کر لیا اور کسی وجہ سے مثلاً زوجہ کی کم عمری، یا بیماری کی وجہ سے مقاربت کی نوبت نہ آئی اور اسی حالت میں مر گیا تو ترک سنت کا مواخذہ نہ ہوگا۔

---

(۱)　فتح الباری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۷۹/۹، بولاق

(۲)　الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۳، سعید

(۳،۴)　الدر المختار، کتاب النکاح: ۷/۳، سعیدؤ

(۳) عقد نکاح ہونے کے ساتھ لازم نہیں کہ زوجین میں فوراً مقاربت بھی ہوجائے؛ بلکہ اس کے لیے زوجین کی صلاحیت کا لحاظ ضروری ہے، جب تک زوجہ جماع کے قابل نہ ہوجائے، اس کو شوہر کے پاس بھیجنا لازم نہیں ہے اور خاوند بھی اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

"وللزوج المطالبة بتسليمها إن تحملت الرجل". (الدر المختار) (۱)

(یعنی شوہر اپنی زوجہ کو اپنے پاس لانے کا مطالبہ جب کرسکتا ہے، جب کہ زوجہ مرد کے قابل ہوجائے۔)

"قال البزازي: ولا يجبر الأب على دفع الصغيرة إلى الزوج". (ردالمحتار) (۲)

(یعنی چھوٹی لڑکی جو قابل جماع نہ ہو، اس کے باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کو زوج کے حوالہ کرے۔)

(۴) عورت کے قابل جماع ہوجانے کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا؛ (۳) کیوں کہ مختلف ملکوں اور مختلف خاندانوں میں نشو ونما کے مدارج مختلف ہونے اور آب وہوا کے اختلاف اور جسمانی خصوصیات کے تباین سے عورتوں کی صلاحیت جماع کے اوقات میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ بعض لڑکیاں اپنے قوائے جسمانیہ کی درستی کی وجہ سے نو دس سال کی عمر میں بھی جماع کے قابل ہوسکتی ہیں اور بغیر کسی مضرت وتکلیف کے دس گیارہ سال کی عمر میں بچہ کی ماں بن سکتی ہیں اور بعض لڑکیاں سولہ سترہ سال کی عمر تک بھی اپنی فطرت نحافت، یا عارضی امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہیں ہوتیں؛ اسی لیے اسلام کے مقننین نے جماع کے لیے عمر کی تعیین کرنے کے بجائے زوجہ کی صلاحیت وطاقت کا اعتبار کیا ہے۔

"قال البزازي: ولا يعتبر السن". (ردالمحتار) (۴)

(یعنی بزازی نے کہا کہ اس بارے میں عمر کا اعتبار نہیں ہے۔)

"فإن زعم الزوج أنها تتحمل الرجال وانكر الأب فالقاضي يريها النساء ولا يعتبر السن". (ردالمحتار) (۵)

(یعنی اگر شوہر کہے کہ میری منکوحہ مرد کے قابل ہوگئی ہے اور منکوحہ کا باپ کہے، ابھی نہیں ہوئی تو قاضی عورتوں کو دکھلا کر معلوم کرے کہ وہ مرد کی طاقت رکھتی ہے، یا نہیں؟ اور عمر کا اعتبار نہ کرے۔)

---

(۱) الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد

(۲) ردا لمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد

(۳) "واختلفوا في وقت الدخول بالصغيرة ... وأكثر المشائخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة، إن كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولا يخاف عليها المرض من ذلك كان للزوج أن يدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنين، وإن كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية)

(۴) رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد

(۵) رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد

(۵) شریعت مقدسہ اسلامیہ نے شوہر کو اس وقت تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، جب تک وہ اس کی متحمل نہ ہو جائے، اگرچہ اس کی عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔

"وإن كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها وهو الصحيح". (فتاوى عالمگیری)(۱)

(یعنی اگر عورت دبلی ہو اور جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو اور بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا حلال نہیں، اگرچہ اس کی عمر بڑی ہو گئی ہو اور یہی قول صحیح ہے۔)

"في التتارخانية: البالغة إذا كانت لا تتحمل لا يؤمر بدفعها إلى الزوج". (ردالمحتار)(۲)

(یعنی تاتارخانیہ میں ہے کہ بالغہ لڑکی بھی اگر جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔)

(۶) نکاح کی صرف یہی غرض نہیں ہے کہ شوہر فوراً بیوی سے مجامعت کر سکے؛ بلکہ شوہر کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو تنہا کا ایک مونس محرم راز مل جائے، (۳) یا اس کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام ہو سکے اور یہ فوائد ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لینے سے حاصل ہو سکتے ہیں، جو ابھی اپنی کم عمری، یا فطری کمزوری کی وجہ سے قابل جماع تو نہیں ہوئی؛ مگر بات چیت کر کے دل بہلانے کے لائق ہے، یا کھانے پکانے، سینے پرونے کا انتظام خوب کر سکتی ہے اور لڑکی کے اولیا کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نکاح کر دینے کے بعد اس کے خاوند سے اس کا مہر وصول کریں اور خود لڑکی پر خرچ کریں اور اس کی کفالت کے بارے میں سبک دوش ہو جائیں، یا اپنے ضعف اور بڑھاپے میں لڑکی کے رشتہ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور اطمینان قلب سے اپنے بقیہ ایام زندگی پورے کریں۔

"لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر". (الدرالمختار)(۴)

"ولو كان الزوج لا يستمتع بها، كما في الهندية عن التجنيس". (ردالمحتار)(۵)

(یعنی چھوٹی لڑکی کا باپ لڑکی کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے، اگرچہ شوہر اس صغیرہ سے فائدہ جماع حاصل نہ کر سکتا ہو۔)

"صغيرة لا يستمتع بها زوج فللأب أن يطالب الزوج بمهرها". (فتاوى عالمگیری)(۶)

(یعنی ایک چھوٹی لڑکی منکوحہ ہے، جس سے زوج فائدہ مقاربت حاصل نہیں کر سکتا تو بھی لڑکی کا باپ اس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے۔)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية
(۲) ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد
(۳) الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد
(۴) رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعيد
(۵) وكذا صغيرة تصلح للخدمة أو الإستئناس. (الدرالمختار، كتاب الطلاق باب النفقة: ۵۷۶/۳، سعيد)
(۶) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية

”وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضی أن يأمر أبا المرأة بتسليم المرأة، فقال أبوها: إنها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع (إلى قوله) لا تتحمل الرجال لا يؤمر بتسليمها إلى الزوج“. (عالمگیری)(۱)

(یعنی اگر شوہر نے مہر ادا کردیا اور پھر قاضی سے درخواست کی کہ وہ لڑکی کے باپ کو حکم دے کہ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالے کردے؛ مگر لڑکی کے باپ نے یہ عذر کیا کہ وہ ابھی کم عمر ہے، مرد کے قابل نہیں ہوئی اور جماع کی متحمل نہیں ہوگی تو قاضی اس کی تحقیق کرے، اگر ثابت ہوجائے کہ فی الحقیقت وہ مرد کے قابل نہیں ہوئی تو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دے۔)

(۷) شریعت مقدسہ اسلامیہ نے بچوں کے نکاح کے لیے عمر کی کوئی حد معین نہیں کی ہے۔ قرآن مجید، یا احادیث، یا فقہ میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ اتنی عمر سے پہلے لڑکے۔ یا لڑکی کا نکاح ناجائز ہے۔ بخلاف اس کے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال کی عمر والی لڑکی (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے خود نکاح کیا تھا، (۲) اور کتب فقہ میں صغار یعنی چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاحوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور قرآن مجید میں نابالغہ لڑکیوں کی عدت بتائی گئی ہے، (۳) اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح کے بعد ہی لازمی ہوتی ہے۔

(۸) اسلام نے نابالغوں کے باپ اور دادا اور دوسرے اولیا کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا نکاح کردیں۔ (۴) باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے، (۵) اور دوسرے اولیا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوتو ہوتا ہے؛ مگر لازم نہیں ہوتا، (۶) نابالغ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کردے تو حکم حاکم بااختیار فسخ ہوسکتا ہے۔

”لولی الصغير والصغيرة إن ينكحهما وإن لم يرضيا بذلک، كذا فی البرجندی، سواء كانت بكراً أو ثيباً، كذا فی العينی شرح الكبير“. (الفتاویٰ الهندية)(۷)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، وقت الدخول بالصغيرة: ۲۸۷/۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) عن عروة، تزوج النبی صلی الله عليه وسلم عائشة وهی ابنة ست وبنی بها وهی ابنة تسع ومكثت عنده تسعًا. (صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب من بنی بامرأة وهی بنت تسع سنين: ۷۷۵/۲، قديمی)

(۳) ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ (سورة الطلاق: ٤)

وفی البخاری: باب انكاح الرجل ولده الصغار، لقوله تعالی ﴿واللائی لم يحضن﴾ فجعل عدتها ثلثة أشهر. (صحيح البخاری، كتاب النكاح: ۷۷۱/۲، قديمی)

(۴) عن عروة، أن النبی صلی الله عليه وسلم خطب عائشة رضی الله عنها إلی أبی بكر. (صحيح البخاری، كتاب النكاح: ۷۶۰/۲، قديمی)

(۵) ولزم النكاح ولو بغبن فاحش إن كان المزوج بنفسه أبا أو جداً. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولی: ۶۶/۳، سعيد)

(۶) وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام علی النكاح وإن شاء فسخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب الأولياء: ۳۱۷/۲، شركة علمية)

(۷) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع الأولياء: ۲۸۵/۱، ماجدية

(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق). (الدرالمختار)(۱)

(یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو اختیار ہے کہ ان کا نکاح کردے، اگرچہ صغیر اور صغیرہ راضی نہ ہوں اور لڑکی باکرہ ہو، یا ثیبہ اور صغیرہ اور مجنون اور غلام کے نکاحوں کی صحت کے لیے ولی شرط ہے۔)

اور باپ ولایت وحقوق اختیارات اولیا اسلامی فقہیات میں سے ایک عظیم الشان باب ہے، ہزاروں احکام اس کے متعلق ہیں۔ بچوں کی نابالغی میں ان کے نکاحوں کا اختیار، ان کی مملوکہ جائیدادوں کی حفاظت اور انتظام، ان کی طرف سے دعویٰ کرنا اور ان کی جانب سے مدافعت کرنا، یہ سب اولیا کے فرائض واختیارات میں داخل ہے اور کوئی قانون جوان حقوق واختیارات کو سلب، یا باطل کرتا ہو، اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے نزدیک قابل تسلیم ولائق قبول نہیں ہوسکتا۔(۲)

مذکورہ بالا آٹھ مقدمات کی تفصیل وتصریح کے بعد میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ کیا لڑکیوں کے نکاح کے لیے کوئی قانونی عمر مقرر کی جاسکتی ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر کسی قسم کی سزا دی جاسکے؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ صغیر وصغیرہ کے نکاح کے لیے قانوناً عمر کی تعیین مسلمانوں کے لیے بوجوہ متعددہ نہیں کی جاسکتی، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(الف) مقدمہ اولیٰ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں عقد نکاح کی حیثیت صرف ایک معاشرتی معاملے، یا معاہدے کی نہیں ہے؛ بلکہ وہ عبادت اور مذہبی عمل کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور اس پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے، (﴿إن الحكم إلا لله﴾(۳) جو قانوناً ناجائز ہے۔

(ب) عمر معین کردینے سے یہ خرابی ہوگی کہ بہت سی لڑکیاں جن کے والدین ضعیف العمر ہوں گے اور چاہتے ہوں گے کہ اپنی بچیوں کا نکاح کسی اچھی جگہ اپنے سامنے کردیں اور ایسی جگہ بھی میسر ہو جائے گی؛ مگر تعیین عمر کی قانونی پابندی کی وجہ سے نکاح نہ کرسکیں گے اور رات دن اسی رنج وغم میں رہنے کی وجہ سے ان کی صحت اور دماغ پر تباہ کن اثر پڑے گا اور اگر اسی حالت میں انتقال ہوگیا تو لڑکیاں بے وارث رہ جانے کی وجہ سے تباہ اور خراب حال ہو جائیں گی اور اس خرابی کا حلقہ کم عمری کی شادی سے جو نقصان ہوتا ہے، اس سے بہت زیادہ وسیع ہوگا۔

(ج) بہت سے نادار والدین جو لڑکیوں کی پرورش کے مصارف کا بار برداشت نہیں کرسکتے، اپنی کمسن لڑکیوں کا نکاح ایسے بچوں سے کردیتے ہیں، جن کے سرپرست کل، یا بعض مہر ادا کردینے پر خوشی سے تیار ہوجاتے ہیں اور

(۱) الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۵۵/۳، سعيد

(۲) ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجًا مما قضيت ويسلموا تسليماً﴾ (سورة النساء: ٦٥)

(۳) سورة يوسف: ٦

لڑکی کے والدین وصول شدہ مہر کی رقم سے لڑکی کی پرورش وتعلیم کا انتظام کرنے پر قادر ہوجاتے ہیں، اگر کسی معین عمر تک نکاح سے قانونی ممانعت کردی گئی تو بہت سی لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم کی ایک ممکن صورت ناممکن، یا قانونی جرم ہوجائے گی اور وہ فقر وفاقہ کا فی الحال شکار ہوجائیں گی، یا جاہل رہ جائیں گی۔

(د) صرف عقد نکاح کردینا کسی تمدنی، عمرانی، جسمانی خرابی کا موجب نہیں اور اس کے ذریعہ سے ایک مذہبی عرض (اتباع سنت) اور عمرانی وجسمانی فوائد (سہولت پرورش وتیسیر تعلیم) حاصل ہوسکتے ہیں، پس اس پر قانونی پابندی عائد کرنے کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں۔

(ہ) عقد نکاح کے لیے اگر ایسی عمر مقرر کی گئی، جو لڑکی کے بالغ ہوجانے کی عمر ہو، مثلاً پندرہ سال تو اس صورت میں یہ قانون اولیا کے اس حق کو جو ولایت نکاح کے متعلق انہیں شرعاً حاصل ہے۔(۱) (جیسا کہ مقدمہ ثانیہ میں ثابت کیا گیا) باطل اور زائل کردے گا؛ یعنی اس حق اور اختیار کے استعمال کرنے کی کوئی صورت نہ رہے گی؛ کیوں کہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح کی خود مالک ہوجاتی ہے،(۲) اور اولیا کی ولایت اجبار ساقط ہوجاتی ہے،(۳) تو گویا بلوغ عورت سے قبل اس کے نکاح کی ممانعت کردینا اس کے مساوی ہے کہ اسلامی قانون کے باب ولایت اور حقوق اولیاء کو باطل، یا منسوخ کردیا جائے اور مسلمان ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہ حکومت کے اس اقتدار کو اسلامی ابواب کے ابطال کے متعلق تسلیم کرلیں،(۴) اور اگر کوئی ایسی عمر معین کی گئی، جو یقینی طور پر بالغ ہوجانے کی عمر نہیں ہے، مثلاً تیرہ، یا چودہ سال تو اس میں اگرچہ حق ولایت کا بالکلیہ ابطال لازم نہیں آتا؛ مگر مقررہ عمر سے پہلے تو یقیناً حق ولایت کا بطلان لازم آتا ہے، اس کے علاوہ جن خرابیوں کو وضع قانون کے لیے آڑ بنایا جارہا ہے، وہ بلوغ سے پہلے کی کوئی عمر معین کردینے سے دفع بھی نہ ہوں گی اور یہ تعیین لغو اور بیکار ہوگی۔

اس کے بعد سوال کے دوسرے حصہ پر بھی غور کرنا ہے کہ لڑکیوں کے عقد نکاح کے لیے اگر عمر کی تعیین نہیں ہوسکتی تو وداع کے لیے تعیین کردینے میں تو کوئی خرابی نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وداع کے لیے بھی عمر کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ مقدمہ رابعہ میں اس کا ثبوت دیا جاچکا ہے کہ عورت کی صلاحیت جماع کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا؛(۵) بلکہ اس کا مدار عورت کے جسمانی قویٰ اور بدنی طاقت پر ہے اور اختلاف ماحول کی بنا پر اس میں بہت تفاوت

---

(۱) وللولي إنكاح الصغير والصغيرة. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ٦٦/٣، سعيد)

(۲) نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ٢٨٧/١، ماجدية)

(۳) ولا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ٢٨٧/١، ماجدية)

(۴) وعن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (شرح السنة، كتاب الامارة، باب الطاعة في المعروف: ٣٥/٦، دارالفكر بيروت)

(۵) وأكثر المشائخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة، إن كانت ضخمة سمينة ==

ہوتا ہے، کوئی لڑکی بارہ سال کی عمر میں اتنی تنومند اور طاقت ور ہوجاتی ہے کہ دوسری سولہ سترہ سال کی لڑکیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، پھر عمر کی تعیین کردینے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ مسلمانوں میں کم عمری کے زمانے میں نکاح کردینے کا تو تھوڑا بہت رواج ہے؛ مگر کم عمری کے زمانے میں وداع کردینے کا رواج نہیں ہے، اگر کہیں ایسا واقعہ ہوجاتا ہے تو شاذ و نادر ہے، ایسے شاذ و نادر واقعات کو وضع قانون کے لیے بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہم اوپر ثابت کرچکے ہیں کہ اسلامی قانون میں یہ بات موجود ہے کہ خاوند اور اس کے اولیا لڑکی کے اولیا سے اس بات کا مطالبہ نہیں کرسکتے کہ ناقابل جماع لڑکی ان کے حوالے کردی جائے،(۱) اور اگر بفرض محال لڑکی خاوند کے پاس پہنچ بھی جائے تو خاوند کو شریعت اسلامیہ مذہباً مجامعت سے روکتی ہے۔ (دیکھو مقدمہ خامسہ)(۲) اس کے بعد مسلمانوں کو کسی قانون کی ضرورت نہیں۔(۳) کمزوری اور ناتوانی جس میں عورت وطی و مجامعت کے لائق نہ ہو، صرف کم عمری میں منحصر نہیں؛ بلکہ مریضہ اور حاملہ جو قریب الولادت ہو، حائضہ اور نفساء یہ سب عورتیں ناقابل وطی ہیں۔(۴) اسلامی قانون ان سب کو شامل ہے اور مجوزہ قانون ان متعدد اقسام کی ناقابل جماع عورتوں میں سے صرف ایک قسم کے لیے کچھ چارہ کار ہوسکتا ہے، باقی اقسام کا ضرر بحال خود قائم رہے گا، حالاں کہ بعض مریضہ عورتوں، یا حاملہ عورتوں، یا قریب الولادت، یا نفاس والی عورتوں سے جو مجامعت کی جاتی ہے، وہ بسا اوقات اتنی مضر ہوتی ہے کہ نابالغہ مراہقہ سے مجامعت اتنی مضر بھی نہیں ہوتی؛ اس لیے صرف عمر رضامندی کی تعیین کردینے سے اس مضرت کی تلافی نہیں ہوسکتی، جو عورتوں کو ان کے خاوندوں کی بے اعتدالی سے پیش آتی ہے۔ زناشوئی کے تعلقات میں بہت سی بے اعتدالیاں جاہل خاوندوں سے سرزد ہوتی ہیں، مثلاً کثرت جماع، وطی فی الدبر وغیرہ؛ مگر قانون اس کا علاج کرنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہے، جس کی وجہ عورتوں کی خلقی حیا اور تعلقات زوجیت کی گوناگوں بندشیں ہوتی ہیں، جو عورت کو عدالت تک جانے اور قانونی چارہ جوئی کرنے سے روکتی ہیں۔ پس ان چیزوں کا صحیح علاج مسلمانوں کے لیے مذہبی احکام کی تبلیغ و تفہیم ہے، نہ کہ وضع قانون۔

کہا جاتا ہے کہ جب کہ مسلمانوں کا مذہب بھی ان کو کمزور و ناتواں عورت سے جماع کی اجازت نہیں دیتا تو اسی مضمون کا قانون وضع کردینے میں کیا مضائقہ ہے؟

== تطيق الرجال ... كان للزوج أن يدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنين، وإن كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ... لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها، هو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية)

(۱) وليس له تسليمها للدخول بها قبل طاقة الوطء ولا عبرة للسن. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولى: ۶۶/۳، سعيد)

(۲) وإن كانت نحيفة مهمولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها، وهو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية)

(۳) ﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام ديناً﴾ (سورة المائدة: ۳)

(۴) ﴿فاعتزلوا النساء فى المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ (سورة البقرة: ۲۲۲)

اس کا جواب یہ ہے:

(۱) اول تو مذہبی حکم کے ہوتے ہوئے وضع قانون کی مسلمانوں کی ضرورت نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ یہ معاملہ ایسے ماحول میں ہوتا ہے کہ وہاں قانون کی دسترس نہیں اور اہل معاملہ میں سے پانچ فیصدی بھی قانونی چارہ جوئی کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

(۳) مجوزہ قانون اگر عورت کی صلاحیت اور طاقت کو معیار قرار دیتا تو اس حیثیت سے مسلمان اس کی مخالفت نہ کرتے؛ بلکہ اس وقت ان کی مخالفت اس بنا پر ہوتی کہ اس قسم کے مذہبی اور خانگی امور میں قانون کی مداخلت ناقابل برداشت ہے؛ مگر وہ عمر کو معیار قرار دیتا ہے، جو مختلف افراد اور مختلف اقوام کے لیے یکساں طور پر معیار بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، پھر اگر مثلاً قانون نے پندرہ سال کی عمر مقرر کی اور کسی قوم کی لڑکیاں تیرہ برس میں بالغ ہوجاتی ہیں تو ان کے لیے یہ قانون مخالفت شریعت کا موجب بھی ہوگا اور وبال جان بھی۔ مخالفت شریعت کا اس لیے کہ جب لڑکی تنومند اور طاقتور ہے اور بالغ بھی ہوگئی ہے اور اس کو مرد کی خواہش ہے تو شریعت نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ اس سے مقاربت کرے؛(۱) لیکن یہ قانون ایک جائز امر کو اس کے لیے جرم قرار دے۔ اس کے علاوہ اگر مرد کو اس صورت میں خیال ہو کہ اگر میں نے مقاربت نہ کی تو عورت بدکاری میں مبتلا ہوجائے گی تو اس پر واجب ہوگا کہ مقاربت کرے، پس اس کی حیثیت یہ ہوگی کہ اسلام تو اس پر وطی واجب کرتا ہے کہ قانون مذکور اس کو جرم قرار دیتا ہے، ایسی صورت میں وہ لامحالہ مذہب کا اتباع کرے گا اور لازم آئے گا کہ قانون اس کو مذہبی فعل کی تعمیل اور اطاعت امر خداوندی پر سزا دے، جو صریح مذہبی مداخلت ہے۔ نیز لڑکی بالغ اور مشتہاۃ ہوجانے کی وجہ سے مقاربت کی خواہش مند ہوگی؛ مگر قانون اس کو خاوند سے منتفع ہونے میں مانع ومزاحم ہوگا اور اسے مجبور کرے گا کہ وہ ناجائز طریقوں سے اپنی نسانی خواہش پوری کرے اور وہ اس قانون کی وجہ سے مذہبی مخالفت اور خالق کی معصیت میں مبتلا ہونے پر مجبور ہوگی اور یہ صریح مذہبی مداخلت ہے۔

اور وبال جان اس لیے کہ لڑکیوں کو بالغ ہوجانے اور طاقتور ہونے کی صورت میں مردوں سے روکنا اور ان کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ان متوسط الحال لوگوں کے لیے جو اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے گھروں میں صرف ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں، جو بالغ ہوچکی ہیں اور طاقتور بھی ہیں؛ مگر قانونی عمر کو نہیں پہنچیں، اگر وہ لوگ ان لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں تو کاروبار تباہ ہوتا ہے اور کاروبار میں مشغول رہ کر لڑکیوں کو گھروں میں تنہا چھوڑتے ہیں تو عزت برباد ہوجاتی ہے؛ اس لیے یہ قانونی تعیین ان کے لیے وبال جان ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ عمر رضامندی کی تعیین کا قانون تو ایک عرصہ سے ہندوستان میں نافذ ہے اور مسلمان بھی اس کو تسلیم کرچکے ہیں تو اب ان کی مخالفت بے معنی ہے؟

---

(۱) لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة إن كانت ضخمةً سمينةً تطيق الرجال ... كان للزوج أن يدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، ماجدية)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ قانون وضع کیا گیا ہوگا، اس وقت ماہران علوم اسلامیہ کے مشورے اور استصواب کے بغیر قانون پاس کرلیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی حلقوں کو اور پبلک کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی اور اس وجہ سے کوئی مخالف آواز بلند نہ ہوئی، یا واضع قانون جماعت نے مجاریٹی (اکثریت) کی قوت سے اس کو پاس کردیا اور گورنمنٹ کی طاقت نے اس کو نافذ کردیا۔ کسی قانون کا نافذ ہوجانا نہ اس کی صحت کی دلیل ہے، نہ اس امر کی متعلقہ فرقوں کی رضا وتسلیم سے وہ پاس ہوا ہے۔ نظیر کے لیے پبلک سیفٹی بل کا نفاذ (جو بطور آرڈیننس کے نافذ کردیا گیا ہے) اور تعزیرات ہند و دیگر قوانین موجودہ سیکڑوں دفعات جو اسلامی احکام کے سراسر خلاف ہیں، کافی ہیں۔ دعوائے مہر میں تین سال کی مدت مقرر کردینا، تمادی عارض ہوجانا، حق شفعہ کا سال بھر کے بعد ساقط ہوجانا اور اسی قسم کے بہت سے قوانین نافذ ہیں، جو شریعت اسلامیہ کے صریحاً خلاف ہیں تو ان کے نفاذ سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں نے انہیں تسلیم کرلیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں پر جبراً ان قوانین کو نافذ کیا جاتا ہے اور وہ مخالفانہ ایجی ٹیشن نہیں کرتے۔

پس صورت حاضرہ میں مسلمان نہ تو تعیین عمر عقد نکاح پر راضی ہوسکتے ہیں اور نہ وداع کی عمر معین کرنے کو تسلیم کرسکتے ہیں اور ان کی قطعی رائے ہے کہ کم عمری کی شادیوں، یا کم عمری میں مجامعت سے جو نقصانات ہوتے ہیں، ان کا وقوع مسلمانوں میں اول تو بہت کم ہے۔ دوسرے اس کا علاج مذہبی احکام کی تبلیغ ہے، نہ کہ قانون اور نہ کہ قانون مذکور کی کئی صورتیں مذہبی احکام سے متصادم ہیں اور ان بنا پر وہ مذہبی مداخلت سے خالی نہیں۔ (۱)

ساردا بل پر مفصل تبصرہ:

نوٹ: ساردا بل جب اسمبلی میں پیش ہوا تو حکومت نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی، یہ کمیٹی تمام ہندوستان کا دورہ کرتی ہوئی ۲۸/جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی پہونچی اور شہادتیں قلم بند کیں۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم دہلی میں موجود نہ تھے۔ سفر سے واپس آکر آپ نے مندرجہ بالا بیان تحریر فرمایا اور ارکان تحقیقاتی کمیٹی کے پاس بھیجا۔

اس کے بعد آپ نے ساردا بل پر ایک مبسوط تبصرہ بنام ''ساردا بل کی حقیقت'' تحریر فرمایا، جو ۲/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا اور الجمعیۃ مورخہ ۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء و ۱۳/اکتوبر ۱۹۲۹ء میں بھی شائع ہوا۔ یکم اکتوبر ۲۹ء کو لارڈ گوشن نے جو اس وقت ہز ایکسلنسی لارڈ ارون کی جگہ بطور قائم مقام کے تھے، ساردا بل پر منظوری کی دستخط کردیئے تھے۔ ۲۷/اکتوبر ۲۹ء کو لارڈ ارون ہندوستان واپس آئے اور مورخہ ۷/نومبر ۲۹ کو حضرت مفتی اعظم نے مندرجہ ذیل خط ویسرائے کے نام تحریر فرما کر بھیجا۔ (واصف عفی عنہ)

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: السمع والطاعة علی المرأ المسلم فیما أحب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیة فإن أمر بمعصیة فلا سمع علیہ ولا طاعة. (جامع الترمذی، ابواب الجهاد عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق: ۱/ ۳۰۰، سعید)

مکتوبہ بنام وائسرئے ہند:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۹رنومبر ۲۹ء، ۱۱رنومبر ۱۹۲۹ء)

جناب والا! مسودہ قانون جو پہلی منزل میں سارد ابل کے نام سے تھا، اب ہزا یکسلنسی وائسرائے کی منظوری کے بعد ایکٹ نمبر: ۱۹، کے بابت ۱۹۲۹ء بن چکا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب والا کو ان احساسات وجذبات سے باخبر کردوں، جو مسلمانوں کی طبائع میں اس قانون کے خلاف موجزن ہیں۔ نیز ان وجوہ کی بھی تصریح کردوں، جن کی بنا پر مسلمان اس قانون سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

(سارد ابل) ایکٹ نمبر: ۱۹، بابت ۱۹۲۹ء سے مسلمانوں کی بیزاری کے وجوہ:

(الف) گورنمنٹ کے صریح وعدوں اور اعلانوں کے خلاف ہے۔

(ب) اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے۔

(ج) مسلمان قوم کی نارضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے۔

(د) اس کی حیثیت آئینی نہیں؛ بلکہ جبری ہے۔

(ہ) اس قانون کے پاس ہوجانے سے ایک ایسا خطرناک اصول قائم ہوگیا، جس سے مسلمانوں کے مخصوص شرعی قانون (پرسنل لا) میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا کوئی اطمینان نہیں رہا۔

میں ان نمبروں میں سے ہر نمبر پر علاحدہ علاحدہ روشنی ڈالتا ہوں۔

(۱) گورنمنٹ برطانیہ نے ہمیشہ اس وعدے کا اعلان کیا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی، ملکہ وکٹوریہ کا ابتدائی اعلان اور ان کے جانشینوں کی پیہم تصدیق وتائید اس دعوے کا کافی ثبوت ہے اور اس وقت سے آج تک گورنمنٹ نے مسلمانوں کی شادی (میرج) کو مذہبی امور میں داخل رکھا ہے اور اسی حیثیت سے اس کے متعلق تمام مقدمات محمڈن لا کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ پس ایک ایسے امر کے لیے جواب تک قانونی طور پر مذہبی امور میں داخل اور قانونی مداخلت کے ناقابل تھا، اسمبلی میں قانون بنانا جس کی مجاریٹی غیر مسلم ہے اور اسلام سے قطعاً ناواقف ہے اور گورنمنٹ کی جانب سے اس کی حمایت وتائید ہونا اور سرکاری ارکان کا اس کی موافقت میں ووٹ دینا گورنمنٹ کی قدیم مشتہرہ پالیسی کی قطعاً خلاف ورزی ہے۔

(۲) اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے، اس بات کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ میں مذہبی مداخلت کا مفہوم بھی واضح کردوں، مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دو جہتیں ہیں:

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی پہلی جہت:

(۱) جن امور کو مذہب نے فرض، یا واجب قرار دیا ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج، جب مرد، یا عورت بالغ ہوجائے اور قوی الشہوت ہونے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ان کے لیے نکاح کرنا وغیرہ۔

(۲)　جوامور کہ مذہب کے شعائر میں داخل ہوں، مثلاً اذان، ختنہ، بستی سے باہر عید کی نماز کے لیے اجتماع وغیرہ۔

(۳)　جوامور کہ مذہب نے مؤکد، یا مستحسن قرار دیا ہو، ان کی ترغیب دی ہو اور ثواب کا وعدہ کیا ہو، مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، نفل حج، ایک سے زیادہ قربانی، محلوں اور عام راستوں پر مسجدیں بنانا وغیرہ۔

مذکورہ بالا چاروں قسموں میں جو امور داخل ہیں، ان میں سے کسی ایک کو روکنا، یا جرم قرار دینا، یا ایسی پابندی عائد کرنا جس کا نتیجہ فی الجملہ ترک فعل پر مجبور کرنا ہو، مذہبی مداخلت ہے۔ اب میں یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ اس قانون کے ذریعے سے جو پابندی عائد کی گئی ہے، وہ ان چاروں بیان کردہ صورتوں کے لحاظ سے مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کی پہلی صورت؛ یعنی کسی فرض، یا واجب سے روکنا:

جب کہ لڑکا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے بالغ ہو جائے، یا لڑکی چودہ سال سے پہلے بالغ ہو جائے اور قوائے جسمانیہ کے قوی اور مستحکم ہونے کی وجہ سے اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے، یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ولی پر اور خود لڑکے پر اور لڑکی پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ نکاح کر لے۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه،فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما اثمه على أبيه“. (رواه البيهقى،كذا فى المشكاة)(۱)

(ترجمہ: جس کسی کو حق تعالیٰ کوئی بچہ (لڑکا، یا لڑکی) عطا کرے تو اسے چاہیے کہ بچے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے اور جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بچہ بالغ ہو گیا اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا اور بچے سے گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا وبال اس کے باپ کے اوپر ہوگا۔)

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

”فى التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتى عشرة سنة ولم يزوجها، فأصابت إثما، فأثم ذلك عليه“. (رواه البيهقى،كذا فى المشكاة) (۲)

(ترجمہ: توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے (یا بالغ ہو کر نکاح کی حاجت مند ہو) اور باپ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔)

---

(۱)　شعب الإيمان للبيهقى: ٤٠١/٦، (رقم الحديث: ٨٦٦٦)، دارا الكتاب العلمية، بيروت (عن أبى سعيد وعبدالله بن عباس رضى الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم،الخ،باب حقوق الأولاد والأهلين،انيس)

(۲)　شعب الإيمان للبيهقى: ٤٠٢/٦، (رقم الحديث: ٨٦٧٠)، دارالكتاب العلمية بيروت(عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ،الخ،باب حقوق الأولاد والأهلين،انيس)

اور شریعت اسلامی کا اصول یہ ہے کہ انجیل یا توراۃ کا جو حکم پیغمبر اسلام نے نقل فرمایا کہ اس کے خلاف کچھ نہ فرمایا ہو تو وہ مسلمانوں کے لیے بھی شرعی حکم ہو جاتا ہے۔(۱)

احکام فقہ اسلامی:

"**وحالة التوقان واجب**"(الفتاوى الهندية معروف به فتاوى عالمگيرى) (۲)

(ترجمہ: نکاح بوقت شدت حاجت واجب ہے۔)

"**ويكون واجبًا عند التوقان فإن تيقين الزنا إلا به فرض**".(الدرالمختار)(۳)

(ترجمہ: اور شدت حاجت کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے اور اگر بغیر نکاح رہنے میں صدور زنا یقینی ہو جائے تو نکاح فرض ہو جاتا ہے۔)

"**ويجب عند التوقان**".(البرهان شرح مواهب الرحمن)(۴)

(ترجمہ: یعنی شدت اشتیاق کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے۔)

"**وصفته فرض وواجب وسنة (إلى قوله) أما الأول فبأن يخاف الوقوع فى الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به لأن مالا يتوصل إلى ترك الحرام إلا به يكون فرضًا**". (البحر الرائق شرح كنز الدقائق)(۵)

(ترجمہ: اور احکام شرعیہ میں نکاح کی حیثیت یہ ہے کہ وہ بعض حالات میں فرض اور بعض میں واجب اور بعض میں سنت ہوتا ہے (الی قولہ) فرض ہونے کی حالت یہ ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کا ایسا خوف ہو کہ بدون نکاح کے زنا سے بچاؤ نہ ہو سکے گا۔ اس حالت میں فرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہ ہو وہ چیز حرام سے بچنے کے لیے فرض ہو جاتی ہے۔)

"**فأما فى حال التوقان، قال بعضهم: هو واجب بالإجماع؛ لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع فى الحرام، وفى النهاية: إن كان له خوف الوقوع فى الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز إلا به كان فرضا**".(فتح القدير شرح الهداية)(۶)

---

(۱) ومما يتصل بسنة نبينا عليه السلام شرائع من قبله، والقول الصحيح فيه أن ما نص الله تعالىٰ أو رسول منها من غير انكار يلزمنا على أنه شريعة لرسولنا صلى الله عليه وسلم.(الحسامى،ص:۹۳، مير محمد)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲٦٧/۱، ماجدية

(۳) الدر المختار، كتاب النكاح: ٦/۳، سعيد

(۴) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲٦٧/۱، ماجدية

(۵) البحرالرائق، كتاب النكاح: ۸٤/۳، دارالكتاب الإسلامى بيروت، انيس

(٦) فتح القدير، كتاب النكاح: ۸٤/۳، بيروت

(ترجمہ: شدت احتیاج وشدت اشتیاق کی حالت میں بعض علماء نے کہا کہ نکاح کرنا بالاتفاق واجب ہے؛ کیوں کہ ایسی حالت میں نکاح نہ کرنے سے زنا میں مبتلا ہوجانے کا خوف، یا گمان غالب ہوتا ہے اور نہایہ میں ہے کہ اگر زنا میں واقع ہونے کا اتنا خوف ہو کہ بدون نکاح کے بچاؤ نہ ہوسکے تو نکاح کرنا فرض ہوجاتا ہے۔)

"اما من احتاج إلى النكاح ولم يقدر على الصبر دون النساء ... وخشي على نفسه العنت إن لم يتزوج فالنكاح عليه واجب" انتهى مختصراً. (مقدمات ابن رشد)(۱)

(ترجمہ: بہرحال جو نکاح کا خواہش مند ہو، بغیر عورت کے صبر نہ کرسکے اور زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس پر نکاح واجب ہے۔)

"وقد يجب في نحو خائف عنت تعين عليه". (القلبوسی علی شرح منهاج الطالبين فی فقه الإمام الشافعی)

(ترجمہ: نکاح کبھی واجب بھی ہوجاتا ہے، مثلاً اس شخص کے لیے جس کو زنا میں مبتلا ہوجانے کا خوف ہو۔)

پس ایسی صحیح الجسم لڑکی جو تیرہ سال کی عمر میں بالغ ہوجائے اور ایسا صحیح القویٰ لڑکا جو پندرہ، یا سولہ سال کی عمر میں بالغ ہوجائے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور خوف ہو کہ اگر ان کا نکاح نہ کیا گیا تو یہ فواحش میں مبتلا ہوجائیں گے، (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو) تو ان کا نکاح کردینا شرعاً واجب، یا فرض ہے اور ساردا ایل ان کو اس شرعی فرض، یا واجب کی ادائیگی سے روکتا ہے؛ اس لیے ان صورتوں میں مذہبی مداخلت کی صور چارگانہ میں سے پہلی صورت متحقق ہوجائے گی۔

دوسری صورت یعنی کسی اسلامی شعار سے روکنا:

نکاح اسلامی شعار ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أربع من سنن المرسلين: الحياء والتعطر والسواك والنكاح". (الترمذی)(۲)

(ترجمہ: یعنی چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں: حیا، عطر لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔)

دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن سنتنا النكاح، شراركم عزابكم". (رواه أبويعلى في مسنده، كذا في البرهان)(۳)

(ترجمہ: نکاح ہماری سنت ہے، تم میں سے برے وہ لوگ ہیں، جو مجرد ہیں۔)

تیسری حدیث میں فرمایا:

"النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني". (كذا في فتح الباری والبرهان)(۴)

---

(۱) المقدمات الممهدات لابن رشد، قبيل فصل في بيان ما يحرم نكاحه من النساء: ۴۵۴/۱، دار الغرب الإسلامي بيروت، انيس، ومعناه في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۹۵/۲، امدادية

(۲) جامع الترمذي، أبواب النكاح: ۲۰۶/۱، سعيد

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث في النكاح: ۲۵۰/۴)

(۴) فتح الباري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ۹۶/۹، بولاق

(ترجمہ: نکاح میری سنتوں میں سے ہے تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ میرا نہیں۔)

پس کسی مسلمان لڑکے، یا لڑکی کو جب کہ وہ بالغ ہو چکے ہوں؛ مگر قانونی عمر سے کم عمر رکھتے ہوں، یا ان کے اولیا کو ایک ایسے امر سے روکنا جو شعار اسلامی ہے، مذہبی مداخلت کی صور چہارگانہ میں سے دوسری صورت میں داخل ہے۔

تیسری صورت؛ یعنی جن امور کو مذہب نے مؤکد، یا مستحسن قرار دیا ہے، ان سے روکنا:

قرآن کریم:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ﴾(۱)

(ترجمہ: بے شوہر والی عورتوں اور بے بیوی والے مردوں کے نکاح کردو۔)

ایامی جمع کا صیغہ ہے، اس کا مفرد ایم ہے جو ایسے مرد کے لیے جس کی بیوی نہ ہو اور ایسی عورت کے لیے جس کا خاوند نہ ہو بولا جاتا ہے، خواہ یہ بالکل بن بیاہے ہوں، یا بیاہے ہوں؛ مگر پھر تنہا رہ گئے ہوں۔

مفردات امام راغب میں ہے:

"الأيم هى المرأة التى لا بعل،وقيل للرجل الذى لا زوج له". (۲)

(یعنی جس عورت کا خاوند نہ ہو اور جس مرد کی بیوی نہ ہو، دونوں کو ایم کہا جاتا ہے۔)

لسان العرب، ج:۱۲،ص:۳۰۵ میں ہے:

"الأيامى الذين لا أزواج لهم من الرجال والنساء ورجل أيم سواء كان تزوج قبل أو لم يتزوج والأيم من النساء التى لا زوج لها بكراً كانت أو ثيباً". (۳)

(ترجمہ: ایامی ان مردوں کو جن کی بیویاں نہ ہوں اور ان عورتوں کو جن کے شوہر نہ ہوں، کہا جاتا ہے۔ مرد کو خواہ اس نے شادی کی ہو، یا نہ کی ہو؛ مگر بغیر بیوی کے رہ جائے، ایم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ باکرہ ہو، یا ثیبہ؛ مگر بے خاوند کی ہو، ایم کہا جاتا ہے۔)

اور ﴿وَأَنْكِحُوا﴾ امر کا صیغہ ہے، جو یہاں پر کم از کم استحباب مؤکد کے لیے ہے۔

تفسیر خازن میں ہے:

"والأمر المذكور فى الآية أمر ندب واستحباب لاجماع السلف عليه". (۵۹/۵)(۴)

(یعنی صیغہ امر اس آیت میں ندب و استحباب کے لیے ہے؛ کیوں کہ سلف کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔)

---

(۱) سورة النور: ۳۲

(۲) المفردات للإمام راغب، ص: ۳۱، ومجعم مقياس اللغة: ۱۶۶/۱

(۳) لسان العرب: ۳۱/۱۲، ومعجم مقياس اللغة: ۱۶۶/۱

(۴) تفسير الخازن لعلاء الدين على بن محمد: ۷۲/۵

"فهي (أى صيغة الأمر فى قوله ﴿وانكحوا﴾)على الندب لا على الإباحة". (مقدمات ابن رشد: ۲۲/۲)(۱)
(یعنی اس آیت میں امر کا صیغہ ندب کے لیے ہے، نہ کہ اباحت کے لیے۔)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان". (جمع الفوائد)(۲)
(یعنی جس نے نکاح کرلیا، اس نے اپنا آدھا ایمان کامل کرلیا۔)
اور فرمایا:
"من تزوج ثقة بالله إحتساباً كان حقا على الله أن يعينه وأن يبارك له". (الطبرانی، كذا فی جمع الفوائد)(۳)
(یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بہ نیت ثواب نکاح کرے گا، خدا تعالیٰ ضرور ہی اس کی امداد فرمائے گا اور برکت دے گا۔)
"يا على ! ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفؤا". (رواه الترمذی، كذا فی المشكاة)(۴)
(ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تین چیزوں ایسی ہیں، جن میں تاخیر اور دیر نہ کرنا: نماز جب اس کا وقت آجائے، جنازہ جب تیار ہوجائے اور بے خاوند عورت جب اس کے لائق رشتہ میسر ہوجائے۔)

ان حدیثوں کے علاوہ حدیثیں بھی ملاحظہ کی جائیں، جو دوسری صورت کے بیان میں اوپر لکھی جاچکی ہیں۔ان تمام احادیث اور ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث سے بھی نکاح کی فضیلت اور اس کا مستحب، مؤکد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مناسب رشتہ اور کفو میسر ہونے پر نکاح میں تاخیر اور دیر کرنی ناجائز ہے؛ کیوں کہ لڑکیوں کے لیے سب سے زیادہ اہم بات یہی ہے کہ اچھے اور لائق خاوند میسر آجائیں اور یہ ہر وقت میسر نہیں ہوتے؛ اس لیے ایسا رشتہ ملنے کی صورت میں نکاح کردینے اور تاخیر نہ کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

روایات فقہیہ:

"ويسن حالة الاعتدال". (البرهان شرح مواهب الرحمن)(۵)
(ترجمہ: نکاح حالت اعتدال میں بھی؛ یعنی اگر چہ شدت حاجت نہ ہو مسنون ہے۔)

---

(۱) المقدمات الممهدات لابن رشد المالكی: ۴۵۳/۱ ،دار الغرب الإسلامی بيروت،انيس
(۲) مجمع ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث فی النكاح: ۲۵۲/۴، بيروت
(۳) مجمع الزوائد ومبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث فی النكاح: ۲۵۸/۲، بيروت
(۴) جامع الترمذی، ابواب الصلوٰة، باب ما جاء فی الوقت الأول من الفضل: ۴۳/۱ ،سعيد
(۵) (يسن)النكاح(حال الإعتدال).(درر الحكام شرح غرر الحكام،ما ينعقد به النكاح: ۳۲۶/۱،دار إحياء الكتب العربية بيروت،انيس)

"**ويكون سنة مؤكدة في الأصح فياثم بتركه**". (الدر المختار) (۱)

(یعنی نکاح سنت مؤکدہ ہے، پس اس کے ترک سے گنہگار رہوگا۔)

"**فهو أنه في حالة الاعتدال سنة مؤكدة**". (فتاویٰ عالمگیری) (۲)

(یعنی درمیانی حالت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔)

"**قال الحنفية: هو عبادة**". (فتح الباری) (۳)

(یعنی حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک عبادت ہے۔)

"**وليس لنا عبادة، شرعت من عهد آدم إلى الآن، ثم تستمر في الجنة، إلا النكاح والإيمان**". (الدر المختار) (۴)

(یعنی ہمارے لیے کوئی عبادت ایسی نہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوکر اب تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی برقرار رہے؛ مگر نکاح اور ایمان۔)

پس قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی سے نکاح کا مسنون اور کم از کم مستحب مؤکد ہونا ثابت ہوتا ہے اور سارد ابل کے ذریعہ سے ایک مدت معینہ تک اس کی ممانعت اور بندش ہوتی ہے؛ اس لیے یہ مذہبی مداخلت کی تیسری صورت میں داخل ہے۔

تنبیہ:

واضح رہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی نابالغ اور ناقابل مباشرت بھی ہوں، جب بھی ان کے عقد نکاح اور مباشرت دونوں پر بندش عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

چوتھی صورت؛ یعنی ایسے امور سے روکنا جو صرف جائز ہیں؛ مگر مذہبی حق سمجھے جاتے ہیں:

چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح کر دینا اگر چہ لازمی اور ضروری نہیں ہے؛ مگر اسلام نے اسے جائز رکھا ہے اور اس سے منع نہیں کیا اور یہ حق اسلامی حق قرار دیا گیا ہے، اس کے ثبوت میں دلائل ذیل ملاحظہ ہوں۔

قرآن کریم:

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ (۵)

---

(۱) الدر المختار، كتاب النكاح: ۷/۳، سعيد

(۲) الفتاویٰ الهندية: كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، ماجدية

(۳) فتح الباری: كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ۸۹/۹، بولاق

(۴) الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۳، سعيد

(۵) سورة الطلاق: ٤

(ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں کہ حیض سے (بوجہ پیرانہ سالی) ناامید ہوجائیں، اگر تمہیں ان کے بارے میں شک وشبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان بچیوں کی بھی جنہیں اب تک حیض آنا شروع نہیں ہوا۔)

اسلامی قانون نے غیر حاملہ عورتوں کے لیے طلاق کی عدت تین حیض قرار دی ہے، مگر جن عورتوں کو پیرانہ سالی کی وجہ سے حیض آنا بند ہوگیا ہو، یا ایسی منکوحہ لڑکیاں جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا، اس آیت میں ان کی عدت بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں تین مہینے عدت گزاریں۔ اس آیت میں غیر حائضہ نابالغہ لڑکیوں کی عدت کا حکم بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں تین مہینے عدت گزاریں۔ اس آیت میں غیر حائضہ نابالغہ لڑکیوں کی عدت کا حکم بیان کرنا اس کی دلیل ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کا عقد نکاح جائز ہے، (۱) ورنہ طلاق اور اس کی عدت کا حکم بیان کرنے کے کچھ معنی نہیں ہوسکتے۔

یہاں پر کہا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے ایسے نکاح ہوتے تھے اور ان کی وجہ سے کم عمر منکوحہ بچیوں کو طلاق دینے کے واقعات پیش آتے تھے؛ اس لیے ان کی عدت بیان کردی گئی ہے۔ پس اس آیت سے ایسے نکاح کردینے کا جواز نہیں نکلتا؛ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی عدت بتانا اور نکاح جس پر طلاق مرتب ہوتی ہے، اس کے حکم سے سکوت فرمانا نکاح کے جواز کی صریح دلیل ہے۔ اگر ان بچیوں کا نکاح ناجائز ہوتا تو ضرور اس کی تصریح بھی یہیں کردی جاتی، جب اس کے عدم جواز کی تصریح نہیں کی گئی اور ان کی طلاق کی عدت بتائی گئی تو نکاح کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ (۲)

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ﴾ (سورۃ النساء)(النساء:۳)

(ترجمہ: اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں تم انصاف نہ کرسکو گے تو انہیں چھوڑ کر اور عورتیں جو تمہیں اچھی معلوم ہوں، ان سے نکاح کرو۔)

اس آیت کا مطلب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے، یہ ہے کہ جن لوگوں کی تربیت میں یتیم بچیاں ہوتی تھیں اور وہ صاحب مال، یا صاحب جمال ہوتی تھیں تو یہ ولی ان کی ساتھ نکاح کرلیتے تھے اور تھوڑا سا مہر مقرر کردیتے تھے اور اگر وہ صاحب مال، یا صاحب جمال نہ ہوتیں تو پھر خود نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسرے رشتے تلاش کرتے تھے تو حق تعالیٰ نے ان کو اس ناانصافی سے منع فرمایا ہے، فرمایا کہ اگر تم ان بچیوں سے انصاف کا معاملہ نہ کرو اور پورا مہر نہ باندھو تو ان کے ساتھ نکاح مت کرو؛ یعنی اگر ان کے ساتھ انصاف کرو اور پورا مہر باندھو تو نکاح جائز ہے، (۳)

---

(۱) وفي البخاري: باب إنكاح الرجل ولده الصغار، لقوله تعالى: "واللائي لم يحضن" فجعل عدتها ثلاثة أشهر قبل البلوغ. (صحيح البخاري، كتاب النكاح: ۲/۷۷۱، قديمي)

وفي فتح الباري: فدل على أن نكاحها قبل البلوغ جائز وهو استنباط حسن. (فتح الباري، كتاب النكاح)

(۲) لقوله تعالى ﴿واللائي لم يحضن﴾ فأثبت العدة للصغيرة وهو فرع تصور نكاحها شرعًا. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب في الأولياء والاكفاء: ۳/۲۷٤، الحلبي مصر)

(۳) عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لا تُقْسِطُوا فِي اليَتَامَى﴾ فَقَالَتْ: ==

ممانعت صرف ناانصافی کی صورت میں ہے۔ یہ ایسے اولیا کے لیے حکم تھا جن کے لیے زیر تربیت یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہوتا ہے، جیسے چچا زاد بھائی وغیرہ پس اس آیت سے بھی یتیمہ بچیوں کے ساتھ (صغر سنی میں) نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے، (۱) صرف ناانصافی کی صورت میں نکاح کرنے کی ممانعت ہے؛ کیوں کہ یہ حکم ممانعت اولیا کو اسی حالت میں دیا جا سکتا ہے، جب کہ یتیمہ ابھی خود مختار نہ ہوئی ہو اور ولی اپنے اختیار سے ناانصافی کے ساتھ عقد کر لے اور یتیم اور یتیمہ کا اطلاق انہیں بچیوں پر آتا ہے جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو اور وہ ابھی نابالغ ہوں۔

مفردات راغب میں ہے:

"**الیتیم: انقطاع الصبی عن أبیه قبل بلوغه**". (ص: ۵۷۲) (۲)

(یعنی بچے کا نابالغی کی حالت میں بن باپ کے رہ جانا یتیمی ہے۔)

تاج العروس شرح القاموس میں ہے:

"**وھو یتیم ما لم یبلغ الحلم فإذا بلغ زال عنه إسم الیتیم**". (۱۱۳/۹) (۳)

(یعنی بچہ اس وقت تک یتیم کہلاتا ہے، جب تک بالغ نہ ہو اور جب بالغ ہو جائے تو یتیم کا اطلاق اس پر سے اٹھ جاتا ہے۔)

ایک حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے:

"**لا یتم بعد الحلم**". (کذا فی فتح القدیر) (۴)

(یعنی بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔)

== یَا ابْنَ أُخْتِي، هَذِهِ الیَتِیمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِیِّهَا، تَشْرَكُهُ فِي مَالِهِ، وَیُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَیُرِیدُ وَلِیُّهَا أَنْ یَتَزَوَّجَهَا بِغَیْرِ أَنْ یُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا، فَیُعْطِیَهَا مِثْلَ مَا یُعْطِیهَا غَیْرُهُ، فَنُهُوا عَنْ أَنْ یَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ یُقْسِطُوا لَهُنَّ، وَیَبْلُغُوا لَهُنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ فِي الصَّدَاقِ، فَأُمِرُوا أَنْ یَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ، قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: وَإِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الآیَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿وَیَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۱۲۷)، قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى فِي آیَةٍ أُخْرَى: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (النساء: ۱۲۷): رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ یَتِیمَتِهِ، حِینَ تَكُونُ قَلِیلَةَ المَالِ وَالجَمَالِ، قَالَتْ: فَنُهُوا أَنْ یَنْكِحُوا عَنْ مَنْ رَغِبُوا فِي مَالِهِ وَجَمَالِهِ فِي یَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالقِسْطِ، مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ إِذَا كُنَّ قَلِیلاَتِ المَالِ وَالجَمَالِ. (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ان خفتم الا تقسطوا: ۶۵۸/۲، قدیمی، رقم الحدیث: ۴۵۷۴، انیس)

(۱) وفی فتح القدیر: لنا قوله تعالیٰ: ﴿وإن خفتم ألا تقسطوا فی الیتامیٰ﴾ ...منع من نکاحهن عند خوف عدم العدل فیهن، وھٰذا فرع جواز نکاحهن عند عدم الخوف. (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والإکفاء: ۲۷۵/۳، الحلبی مصر / صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: إن خفتم ألا تقسطوا: ۶۵۸/۲، قدیمی)

(۲) المفردات للإمام الراغب، کتاب البائمادة: یتم، ص: ۸۸۹، دار القلم دمشق

(۳) تاج العروس، فصل الأولیاء من باب المیم: ۱۱۳/۹

(۴) فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء: ۲۷۵/۳، الحلبی مصر

پس جس طرح آیت کے پہلے حصہ سے نابالغہ لڑکیوں کے نکاح کا جواز ثابت ہے، اسی طرح دوسرے حصے ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (۱) سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے کہ اس میں بالغہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زیر تربیت یتیم بچیوں کو چھوڑ کر دوسری جن عورتوں سے چاہو نکاح کرو، خواہ وہ بالغہ ہوں، یا نابالغہ۔ یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ نساء کا لفظ بالغہ عورتوں پر ہی بولا جاتا ہے؛ مگر یہ ایسے ہی شخص کا قول ہوسکتا ہے، جسے نہ قرآن مجید کے احکام کی خبر ہے، نہ الفاظ کی، نہ وہ عربی زبان سے واقف ہے، نہ عربی لغت ہے۔ قرآن مجید میں آیت میراث میں ﴿وإن كن نساءً﴾ (۲) یعنی اگر میت کی اولاد میں دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کا حصہ باپ کے ترکہ میں ۲/۳ ہے۔ یہاں نساء کا لفظ ہے اور ایک دن کی بچی بھی اس حکم میں داخل ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کے لیے باپ ماں کے ترکہ میں حصہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ لفظ نساء میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح بہت سی آیتوں میں لفظ نساء میں بچیاں اور بچی پوری عورتیں شامل رکھی گئی ہیں۔

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ﴾ (۳)

اس آیت میں بھی بالغہ اور نابالغہ سب داخل ہیں؛ کیوں کہ ایم بن عورت کے مرد اور بن شوہر کی عورت کو کہتے ہیں، خواہ بالغہ ہو، یا نابالغہ اور جب کہ تیرہ سال کی لڑکی بالغہ ہوجائے، یا پندرہ سولہ سال کا لڑکا بالغ ہوجائے تو اس امر استحباب کا اس کے متعلق ہوجانا ظاہر ہے اور بلوغ سے پہلے بھی جب کہ اچھا رشتہ میسر ہوتا ہو تو صرف عقد نکاح کر دینا بھی اسی کے ماتحت داخل ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اس میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں۔

"**الإنكاح إلى العصبات**". (رواه سبط ابن الجوزی، كذا في فتح القدير) (۴)

(ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچوں کے نکاح کر دینے کا اختیار عصبات کو ہے۔)

"**وعن عائشة قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا بنت ست سنين وبنى بي وأنا بنت تسع سنين**". (رواه البخاری) (۵)

(ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح اس وقت کیا، جب میں چھ سال کی تھی اور زفاف اس وقت کیا، جب میں نو سال کی تھی [اور شوہر کے قابل ہوگئی تھیں]۔)

---

(۱) سورۃالنساء: ۳

(۲) سورۃ النساء: ۱۱

(۳) سورۃ النور: ۳۲

(۳) فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء الاكفاء: ۲۷۷/۳، الحلبی مصر

(۵) صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب بنى بامرأة وهي تسع سنين: ۷۷۵/۲، قديمی

”وزوج صلى الله عليه وسلم بنت عمه حمزة رضي الله عنه من عمر بن أبي سلمة وهي صغيرة“. (كذا في فتح القدير (۱)

(ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچازاد بہن (امامہ) بنت حمزہ کا نکاح عمر بن ابی سلمہ کے ساتھ ایسے وقت میں کردیا کہ وہ صغیرہ تھیں۔)

آثار صحابہ کرام:

”تزوج قدامة بن مظعون بنت الزبير يوم ولدت“. (فتح القدير) (۲)

(یعنی قدامہ بن مظعون صحابی نے حضرت زبیر کی لڑکی سے اس کے یوم ولادت ہی میں نکاح کرلیا۔)

”أم كلثوم بنت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أمها فاطمة الزهراء رضي الله تعالى عنها خطبها عمر بن الخطاب إلى علي فقال انها صغيرة (إلى قوله) فإن رضيتها فقد زوجتكها“. (انتهى مختصراً ما في الاستيعاب لابن عبد البر) (۳)

(یعنی حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ کے لیے جو حضرت علی کی حضرت فاطمہؓ سے صاحب زادی تھیں، اپنے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عذر کیا کہ وہ ابھی بچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں خاندان نبوت کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اچھا میں اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ایک چادر بھیجتا ہوں، وہ آپ کے سامنے آئے گی۔ اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند کریں تو میں نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کردیا۔)

اسی طرح الإصابة في تمييز الصحابة (۴) میں ابن حجر عسقلانی بھی ذکر کیا ہے۔

روایات فقہیہ:

”ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما الولي بكراً كانت الصغيرة أو ثيبًا“. (الهداية) (۵)

(یعنی صغیر اور صغیرہ کا نکاح جائز ہے جب کہ ولی ان کا نکاح کرے۔ صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔)

”لقوله تعالى واللائي لم يحضن فأثبت العدة للصغيرة وهو فرع تصور نكاحها شرعًا وتزويج أبي بكر عائشة رضي الله تعالى عنها وهي بنت ست نص قريب من المتواتر وتزوج قدامة بن مظعون بنت الزبير مع علم الصحابة رضي الله عنهم نص في فهم الصحابة عدم الخصوصية في نكاح عائشة“. (فتح القدير) (۶)

---

(۱) فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء: ۲۷۶/۳، الحلبي مصر
(۲) فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والإكفاء: ۲۷۴/۳، الحلبي مصر
(۳) الاستيعاب لابن عبد البر على هامش الإصابة في تمييز الصحابة: ۴۹۰/۴، دار الفكر بيروت
(۴) الإصابة في تمييز الصحابة، كتاب النكاح: ۴۹۲/۴، دار الفكر، بيروت
(۵) الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والكفاء: ۳۱۶/۲، شركة علمية
(۶) فتح القدير، كتاب النكاح، باب في الأولياء والإكفاء: ۲۷۴/۳، الحلبي مصر

(یعنی صغیر اور صغیرہ کے نکاح کے جواز کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿والـلائـی لـم یـحضن﴾ (۱) کہ اس میں صغیرہ مطلقہ کی عدت بیان کی گئی ہے اور عدت جب ہی ثابت ہوسکتی ہے کہ اس کے نکاح کو شریعت نے معتبر رکھا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے حضرت عائشہؓ کی کم عمری (چھ سال کی عمر) میں ان کا نکاح کردیا جانا ایسی نص ہے، جو متواتر کے قریب ہے اور قدامہ بن مظعون صحابی کا حضرت زبیرؓ کی نوزائیدہ بچی سے صحابہ کرامؓ کے علم واطلاع میں نکاح کرلینا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس بات کی نص ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کے نکاح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں سمجھا۔)

”ولـنـا قوله تعالى: ﴿وإن خفتم الا تقسطوا فى اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء﴾ (الآية) منع من نكاحهن عند خوف عدم العدل فيهن وهذا فرع جواز نكاحهن عند عدم الخوف“. (فتح القدير) (۲)

(یعنی صغیرہ کے نکاح کے جواز میں ہماری دلیل یہ آیت ہے: ﴿فـانـکـحـوا﴾ کہ اس میں ناانصافی کا خوف نہ ہو تو یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔)

(اور یتیمہ وہی بچی ہے، جو نابالغ ہو۔)

”اجمع المسلمون على تزويجه بنته البكر الصغيرة“. (النووى شرح مسلم) (۳)

(یعنی مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے کہ باپ اپنی چھوٹی بچی باکرہ کا نکاح کرسکتا ہے۔)

”لولى الصغير والصغيرة إن ينكحهما“. (البرجندى، كذا فى الفتاوى العالمگيرية) (۴)

(یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو یہ حق ہے کہ ان کا نکاح کردے۔)

”سواء كانت بكراً أو ثيباً“. (كذا فى العينى شرح الكنز) (۵)

(خواہ لڑکی باکرہ ہو، یا ثیبہ۔)

اسی طرح تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ان سب کی عبارتیں نقل کرکے میں اس مکتوب کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔

پس قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی نے اولیا کو یہ حق دیا ہے اور یہ حق ان کا شرعی اسلامی حق ہے، اس کو سلب کرنا ایسی ہی مداخلت ہے، جس طرح کہ ایک سے زیادہ بیوی سے نکاح کرنے کے شرعی حق کو، یا گائے کی قربانی کرنے کے شرعی حق کو، یا برلب شوارع مسجد تعمیر کرنے کے شرعی حق کو قانون کے ذریعے سے جرم قرار دینا مذہبی مداخلت ہے۔

---

(۱) سورة النساء: ۳

(۲) فتح القدير، كتاب النكاح، باب فى الأولياء والإكفاء: ۲۷۵/۳، الحلبى مصر

(۳) شرح النووى لمسلم، كتاب النكاح، باب جواز تزويج الأب البكر الصغير: ۴۵۶/۱، قديمى

(۴) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء: ۲۷۵/۱، ماجدية

(۵) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء: ۲۷۵/۱، ماجدية

میں یہاں پر یہ بھی واضح کردوں کہ تمام مسلمانوں کا مذہبی اعتقاد یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا قانون ایسا کامل اور مکمل قانون ہے کہ اس میں قیامت تک کسی ترمیم تبدیل، اضافہ، یا کمی کی گنجائش نہیں ہے،(۱) غیر مسلم تو کجا، کسی مسلمان کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسلامی قانون کے مقابلے میں کوئی دوسرا قانون وضع کرے، یا اس کی تائید وحمایت کرے۔ پس اس اعتقاد ویقین کے ہوتے ہوئے وہ ایک آن کے لیے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی ایسی جماعت جس میں مسلم وغیر مسلم شریک ہوں اور غیر مسلموں کی اکثریت ہو، مسلمانوں کے لیے قانون وضع کر کے ان کے اسلامی حقوق میں دست اندازی کرے۔

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت:

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت یہ ہے کہ مسلمانوں کو قانون کے ذریعے سے کسی ایسے امر کے لیے مجبور کیا جائے، جو ان کے مذہب میں ناجائز ہے۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ بعض حالات میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے اور چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح کرنا شرعاً واجب اور فرض ہو جاتا ہے اور ترک نکاح ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔(۲) اور یہ قانون ان کو تکمیل عمر قانونی سے پہلے ترک نکاح پر مجبور کرے گا، جو مذہباً ناجائز اور حرام ہوگا اور اس دوسری جہت سے بھی یہ ممانعت مذہبی مداخلت ہوگی۔

مسلمان قوم کی رضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے:

اس کے ثبوت کے لیے مجھے تطویل کی حاجت نہیں، ہزایکسلنسی سے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ:

(۱) مسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے ستمبر ۱۹۲۸ء میں ایک یادداشت، جس پر بائیس مسلم ارکان کے دستخط تھے، ہوم ممبر کی خدمت میں پیش کر دی تھی اور بل سے اپنا اختلاف اس بنا پر ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے شریعت اسلامیہ میں مداخلت ہوتی ہے۔

(۲) منتخبہ کمیٹی کے دو مسلمان ممبروں مسٹر محمد یعقوب و مسٹر محمد رفیق صاحبان نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر پڑتا ہے؛ اس لیے یہ بل کے اصول کے خلاف ہے۔

(۳) مسٹر غزنوی نے اسی مرحلے پر علمائے اسلام کا ایک فتویٰ بھی ہوم ممبر کو دیا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بل مذہب اسلام کے اصول واحکام پر اثر ڈالتا ہے؛ اس لیے شرعاً قابل قبول نہیں۔

---

(۱) قال تعالیٰ: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي﴾ (المائدة: ٣) وقال تعالى مقامًا آخر: ﴿قل ما يكون لي أن أبدله من تلقائي نفسي ان اتبع إلا مايوحى إلي﴾ (سورة يونس: ١٥)

(۲) ويكون واجبًا عند التوقان، فإن تيقن الزنا إلا به فرض. (الدر المختار)

وفي الرد: (فإن تيقن الزنا إلا به فرض) أي بأن كان لا يمكنه الاحتراز عن الزنا إلا به لا مالا يتوصل إلى ترك الحرام إلا به يكون فرضًا. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ٦/٣، سعيد)

(۴)　فروری ۱۹۲۹ء میں بھی اس بل کے پیش ہونے کے وقت مسلمانوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ بل اسلامی اصول کے مخالف ہے۔

(۵)　ستمبر ۱۹۲۹ء میں بھی بائیس مسلمان حاضر ارکان میں سے سولہ مسلمان ممبروں نے بل کو مخالف اصول اسلامی بتاتے ہوئے اس سے اپنی بیزاری کا تحریری بیان ہوم ممبر کو دیا۔

(۶)　مولانا محمد شفیع داؤدی نے ترمیم پیش کی کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو مسلمان منتخب شدہ انتیس ارکان میں سے صرف سات نے بل کی موافقت میں رائے دی ہے۔

(۷)　کونسل آف اسٹیٹ کے تمام مسلمان ممبروں نے (باستثنائے گورنمنٹ کے مسلم ارکان کے) بل کے خلاف تحریر بیان دیا۔

(۸)　۳۰؍مارچ ۱۹۲۸ء کو روزانہ ’’ہمدرد‘‘ میں مولانا محمد علی کا ایک بسیط مضمون بل کے خلاف شائع ہوا۔

(۹)　۱۰؍اپریل ۱۹۲۸ء کے اخبار الجمعیۃ میں اس کے خلاف مضمون لکھا گیا اور اس کو مذہبی مداخلت بتایا گیا۔

(۱۰)　میں نے اپریل سن ۱۹۲۸ء میں ۲۲ سے پہلے تمام ارکان اسمبلی کو تار دیا کہ اس قسم کے قوانین مذہب اسلام میں ناجائز مداخلت ہیں، یہ تار ۲۲؍اپریل ۱۹۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہو چکا ہے۔

(۱۱)　۲۶؍اپریل سن ۱۹۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی، اس میں پوری وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس قسم کے بل اسلامی پرسنل لا پر اثر انداز ہیں؛ اس لیے قابل قبول نہیں۔

(۱۲)　۶؍مئی ۱۹۲۸ء، الجمعیۃ میں نہایت مبسوط مدلل لیڈر لکھا گیا، جس کی دوسری قسط ۱۰؍مئی ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی۔

(۱۳)　۱۸؍مئی سن ۱۹۲۸ء، ۲۲ مئی سن ۱۹۲۸ء کے الجمعیۃ میں بھی اس کے خلاف مضامین چھپے۔

(۱۴)　۱۶؍اپریل سن ۱۹۲۸ء کے الانصار دیوبند نے اس کے خلاف مضمون لکھا اور اس کو اسلامی پرسنل لا کے خلاف بتایا۔

(۱۵)　۱۱؍اگست سن ۱۹۲۹ء کو جمعیۃ علمائے ہند کے مجلس مرکزیہ کے اجلاس مرادآباد نے اس کے خلاف تجویز پاس کی اور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور اراکین اسمبلی کو بھیجی گئی۔

(۱۶)　۱۳، ۱۶؍اگست ۱۹۲۹ء کے الجمعیۃ میں ایک میرا طویل مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا، جس میں اس قانون کی مخالفت کی گئی۔

(۱۷)　اس کے بعد الجمعیۃ میں متواتر یکم ستمبر سن ۱۹۲۹ء ۵؍ستمبر، ۹؍ستمبر ۱۳؍ستمبر، ۲۰؍ستمبر، ۲۴؍ستمبر ۲۸؍ستمبر کو اس کے خلاف مضامین لکھے گئے، تار دیئے گئے اور صراحۃً بتایا گیا کہ یہ بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے؛ اس لیے مسلمان اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔

(۱۸) پھر اکتوبر سن ۲۹ء میں یکم اکتوبر ۵/ اکتوبر، ۹/ اکتوبر، ۱۳/ اکتوبر، ۱۶/ اکتوبر ۲۰/ اکتوبر، ۲۴/ اکتوبر ۲۸/ اکتوبر کے الجمعیۃ کی اشاعتوں میں برابر اس سے اختلاف اور بیزاری کا اظہار کیا گیا، یہ اگرچہ بل کی منظوری کے بعد کے مضامین ہیں؛ مگر میں نے اس لیے ذکر کردیئے ہیں کہ جناب والا کو مسلمانوں کی عام بیزاری کا بخوبی علم ہوجائے۔

(۱۹) ماہ ستمبر کے وسط سے تمام مسلم پریس اس کی مخالفت اور اظہار بیزاری میں ہم آہنگ ہے، جن اخباروں کے مضامین میں نے خود دیکھے ہیں، ان کے نام یہ ہیں: (۱) ہمدرد دہلی (۲) الجمعیۃ دہلی (۳) ملت دہلی (۴) انقلاب لاہور (۵) زمیندار لاہور (۶) سیاست لاہور (۷) سچ لکھنؤ (۸) صراط شیعہ اخبار لکھنؤ (۹) ہمت لکھنؤ (۱۰) الامان دہلی (۱۱) مہاجر دیوبند (۱۲) الانصار دیوبند (۱۳) عصر جدید کلکتہ (۱۴) خلاف ممبئی (۱۵) حقیقت لکھنؤ (۱۶) امارت پٹنہ (۱۷) ترجمان سرحد (۱۸) شہاب راولپنڈی (۱۹) اتحاد پٹنہ (۲۰) الخلیل میرٹھ (۲۱) بالعموم رہنمایان مذہب اور مقتدایان قوم نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا، مثلاً مولانا محمد علی صاحب، مولانا ظفر علی خان صاحب، عرفان سر محمد اقبال صاحب، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار، مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی، میر غلام بھیک صاحب نیرنگ سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام انبالہ، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری، شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب مجتہد، مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد، شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب، مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب فرنگی محلی، مولانا عبید اللہ صاحب بچھرایونی، مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ، مولانا سید ولایت حسین صاحب الہ آبادی وغیرہم۔ (۲۱) مذہبی اداروں اور مذہبی حلقوں نے بھی اس کو مذہب کے خلاف قرار دیا اور اس سے بیزاری کا اعلان کیا، مثلاً جمعیۃ علمائے ہند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، اہل حدیث کانفرنس وغیرہ۔ (۲۲) ہندوستان کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جلسے ہوئے، جن میں ہزارہا مسلمانوں نے مجمع عام میں بالاتفاق اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق سے ناراضی ظاہر کی اور اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا، ان مقامات اور جلسوں کی روداد البتہ طویل ہے، اخبارات میں یہ اطلاعات پیہم شائع ہوتی رہتی ہیں۔ (۲۳) بھی حال میں ۲۷/ اکتوبر کو دہلی میں ہندوستان کی متعدد مجالس اسلامیہ اور جمعیۃ ہائے قومیہ کے نمائندوں کا ایک جلسہ ہوا ہے، اس میں بالاتفاق اس بل سے ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے لیے انتہائی قربانی تک کا تہیہ کرلیا گیا ہے، یہ تجویز جناب والا کی خدمت میں بھیجی جاچکی ہے۔

ان تمام حقائق وواقعات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس بل کا اطلاق مسلمان قوم کی ناراضی اور اظہار بیزاری اور عدم قبول کے اعلان کے باوجود مسلمانوں پر کیا گیا ہے، جو اصول انصاف کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کے حق میں اس کی حیثیت آئینی نہیں؛ بلکہ جبری ہے:

فروری ۱۹۲۷ء میں اس بل کو رائے صاحب مسٹر ہربلاس ساردانے ایسے مسودے کی صورت میں پیش کیا تھا، جو

ہندوقوم کے ساتھ مخصوص تھا، اس کے بعد جب مجلس منتخبہ (سلیکٹ کمیٹی) نے اس کو عام کردیا اور دوبارہ یہ اسمبلی میں فروری ۱۹۲۹ء میں پیش ہوا تو اس پر یہ بجا اعتراض کیا گیا کہ چوں کہ یہ بل مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر انداز ہے، اس لیے بغیر وائسرائے کی منظوری جدید کے زیر غور نہیں آسکتا اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۲۷ر ضمن (ا) کا حوالہ دیا گیا؛ لیکن باوجود اس کے اس پر غور کیا گیا، حتی کہ پاس کردیا گیا، وہ کاروائی دفعہ ۲۱ر ضمن (ا) کی صریح خلاف ورزی ہے اور جب کہ اصولی طور پر یہ اسمبلی میں وائسرائے کی منظوری کے بغیر پیش نہیں ہوسکتا تھا تو اس کے بعد کی تمام کاروائی مسلمانوں کے حق میں آئینی نہیں ہوسکتی اور اگر یہ ان پر نافذ کیا گیا تو یہ نفاذ آئینی نہیں؛ بلکہ جبریہ ہوگا۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ستمبر ۱۹۲۸ء میں بائیس مسلمان ممبروں نے اس کو اپنے تحریری بیان میں اسلامی پرسنل لا کے خلاف قرار دیا گیا تھا اور مسٹر غزنوی نے ستر علماء کا دستخطی فتویٰ بھی اس مفاد کے لیے پیش کردیا تھا تو اس کے بعد فروری سن ۱۹۲۹ء کی یہ کارروائی کہ اس کو بغیر جدید منظوری گورنر جنرل کے اسمبلی میں پیش کردیا گیا، کس طرح قابل قبول ہوسکتی ہے؟ اگر اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت اس کا فیصلہ کرنے کی بھی مجاز بنادی جائے کہ کوئی بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے، یا نہیں تو مسلمانوں کے لیے اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ وہ ہندوستان میں اپنے مذہب کے غیر محفوظ ہوجانے کا یقین کرلیں اور اس قسم کے یقین تو کیا سرسری خیال کے نتائج بھی جناب والا سے مخفی نہ ہوں گے۔

اس قانون کے پاس ہوجانے سے پرسنل لا میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے:

میں جناب والا کی توجہ اس گہرے اور عمیق رخنے کی طرف مبذول کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جو اس قانون کے پاس ہوجانے سے مذہبی آزادی اور ہر مذہب کے پرسنل لا کی حفاظت کی مضبوط دیوار میں پڑ گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور مذہبی احکام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور انہیں اس کا بھی یقین ہے کہ اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے۔(ا) اس کا قانون الٰہی قانون ہے، جس میں کسی قسم کی اصلاح وترمیم کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے ان کے واسطے اس قانون کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلام کے قوانین اور احکام نے ان کو ایسے امور کی بابت قانون ساز مجالس کا مرہون منت ہونے سے ہمیشہ کے لیے بے نیاز کردیا ہے، اگر آج اس رخنہ کو بند نہیں کیا گیا تو پھر جس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر یہ قانون بنایا گیا ہے اور حفظان صحت اور خیر خواہی بنی نوع انسان کا جو شریف جذبہ اس کا محرک بتایا جاتا ہے، اسی نظریہ اور اسی جذبہ کی بنا پر ایسے ایسے بل پیش ہوسکتے ہیں، جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، مثلاً کہا جائے گا کہ ایک مرد کے لیے ایک سے زائد زوجہ کا ہونا صنف نازک پر ظلم ہے؛ اس لیے اس کو قانوناً جرم قرار دیا جائے، حالاں کہ معلوم ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج جائز ہے اور نص قرآن مجید سے ثابت ہے۔(۲) اسی

(ا) ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾(المائدة:۳

(۲) ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربا ع﴾(سورة النساء:۳)

طرح مستورات کے لیے بے حجابی کی بابت کسی بل کا پیش ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے، کہا جائے گا کہ برقعہ پوشی سے مستورات کی صحت خراب ہوتی ہے؛ اس لیے مستورات کو پردہ اور حجاب میں رکھنا جرم قرار دیا جائے اور اس کے لیے بھی سزائیں تجویز کی جائیں اور کسی ایسے بل کا آنا بھی ممکن ہے کہ شہر کی عام گزرگاہوں پر کسی قوم کو معابد بنانے کی اجازت نہ دی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ختنہ کو بچوں پر ظلم قرار دے کر جرم قرار دیا جائے۔ روشن خیال اور شریعت اسلامیہ سے ناواقف اشخاص اس قسم کے بلوں کی تائید کریں گے، جیسے کہ زیر بحث قانون کی حمایت میں اسی قسم کے چند مسلمان کر رہے ہیں اور اس کے بعد جو فتنہ برپا ہوگا، اس کا تصور بھی اس وقت ناممکن ہے۔

اور یہ کہ نکاح کو آج تک قانونی طور پر بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں داخل رکھا گیا تھا تو اگر آج اس قانون کے اسمبلی میں آنے اور پاس ہوجانے کی موجودہ صورت کو قبول کرلیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے تمام اسلامی قانون یعنی پرسنل لا کو اسمبلی غیر مسلم اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے لیے تیار ہوجائیں؛ کیوں کہ ہندوستان کی اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت بظاہر حالات ناممکن ہے اور اس امر کے تصور سے بھی ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔

میں جناب سے درخواست کروں گا کہ اس معاملہ کو صرف اس نظر سے نہ دیکھیں کہ یہ قانون بچوں کی شادی کے انسداد کے لیے بنایا گیا ہے؛ بلکہ اس کے عواقب ونتائج پر پورا غور فرما کر اس قانون کے ساتھ اس خطرناک نظریہ کا بھی آئندہ کے لیے سد باب کردیں کہ ’’مسلمانوں کے پرسنل لا کے متعلق کوئی قانون بھی اسمبلی میں بغیر مسلمان قوم کی متفقہ منظوری کے پیش کیا جاسکتا ہے‘‘۔

اس بل کے لیے فقہ شیعہ کی جانب سے کوئی قابل اعتنا شہادت ہی نہیں لی گئی اور سنی فرقے کی شہادت بھی نہایت کم اور ناقابل اعتنا ہے؛ کیوں کہ مذہبی اداروں اور اسلامی آزاد حلقوں کی شہادت بہت کم ہے۔ مصر اور بعض دیگر اسلامی حکومتوں کی نظیر پیش کرنی اس لیے فضول ہے کہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم اکثریت کے احکام میں تباین ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس وقت اس طویل مکتوب کے ملاحظہ کرنے کی جناب کو تکلیف دینے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ساردا بل نے آخری مرحلہ آپ کی غیبت میں طے کیا اور اس وقت اس بل کے خلاف جس قدر آئینی اور قانونی کاروائیاں ہوسکتی ہیں، سب اختیار کی گئیں اور بار بار مختلف طریقوں سے توجہ دلائی گئی؛ مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب جب کہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں جناب کے علم کے لیے تمام واقعات کو پیش کردوں، اسی کے ساتھ وہ تمام دلائل وبراہین بھی اختصار کے ساتھ درج کردوں، جس کی بنا پر مسلمان اس بل کی مخالفت کرتے ہیں اور بحق اہل اسلام اسے منسوخ کرانا چاہتے ہیں؛ تاکہ جناب والا ان تمام امور پر غور کرسکیں اور ملاحظہ فرماسکیں کہ مسلمانوں کی اس قانون

سے مخالفت کس قدر مضبوط اور مستحکم اصول و دلائل پر مبنی ہے اور یہ کہ جمعیۃ علمائے ہند اور مجلس مشاورت نے جو ایک آخری فیصلہ اس قانون کے خلاف کیا ہے، وہ ناگزیر حالات و اسباب کی بنا پر ہے، اس فیصلہ کی نقل جناب کی نقل میں روانہ کی جا چکی ہے۔

آخر میں اس مکتوب کی طوالت کی بابت معافی چاہتا ہوں کہ اظہار حقیقت کے لیے اتنی طوالت ناگزیر تھی اور جناب کی انصاف پسندی اور آئین نوازی اور فرامین شاہی کی حرمت پروری سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جناب اس قانون کو بحق اہل اسلام منسوخ فرما کر مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں گے اور کسی ایسے ابتلا و آزمائش کا موقع نہ آنے دیں گے، جس کی کسی انصاف پسند فرمانبردار سے توقع ہی نہیں ہوسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، صدر جمعیۃ علمائے ہند۔ ۷/نومبر ۱۹۲۹ء

ساردا بل کی حقیقت، مؤلفہ حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، صدر جمعیۃ علماء ہند:

ساردا بل کیا ہے؟

مسٹر ہربلاس ساردا نے ہندو سوسائٹی کی اس خرابی کی اصلاح کے لیے کہ ہندوؤں میں عام طور پر لڑکیوں کی شادیاں کم عمری میں کر دی جاتی ہیں، خواہ لڑکی کی عمر دو سال کی، یا تین سال کی ہی کیوں نہ ہو؛ بلکہ بعض اوقات لڑکی پیدا ہوتے ہی اس کی شادی ہو جاتی ہے اور اکثر حالت میں یہ شادی شدہ لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی اپنے خاوندوں کے پاس چلی جاتی ہیں اور مباشرت کی وجہ سے ان کی صحت پر ایسا ناگوار اثر پڑتا ہے کہ پھر عمر بھر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور ایسی عورتوں کی اولاد بھی کمزور اور نحیف پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بہت سے بچے صغرسنی میں ہی مر جاتے ہیں اور بہت سی عورتیں کم عمری میں ہی بیوہ ہو جاتی ہیں اور ہندوؤں میں بیوہ کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی عمریں تباہ ہو جاتی ہیں اور ہندوؤں کی مردم شماری پر بھی اس کا تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ ایک مسودہ قانون اسمبلی میں پیش کیا تھا اور اس کو ہندوؤں کے ساتھ ہی متعلق رکھا تھا۔

مگر جب اسمبلی میں پیش ہوا تو اس وقت یہ سوال اٹھایا گیا کہ بل کو ہندوؤں سے ہی مخصوص رکھا جائے، یا تمام باشندگان ہندوستان کے لیے عام کر دیا جائے۔

بعض مسلم ارکان اسمبلی نے اس وقت بغیر سوچے سمجھے یہ رائے ظاہر کر دی کہ مسلمانوں پر بھی اطلاق کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جن مسلم ارکان اسمبلی نے یہ رائے ظاہر کی تھی، وہ نہ تو احکام اسلام سے واقف تھے اور نہ انہوں نے اس کے عواقب و نتائج پر پورا غور کیا تھا۔ محض سرسری طور پر یہ سمجھ لیا کہ کم عمری کی شادیاں صحت پر برا اثر ڈالتی ہیں؛ اس لیے اگر ان کے خلاف قانون بن جائے تو کیا مضائقہ ہے؛ مگر ان ارکان میں سے بعض ارکان نے جب علمائے اسلام سے گفتگو کی

اوراس کے متعلق اسلامی احکام معلوم کئے اور عامہ مسلمین کے جذبات کا انہیں علم ہوا تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی اورآج وہ بل کے مخالفین کی صف اول میں ہیں؛ مگر افسوس کہ ابتدائی مرحلہ میں بے سوچے سمجھے اظہار رائے سے جو نقصان پہنچ چکا تھا، اب ان کے اختلاف سے بھی اس کی تلافی نہ ہوسکی۔ بہر حال وہ بل رائے عامہ سے استصواب کے لیے مشتہر کیا گیا، ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی، جس نے ملک کا دورہ کیا، شہادتیں قلم بند کیں اوراس کے بعد تحقیقاتی رپورٹ تیار کر کے پیش کردی، اس کمیٹی کے ارکان میں مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریسڈنٹ اسمبلی بھی شامل تھے۔ انہوں نے رپورٹ کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ بھی شامل کردیا، اس نوٹ میں انہوں نے صاف طور پر ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کے معتمد علماء اور معتبر حلقے اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اوراس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ شیعوں کے نقطہ خیال کے معلوم ہونے میں بہت کمی رہی ہے اور جب تک ان کا نقطہ خیال معلوم نہ ہوجائے، نیز مسلمانوں کے مقتدر علماء اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات شامل نہ ہوجائیں، اس وقت تک ل کا اطلاق مسلمانوں پر کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

تحقیقاتی کمیٹی نے اس سلسلے میں اصل بل میں کچھ ترمیمات کی تھیں اور بل سے علاحدہ اپنی طرف سے کچھ سفارشات پیش کیں۔

اس اثناء میں مسلمانوں کے معتبر حلقوں سے اس کی مخالفت کی گئی اور بہت سے مقتدر رہنماؤں نے صاف طور سے یہ ظاہر کردیا کہ یہ بل اسلامی احکام کے خلاف ہے اور مسلمانوں پر اس کا اطلاق کرنا مذہبی مداخلت ہے؛ مگر گورنمنٹ اس بل کی حمایت کے لیے کھڑی ہوگئی اور سرکاری ممبر نے اعلان کردیا کہ گورنمنٹ بل کی حمایت کرے گی۔

اب کیا تھا، جن لوگوں کا مقصد صرف اپنی معاشرتی اصلاح ہی نہیں؛ بلکہ ایک ایسے اصول کو قائم کرا دینا تھا، جس کے ذریعہ سے آئندہ سینکڑوں اسلامی احکام کے اندر مداخلت کا موقع ہاتھ آجائے، وہ اور شیر ہوگئے اور بعض مسلمان ممبروں نے ان کی تائید کر کے ان کے اس نامبارک مقصد کی تکمیل کردی اور اسلام اور مسلمانوں کے کے لیے ایک ہولناک خطرہ پیدا کردیا اور بل ۲۳رستمبر ۱۹۲۹ء کو اسمبلی میں اور ۲۸رستمبر کو مجلس مملکت میں پاس کردیا گیا۔ بل جس صورت میں پاس ہوا ہے، وہ ''تیج'' مورخہ ۳۰رستمبر سن ۱۹۲۹ء میں شائع ہوگیا ہے، جس کی نقل یہ ہے:

۱-(الف) اس کا نام قانون انسداد شادی بچکان ہوگا۔

(ب) اس کا نفاذ تمام برطانی ہند میں ہوگا۔ برطانی بلوچستان اور سنتھال پرگنہ میں بھی عائد ہوگا۔

(ج) اس پر عمل درآمد یکم اپریل سن ۱۹۳۰ء سے شروع ہوگا۔

۲-(الف) اس قانون میں ''بچہ'' سے مراد ۱۸رسال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴رسال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے، جس میں دولہا یا ''دلہن بچہ'' ہو۔

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں، جن کی شادی ہو۔

(د) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں، جن کی شادی ہو۔

۳- جو مرد ۱۸/ سے ۲۱/ سال کی عمر کے درمیان بچپن کی شادی کرے گا، اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

۴- جو مرد ۲۱/ سال سے زادء عمر میں بچپن کی شادی کرے گا، وہ ایک ماہ تک قید محض، یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ، یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

۵- جو کوئی بچپن کی شادی کا انتظام کرے گا، اس کی رہنمائی کرے گا، یا رسم ادا کرائے گا، وہ ایک ماہ قید محض، یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ، یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات تھیں کہ وہ شادی بچپن کی شادی نہیں تھی۔

۶- (الف) اگر کوئی نابالغ بچپن کی شادی کرلے تو وہ آدمی جو ماں باپ، یا سرپرست، یا کسی دیگر قانونی، یا غیر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا انچارج ہو اور جو اس شادی کے لیے کاروائی کرے، یا شادی کی اجازت دے، یا لاپرواہی کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے، اسے ایک ماہ قید و جرمانہ کی سزا ملے گی؛ لیکن عورتوں کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ (ب) بشرط یہ کہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے، یہ تصور کرلیا جائے گا کہ نابالغ کے بچپن کی شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپرواہی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

۷-سن ۱۸۹۷ء کے جنرل کلایوا یکٹ کی دفعہ ۲۵/ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کی باوجود کوئی عدالت اس قانون کی دفعہ ۳/ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اس بات کی مجاز نہ ہوگی کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے۔

۸- ضابطہ فوجداری سن ۱۹۲۸ء کی دفعہ ۱۹۰/ کے باوجود پریزیڈنسی مجسٹریٹ، یا ڈسٹرکٹ، یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت، یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۹-اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں کوئی عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی، تاوقت یہ کہ استغاثہ شادی (جس سے وہ جرم تعلق رکھتا ہو) کو ایک سال ہونے سے پہلے پہلے دائر نہ کیا گیا ہو۔

۱۰- اس قانون کے ماتحت کسی جرم کی سماعت کرنے والی عدالت بشرط یہ کہ وہ زیر دفعہ ۲۰۳ ضابطہ فوج داری استغاثہ کو خارج نہ کرے، یا تو خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رو سے تحقیقات کرے گی اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اول کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گی۔

۱۱- (الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر ہونے کے لیے مجبور کرنے سے پہلے عدالت (سوائے

اس حالت کے جب کہ تحریری وجوہات دی گئی ہوں) مستغیث سے اس معاوضہ سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لیے جو زیر دفعہ ۲۵۰ر ضابطہ فوج داری اس پر لازم ہوسکتا ہے، ایک سو روپیہ تک کی ضمانت کے ساتھ، یا بلا ضمانت مچلکہ طلب کرے گی اور اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے تو استغاثہ خارج کردیا جائے گا۔

(ب) اس قانون کے ماتحت جو مچلکہ لیا جائے گا، وہ ضابطہ فوجداری کے مطابق لیے گئے، مچلکہ جیسا ہی سمجھا جائے گا اور اس لیے اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عائد ہوگا۔

ساردا بل کا اثر کیا ہوگا:

اس قانون پر جو آثار اور نتائج مترتب ہوں گے، وہ یہ ہیں:

(۱) چودہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح نہ ہو سکے گا، خواہ ایک ہی دن کم ہو اور خواہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکی شرعاً بالغہ ہو چکی ہو۔

(۲) اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے کا نکاح نہ ہو سکے گا، خواہ ایک ہی دن کی کمی ہو اور کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکا شرعاً بالغ بھی ہو چکا ہو۔

(۳) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۱۸ر اور ۲۱ر سال کے درمیان ہو، ۱۴ر سال سے کم عمر لڑکی سے نکاح کرلے تو اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی، اگرچہ مقاربت بھی نہ کرے۔

(۴) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۲۱ر سال سے زائد ہو ۱۴ر سال سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح کرلے تو اس کو ایک ماہ کی قید محض، یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید وجرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی، مقاربت کرے، یا نہ کرے، اس کا کوئی فرق نہیں۔

(۵) جس شادی یا نکاح میں لڑکی کی عمر ۱۴ر سال سے کم ہو، یا لڑکے کی عمر ۱۸ر سال سے کم ہو، ایسی شادی یا نکاح کا انتظام کرنے والا، رہنمائی کرنے والا، نکاح پڑھانے والا سب کے سب مجرم ہوں گے اور ان کو ایک ماہ کی قید محض، یا ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ، یا قید وجرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ ہاں عورتوں کو قید کی سزا نہ دی جائیں گی۔

اس دفعہ کی رو سے ۱۴ر سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکی، یا اٹھارہ سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکے کا باپ، دادا، یا یتیم بچی کی ماں، دادی، نانی، یا اور جو کوئی مرد، یا عورت جو شادی کے انتظام میں شامل ہو، یا رہنمائی کرے، یا کوئی عالم، یا امام، یا قاضی جو نکاح پڑھائے، یا وکیل، یا شہید بنے، سب سزایاب ہوں گے، عورتوں کو قید کی سزا نہ ہوگی، جرمانہ کی سزا ان کو بھی دی جائیں گی۔

۶- (الف) اگر کوئی لڑکی جس کی عمر ۱۸ر سال سے کم سے کم ہے، کسی ۱۷ر سالہ لڑکے سے خود شادی کرلے تو اس لڑکی کا باپ، یا دادا، یا ماں، یا دادی، یا کوئی دوسرا قانونی، یا غیر قانونی سرپرست بھی مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک

ماہ کی قید محض، یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ، یا قید وجرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی؛ مگر عورت کو قید کی سزا نہ ہوگی اور یہ فرض کرلیا جائے گا کہ سرپرست اور ولی نے بے پروائی کر کے یہ شادی ہونے دی ہے (بشرط یہ کہ اس کے برخلاف ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے)۔

(ب) اگر کوئی لڑکا جس کی عمر ۱۸؍سال سے ایک دن بھی کم ہے (اگرچہ وہ شرعاً بالغ ہو چکا ہو اور اس کے قوائے جسمانیہ بھی اچھے ہوں) کسی لڑکی سے خواہ اس کی عمر ۱۸؍سال سے زیادہ ہو، نکاح کرلے گا تو لڑکے کا باپ، یا دادا، یا ماں، یا دادی، یا کوئی دوسرا شخص جو قانونی، یا غیر قانونی طور پر اس کا سرپرست ہے، مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک ماہ کی قید محض، یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ دونوں سزائیں دی جائیں گی؛ مگر عورت کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی اور (تاوقتیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے) یہ فرض کرلیا جائے گا کہ لڑکے کے سرپرست، یا ولی نے لاپرواہی سے یہ شادی ہونے دی ہے۔

(۷)　مسلمانوں کی بچیوں کے وہ تمام نکاح رک جائیں گے، جو وہ اپنی مالی مجبوری کی وجہ سے بڑی لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں قریب البلوغ لڑکیوں کے صرف نکاح کردیتے تھے اور ایک ہی دفعہ میں کئی نکاحوں کی تقریبیں ادا کر کے بار بار کے مالی بوجھ سے بچ جاتے تھے، اسی طرح ضعیف العمر باپ، یا کوئی دوسرا ولی جو قریب المرگ ہو، اپنی بالغہ؛ مگر ۱۴؍سال سے کم عمر بچی کا نکاح بھی نہ کرسکے گا۔ اگرچہ بچی کی والدہ، یا کوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو اور باپ اس کو بغیر کسی سرپرست اور نگراں کے چھوڑ کر مر رہا ہو۔

(۸)　مسلمان بچیاں جو ۱۳؍سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہوجائیں گی اور شرعی احکام کے بموجب ان کی شادی کرنا ماں باپ کے ذمہ لازم ہوجائے گا، ان کے ماں باپ شرعی احکام کے باوجود ان کا نکاح نہ کرسکیں گے اور کریں گے تو قانوناً مجرم ہو کر سزا پائیں گے۔

(۹)　لڑکے پندرہ سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہوجاتے ہیں اور اگر ان کے قویٰ اچھے ہوں تو خود ان پر اور ان کے اولیا پر واجب ہے کہ وہ ان کا نکاح کردیں؛ لیکن وہ خود اور ان کے اولیا اس شرعی واجب پر عمل نہ کرسکیں گے، اگر کریں گے تو قانون ان کو مجرم قرار دے کر سزا دے گا۔

(۱۰)　قانونی عمر سے کم عمر کی لڑکیاں اور لڑکے جب کہ اپنی جسمانی صحت اور قوت کے لحاظ سے مباشرت کے حاجت مند ہوں گے اور رفع حاجت کا شرعی طریقہ؛ یعنی نکاح ان کے لیے قانوناً ممنوع ہوگا تو خطرہ ہے کہ وہ ناجائز طریقوں سے حاجت روائی کریں گے اور مسلمانوں میں بھی زنا کی کثرت ہوجائے گی اور مسلمان سوسائٹی بھی مذہبی حیثیت سے تباہ وبرباد ہوجائے گی، یہ تو مختصر طور پر ان مفاسد کا بیان تھا، جو اس بل سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ان مفاسد کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے مفاسد اور مشکلات پیدا ہوجائیں گے، مثلاً:

(۱۱) ہر نکاح اور شادی کے وقت جب تک سر پرست لڑکیوں اورلڑکوں کی عمروں کا مصدقہ سرٹی فکیٹ پیش نہ کریں، نکاح خواں نہیں پڑھائے گا، نہ کوئی وکیل و گواہ بننے پر تیار ہوگا اور ایسے سرٹی فکیٹ حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں گی اور جو مالی بار پڑے گا، ہزاروں غریب مسلمان اس کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔

(۱۲) اس قانون کے سبب سے تمام نکاحوں اور شادیوں کی رجسٹری کرانی لازم ہوجائے گی؛ تاکہ قانونی خلاف ورزی نہ ہونے کے لیے سند ہو اور ظاہر ہے کہ یہ جبریہ رجسٹریشن کس قدر تکلیف دہ اور موجب جرم وفساد ہوگا۔

(۱۳) اس قانون کی وجہ سے بچوں کی ولادت درج رجسٹر کرانا اور پھر اس تاریخ کو صحیح صحیح یاد رکھنا لازم ہوگا اور لاکھوں ان پڑھ مسلمان اس کا التزام نہ کرسکنے کی وجہ سے ملزم اور مجرم قرار پائیں گے اور سزائیں بھگتنی پڑیں گی؛ یعنی باوجود یہ کہ ان کی لڑکی چودہ سال کی ہوجائے گی اور وہ قانون کے موافق نکاح کریں گے؛ لیکن ان کے دشمن جو چلتے پرزے اور ہوشیار ہوں گے، وہ ان کو قانونی الجھن میں مبتلا کردیں گے اور بسا اوقات جیل خانہ تک پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

(۱۴) اگر اس کو قابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا تو غریب شرفا کی شادیوں، بیاہوں میں پولس کو طرح طرح کی رکاوٹ پیدا کرنے کے مواقع بہم پہنچیں گے اور غریبوں کو ناقابل برداشت مصائب اٹھانے پڑیں گے۔

(۱۵) اس قانون کو نافذ کرنے کے بعد اس کے دنبالے (جن کی سفارش تحقیقاتی کمیٹی نے کی ہے) بطور بائی لاز کے وقتاً فوقتاً بنتے رہیں گے اور خدا جانے کن کن مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوگا، مثلاً ۱۳؍سال کی لڑکی کی شادی ہوجائے تو اس کو خاوند سے علاحدہ رکھنے کے لیے سفارش کی گئی ہے کہ ایک زنانہ پولس کا محکمہ قائم کیا جائے اور ایسی لڑکیوں کو ماں، باپ، یا ان کے اولیا سے علاحدہ رکھنے کے لیے سفارش کی گئی ہے کہ ایک زنانہ پولیس کا محکمہ قائم کیا جائے اور ایسی لڑکیوں کو ماں، باپ، یا ان کے اولیا سے علاحدہ کرکے زنانہ پولس کی نگرانی میں ایک علاحدہ مکان میں سال بھر رکھا جائے اور جب ۱۴؍سال کی ہوجائے تو خاوند کے حوالہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ بات کہ ان کی دوشیزہ لڑکیاں ان کی نگرانی میں نہ رہیں اور غیروں کے حوالہ کردی جائیں ناقابل برداشت ہے۔

ساردا بل مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول کیوں ہے؟ مسلمان اس بل کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرسکتے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں:

وجہ اول:

اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کسے کہتے ہیں؟ اس کا بیان یہ ہے کہ جن امور کو شریعت مقدسہ اسلامیہ نے مسلمانوں کے لیے جائز کیا ہے اور وہ ان امور کو کرنے میں شریعت کے نزدیک مجرم نہیں ہیں؛ بلکہ ثواب کے مستحق ہیں، ان کو قانون کے ذریعہ سے مسلمانوں کے حق میں ممنوع اور جرم قرار دے دیا جائے، یہ مذہبی مداخلت ہے، اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے مسجد میں نوافل پڑھنے کی اجازت دی ہے،(۱) اس اجازت کے خلاف نوافل کے لیے ان پر مسجدوں کا دروازہ بند کر دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۲) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے،(۲) اس اجازت کے خلاف کسی ڈاکٹری تجویز پر انہیں نفل روزے رکھنے سے روک دیا جائے اور روزے کو جرم قرار دے دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۳) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے حج کرنے کی اجازت دی ہے،(۳) پس اگر ان کو نفلی حج کرنے سے روک دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۴) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے گائے کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے،(۴) پس اگر اس اجازت کے خلاف ان کو گائے کی قربانی سے روک دیا جائے اور اس کو جرم قرار دے دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۵) مسلمانوں کے یہاں اذان بلند آواز سے کہنا سنت ہے،(۵) پس اگر ان کو بلند آواز سے اذان کہنے سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۶) مسلمانوں کو استطاعت اور عدل کے ساتھ چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے،(۶) پس اگر اس کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۷) مسلمان اپنے بچوں کے عقیقہ میں گائے ذبح کر سکتے ہیں،(۷) پس اگر ان کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

---

(۱) ﴿ومن أظلم ممّن منع مساجد اللّٰه أن يذكر فيها اسمه﴾(سورة البقرة:۱۱٤)

(۲) عن يزيد الرشك قال حدثني معاذة العدوية أنها سالت عائشة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصوم من كل شهر ثلاثة أيام، قالت: نعم، فقلت لها: من أيام الشهر كان يصوم؟ قالت: لم يكن يبالي من أى أيام الشهر يصوم.(الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر: ٣٦٧/١، قديمي)عن عمران بن حسين ان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال له أو لرجل آخر: صمت من شهر شعبان، قال: لا، قال: فإذا افطرت فصم يومين.(الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب صوم شعبان: ٣٦٨/١، قديمي)

(۳) بناء الرباط أفضل من حج النفل، واختلف في الصدقة، ورجح في البزازية أفضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعًا، قال: وبه افتى أبوحنيفة حين حج وعرف المشقة.(الدرالمختار، كتاب الحج،باب الهدى: ٦٢١/٢، سعيد)

(۴) عن جابر بن عبد اللّٰه قال: كنا نتمتع في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نذبح البقرة عن سبعة نشترك فيها.(سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب البقر والجزور عن كم تجزى: ٣٢/٢، امدادية)

(۵) فسنن الأذان في الأصل نوعان: نوع يرجع إلى نفس الأذان ونوع يرجع إلى صفات المؤذن، وأما الذى يرجع إلى نفس الأذان فأنواع: أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته، لأن المقصود وهو الاعلام تحصل به.(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،فصل في بيان سنن الأذان: ١٤٩/١، سعيد)

(۶) ﴿وإن خفتم ألا تقسطوا في اليتمى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع﴾(سورة النساء:٣)

(۷) قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل ... وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل.(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٦/٦، سعيد)

(۸) مسلمان اپنی غذا کے لیے گائے کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں،(۱) پس اگر قانوناً ان کو گائے کے گوشت سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

اور جس طرح کہ شریعت کے جائز کیے ہوئے امور سے روکنا مذہبی مداخلت ہے، اسی طرح ان کو کسی ایسے فعل کا حکم دینا جو شریعت میں ناجائز ہے، یا ناجائز فعل کا ذریعہ ہے، یہ بھی مذہبی مداخلت ہے۔اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) شریعت میں شراب پینا حرام ہے،(۲) کسی مسلمان کو شراب پینے کا حکم دینا مذہبی مداخلت ہے۔

(۲) شریعت میں جھوٹ بولنا گناہ ہے،(۳) کسی کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

(۳) شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے،(۴) کسی کو زنا کا حکم دینا، یا ایسے اسباب پیدا کرنا جن سے لامحالہ زنا کا ارتکاب ہو، جیسے صحیح الجسم معتدل القوی بالغ کی شادی سے روکنا، جو اس قانون کا منشا ہے، مذہبی مداخلت ہے۔

(۴) شریعت نے بالغہ لڑکیوں کی شادی نہ کرنے اور ان کو یوں ہی بٹھائے رکھنے سے منع کیا ہے،(۵) پس ان کو قانوناً شادی نہ کرنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کے معنی کی اس تشریح کے بعد ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ نفس نکاح کا شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟

نکاح کا شرعی مرتبہ:

شریعت مقدسہ اسلامیہ نے نکاح کو صرف ایک معاشرتی معاہدے کی ہی حیثیت میں منحصر نہیں رکھا ہے؛ بلکہ اس کو معاشرتی معاہدے کی حیثیت سے بڑھا کر ایک عبادت اور فضیلت اور ثواب کا کام بھی قرار دیا ہے۔اس کے لیے یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں:

(۱) **"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:أربع من سنن المرسلین:الحیاء والتعطر والسواک والنکاح".** (الترمذی)(۶)

(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں:(۱) حیا،(۲) عطر لگانا،(۳) مسواک کرنا اور (۴) نکاح کرنا۔)

---

(۱) ﴿والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون﴾(النحل:۵)

(۲) ﴿يـأيها الذى امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتبوه لعلكم تفلحون﴾(المائدة:۹۰)

(۳) قال تعالى:﴿فنجعل لعنة الله على الكاذبين﴾(آل عمران:۶۱)

(۴) ﴿ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾(سورة بنى اسرائيل:۳۲)

(۵) عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:في التوراة مكتوب:"من بلغت ابنته اثنتى عشرة ولم يزوجها فأصابت اثماً فإثم ذلك عليه".(شعب الإيمان للبيهقى:۴۰۲/۶، رقم الحديث:۸۶۷۰، دارالكتاب العلمية بيروت)

(۶) جامع الترمذى، أبواب النكاح:۲۰۶/۱، سعيد

(۲) ”من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان“. (الحديث)(۱)

(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نکاح کرلیا، اس نے نصف ایمان کامل کرلیا۔)

اس حدیث میں نکاح کو نصف ایمان فرمایا ہے، جس سے اس کا شرعی اور مذہبی عمل ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ”إن سنتنا النكاح، شراركم عزابكم وأراذل موتكم عزابكم“. (جمع الفوائد)(۲)

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن بشر تمیمی سے فرمایا تھا کہ ہماری سنت نکاح ہے، تم میں سے جو مجرد ہیں وہ تم میں برے لوگ ہیں اور جو بغیر نکاح مرجائیں، وہ مردوں میں برے مردے ہیں، جو مجرد ہیں وہ تم میں برے لوگ ہیں۔)

(۴) ”النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني“. (فتح الباری)(۳)

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے، جو میری سنت سے اعراض کرے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔)

(۵) ”من تزوج ثقة بالله واحتساباً كان حقا على الله أن يعينه وأن يبارك له“. (الطبرانی فی الأوسط، كذا في جمع الفوائد)(۴)

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ کرکے اور ثواب کی نیت سے نکاح کرے گا تو خدا نے اپنے فضل وکرم سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ اس کی مدد فرمائے اور اس کے لیے برکات عطا کرے۔)

پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ ارشادات عالیہ ہیں، جن سے نکاح کی شرعی حیثیت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وہ صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں؛ بلکہ ایک شرعی عبادت ہے۔ اس کے بعد علمائے اسلام کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

(۶) ”وقال الحنفية هو عبادة“. (فتح الباری)(۵)

(یعنی علماء حنفیہ نکاح کو عبادت قرار دیتے ہیں۔)

اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی ہے۔

(۷) ”ليس لنا عبادة، شرعت من عهد آدم إلى الآن، ثم تستمر في الجنة، إلا النكاح والإيمان“. (الدر المختار)(۶)

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث في النكاح: ۲۵۲/۴، بيروت

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث في النكاح: ۲۵۰/۴، بيروت

(۳) فتح الباری، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ۹۲/۹، بولاق

(۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب عون الله سبحانه للمتزوج: ۲۵۸/۴، بيروت

(۵) فتح الباری، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ۹۲/۹، بولاق

(۶) الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۳، سعيد

(یعنی نکاح اور ایمان کی سوا اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوکر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔)

(۸) "ویکون سنة مؤكدة فی الأصح فیأثم بتركه ویثاب إن نوی ولداً وتحصیناً". (الدر المختار)(۱)

(یعنی نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ صحیح ترین قول کی بنا پر۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا اور اگر اولاد اور پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے (یعنی صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو) تو اس کو نکاح کرنے پر ثواب ملے گا۔)

(۹) "ورجح فی النهر وجوبه للمواظبة علیه والإنكار علی من رغب عنه". (الدر المختار)(۲)

(یعنی کتاب نہر فائق میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے؛ کیوں کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے اور نکاح سے اعراض کرنے والے پر عتاب فرمایا ہے۔)

ان احادیث اور اقوال علماء سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نکاح صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں ہے؛ بلکہ وہ مذہبی عمل کی حیثیت رکھتا ہے اور مذہبی عمل بھی محض مباح، یا مستحب کے درجہ کا نہیں؛ بلکہ سنت مؤکدہ، یا واجب کے مرتبہ کا ہے؛ یعنی یہی نہیں کہ اس کا کرنا ثواب کا کام ہے؛ بلکہ شریعت نے اس کی تاکید بھی کی ہے اور نہ کرنے پر ملامت اور عتاب اور گنہگاری کی وعید ہے، پس اس شرعی عمل پر قانونی پابندیاں عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

بعض ممبران اسمبلی کا عتراض:

بعض مسلم ممبران اسمبلی نے اسمبلی میں شان اجتہاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر اس کے کہ انہوں نے اسلامی قانون کی ابجد بھی پڑھی ہو، اپنے تبحر کی نمائش کے لیے یہ اعتراض کیا کہ اگرچہ اسلامی شریعت نے بچوں کے نکاح کو جائز رکھا ہے اور ولی کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو نابالغوں کا نکاح کردے؛ لیکن شریعت نے نابالغوں کے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا؛ یعنی یہ لازم نہیں کیا کہ نابالغ کا نکاح ضرور کردیا جائے، پس یہ قانون ایک اختیاری امر پر پابندی عائد کرتا ہے؛ اس لیے یہ مذہبی مداخلت نہیں ہے، البتہ اگر یہ کسی لازمی حکم کو روکتا تو مذہبی مداخلت میں داخل ہوتا۔ اسی خیال کو اسلامی اخبارات میں سے "مدینہ" بجنور نے ظاہر کیا ہے اور جو علماء ورہنمایان ہندوستان اس کو مذہبی مداخلت کہتے اور سمجھتے ہیں، اخبار "مدینہ" کے محترم مدیران کو قدامت پسندی کا طعنہ دیتے ہوئے ساردا بل کو اصلاح کا پہلا اور اہم قدم قرار دیتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب ہم دو طرح سے دیتے ہیں:

اول یہ کہ مذہبی مداخلت کے یہ معنی کہ کسی فرض، یا واجب کو روکا جائے تو مذہبی مداخلت ہے، ورنہ نہیں، عقلاً، شرعاً، عرفاً ہر طرح غلط ہیں۔

ہم مذہبی مداخلت کے صحیح معنی پہلے بیان کرچکے ہیں اور مثالیں دے کر اس کا مفہوم واضح کرچکے ہیں اور مزید توضیح کے لیے پھر اتنا کہے دیتے ہیں کہ کسی مذہب کے مخصوص اعمال سے اس مذہب کے متبعین کو روکنا مذہبی مداخلت ہے،

(۱-۲) الدر المختار، کتاب النکاح: ۷/۳، سعید

خواہ وہ اعمال اس مذہب میں فرض ہوں، یا واجب، یا سنت، یا مستحب؛ بلکہ مذہب نے جن امور کو مباح بھی کیا ہے، ان سے روکنا بھی مذہبی مداخلت ہے؛ کیوں کہ مذہبی مداخلت نہ کرنے کا اصول عقلی اور قانونی طور پر اسی لیے قائم کیا گیا ہے کہ لوگ آزادی سے ان اعمال کو ادا کرسکیں، جنہیں وہ مذہبی اعمال سمجھتے ہیں اور جن کی ان کے مذہب نے ان کو اجازت دی ہے؛ تا کہ خیالات وافکار میں تصادم نہ ہو اور امن عامہ میں خلل نہ پڑے۔

قانونی طور پر آج تک تعزیوں، شدوں مورتیوں، نگر کیرتن، گرنتھ صاحب کے جلوس اسی اصول پر جائز رکھے گئے اور ان کو مذہبی جلوس قرار دیا گیا اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ آیا مذہباً ایسے جلوس نکالنے فرض ہیں، یا نہیں اور مذاہب متعلقہ میں ان جلوسوں کو سڑکوں پر گھمانے کے لازمی احکام موجود ہیں، یا نہیں؟

اس کے علاوہ ان حضرات کو کبھی یہ خیال بھی آیا، یا نہیں کہ اگر (بالفرض) نابالغوں کے نکاح کر دینے کے وجوبی احکام شریعت اسلامیہ میں موجود نہیں ہیں تو اسی طرح (۱) نفل نمازوں کے لیے، (۲) نفل روزوں کے لیے، (۳) نفلی حج کے لیے، (۴) خاص گائے کی قربانی کے لیے، (۵) شہر میں دو چار مسجدوں کے ہوتے ہوئے مزید مساجد کی تعمیر کے لیے، (۶) عرسوں کے سالانہ اجتماعات کے لیے، (۷) خاص گائے کا گوشت کھانے کے لیے؛ (۸) بلکہ مطلقاً گوشت خوروں کے لیے، (۹) تعزیوں کے جلوس کے لیے، (۱۰) مجالس میلاد اور مجالس وعظ کے انعقاد کے لیے، (۱۱) چار نکاحوں کے لیے، (۱۲) کفو اور خاندان میں شادی کرنے کے لیے۔

اور اسی قسم کے سینکڑوں ہزاروں اعمال کے لیے بھی شریعت میں وجوبی احکام موجود نہیں ہیں تو کیا اگر ان اعمال کو بند کرنے، یا ان پر ناواجب پابندیاں عائد کرنے کے لیے قوانین بنائے جائیں تو یہ مسلمان ممبران اسمبلی جنہوں نے ساردا بل کی اس لیے حمایت کی ہے کہ وہ کسی فرض، یا واجب کو نہیں روکتا۔ ان تمام قوانین کی اسی اصول پر حمایت کر دیں گے، اگر جواب اثبات میں ہے تو بس۔

گر ہمیں کونسل است وایں ارکان کار مذہب تمام خواہد شد

اور اگر جواب نفی میں ہے تو ان کا یہ اصول غلط ہو گیا کہ کسی جائز امر پر پابندی عائد کرنا مذہبی مداخلت نہیں ہے اور ان کو اقرار کرنا چاہیے کہ جس طرح مذکورہ بالا اعمال قانونی مداخلت کے متحمل نہیں ہیں، اسی طرح نکاح نابالغان بھی قانونی مداخلت کا متحمل نہیں ہے اور اس میں بھی قانونی مداخلت یقیناً مذہبی مداخلت ہوگی۔

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ ہندوؤں نے گائے کشی کو بند کرانے کے لیے قانونی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو مسلمانوں کے علماء وعمائد دونوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر ہمارے حق گاؤ کشی اور قربانی گاؤ بجز ہم سے چھیننے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری طاقت سے مزاحمت کریں گے، مسلمانوں کو یہ حق تو ہے کہ قربانی کے جانوروں میں سے وہ جس جانور کو چاہیں اپنی مرضی سے منتخب کرلیں؛(۱) لیکن اگر ان کو جبرا حق گاؤ کشی اور قربانی گاؤ سے محروم کرنے

---

(۱) شاة ... بدل من ضمير تجب (أوسع بدنة) هي الإبل والبقر. (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۵/۶، سعيد)

کی کوشش کی جائے گی تو ان پر واجب ہو جائے گا کہ اپنا حق قائم رکھنے کے لیے خاص گائے کی قربانی کریں۔ان فقرات کی سیاہی بھی ابھی خشک نہیں ہوئی ہوگی کہ ہمارے مسلم ممبران نے اس کے بالکل برعکس اسمبلی میں اپنا اجتہادی بیان دے دیا اور نہ صرف بیان دیا؛ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس مسئلہ میں ہم دقیانوسی علما کی تقلید نہ کریں گے اور علماء پر پھبتیاں بھی کس دیں، حالاں کہ اس بل کی مخالفت میں سوائے سات آٹھ مسلم ارکان اسمبلی کے ہندوستان کے تقریباً تمام رہنما اور مسلم پریس ہم آہنگ ہیں۔ خیر علما کے خلاف تو وہ جو چاہیں کریں اور کہیں؛ لیکن خدارا اسلام کے اصول اور اسلامی احکام کا احترام تو قائم رکھیں۔(۱)

آج جو اصول کہ انہوں نے سارد ابل کی حمایت کے لیے قائم کر دیا ہے، اس کی ہمہ گیر وسعت کے نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کی سمجھ میں بھی یہ بات آجانی کچھ مشکل نہیں ہے کہ انہوں نے سوائے چند فرائض وواجبات کے تمام اعمال مذہبیہ کو اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے اور دانستہ، یا نادانستہ (اور خدا کرے کہ نادانستہ ہی صحیح تعبیر ہو) اپنے ہاتھ سے اسلامی اصول، اسلامی اعمال، اسلامی تہذیب، غرض کہ اسلام کے تمام (پرسنل لا) مخصوص قانون کو ذبح کر ڈالا ہے۔

دوم: دوسرا جواب یہ ہے کہ قانون کی مقرر کردہ عمر؛ یعنی لڑکی کی چودہ سال اور لڑکے کی ۱۸/ سال کی عمر سے پہلے نکاح کرنا، یا کرا دینا بھی بعض حالات میں واجب ہوتا ہے؛ یعنی جب کہ ان عمروں سے پہلے لڑکی اور لڑکا بالغ ہو جائیں اور ان کی صحت جسمانیہ اچھی ہو، قویٰ مضبوط ہوں اور تاخیر نکاح سے ان کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت ان کو خود نکاح کرنا اور ان کے اولیا کو نکاح کرا دینا لازم وواجب ہو جاتا ہے۔(۲)

ایسی حالت میں قانون ان کو اس واجب شرعی سے روکے گا اور مذہبی مداخلت کے وہی معنی ہیں، جو آپ نے بیان کئے ہیں (حالاں کہ وہ غلط ہیں)؛ تاہم یہ قانون مذکورہ بالا حالات میں اس معنی کے لحاظ سے بھی متحقق ہو جائے گی؛ یعنی اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مذہبی مداخلت کے وہی معنی ہیں، جو آپ نے بیان کئے ہیں (حالاں کہ وہ غلط ہیں)، تاہم یہ قانون مذکورہ بالا حالات میں اس معنی کے لحاظ سے بھی یقیناً مذہبی مداخلت میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی قانون جو کلی طور پر مذہبی مداخلت کرتا ہو، یا اپنے بعض اطلاقات میں مذہبی مداخلت کا امکان رکھتا ہو، یقیناً عہد نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اعلانات حکومت برطانیہ کے خلاف ہوگا اور نا قابل قبول ہوگا۔

وجہ دوم:

اس قانون کو قبول نہ کرنے کی مسلمانوں کے لیے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون ایک مہتم بالشان اسلامی حکم ولایت کو باطل کرتا ہے۔

---

(۱) قال تعالی: ﴿ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب﴾ (الحج: ۳۲)

(۲) ويكون واجبًا عند التوقان فإن تيقن الزنا إلا به فرض. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۶/۳، سعيد)

شریعت مقدسہ نے نابالغوں کے اولیاء کو حق ولایت عطا کیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا عقد نکاح کر سکتے ہیں،(۱) اور باپ ولایت اسلامی فقہ کے ابواب میں سے ایک مہتم بالشان باب ہے۔

نابالغوں کے متعلق حق ولایت نکاح نابالغی کے زمانے تک محدود رہتا ہے، بالغ ہوجانے پر یہ حق ختم ہوجاتا ہے،(۲) پھر بالغہ لڑکی اور بالغ لڑکا اپنے نکاح کے لیے خودمختار ہوجاتے ہیں،(۳) (بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہوں) حنفیہ کا مذہب یہی ہے اور ہندوستان کی اکثریت حنفی ہے۔

حق ولایت تمام امت اسلامیہ کے نزدیک متفق علیہ اصول ہے اور نابالغوں کے اس نکاح کی صحت پر جو جائز ولی نے کیا ہو، امت مرحومہ کا اجماع ہے۔

"أجمع المسلمون على تزويجه بنته البكر الصغيرة،لهٰذا الحديث".(النووی شرح لمسلم)(۴)

(یعنی تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کو یہ حق ہے کہ اپنی نابالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح کردے۔)

"لولي الصغير والصغيرة أن ينكحهما وإن لم يرضيا بذلك، كذا في البرجندي، سواء كانت بكراً أو ثيباً، كذا في العيني شرح الكنز".(فتاوی عالمگیری)(۵)

(یعنی نابالغہ لڑکی اور نابالغ لڑکے کے ولی کو حق ہے کہ ان بچوں کی رضامندی حاصل کئے بغیر ان کا نکاح کردے (اور یہ حکم حنفیہ کے نزدیک) باکرہ اور ثیبہ دونوں کے حق میں یکساں ہیں۔)

اور بہت سی احادیث ہیں، جن سے حق ولایت اور حق النکاح ثابت ہوتا ہے،(۶) ہم تطویل کے خوف سے ان کو نقل نہیں کر سکتے۔

پس یہ بل جو اسلامی قانون (پرسنل لا) کے ایک اہم باب کو بالکل باطل، یا منسوخ کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

---

(۱) وللولي إنكاح الصغير والصغيرة.(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي:۶۵/۳،سعيد)

(۲) ولا يجوز إجبار البكر البالغة على النكاح.(الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والإكفاء:۳۱۴/۲، شركة علميه)

(۳) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وإن لم يعقد عليها ولي.(الهداية، كتاب النكاح، باب الأولياء والإكفاء:۳۱۳/۲، شركة علمية)

(۴) شرح المسلم للنووي، كتاب النكاح، باب جواز تزويج الأب البكر الصغير:۴۵۶/۱، قديمي

(۵) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء:۲۸۵/۱،ماجدية

(۶) في البخاري: عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين وادخلت عليه وهي بنت تسع.(صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب انكاح الرجل ولده الصغار:۷۷۱/۲، قديمي)

عن أبي موسى قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: لا نكاح إلا بولي. (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب لا نكاح إلا بولي:۲۰۸/۱، سعيد)

وجہ سوم:

اس قانون کوقبول نہ کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اسلامی تہذیب اور عصمت کوتباہ کردے گا۔

جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمان عصمت مآب خواتین کے لیے ہوس رانی کے وہ تمام دروازے بند ہیں، (۱) جو دوسری اقوام کی عورتوں کو حاصل ہیں اور اس صورت میں ان کی عفت وعصمت کی حفاظت کی ایک ہی شکل ہے کہ جس وقت وہ بالغہ ہو جائیں، فوراً ان کی شادی کردی جائے۔ بلوغ کے لیے عمر کا کوئی معیار معین نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مدار جسمانی صحت وقوت اور نوعیت غذا اور آب وہوا کی مساعدت پر ہے، بعض لڑکیاں بارہ سال کی عمر میں بالغہ ہو جاتی ہیں اور بعض اس سے پہلے اور بعض اس کے بعد بالغہ ہو جانے اور قوائے جسمانیہ کی صحت وقوت کی حالت میں اگر ان پر جائز طریقے مسدود کردیئے جائیں گے تو قومی خطرہ ہے کہ وہ ناجائز راستے اختیار کریں گی اور اس طرح مسلمانوں کے حریم عصمت میں وہ خرابیاں پیدا ہو جائیں گی، جو ان کی مخصوص تہذیب وتمدن اور ان کی مذہبی پاکی کو تباہ وبرباد کردیں گی اور یہ بات مسلمانوں کے لیے نا قابل برداشت ہے، کوئی قوم اپنے لیے کسی ایسے قانون کو قبول نہیں کرسکتی، جو اس کی مخصوص تہذیب، یا اس کے مذہبی تقدس کو تباہ وبرباد کردے۔

آج تک خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے گھر زنا کاری اور بدنظری کی اس عام بلا سے محفوظ ہیں، جو یورپ سے سیلاب عظیم کی صورت میں ایشیا کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے؛ لیکن یہ قانون مسلمانوں کے حریم عصمت میں اس سیلاب کے داخل ہو جانے کے لیے ایک وسیع ورزن کا کام دے گا اور پھر اس بلا کو حرم ہائے مسلمین سے علاحدہ کرنا محال ہو جائے گا۔

وجہ چہارم:

مسلمانوں کے لیے اس قانون کے نا قابل قبول ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون حضور پیغمبر اسلام اروا حنافداہ اور اکابر صحابہ کے افعال کو جرائم کی فہرست میں داخل کرتا ہے۔

صحیح روایات کی بنا پر ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس وقت نکاح کیا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال کی تھی، (۲) اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے چھوٹی عمر کی لڑکیوں کا نکاح کیا، (۳) اور بہت سے صحابہؓ نے چھوٹی لڑکیوں سے

---

(۱) ﴿وقل للمومنٰت یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن﴾ (سورة النور: ۳۱) وقال تعالی فی مقام آخر: ﴿ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا﴾ (سورة بنی اسرائیل: ۳۲)

(۲) عن عائشة قالت: تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وأنا بنت ست سنین وبنی بی وأنا بنت تسع سنین. (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من بنی بامرأة وهی بنت تسع: ۷۷۵/۲، قدیمی)

(۳) تزوج قدامة بنت مظعون بنت الزبیر وولدت. (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والإکفاء: ۲۷۴/۳، مصر)

نکاح کئے ہیں،(۱) تو اس قانون کو تسلیم کر لینے کی صورت میں مسلمانوں پر لازم آئے گا کہ وہ اقرار کریں کہ جس عمل کو ان کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مقتدر صحابہ کرام نے کیا ہے، وہ جرم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مجرمانہ فعل ہونا مسلمانوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ایک مسلمان اس کے وہم اور تصور سے بھی تھرا جائے گا کہ وہ کسی ایسے عمل کا جرم ہونا تسلیم کرے، جو اس کے مولیٰ اور آقائے دوجہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کے مقتدر جانشینوں سے ثابت ہو۔

یہ واضح رہے کہ ان روایات میں صرف عقد نکاح کا ذکر ہے اور اس سے کسی شرعی، یا اخلاقی خرابی کا ارتکاب ہرگز ہرگز لازم نہیں آتا۔ مقاربت زوجہ کے احکام بالکل علاحدہ ہیں اور اس کے لیے اگرچہ عورت کی طاقت اور استطاعت شرط ہے؛ مگر عمر کی تحدید اس میں بھی غیر معقول ہے۔ (۲)

ساردا بل کی قانونی حیثیت:

اگرچہ یہ بل اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں پاس ہو چکا ہے؛ مگر ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اس بل کا نفاذ ان پر ہرگز آئین کے موافق نہیں؛ بلکہ محض جبری ہوگا۔

آئینی نفاذ کی صورت تو یہ تھی کہ مسلم قومیت تمام کی تمام، یا اس کی اکثریت اس کو قبول کر لیتی اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی؛ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت، بلکہ استثناء چند ناواقف، یا ہندوؤں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنے والے، یا گورنمنٹ کے پرستار مسلمانوں کے باقی تمام مسلم قوم اس قانون سے بیزار ہے اور اپنی بیزاری کا پورے طور پر اظہار واعلان کر چکی ہے، اس کے لیے دفعات ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) ستمبر سن ۱۹۲۸ء میں (حسب بیان مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی، ممبر اسمبلی) ۲۲؍مسلمان ارکان اسمبلی کے دستخطوں سے ایک بیان گورنمنٹ کے ہوم ممبر کر دیا گیا، جس میں اس قانون کے مسلمانوں پر اطلاق کرنے سے بیزاری کا اظہار کیا گیا تھا اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ مسلمان اس قانون کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔

یہ واقعہ اس قانون کے پاس ہونے سے ایک سال پہلے کا ہے اور دستخط کرنے والے ممبروں کی تعداد بھی ۲۲؍تھی، جو مسلم منتخب اراکین کونسل کی ۲؍۳ کی اکثریت سے بھی زیادہ تھی۔

(۲) ’’ہمدرد‘‘ مورخہ ۳۱؍مارچ سن ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد علی نے اس بل کے خلاف ایک طویل مضمون لکھا اور اس میں صاف صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمان اس بل کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور ہرگز قبول نہ کریں گے۔

---

(۱) ”زوج (النبی) صلی اللہ علیہ وسلم بنت عمه حمزة رضی اللہ تعالیٰ عنه من عمر بن أبی سلمة وهی صغیرة. (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والإکفاء: ۲۷۶/۳، مصر)

(۲) وأکثر المشایخ علی أنه لا عبرة للسن فی هذا الباب وإنما العبرة للطاقة إن کانت ضخمة سمینة تطیق الرجال ... کان للزوج أن یدخل بها ون لم تبلغ تسع سنین. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح: ۲۸۷/۱، ماجدیة)

(۳) پھر خاکسار نے اپریل سن ۱۹۲۸ء میں ہی تمام مسلم اراکین اسمبلی کو بذریعہ مکتوب مطلع کر دیا تھا کہ یہ بل شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اوراس کی تنفیذ مذہبی مداخلت ہوگی۔

(۴) ستمبر سن ۱۹۲۹ء میں جب کہ اسمبلی میں بل پیش ہورہا تھا، ۱۶رمسلمان ممبروں نے اپنے دستخطوں سے ایک یادداشت سرکاری ممبر کودی کہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے؛ کیوں کہ مسلمان قوم اس سے ناراض ہے اور وہ اسے قبول نہ کرے گی۔ اس وقت کونسل کے ارکان میں کل بائیس ۲۲رمسلمان ممبر حاضر تھے، ان میں سے ۱۶رممبروں نے اس یادداشت پر دستخط کر دیئے تھے اور ظاہر ہے کہ ۱۶رکا عدد ۲۲رکے ساتھ ۲/۳ کی اکثریت سے کچھ زیادہ ہی نسبت رکھتا ہے۔

(۵) اس کے بعد مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی نے باقاعدہ اجلاس میں ترمیم پیش کی کہ اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر نہ کیا جائے؛ مگراس ترمیم کو غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت سے مسترد کر دیا گیا۔

(۶) اس کے بعد آخری مرحلے پر مسلم ممبران اسمبلی کی کافی تعداد بطور اظہار ناراضی اوراحتجاج کے اجلاس سے اٹھ کر چلی گئی اوران کی کوئی پرواہ نہ کی گئی اور غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت نے بل پاس کر دیا۔

(۷) پاس ہوجانے کے بعد مسلم ارکان اسمبلی کا ایک معزز ومقتدر وفد مولوی محمد یعقوب صاحب، ڈپٹی پریسڈنڈنٹ کی قیادت میں حضور وائسرائے کی خدمت میں باریاب ہوا اوراس نے اس حقیقت کو آشکارا کرادیا کہ مسلمان قوم اس بل کے خلاف ہے، وہ ہرگز اسے قبول نہ کرے گی؛ اس لیے آپ اس بل کی آخری منظوری اس وقت تک نہ دیں، جب تک کہ مسلمان اس کے اطلاق سے مستثنیٰ نہ کر دیئے جائیں۔

(۸) کونسل آف اسٹیٹ کے مسلمان ممبروں کی اکثریت نے اس بل سے اختلاف کیا اور مسلمانوں کے استثنا کا مطالبہ کیا؛ مگر ہندو اور سرکاری ممبروں کی اکثریت نے کوئی سنوائی نہیں کی۔

(۹) جس درمیان میں کہ بل اسمبلی میں پیش تھا، میں نے بحیثیت صدر جمعیۃ علمائے ہند ۲رستمبر سن ۱۹۲۹ء کو حضور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور مسلم اراکین اسمبلی کو بذریعہ تار مسلمانوں کے احساسات وجذبات سے مطلع کیا کہ مسلمان ہرگز اس بل کو قبول نہ کریں گے اوران سب سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو اس کے اطلاق سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

(۱۰) ہندوستان کے دیگر عمائد ورہنمایان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے، جن میں مسلمانوں پر اس بل کے اطلاق سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار، مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر سر اقبال صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی، مولانا ظفر علی خان صاحب، سید غلام بھیک نیرنگ سکریٹری تبلیغ الاسلام انبالہ، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب دانا پوری، مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ

علماء صوبہ متحد شمس العلما، مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد، مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد، شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب، مولانا عبدالوالی قطب الدین صاحب فرنگی محلی، مولانا عبیداللہ صاحب بچھڑایونی۔

(۱۱) لکھنؤ میں سنی اور شیعہ علماء اور عمائد کا مشترک جلسہ ہوا، جس میں باتفاق اس بل کے خلاف تجاویز پاس ہوئیں اور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی کے پاس نقول بھیجی گئیں۔

(۱۲) مسلم پریس کے تقریباً تمام جرائد مثلاً انقلاب، زمیندار، ملت، الجمعیۃ، سچ، ہمت، سیاست، صراط، شیعہ اخبار لکھنؤ، مہاجر، عصر جدید، الامان، خلافت، حقیقت، امارت، ترجمان، سرحد، شہاب، اتحاد، الخلیل نے بل کے مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف پرزور مضامین لکھے اور اس کی آخری منظوری سے پہلے بتادیا کہ مسلمان اسے قبول کرنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہیں۔

(۱۳) ہندوستان کے مختلف مقامات میں جلسے منعقد ہوئے، جن میں مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف احتجاج کیا گیا، تجاویز پاس کی گئیں اور سرکاری افسران متعلقہ کو بھیجی گئیں۔

(۱۴) ہندوستان کے علمی مراکزوں: دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور لکھنؤ کے شیعہ مراکز علمیہ کی طرف سے تار دیئے گئے کہ بل مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں۔ ان تمام امور کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے، تاہم اجمالی طور پر اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ مسلمان قوم نے اپنی ناراضی کا اظہار کرنے کے لیے تمام آئینی ذرائع کا استعمال کرلیا ہے اور مسلمان قوم کے وہ نمائندے جو اسمبلی میں اس کی نمائندگی کرتے ہیں، انہوں نے بھی اپنی بڑی اکثریت کے ساتھ مسلمان قوم کی ناراضی ظاہر کردی ہے۔

ہندوؤں اور سرکاری ممبروں پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے معاملے میں غیر جانبدار رہتے، ان کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنی اکثریت سے ایسے قانون کو جس کا مسلمانوں کے (پرسنل لا) مخصوص قانون پر مخالفانہ اثر پڑتا ہے، پاس کردیں، اگر اس پر ہندو اور سرکاری ممبر رائے نہ دیتے اور صرف مسلمان اراکان اسمبلی پر چھوڑ دیا جاتا تو اسمبلی میں ہی مسلمان اس کے اطلاق سے مستثنیٰ ہوجاتے، ہمارے علم میں ہندوستان کے طول وعرض میں ایک جلسہ بھی ایسا نہیں ہوا ہے، جس میں مسلمانوں نے بل کی حمایت کی ہو اور اظہار ناراضی کے لیے بیسیوں جلسے ہوچکے ہیں اور ہورہے ہیں اور مسلمان انتہائی منزل تک جانے کے لیے تیار ہیں۔

سرفضل حسین نے کونسل آف اسٹیٹ میں بل کی حمایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی نصف قوم یعنی نسوانی طبقہ بل کی حمایت میں ہے، ہم اسے ایک بڑے ذمہ دار شخص کی طرف سے صریح غیر ذمہ داری کا بیان سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ اگر چند مسلمان خواتین نے جو بعض مردوں کی طرف سے اسلامی قوانین سے ناواقف بل کے عواقب ونتائج سے نابلد ہیں اور نہیں سمجھتیں کہ اس بل سے اسلام کے خاص اصول اور مذہبی اعمال پر کس قدر شدید ضرب پڑتی ہے، اس

کی حمایت کردی تو اس سے تمام مسلمان خواتین کوبل کا حامی قرار دے دینا سر فضل حسین جیسے ذمہ دار شخص سے بہت بعید ہے، ان مسلمان خواتین کی تعداد ان مردوں سے زیادہ نہ ہوگی، جو بل کے حامی ہیں؛ لیکن اب دنیا دیکھ لے گی کہ حامیان بل کی تعداد کو مخالفین بل کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

ان تمام واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بل مسلمانوں پر نافذ کیا گیا تو صرف سات آٹھ مسلمان ارکان اسمبلی کی حمایت کے مقابلے میں ارکان اسمبلی کی مسلم اکثریت اور تمام قوم کی مخالفت کے باوجود اس کا نفاذ ہرگز آئینی نفاذ نہیں ہوگا؛ بلکہ ہندو اکثریت اور حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر جبراً نافذ کیا جائے گا۔

ایک اعتراض اوراس کا جواب:

کہا جاتا ہے کہ بعض علاقے کے مسلمانوں میں بھی رواج ہے کہ کم عمر لڑکیوں کی شادی کردیتے ہیں اور لڑکیوں کو خاوندوں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے اور وہ مباشرت کرلیتے ہیں اور اس کا نہایت مضر اثر ان لڑکیوں اور ان کی اولاد پر پڑتا ہے اور اس کے انسداد کی سوائے قانونی مداخلت اور کوئی سبیل نہیں ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں میں کم عمری کی شادیوں کا رواج بہت کم ہے، پھر اگر کسی قدر رواج کہیں ہے بھی تو صرف نکاح کردینے کا ہے، نا قابل مجامعت عورت کو رخصت کردینے کا نہیں ہے، (۱) لڑکی خاوند کے یہاں اسی وقت بھیجی جاتی ہے، جب مجامعت کے قابل ہوجاتی ہے اور ظاہر ہے کہ صرف نکاح کردینے میں بیان کردہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اور اگر بالفرض کوئی شاذ اور نادر واقعہ ایسا ہوا ہو کہ نا قابل جماع عورت سے جماع کرلیا گیا ہو تو وہ اپنی قلت وندرت کے لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے۔

دوسرے یہ کہ اس خرابی کا وجود اسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب کہ نا قابل جماع عورت سے جماع کیا جائے اور ظاہر ہے کہ قابل جماع ہونا عمر کے ساتھ معین نہیں کیا جاسکتا؛ (۲) بلکہ اس کا حقیقی معیار بلوغ ہے۔

---

(۱) وإذا نقذ الزوج المهر وطلب من القاضی أن یامر أبا المرأة تسلیم المرأة فقال أبوها: إنها صغیرة لا تصلح للرجال وتطیق الجماع، وقال الزوج: بل هی تصلح وتطیق،ینظر إن کانت ممن تخرج أخرجها وأحضرها وینظر إلیها فإن صلحت للرجال أمر الأب بدفعها إلی الزوج، وإن لم تصلح لم یأمره، وإن کانت ممن تخرج أمر من یثق بهن من النساء أن ینظرن إلیها فإن قلن: إنها تطیق الجماع وتحتمل الرجال أمر الأب بدفعها إلی الزوج،وإن قلن: لا تحتمل الرجال لا یؤمر بتسلیمها إلی الزوج،کذا فی المحیط.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۲۸۷/۱،ماجدیة)

وفی الرد: البالغة إذا کانت لا تتحمل لا یؤمر بدفعها إلی الزوج.(ردالمحتار،کتاب النکاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعید)

(۲) قال البزازی: ولا یعتبر السن.(الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۶۱/۳، سعید)

تیسرے یہ کہ اس قسم کی خرابی کا ۱۴؍سال اور اس سے زیادہ عمر کی عورتوں میں بھی جب کہ وہ کمزور اور مریض ہوں، امکان ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایسی عورتوں کی تعداد جو باوجود ۱۴؍۱۵؍سال کی عمر رکھنے کے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے نا قابل جماع ہوں، ایسی منکوحہ لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہو، جو کم عمری کے باعث نا قابل جماع ہوں۔(۱)

چوتھے یہ کہ فی ہزار ایک دو عورتوں کے جسمانی نقصان کی وجہ سے (اگر اس قدر ہوتا بھی ہو تو تمام مسلمان قوم کی فیصدی تقریباً ۷۵؍دوشیزہ نوجوان عورتوں کو جو ۱۴؍سال سے کم عمر میں بالغ ہوجاتی ہیں اور تقریباً تمام لڑکوں کو جو ۱۵؍سال کی عمر میں شرعی طور پر بالغ ہوجاتے ہیں۔(۲) ایک شرعی حق چھین کر مبتلائے مصائب کر دینا کون سی عقل مندی ہے، بالخصوص جب کہ ان پابندیوں سے ان کے دینی و دنیوی مفاد کے تباہ ہونے کا بھی قوی خطرہ ہے۔

حاصل کلام یہ ھے:

اس بل کا مسلمانوں پر اطلاق یقیناً مذہبی مداخلت ہے اور اس سے ان کی مخصوص تہذیب اسلامی معاشرت اور ان کی حریم عفت وعصمت کی بربادی کا قوی خطرہ ہے، اس سے نا قابل برداشت مصائب اور سختیاں غریب مسلمانوں پر پڑ جائیں گی اور بہت سے حالات میں وہ مذہبی احکام کی رو سے اس بل کی تعمیل میں گنہگار ہوں گے اور اس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے افعال پر ناجائز اور دل آزار حملوں کا دروازہ کھل جائے گا، جو امن عامہ کے لیے بھی تباہ کن ہے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کے نمائندوں کی اکثریت اور تمام مسلم قوم اس سے ناراض اور بیزار ہیں؛ اس لیے اس کا آئینی طور پر مسلمانوں پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

ہز اکیلنسی وائسرائے! یا تو اسے اپنے اختیار خصوصی سے مسلمانوں کے حق میں مسترد کر دیں، ورنہ مسلمان اس جبریہ قانون کے خلاف اپنی امکانی طاقت صرف کر دیں گے، (۳) اور اس کے عواقب ونتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی، ہم نے پورے طور پر اتمام حجت کر دیا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، ۲؍اکتوبر سن ۱۹۲۹ء

۲؍اکتوبر تک (جب کہ یہ رسالہ لکھا گیا تھا) یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ وائسرائے (لارڈ گوشن جو اس وقت لارڈ

---

(۱) وأكثر المشائخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع: ۲۸۷/۱، ماجدية)

(۲) بلوغ الغلام بالإحتلام والإحبال والإنزال ... والجارية بالإحتلام والحيض والحبل... فإن لم يوجد فيهما شئ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتى. (الدر المختار، كتاب الحجر: ۱۵۳/٦، سعيد)

(۳) قال عليه السلام: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۵۱/۱، قديمي)

ڈراون کے بجائے قائم مقام وائسرائے تھے) نے اس بل پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ ۴/ اکتوبر کو دفعۃً معلوم ہوا کہ وائسرائے نے یکم اکتوبر کو ہی بل پر اپنی منظوری دے دی ہے۔ ۲۷/ اکتوبر سن ۲۹ء کو لارڈ اروِن ہندوستان واپس آئے اور ۶/ نومبر کو میں نے ان کے نام یہ مبسوط خط لکھا، (۱) جو درج ذیل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۵/)

ساردا ایکٹ کے نفاذ کے لیے کوشاں شخص کا حکم:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم نومبر سن ۳۱ء)

سوال: زید جو مذہباً مسلمان ہے، ایک اسلامی ریاست میں ساردا ایکٹ کو نافذ کرنے کی تحریک پیش کرتا ہے، دراں حالیکہ باشندے اس قانون کو ناپسند کرتے ہیں، نیز علوم شرقی کی مخالفت کرتے ہوئے ریاست کے ان مدارس کو جن میں عربی فارسی ادب اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، بند کرادینا چاہتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

زید کی یہ دونوں حرکتیں اسلامی جذبے کے خلاف ہیں اور ان سے اسلامی تہذیب کی تخریب کی سعی جھلکتی ہے، جس کی وجہ سے زید اسلام اور مسلمانوں کے سامنے جواب دہ قرار پاتا ہے، مسلمانوں کو اس کے اس فعل کے خلاف اظہار ناراضگی ونفرت ضروری ہے اور متفقہ سعی سے اس کی کوشش کو ناکام کردینا چاہیے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایۃ المفتی: ۵/۳۴۸)

دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ:

سوال: اگر قاضی صاحب دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ پڑھادیں تو کیا نکاح صحیح ہے؟ اور قاضی صاحب کا یہ عمل صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر ولی کی اجازت سے پڑھایا ہے تو صحیح ہے، (۳) ولی کو خود سوچنا چاہیے کہ یہ مناسب ہے، یا نہیں، (۴) اگر لڑکی

---

(۱) یہ مبسوط خط اوپر درج ہو چکا ہے۔ (واصف)

(۲) فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم، كتاب الايمان: ۵۱/۱، قديمی) وقال النووي في شرح هذا الحديث: إنما يأمر وينهى من كان عالمًا به وينهى عنه وذلك يختلف باختلاف الشئ فإن كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلاة والصيام والزنا والخمر ونحوها فكل المسلمين علماء نها. (شرح المسلم للنووي، كتاب الايمان: ۵۱/۱، قديمی)

(۳) "القاضي انما يملك انكاح من يحتاج إلى الولي اذا كان ذلك في عهده ومنشوره، وان لم يكن ذلك في عهده لم يكن وليا". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۴/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه) ==

بالغ ہوتو خود اس کی رائے بھی معتبر ہے، جب کہ نکاح کفو میں ہو، اس سے نیچے اتر کر نہ ہو۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۵۳۶)

عاقدین کی عمر میں تناسب:

سوال: میری عمر ۲۴/سال ہے اور میں ایک ۱۵/سال کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا عمر کے لحاظ سے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ رشتہ مناسب ہوگا؟ (ندیم اطہر، حیدرآباد)

الجواب ______________________

اسلام میں نکاح کے لیے لڑکے اور لڑکی کے لیے کوئی مخصوص عمر متعین نہیں اور یہ بات مناسب بھی ہے؛ کیوں کہ مختلف لوگوں کی مصلحتیں الگ الگ ہوتی ہیں؛ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی عمر میں ایک تناسب ہونا چاہیے اور سن وسال کا بہت زیادہ فرق نہیں ہونا چاہیے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے بھی پیغام دیا، جن کی عظمت وفضیلت محتاج اظہار نہیں: لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رشتہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیغام کو پسند فرمایا، (۲) کہ ان دونوں حضرات کی عمر میں بہت زیادہ فرق نہیں تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کیا، حالاں کہ وہ خود کنوارے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کنواری سے کیا ہوتا، پھر جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی مصلحت بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، (۳) بہ ظاہر عمر کا جو فرق آپ نے لکھا ہے، وہ مناسب ہی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۰۶-۳۰۷)

== "رجل قال لغيره: زوج ابنتي هذه رجلا يرجع إلى علم ودين بمشورة فلان، فزوجها رجلا هذه الصفة من غير مشوره ... جاز". (الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۱، كتاب النكاح، الباب السادس من الوكالة بالنكاح وغيرها، رشيديه)

(۴) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: خطب أبو بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنه فاطمة رضى الله عنها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة، فخطبها على، فزوجها منه". (سنن النسائى: ۲ ۶۹، كتاب النكاح، باب تزوج المرأة مثلها فى السن، قديمى)

حاشية صفحه هذا:

(۱) "(نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولى)؛ لأنها تصرفت فى خالص حقها، وهى من أهله، لكونها عاقلة بالغة ... وروى الحسن عن الامام أنه إن كان الزوج كفئا نفذا نكاحها، وإلا فلم ينعقد". (البحر الرائق: ۱۹۲/۳-۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) موسوعة حياة الصحابيات، ص: ۶۲۱

(۳) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۵۰۷۹، باب تزويج الثيبات

بچپن کے نکاح کے فسخ ہونے، یا نہ ہونے کی صورت:

سوال: ایک لڑکی کے بچپن میں باپ نے ایک شخص کو عام طریقے سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کو دے دی۔ اب لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد عدالت میں بیان دیا ہے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی، اس صورت میں پہلا نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

''میں نے اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کو دے دی'' کے الفاظ کبھی ''رشتے کا وعدہ'' یعنی منگنی کے لیے بولے جاتے ہیں اور کبھی نکاح کے ایجاب وقبول کے لیے، اب فیصلہ طلب چیز یہ ہے کہ یہ الفاظ لڑکی کے والد نے کس حیثیت سے کہے تھے؟ اس کا فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ:

(الف) جس مجلس میں یہ الفاظ کہے گئے، اگر وہ مجلس لڑکے، یا لڑکی کے نکاح کے لیے منعقد کی گئی تھی، قاضی کو بھی بلایا گیا تھا، گواہ بھی بلائے گئے تھے، مہر بھی مقرّر کیا گیا تھا اور لڑکے لڑکی کے والدین نے اپنے بچوں کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب وقبول بھی کیا تھا تو یہ ''نکاح'' ہوا، مبالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کے توڑنے کا اختیار نہیں، (۱) اور اس کا عدالت میں دیا ہوا بیان بھی بے محل ہے، اب اس کا حل یہ ہے کہ لڑکے سے باقاعدہ طلاق لی جائے۔

(ب) دُوسری صورت یہ ہے کہ جس موقع پر یہ الفاظ کہے گئے تھے، نہ وہ نکاح کی مجلس تھی، نہ مہر کا ذکر تھا، نہ گواہ تھے تو ''میں نے اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کو دے دی'' کے الفاظ محض وعدۂ نکاح، یا منگنی شمار ہوں گے، اس لیے لڑکی کا وہاں شادی کرنے سے انکار صحیح ہے؛ کیوں کہ جب ان الفاظ سے نکاح ہی نہیں ہوا تو لڑکی کو عدالت میں جا کر بیان دینے کی ضرورت نہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۸/۶-۱۲۹)

☆ ☆ ☆

---

(۱) لو فعل الأب والجد عند عدم الأب لا يكون للصغير والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ. (رد المحتار، باب الولي: ۶۸/۳، طبع سعید کراتشی)

(۲) لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۱۱/۳)

غیر مختون کا نکاح

غیر مختون سے نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بارات آئی اور اس وقت معلوم ہوا کہ ابھی تو زید کا ختنہ بھی نہیں ہوا، نکاح ہوگیا، تو یہ نکاح کیسا ہوا؟ اور اس کے لئے نکاح کے بعد میں کیا شکل ہونی چاہئے آیا ختنہ دوبارہ ہوگا؟ (المستفتی: محمد عمیم لکھیم پوری، مدرسہ اسلامیہ قصبہ، ککرالہ، بدایوں)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

غیر مختون آدمی کا نکاح بلا کراہت صحیح اور درست ہے، لہٰذا جو نکاح ہوا ہے، وہ بلا تردد صحیح ہوگیا ہے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اور نکاح کے بعد اس کا دوبارہ ختنہ کرانا لازم نہیں ہے، دل چاہے تو کرالے، ورنہ لازم نہیں ہے، البتہ بچپن میں نہ کرنے کی وجہ سے وہ ایک اہم سنت سے محروم ہوگیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۲۹۴/۲، جدید زکریا دیوبند: ۲۴/۲، فتاوی محمودیہ قدیم: ۲۰۴/۱۳، جدید ڈابھیل: ۵۰۲/۱۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار: ۸۷۵/۲، رقم: ۵٦۲۲، ف: ۵۸۹۰)

قيل في ختان الكبير إذا أمكن أن يختن نفسه فعل وإلا لم يفعل إلا أن يمكنه أن يتزوج أو يشترى ختانة فتختنه. (الهندية، كتاب الكراهيته، باب التاسع عشر في الختان، زكريا ديوبند: ۳۵۷/۵، زكريا جديد: ۴۱۲/۵)

إن الاختتان ليس بضرورة يمكن أن يتزوج امرأة، أويشترى أمة تختنه، إن لم يمكنه أن يختن نفسه لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لايمكن تركها. (شامي، كراتشي: ۳۷۱/٦، زكريا: ۵۳۳/۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۳۷۰/۳۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۳/۱۴۱۶ھ۔ (فتاوی قاسمیہ: ۱۹۰/۱۳-۱۹۱)

بغیر ختنہ ہوئے نکاح جائز ہے، یا نہیں:

سوال: سنا ہے کہ بدون ختنہ کے اگر لڑکے کا نکاح کر دیا جاوے تو نکاح صحیح نہیں ہوتا، یہ بات صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

یہ غلط ہے کہ بدون ختنہ کے نکاح درست نہیں ہے، یہ جاہلوں کی باتیں ہیں، بدون ختنہ کے نکاح صحیح ہے۔
کما هو مقتضی اطلاق النصوص، قال فی الدر المختار: وللولی الآتی بیانه نکاح الصغیر والصغیرة جبراً ولو ثیباً، الخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۵۷) ☆

ختنہ شعار اسلام ہے مگر رخصتی اس پر موقوف نہیں:

سوال: زید پچیس سالہ مذہب اسلام میں داخل ہوا اور اس کا نکاح ایک نومسلمہ نابالغہ سے ہوا، اب جب کہ منکوحہ زید بالغہ ہوئی تو اس کو رخصت کرنے کے لیے ختنہ کی شرط لگاتے ہیں اور زید اس تکلیف سے گریز کرتا ہے، یہ گناہ ہے، یا نہیں؟ اور رخصت منکوحہ میں ختنہ کی شرط کرنا کیسا ہے؟

الجواب

ختنہ کرانا شعار اسلام سے ہے، زید کا انکار کرنا ختنہ سے معصیت ہے اور مذموم ہے ختنہ اس کو ضرور کرانا چاہیے، (۲) باقی رخصت کرنا منکوحہ کا شرعاً اس پر موقوف نہیں ہے، اس کی زوجہ کو رخصت کر دینا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۵۲)

---

(۱) ردالمحتار، باب الولی: ۲/۴۱۷، ظفیر مفتاحی

☆ **ختنہ سے پہلے نکاح:**

سوال: مسمی گامی پسر جمہ کا نکاح مسمات بیان دختر سے ہوا، بوقت نکاح لڑکے کی عمر چار سال تھی اور وہ بغیر ختنہ کے تھا اور مسمات کی عمر ایک سال تھی، دونوں میں ایجاب وقبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، صرف طرفین سے والدین کی رضامندی سے نکاح ہوتا تھا، جب طرفین بالغ ہوئے تو بعد از بلوغ ازدواجی زندگی خوشی سے گزارنی شروع کر دی، اس وقت لڑکے کی عمر ۲۶ رسال ہے اور لڑکی کی عمر ۲۲ رسال ہے۔ اب بعض کہتے ہیں کہ نکاح چونکہ بدونِ ختنہ کے ہوا ہے لہٰذا یہ سنت کے خلاف ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح درست نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی خوش نہیں ہیں، لڑکی شوہر کے گھر رہنا نہیں چاہتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مسئلہ مذکورہ تفصیل سے جواب مطلع فرمائیں اور باہم بڑھتے ہوئے نزاع کو ختم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

چار سال کی عمر میں والد نے جو نکاح کر دیا وہ بلاشبہ صحیح ہو گیا ("وینعقد: أی النکاح: أی یثبت ویحصل انعقاده بالایجاب والقبول". (رد المحتار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید) / "وأما رکن النکاح فهو الایجاب والقبول". (بدائع الصنائع، فصل فی رکن النکاح: ۳/۳۱۷، دار الکتب العلمیه بیروت) / "ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجال وامرأتین، عدولا کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان) ختنہ نہ ہونے کی وجہ اس کو غلط کہنا اور شوہر اور بیوی کے درمیان جدائیگی کرنا صحیح نہیں، ان کو آپس میں ملنے سے ہرگز نہ روکیں، (والثانی أنه نهی الأولیاء عن المنع عن نکاحهن أنفسهن من أزواجهن اذا تراضی الزوجان. الخ". (بدائع الصنائع، فصل فی ولایة الندب: ۳/۳۷۳، دار الکتب العلمیه بیروت) ختنہ سنت ہے، ("والأصل أن (الختان سنة) کما جاء فی الخبر (وهو من شعائر الاسلام)"، الخ. (الدرالمختار، مسائل شتی: ۶/۷۵۱، سعید) / "واختلفاو فی الختان، قیل: انه سنة، وهو الصحیح، کذا فی الغرائب". (الفتاوی العالمکیریة باب الکراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان، الخ: ۵/۳۵۷، رشیدیه) اور اس کی تاکید کی ہے؛ مگر اس کی وجہ سے نکاح ناجائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۴ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۰۲-۵۰۳)

(۳) لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا یمکن ترکها. (ردالمحتار کتاب الخطر والاباحة: ۵/۳۲۶، ظفیر)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، وما لکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئ ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد رمولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲)	خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئ ۱۰۲

(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزدواٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمودنگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳، لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبدالحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکرخان	مولانا مفتی محمد شاکرخان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحیٔ نگر، کفلیۃ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۴۵) نجم الفتاویٰ	مفتی سید نجم الحسن امروہوی	شعبہ نشرواشاعت جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن، نارتھ کراچی
(۴۶) فتاویٰ فلاحیہ	حضرت مولانا مفتی احمد ابراہیم بیماتؒ	حافظ اسجد بن مفتی احمد ابراہیم بیمات، کینیڈا
(۴۷) فتاویٰ دینیہ	حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل کچھولویؒ	جامعہ حسینہ راندیر، سورت، گجرات

مصادرومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾

(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۴)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۵)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۶)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۷)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد محلی رجلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان سیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۸)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۹)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲()	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	التفسیر المنیر	وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل ۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات

﴿متون واطراف واجزاءحدیث﴾

(۲۱)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک/موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسند الشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبد مناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ/مسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی،ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسند امام احمد	امام احمد،ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد،ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی،ابن ماجہ	۲۷۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۴۷)	سنن ابوداؤد/مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق/مساوی الاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۲)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۷۳)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درهم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاهب أهل السنة	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانة الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطة	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۵)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن منده العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة	ابوالقاسم هبة اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مهران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسند الشهاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامة بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفة السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	جامع بیان العلم وفضله	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۶)	تفسیر غریب ما فی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۷)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شهردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الهمدانی	۵۰۹ھ
(۹۸)	شرح السنة	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۹۹)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمر قندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۰)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۱)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۲)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۳)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۴)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۵)	الجوھر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۶)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۷)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۸)	البدر المنیر مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۰۹)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۰)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۱)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۳)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۴)	الجامع الصغیر/الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۶)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۷)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۸)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

(۱۱۹)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۰)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۱)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۲)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۳)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۴)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۵)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۶)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۸)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۰)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۱)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۲)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۳)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۴)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۶)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۷)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۸)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۹)	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۰)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۱)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۲)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۳)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۴)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۵)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۶)	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں دہلوی	۱۲۸۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۷)	بذل المجهود فی حل أبی داوٗد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۸)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۹)	حاشیۃ السنن لأبی داوٗد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۰)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۲)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۳)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۴)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۵)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داوٗد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۶)	المنهل العذب المورود شرح أبی داوٗد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۷)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۸)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۰)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۱)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۲)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۳)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحیٰی کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۴)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۵)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۶)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۷)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۶۸)	البحر المحیط الثجاج فی شرح صحیح المسلم	محمد بن علی بن آدم بن موسی الإتیوبی الولوی	--

﴿سیرت وشمائل﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۹)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۰)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۱)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۲)	تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس	حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری	۹۶۶ھ
(۱۷۳)	شرح المواھب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۷۴)	اصح السیر	مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری	--
(۱۷۵)	سیرۃ المصطفی	محمد ادریس کاندھلوی بن حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی	۱۳۹۴ھ

﴿کتب فقہ احناف﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۶)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۸)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۹)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۸۰)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۸۱)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۸۲)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۳)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۴)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۵)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۶)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۷)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۸)	المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۹)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۹۰)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۹۱)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الھدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۹۲)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۳)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۴)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۵)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ھاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۶)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۷)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۸)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۹)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۲۰۰)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۲۰۱)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۰۲)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۳)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۴)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۵)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۶)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۰۷)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۸)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۹)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۱۰)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۱)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۲)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۳)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۴)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۵)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۶)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۷)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۸)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۹)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۲۰)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۲۱)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۲)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۳)	الصغیری رالکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۴)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۵)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۶)	المسالک فی المناسک	،ابومنصور محمد بن مکرم بن شعبان الکرمانی الحنفی	بعد: ۹۷۵ھ
(۲۲۷)	المنسک المتوسط المسمی لباب المناسک	رحمۃ اللہ بن عبداللہ السندی المکی الحنفی	--
(۲۲۸)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۹)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۳۰)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۳۱)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۲)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۳)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۴)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۵)	نورالایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۶)	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۷)	مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۸)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۹)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۴۰)	الدرالمختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۴۱)	الفتاویٰ الأسعدیۃ	سید اسعد بن ابوبکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶ھ
(۲۴۲)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۴۳)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۴)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۵)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۶)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۷)	ردالمحتار رحاشیۃ الدرالمختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۸)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۹)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۰)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۱)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۲)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۲)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری/مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ/--
(۲۵۳)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۴)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۵)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۶)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۷)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۳)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۴)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۵)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۶)	علم الفقہ	عبد الشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۷)	الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ	محمد کامل بن مصطفیٰ بن محمود الطرابلسی الحنفی	۱۳۱۷ھ
(۲۶۸)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۹)	رسائل الارکان	عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۷۰)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۱)	الآثار الحمیدیہ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۷۲)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۳)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۴)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۵)	ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	۱۳۶۶ھ
(۲۷۶)	جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۷۷)	دینی مسائل اور ان کا حل	مولانا مفتی سلمان منصور پوری	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۸)	المدونۃ الکبری	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۹)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۸۰)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۸۱)	بدایۃ المجتہد ونھایۃ المقتصد	ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
(۲۸۲)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۳)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۴)	المقنع رالشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۵)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۶)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۷)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۸)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۸۹)	الشرح الکبیر علی مختصر خلیل	احمد دردیر، احمد بن احمد بن أبی حامد العدوی المالکی الأزہری الخلوتی	۱۲۰۱ھ
(۲۹۰)	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی	۱۲۳۰ھ

﴿فقہ مقارن﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۱)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۲)	الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۲۹۳)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفی زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۴)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
	﴿اصول فقہ﴾		
(۲۹۵)	اصول البز دوی	فخر الاسلام علی بن محمد البز دوی	۴۲۲ھ
(۲۹۶)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۷)	المقدمات الممهد ات	ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
(۲۹۸)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۹)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۳۰۰)	الکافی شرح البز دوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۳۰۱)	کشف الاسرار شرح اصول البز دوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۲)	الأشباه والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۳)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۴)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۵)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۶)	عمدۃ الفقہ	سیدزوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
	﴿تزکیہ واحسان﴾		
(۳۰۷)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۸)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۹)	عوارف المعارف	شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمہ	۶۳۲ھ
(۳۱۰)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۱۱)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۲)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۳)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۱۴)	تحقیق الحق المبین	حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددی	۱۲۷۷ھ
	﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾		
(۳۱۵)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۶)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۷)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۸)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۹)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التھانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۲۰)	نوراللغات	مولوی نورالحسن نیر	۱۳۵۵ھ
(۳۲۱)	تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف	محمد بن احمد بن الضیاء محمد القرشی العمری المکی الحنفی	۱۳۸۷ھ
(۳۲۲)	التعریفات الفقهية	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۲۳)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۲۴)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	--

﴿متفرقات﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۲۵)	منازل الأئمۃ الأربعۃ أبی حنیفۃ ومالک والشافعی وأحمد	ابوزکریا یحی بن ابراہیم بن احمد بن محمد ابوبکر بن ابی طاہر الازدی السلماسی	۵۵۰ھ
(۳۲۶)	ماثبت من السنۃ	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۷)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۸)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۹)	تحفۃ الزوجین	مولوی محمد قطب الدین خان	۱۲۸۹ھ
(۳۳۰)	براہین قاطعہ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۳۳۱)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۳۲)	انوار ساطعہ	علامہ عبدالسمیع بیدل رامپوری	--
(۳۳۳)	فقہ السنۃ	محمد عاصم الحداد	--
(۳۳۴)	نزل الابرار	علامہ وحید الزماں کیرانوی	
(۳۳۵)	انوار نبوت	مولانا شبیر احمد قاسمی مرادآبادی	مدظلہ

نوٹ: ”فتاویٰ علماء ہند، جلد-۲۵“ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)